معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر صاحب دہلوی قدس اللہ سرہ

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۵۴۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق ومعارف
خزینۂ اسرار ولطائف کشاف مشکلات قرآنیہ ووصاف مخدرات فرقانیہ

مسمّٰی بہ

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد پنجم مشتمل بر تفسیر پارہ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور
سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۵

نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل سیٹ :- ۸ جلد

صفحات جلد ۵ ۶۱۲

کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور

کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ

تعداد طبع اول :- سنہ ۱۴۱۹ھ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

تعداد طبع دوم :- سنہ ۱۴۲۲ھ

پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور سندھ پاکستان

فون ۴۲۲۷۶ - ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۴۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس۔ المنظر اپارٹمنٹس ۲۵۸ گارڈن ایسٹ

نزد سبیلہ چوک کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰

لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۲۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

شہدادپور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ لہٰذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

خط و کتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین معارف القرآن جلد پنجم ۵

مشتمل بر پارہ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹

بقیہ سورۂ کہف ۔ مریم ۔ طٰہٰ ۔ انبیاء ۔ حج ۔ مؤمنون ۔ نور ۔ فرقان ۔ شعراء ۔ نمل

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

تفسیر سورۃ النور

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

کتابت ا ۔ ع ۔ م شہدادپور

قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

بولا، میں نے تجھ کو نہ کہا تھا؟ تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا۔

قَالَ إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي ۖ

کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے پیچھے، پھر مجھ کو ساتھ نہ رکھیو۔

قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانطَلَقَا ۔وقفة۔ حَتَّىٰ إِذَا

تو اتار چکا میری طرف سے الزام۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کر

أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا

پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک. کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے وہ نہ مانے کہ ان

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُ ۖ قَالَ

کو مہمان رکھیں پھر پائی اس میں ایک دیوار گرا چاہتی تھی اس کو سیدھا کیا۔ بولا

لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ

(موسیٰ) اگر تو چاہتا لیتا اس پر مزدوری۔ کہا اب جدائی

بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع

ہے میرے تیرے بیچ۔ اب جتاتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو

عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ

نہ ٹھہر سکا۔ وہ جو کشتی تھی سو تھی کتنے محتاجوں کی محنت کرتے

فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ

تھے دریا میں سو میں نے چاہا کہ اس میں نقصان ڈالوں اور ان کے پرے تھا

يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ

ایک بادشاہ لے لیتا ہر کشتی چھین کر۔ اور جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے

مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ

ایمان پر ۔ پھر ہم ڈرے کہ اُن کو عاجز کرے زبردستی اور کفر کرکر ۔ پھر ہم نے

اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

چاہا کہ بدلہ دے اُن کو ان کا رب ۔ اس سے بہتر ستھرائی میں اور نزدیک تر محبت میں ۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ

اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی ، رہتے اس شہر میں اور

كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ

اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور ان کا باپ تھا نیک ۔ پھر چاہا

رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً

تیرے رب نے کہ وہ پہنچیں اپنے زور کو اور نکالیں اپنا مال گڑا مہربانی

مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ

سے تیرے رب کی ۔ اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے یہ پھیر ہے ان

مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾

چیزوں کا جن پر تو نہ ٹھہر سکا ۔

بقیہ قصۂ موسیٰ علیہ السلام با خضر علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ ۔ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۔ الیٰ ... ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے یکایک ایک معصوم اور بے گناہ بچے کو مار ڈالا ۔ تو ان سے ضبط نہ ہو سکا ۔ اور بے اختیار کہہ اٹھے ۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ۔ (آپ نے تو بڑی ہی بے جا اور ناپسندیدہ حرکت کی) تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں کہا ۔ اے موسیٰ کیا میں نے تم سے پہلے ہی

اوّل مصاحبت میں یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے اوّل بار کہہ دیا تھا۔ چوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دوبارہ عہد شکنی تھی اس لیے حضرت خضرؑ نے اس مرتبہ مزید تنبیہ کے لیے لفظ لک اور بڑھا دیا یعنی تم ہی سے تو کہا تھا پھر کیوں بھول گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ اس قسم کے تحیّر خیز واقعات پر صبر کرنا اور خاموشی کے ساتھ ان کو دیکھتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے اس لیے آخری بات کہہ دی خیر اب تو جانے دیجئے لیکن اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا بے شک آپ میری طرف سے عذر کی حد اور انتہا کو پہنچ چکے ہیں آپ ایسا کرنے میں معذور ہوں گے اور میری طرف سے آپ کو کوئی الزام نہ ہوگا۔ کیونکہ تین مرتبہ موقع دینے سے حجت پوری ہو جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی بار بار مخالفت سے شرم آئی۔ اور ان کی ملامت سے ڈر سے اس لیے ان سے یہ آخری بات کہہ ڈالی کہ اگر تیسری بار آپ سے پوچھوں تو آپ کو جُدا کرنے کا اختیار ہے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔

پھر دونوں آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بستی والوں پر پہنچے اور ان سے ملے اور کہا کہ ہم مسافر ہیں اور تمہارے مہمان ہیں تو اس بستی والوں سے مہمان ہونے کی حیثیت سے کھانا طلب کیا سو بستی والوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ صبر کیا اور بھوکے پڑے رہے۔ پھر انہوں نے بستی میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔ یعنی جھکی ہوئی تھی۔ گرنے کے قریب تھی پس خضرؑ نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو سیدھا کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ خضرؑ نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ دیوار سیدھی ہو گئی۔ یہ خارق عادت امر ان کی کرامت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر خضر علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے ایسے سنگ دل اور بے مروّت اور بخیل لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور مفت ان کا کام کیا اور بلا معاوضہ ان کی دیوار سیدھی کر دی۔ آپ اگر چاہتے تو ان سے اجرت لے لیتے اور اس سے ہم کھانا کھا لیتے آپ نے ایسے بخیلوں اور تنگ دلوں سے جنہوں نے مہمان مسافر کا کوئی حق نہ سمجھا۔ اجرت کیوں نہ لے لی جس سے ہمارا کھانے پینے کا کام چل جاتا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے تم نے خود کہہ دیا تھا کہ اگر میں پھر پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ لہٰذا آپ حسبِ وعدہ مجھ سے علیحدہ ہو جائیے آپ کا میرے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا لیکن جُدا ہونے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت سے خبردار کیے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

حضرت شاہ عبد القادرؒ لکھتے ہیں کہ اس مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو۔ یہ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو اس کا بھلا ہو۔ حضرت خضرؑ کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیروی بن نہ آئے ۝ (موضح القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کے علوم کی کوئی حد نہیں اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی علم دیا اور اللہ کے بعضے بندے ملائکہ کی طرح ہیں جو کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کے افعال کے اسرار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ خضر علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو ملائکہ کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا کیا اور ان کو اپنا خلیفہ اور مسجود ملائک بنایا۔ واللہ اعلم۔

بیانِ تاویلاتِ واقعاتِ مذکورہ

خضر علیہ السلام نے یہ ارادہ فرمایا کہ جدا ہونے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہر فعل کی مصلحت سے آگاہ کر دیں اور ان تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں جن پر موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ نے ان کو برا جانا۔

بیان تاویل واقعۂ اول

وہ جو کشتی تھی وہ چند محتاجوں کی تھی جو سمندر میں کرایہ پر چلاتے تھے اور اس کے ذریعہ دریا میں محنت اور مزدوری کرتے تھے اور اسی پر ان کی گزران تھی۔ سو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں تاکہ کوئی غاصب اس کو عیب دار سمجھ کر نہ چھینے اور عیب کو دیکھ کر اس پر دست اندازی نہ کرے اور ان لوگوں کے آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار ہونے کی وجہ سے غصب نہ کرے اور یہ مساکین بعد میں تختہ لگا کر اس کشتی کو درست کر لیں گے۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست ۔ صد درستی در شکستِ خضر ہست

یہ باعث تھا میرے اس کشتی توڑنے کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

بیان تاویل واقعۂ دوم

اور وہ جو لڑکا تھا جس کو میں نے مار ڈالا تھا سو بات یہ ہے کہ اس کے ماں باپ ایماندار تھے اور اللہ کو ان کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی اور یہ لڑکا اگر بڑا ہوتا تو کافر ہوتا اور ماں باپ کو اس سے غیر معمولی محبت تھی سو ہم کو اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں گرفتار کر دے۔ یعنی جب بالغ ہو تو والدین کو بھی کفر پر مجبور کرے اور وہ اس کی خوبصورتی اور محبت کی وجہ سے اس سے جدا ہونا گوارا نہ کریں۔ اور کفر اختیار کر بیٹھیں اور ہلاکت دائمی میں گرفتار ہوں پس اس طرح لڑکے کا مارا

جانا ان کے حق میں معصیت بنا اور باطن میں اللہ کی رحمت بنا۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تو تمام کر دیا جائے اور ان کا پروردگار اس نالائق اور بدبخت بیٹے کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جو از راہ پاکیزگی اس لڑکے سے بہتر ہو یعنی کفر اور شرک اور معصیت اور بداخلاقی اور بداعمالی سے پاک ہو اور ایمان اور توحید اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو اور از راہ شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو۔ اور احسان اور صلہ رحمی کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس لڑکے کے مارے جانے کے بعد ان دونوں نیک بختوں سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور وہ ایک نبی سے بیاہی گئی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے جن سے اللہ تعالیٰ نے ایک اُمت کو ہدایت دی اس طرح سے یہ نیک بخت لڑکی اس بدبخت لڑکے کا بدلہ ہوگئی ہر بچہ ابتداءً اگرچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ خارجی اثرات کی وجہ سے بعض آدمیوں کی شروع سے ہی بنیاد بُری پڑ جاتی ہے مگر اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا اس لڑکے کی بابت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو آگاہ کر دیا کہ اس بچہ کی افتاد اور بنیاد بُری ہے بڑا ہو کر خود بھی گمراہ ہوگا اور ماں باپ کو بھی گمراہی میں مبتلا کرے گا اگر یہ زندہ رہا تو اس کے سبب اس کے ماں باپ ہلاک اور تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے ان کی راہ سے اس روڑہ کو نکال دیا گیا اور حضرت خضرؑ کا اس لڑکے کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے تھا۔

تاویل واقعہ سوم

اور رہی وہ دیوار جس کو میں نے مفت سیدھا کر دیا وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی جن سے اجرت لینا مناسب نہ تھا اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے واسطے ایک خزانہ گڑا ہوا تھا اگر وہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا تو لوگ اس خزانے کو لوٹ لے جاتے اور ان کو بسبب صغر سنی اور کمزوری کے کچھ نہ ملتا اور ان دونوں کا باپ ایک مرد صالح تھا خدا تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلہ میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی سو تیرے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی قوت یعنی عقل اور بلوغ اور جوانی کو پہنچ جائیں اور اس وقت اپنا خزینہ اور دفینہ نکالیں از روئے مہربانی پروردگار نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا اور ایک اشارہ میں سیدھی ہوگئی اس لیے میں نے اللہ کے حکم سے یہ دیوار مفت سیدھی کر دی اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا اور جو کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا جائے اس پر مزدوری نہیں لینی چاہیئے۔

خاتمہ کلام جب خضر علیہ السلام نے تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں تو اخیر میں یہ کہا لیجئے یہ ہے باطنی حقیقت ان چیزوں کی کہ جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ میں صبر کی طاقت نہ رہی۔ آپ شریعت کے ظاہری احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھے۔ شریعت میں اس قسم کے

افعال کے جواز کی گنجائش نہیں ہوتی اور میں باطنی احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھا۔ وَکُلٌّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا اور حسب وعدہ میں نے آپکو ان واقعات کے تاویلات سے آگاہ کر دیا چنانچہ اس کے بعد موسیٰؑ ان سے رخصت ہوگئے۔

لطائف و معارف

(۱) خضر علیہ السلام کا نام بلیا بن ملکان تھا اور کنیت ان کی ابوالعباس تھی اور خضرؔ بفتح خاء اور کسر ضاد۔ ان کا لقب تھا۔ شاہی خاندان سے تھے دنیا کو ترک کیا اور زہد اور درویشی کی راہ اختیار کی۔ ظاہر میں ذوالقرنین کے وزیر تھے لیکن درپردہ فقیر اور درویش تھے اور خضر اس لیے ان کا نام ہوگیا کہ ایک صاف اور چٹیل زمین ان کے بیٹھنے سے سرسبز ہوگئی اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ خضر کو اس لیے خضر کہا گیا کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کے اردگرد کی زمین سرسبز ہو جاتی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام عابرؔ یا خضرونؔ تھا اور صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ ان کا نام بلیا بن ملکان تھا۔

(دیکھو فتح الباری ص ۳۰۹ جلد ۶ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

(۲) جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام منجملہ فرشتوں کے ایک فرشتہ تھے بنی آدم میں سے نہ تھے (مزید اقوال کی تفصیل کے لیے فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام دیکھیں)۔

یہ ناچیز کہتا ہے کہ حقیقت حال تو اللہ کو معلوم مگر خضر علیہ السلام کے جو افعال حق تعالیٰ نے ذکر فرمائے تو وہ ملائکہ مدبرات امر سے یعنی کارکنان قضاء و قدر سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ملائکہ کرام کا علم اور قسم کا ہے اور انبیاء و مرسلین کا علم اور قسم کا ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھلا دیا کہ ہمارے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ جو ملائکہ کی طرح ہمارے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ درپردہ کیا ماجرا ہے۔ خضر علیہ السلام اگرچہ نسل آدم سے ہوں مگر عجب نہیں کہ ان پر غلبہ شان ملکیت کا ہو اور اس طرح کے امور ان کے سپرد کیے گئے ہوں جس طرح کے امور ملائکہ کے سپرد کیے گئے اور عجب نہیں کہ اسی غلبۂ ملکیت کی وجہ سے خضر علیہ السلام عام نظروں سے محجوب و مستور کر دیئے گئے ہوں جیسے عام لوگوں کو فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح خضر علیہ السلام بھی عام لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ خضر علیہ السلام حقیقت کے اعتبار سے اگرچہ انسان ہوں، مگر عملی طور پر نمونۂ ملائکہ ہیں اور رجال غیب میں سے ہیں جو عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم اس لیے ہوا کہ وہاں جا کر دیکھیں کہ خضرؑ کو جو علم دیا گیا ہے وہ دوسری قسم کا ہے تم اس سے واقف نہیں بلکہ وہ ایسا علم ہے جو بظاہر علوم نبوت اور علوم شریعت کے خلاف ہے اور تم اس کو دیکھ کر صبر نہ کر سکو گے بلاشبہ اے موسیٰ تم ہمارے رسول عظیم اور

کلیم ہو اور بلاشبہ اس وقت تمام روئے زمین پر تمہارا ہی مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس بات کو ہر وقت مستحضر رکھو کہ تمہارا علم محیط نہیں تم ہمارے مقرب خاص بندے ہو، تمہیں خاص طور پر احتیاط لازم ہے مبادا تمہاری زبان سے کوئی لفظ ایسا نکل جائے کہ جس میں خلاف حقیقت کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ یا وہم بھی نکل سکے۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا ہے وہ خدا کے دریائے بے پایاں کا ایک قطرہ ہے جب سوال کیا جائے کہ سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو ادب کا تقاضا ہے کہ خدا کے علم محیط پر محمول کر دیا جائے۔

(۱۴) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں یا ولی ہیں۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ ولی تھے نبی نہ تھے اور علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ نبی تھے پھر نامعلوم کہ وہ رسول تھے یا رسول نہ تھے صرف نبی تھے علماء کا جو گروہ ان کی نبوت کا قائل ہے وہ حجت اور استدلال میں چند امور ذکر کرتا ہے۔

پہلی دلیل یہ کہ حق تعالیٰ خضر علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں وَآتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا۔ یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے رحمت عطا کی اور رحمت سے نبوت مراد ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس قول، وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ میں رحمت سے نبوت مراد ہے۔

جواب نبوت بے شک اللہ کی رحمت ہے مگر ہر رحمت کا نبوت ہونا ضروری نہیں جس طرح نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اسی طرح ہدایت اور ولایت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسری دلیل قائلین نبوت دوسری دلیل پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے حق میں یہ فرمایا ہے وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا۔ اللہ تعالیٰ نے خود خضر علیہ السلام کو بلا واسطہ علم کی تعلیم دی اور یہ شان نبی کی ہے۔

جواب علم لدنی اور الہام ربانی سے نبی ہونا لازم نہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف اللہ کی وحی اور الہام کا ذکر ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں اور علیٰ ہذا قرآن کریم میں حضرت مریمؑ سے فرشتوں کا کلام اور خطاب اور بشارت مذکور ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

تیسری دلیل حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے خضر علیہ السلام سے درخواست کی حالانکہ نبی کو غیر نبی سے علم سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور غیر نبی کو نبی کے اتباع اور پیروی کی ضرورت ہے۔

جواب نبی کو علوم نبوت اور علم ہدایت اور علوم شریعت میں غیر نبی کی تعلیم اور اس کے اتباع کی ضرورت نہیں مگر یہ جائز ہے کہ نبی ماسوائے علوم نبوت کے کوئی دوسرا علم غیر نبی سے حاصل کرے اور اس دوسرے علم میں اس کی پیروی کرے یہ نبوت کے منافی نہیں ہے جن علوم سے نبوت

کو تعلق نہ ہو تو اگر نبی کو ان میں سے کسی علم کی ضرورت اور حاجت ہو تو وہ غیر نبی کے اتباع سے حاصل کر سکتا ہے اور حدیث جس میں خضرؑ کا واقعہ ہے اس کی مؤید ہے۔

(۴) نیز علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں یا مر چکے ہیں جمہور علماء شریعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے کیونکہ انہوں نے چشمۂ حیات سے پانی پیا ہے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو دجال قتل کر کے زندہ کرے گا۔ اور ان کے بعد کسی کے قتل پر قادر نہ ہوگا قیامت کے قریب جب قرآن سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا اس وقت ان کی وفات ہوگی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام مر چکے ہیں بہر حال علماء میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں مگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اس پر متفق ہیں کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں

حافظ ابو عمرو بن صلاحؒ اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضرؑ ہم میں زندہ ہیں اور صوفیائے کرام اور اہل صلاح اور اہل معرفت کا اتفاق اسی پر ہے اور اہل صلاح اور اہل معرفت کے خضر کے دیدار اور ان کے ساتھ یکجا جمع ہونے کی اور ان سے سوال کرنے اور جواب پانے کی اور مقامات متبرکہ میں ان کی زیارت کی اس قدر کثرت سے حکایتیں ہیں کہ جو شمار سے باہر ہیں اور ایسی مشہور کہ ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بہر حال جمہور علماء کرام اور عامۂ اہل صلاح و اولیائے عظام بالاتفاق حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ صرف بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے جن میں ابو یعلیٰ حنبلیؒ اور قاضی ابوبکر بن عربیؒ اور ابوبکر بن عیاشؒ اور ابن جوزیؒ اور ابن تیمیہؒ ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ضرور حاضر ہوتے اور آپؐ پر ایمان لاتے اور آپؐ کے ہمراہ جہاد کرتے حالانکہ یہ امر کہیں ثابت نہیں۔ نیز آیت وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی بشر کے لیے خلود اور دوام نہیں اور نیز بخاری کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل یہ ارشاد فرمایا لا یبقی ممن ھُوَ علی وجہِ الارض الی مائۃ سنۃ کہ جو لوگ اس وقت روئے زمین پر زندہ ہیں وہ سو سال کے بعد باقی نہ رہیں گے اور وفات کے قول کو امام بخاریؒ کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں واللہ اعلم۔

مگر اہل علم پر مخفی نہیں کہ یہ استدلال نہایت ضعیف اور کمزور ہے یہ استدلال اگر صحیح ہو جائے تو اس سے تو ملائکہ اور جنات اور شیاطین سب کی وفات بھی ثابت ہو سکتی ہے بلکہ دجال کی موت بھی ثابت ہو سکتی ہے حالانکہ وہ بالاجماع زندہ ہے اور ایک جزیرہ میں محبوس ہے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ طویل العمر ہیں۔ انہوں نے چشمۂ حیات سے پانی پیا ہے اور وہ ولی کامل ہیں۔ معمر (طویل العمر) اور محجوب عن الابصار یعنی عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کا متعدد احادیث میں ذکر آیا ہے جن کو حافظ عسقلانی نے فتح الباری ص ۳۱۱ جلد ۶ میں ذکر کیا۔ وہ روایتیں اگرچہ زیادہ مستند نہیں لیکن موضوع

اور سب بے اصل ہی نہیں اور اس بارہ میں زیادہ مشہور حدیث تعزیت ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک سفید ریش بزرگ حضور پُر نور کے جنازہ پر آئے اور روئے اور لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور غائب ہوگئے ان کے جانے کے بعد ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروق اعظمؓ نے لوگوں سے کہا کہ یہ خضرؑ تھے اور یہ حدیث مستدرک حاکم میں جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (دیکھو تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین للشوکانی ص ۲۶۱) اور بعض روایات میں اس طرح آیا ہے فقال ابوبکر وعلی ھذا الخضر (ابوبکرؓ اور علیؓ نے کہا یہ خضرؑ ہیں) (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۱ ج ۶ ذکر حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

اور کعب احبارؓ سے منقول ہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں جو زمین والوں کے لیے امان ہیں ان چار میں سے دو زمین میں ہیں۔ خضر علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام۔ یہ دونوں نبی ہیں اور دونوں زندہ ہیں اور ہر سال موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں یہ دو نبی تو زمین میں ہیں اور دو نبی آسمان پر زندہ ہیں ادریس علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ———— (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶) حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام) اور دیکھو تفسیر مظہری ص ۶۲ جلد ۶ پر مجدد صاحب کا کلام نقل کیا ہے۔ جو لطیف ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہمارے درمیان زندہ موجود ہیں اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اسی پر متفق ہیں اور متفقہ طور پر حضرت خضرؑ سے اپنی ملاقاتوں کو بیان کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی یہ حکایتیں حد تواتر کو پہنچی ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۱۰ ج ۶)

اور یہ امر قطعی۔ اور بدیہی اور مسلم ہے کہ اولیاء کرام اہل کشف اور اہل الہام ہیں اور بلاشبہ یہ گروہ صادقین اور سچوں کا گروہ ہے۔ اس گروہ صادقین کے متفقہ مشاہدات اور مکاشفات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

پھر یہ کہ خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ امور تشریعیہ سے نہیں بلکہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ کی جنس سے ہے حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہٗ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں علمائے شریعت اور اولیائے طریقت کا اختلاف پاؤ تو یہ دیکھو کہ وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی احکام شریعت سے متعلق ہے یا امور تکوینیہ یا اسرار کونیہ کے باب سے ہے پس اگر وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی حلال وحرام اور یجوز اور لا یجوز سے متعلق ہو تو اس وقت علماء شریعت کے قول اور فتویٰ کو ترجیح دینا کیونکہ علماء شریعت کا گروہ احکام شریعت سے خوب آگاہ ہے اور اگر وہ مسئلہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ سے متعلق ہو اور افعال مکلفین سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس جگہ اولیائے طریقت اور اہل معرفت و ارباب بصیرت کے قول کو ترجیح دینا کیونکہ یہ گروہ اہل کشف اور اہل الہام کا گروہ ہے اور بلاشبہ صادقین اور صالحین کا گروہ ہے یہ گروہ جب اپنا کوئی مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرے تو عقلاً و نقلاً اس کو قبول کرنا ضروری ہے بخاری کی متعدد احادیث میں آیا ہے ارٰی رؤیاکم قد تواطئت علی العشر الاواخر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے بارہ میں عشرۂ اخیرہ پر متفق ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر پر عباد الصالحین کے خواب متفق ہو جائیں وہ ضرور حق ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کا خواب کاذب

نہیں ہوتا اسی طرح جب اہلِ الہام اور اہلِ کشف کے مکاشفات اور مشاہدات کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ لا محالہ حق ہوگی خاص کر جب علماء شریعت کا بھی وہی قول ہو کہ جس پر تمام صوفیاء اور اولیاء متفق ہوں تو اس کے قبول و تسلیم میں کوئی تردد ہی نہیں ہونا چاہیئے اور حیات خضر علیہ السلام کا مسئلہ امور تکوینیہ میں سے ہے۔ لہٰذا اس بارہ میں اہلِ کشف اور اہلِ الہام کے قول کو ترجیح ہوگی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(۵) موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون جب مقام مجمع البحرین پہنچے تو دونوں مچھلی کو بھول گئے اور وہ بھنی ہوئی مچھلی خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی اور وہاں اس نے اپنے لیے سرنگ اور طاق بنا لیا موسیٰ علیہ السلام کے یہ دو معجزے[1] ہوئے ایک تو بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو جانا اور دوسرا یہ کہ پانی کا منجمد ہو جانا اور مچھلی کے لیے ایک طاق بن جانا مردہ کا زندہ ہو جانا اور پھر دریا میں خشک راہ کی طرح سرنگ بن جانا یہ سب آیاتِ قدرت اور دلائل نبوت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ یہی نشانی بتلائی تھی کہ جہاں وہ ناشتہ کی مچھلی زندہ ہو جائے اور یہی ان کے ملنے کی جگہ ہے اس قسم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کا سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً ... الیٰ قولہ تعالیٰ ... فَقُلْنَا اضْرِبُوْہُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کے کسی ٹکڑے کو مقتول پر لگا دو خود ہی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا گیا تھا جو زمین پر ڈالنے سے اژدھا بن جاتا تھا یہ بھی ایک قسم کا احیاء موتیٰ تھا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر تھا اور مچھلی کے زندہ ہو جانے کی نظیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بھی موجود ہے کہ فتح خیبر کے بعد خیبر کی ایک یہودیہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور ایک بھنی ہوئی بکری لا کر آپ کے سامنے رکھی جس میں زہر ملایا ہوا تھا آپ نے اس میں سے ایک دست کو لیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھے نہ کھایئے مجھ میں زہر ملایا گیا ہے آں حضرت کا یہ معجزہ مچھلی کے معجزہ سے بڑھ کر ہے۔ وہ تو فقط زندہ ہو گئی اور اس بکری کے دست نے آپ سے باتیں کیں اور دشمنوں نے جو زہر اس میں ملایا تھا اس سے آپ کو آگاہ کر دیا اور علیٰ ہٰذا ستون حنانہ کا رونا اور پتھروں کا آپ کو سلام کرنا اور سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا اور درختوں کا آپ کے حکم سے رواں ہونا یہ ایک مردہ کے فقط زندہ ہو جانے سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ جمادات زندہ ہو کر بول رہے ہیں اور آپ کی نبوت کی شہادت دے رہے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے دلائل نبوت میں سواد بن عمروؓ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اللہ نے

---

[1] قیل کان الحوت المشوی وحیاتہ بما ذکر معجزۃ موسیٰ او خضر علیہما السلام کذا فی شرح شیخ الاسلام زکریا الانصاری علی صحیح البخاری من کتاب العلم ص ۲۰۲ جلد ۱۔ (وکذا فی شرح القسطلانی ص ۱۲۲ ج ۱)

جو معجزات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے وہ کسی کو نہیں دیئے سواد بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے امام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مُردوں کو باذنِ الٰہی زندہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتیٰ کا معجزہ عطا فرمایا تھا (یعنی آپؐ کو یہ معجزہ نہیں عطا کیا) اس پر امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے خشک ستون کو زندہ کر دیا جس سے سہارا لگا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر تیار ہو گیا تو وہ جو خشک ستون تھا بچوں کی طرح رویا جس کے رونے کی آواز تمام حاضرین جمعہ نے سُنی یہ معجزہ اس سے بڑھ کر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خشک ستون کا آپؐ کی مفارقت کے صدمہ سے رونا یا کمال محبت کی دلیل ہے اور کمال معرفت کی دلیل ہے اور مچھلی کا سمندر میں راستہ بنا لینا اور مچھلی کے چھونے سے پانی کا خشک اور منجمد ہو جانا اور اس کے لیے مثل روشن دان کے بن جانا یہ معجزہ فلق البحر کے معجزہ کے مشابہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو سمندر میں ان کے لیے خشک راستے ہو گئے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک لشکر روانہ کیا جس پر علاء بن حضرمیؓ کو سردار مقرر کیا راستہ میں شدید گرمی پہنچی اور سخت پیاس لگی راوی کہتا ہے کہ علاء بن حضرمیؓ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی آسمان پر کہیں ابر کا نام و نشان نہ تھا خدا کی قسم! ابھی ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ٹھنڈی ہوا اور بادل بھیجا جس نے پانی انڈیل دیا اور پورا لشکر سیراب ہو گیا اور ہم نے اپنی مشکیں اور برتن سب بھر لیے پھر ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک خلیج آ گئی جس سے پار ہونا تقریباً ناممکن تھا علاء بن حضرمیؓ نے کنارے پر کھڑے ہو کر یہ کلمات پڑھے۔ یا علی۔ یا عظیم۔ یا حلیم۔ یا کریم۔ پھر کہا بسم اللہ پڑھ کر گزرو اور پار ہو جاؤ پس ہم بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور اپنی سواریوں کو خلیج میں ڈال دیا اور پار ہو گئے اور جانوروں کے کھر بھی پانی سے تر نہ ہوئے اور پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور بحمد اللہ فتحیاب ہوئے اور دشمن کو قتل کیا اور گرفتار کیا پھر لوٹ کر اسی خلیج پر پہنچے علاء بن حضرمیؓ نے پہلے کی طرح کیا اور ہم اسی طرح خلیج سے پار ہو کر خشکی پر آ گئے اور پانی کی کوئی تری ہم کو نہیں لگی خطیبؒ ان روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔

(دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۳۱۹ جلد ۲)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو - کہہ اب پڑھتا ہوں تمہارے

مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳ۭ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ

آگے اس کا کچھ ذکر۔ ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں، اور دیا تھا ہر

كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ

چیز کا اسباب ۔ پھر پیچھے پڑا ایک اسباب کے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا

مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ

سورج ڈوبنے کی جگہ ، پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں،

وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ

اور پائے اس کے پاس ایک لوگ ، ہم نے کہا اے ذوالقرنین ! یا

اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ

لوگوں کو تکلیف دے ، اور یا رکھ ان میں

حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ

خوبی ۔ بولا جو کوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو ماردیں گے پھر لَوٹ

اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ

جاوے گا اپنے رب کے پاس، وہ مار دے گا اس کو بُری مار ۔ اور جو کوئی یقین

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ

لایا اور کیا بھلا کام ، سو اس کو بدلے میں بھلائی ہے، اور ہم کہیں گے اس

اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ

کو اپنے کام میں آسانی ۔ پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے ۔ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے

الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ

کی جگہ ، پایا کہ وہ نکلتا ہے ایک لوگوں پر کہ نہیں بنادی ہم نے ان کو اس

دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ۗ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

سے ورے کچھ اوٹ ۔ یوں ہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ

پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا دو آڑ کے بیچ، پائے

مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا

ان سے ورے ایک لوگ لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات۔ بولے

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي

اے ذوالقرنین یہ یاجوج و ماجوج دھوم اٹھاتے ہیں

الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا

ملک میں، سو کہے تو ہم ٹھہرا دیں تجھ کو کچھ محصول اس پر کہ بنا دے تو ہم

وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ

میں ان میں ایک آڑ۔ بولا جو مقدور دی مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ

مدد کرو میری محنت میں، بنا دوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک دھابا موٹا پکڑاؤ مجھ کو تختے لوہے کے۔

حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى

یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دو پھانکوں تک پہاڑ کے، کہا، دھونکو۔ یہاں تک کہ

اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا

جب کر دیا اس کو آگ، کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا تانبا۔ پھر نہ

اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

سکے کہ اس پر چڑھ آویں، اور نہ سکے اس میں سوراخ کرنا۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ

بولا یہ ایک مہر ہے میرے رب کی۔ پھر جب آوے وعدہ میرے رب کا، گرا دے

دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ

اس کو ڈھا کر۔ اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا۔ اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن

يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّ

ایک دوسرے میں دھنستے، اور پھونک مارے صور میں، پھر جمع کر لاویں ہم ان کو سارے۔ اور

عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ

دکھا دیں ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے۔ جن کی

كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا

آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے، اور نہ

يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

سکتے تھے سننا۔

قِصَّہ ذُوالقَرنین

بود شاہے در زمان پیش زیں

ملک دنیا بودش وہم ملک دیں

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ... الیٰ ... وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔

(ربط) شروع سورت میں اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا جو قریش کے دوسرے سوال کا جواب تھا۔ اب اخیر سورت میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جو قریش کے تیسرے سوال کا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل اور نیک دل بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق سے مغرب تک کی حکمرانی اور فرمانروائی عطا کی تھی اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کے زیر فرمان تھے ظاہر میں وہ بادشاہ تھا مگر باطنی طور پر وہ اصحاب کہف سے زیادہ فقیر اور درویش تھا بادشاہت اور ولایت۔ امیری اور

فقیری دونوں کا جامع تھا عجیب بادشاہ کہ اپنی نوع کا مجمع البحرین[عہ] تھا۔ جس میں ظاہری اور باطنی سلطنت کے دونوں دریا جمع تھے۔

علماء شریعت یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق و مغرب) پر پہنچ گیا اور مشرق سے لیکر مغرب تک دنیا کا فرمانروا اور بادشاہ بنا اور اولیائے طریقت یہ کہتے ہیں کہ اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ اس کو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کیے گئے تھے۔
(فتح الباری ص ۲۷۲ ج ۶ وعمدۃ القاری ص ۳۲۷ ج ۷)

یہ ناچیز کہتا ہے۔ دونوں توجیہیں درست ہیں ظاہر کے اعتبار سے تو وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کے دونوں کناروں پر پہنچ گیا اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور باطنی اور معنوی طور پر یہ وجہ بھی درست ہے کہ اس کو علم ظاہر اور باطن دونوں عطا ہوئے تھے اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور ہر ظاہر کے تحت ایک بطن ہوتا ہے اور یہ باطن اس ظاہر کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے کہ ذوالقرنین اگرچہ ظاہر میں بادشاہ تھا مگر باطنی اور معنوی طور پر روئے زمین کو خانقاہ بنائے ہوئے تھا۔

اصحاب کہف کافر و ظالم فرماں روا سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جاکر چھپے اور ذوالقرنین یاجوج ماجوج جیسے ظالموں اور مفسدوں کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل کر آہنی دیوار قائم کر رہا تھا کہ کوئی کافر اور ظالم اور فتنہ پرداز ملک میں داخل ہو کر فتنہ و فساد برپا نہ کر سکے اصحاب کہف کافروں اور ظالموں سے ڈر کر غار میں جاکر چھپے اور ذوالقرنین جیسا بادشاہ مشرق سے لے کر مغرب تک کافروں اور ظالموں کو دھمکاتا ہوا چلا گیا۔

ذوالقرنین کا یہ قصہ جس طرح اس کی سلطنت اور شان و شوکت کے بیان پر مشتمل ہے اسی طرح اس کی کرامتوں اور خارق عادت کارناموں کے بیان پر بھی مشتمل ہے جو اس کے ولی کامل ہونے کے دلائل ہیں بلکہ اس کے احوال اور اعمال پر نظر کرنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ذوالقرنین بھی خضر علیہ السلام کی طرح نوع ملائکہ ہو جس میں شان مَلکیت بکسر اللام بمعنی بادشاہت اور شانِ مَلَکیت بفتح لام بمعنی فرشتہ ہونے کی کچھ صفت اور شان اس میں ودیعت کر دی گئی ہو اور یہ خیال اس لیے ہوا کہ بعض علماء نے خضر علیہ السلام کی طرح ذوالقرنین کو بھی فرشتہ بتایا ہے اور صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین فرشتہ تو نہ تھا بلکہ فرشتہ صفت انسان تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قوت اور قدرت کا ایک نمونہ بنایا تھا۔

ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا ہمعصر تھا۔ ان پر ایمان لایا تھا ان کے صحابہ میں سے تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے ان سے ملا اور معانقہ کیا اور دعا کی درخواست کی ان کی دعا کی برکت سے مشرق و مغرب کا سفر اس پر آسان ہو گیا اور خارق عادت اور محیر العقول فتوحات پر اس کو قدرت حاصل ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر با تدبیر یا امیر لشکر تھے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بادشاہت کے ساتھ علم و حکمت بھی عطا فرمائی

عہ گزشتہ قصہ کے ساتھ ربط اور مناسبت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قصہ میں یہ مذکور تھا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ گویا ذوالقرنین بھی ایک قسم کا مجمع البحرین تھا۔

اور ہیبت کا لباس پہنایا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ ان کے تابع تھے اور اس سے ڈرتے تھے قریش نے یہود کی تلقین سے حضور پُر نور ؐ سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ کون سا بادشاہ ہے جس نے مشرق و مغرب کا سفر کیا اور اس کا قصہ کیا ہے ان آیات میں ان کے سوال کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ ایک بادشاہ تھا اور مردِ صالح تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کی حکومت اور خارقِ عادت شان و شوکت سے نوازا تھا اور ہر طرح کے ساز و سامان اس کے لیے مہیا کر دیئے تھے جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے اقطارِ ارض اور جوانب عالم کو مسخر کر دیا تھا اور تمام راستوں کا علم اس کو عطا کر دیا تھا۔ (عمدۃ القاری ص ۴۳۸ جلد ۷ و زاد المیسر ص ۱۸۴ جلد ۵)

روایت کیا گیا کہ چار آدمی تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر تھے دو مومن ذوالقرنین ؑ اور سلیمان ؑ تھے اور دو کافر بخت نصر اور نمرود تھے، اور پانچویں فرمانروا امام مہدی ؑ ہیں جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے پہلے چار بادشاہ اُممِ سابقہ میں سے تھے اور پانچویں بادشاہ امتِ محمدیہ میں سے یعنی (امام مہدیؑ) ہوں گے۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔

اور یہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور جس کو سکندر بھی کہا گیا ہے۔ یہ سکندر یونانی کے علاوہ دوسرا بادشاہ ہے اور سکندر یونانی سے دو ہزار سال قبل گزرا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ ذوالقرنین وہی سکندر یونانی تھا جس نے اسکندریہ کو تعمیر کیا۔ سو یہ گمان بالکل غلط ہے اس لیے کہ ذوالقرنین جس کا قصہ قرآن میں بیان ہوا وہ مردِ مومن اور دیندار اور انصاف شعار بادشاہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر با تدبیر یا امیرِ لشکر تھے اور سکندر یونانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوا اور وہ کافر اور مشرک تھا اور ارسطا طالیس اس کا وزیر تھا اور وہ فقط بیت المقدس تک پہنچا تھا مشرق و مغرب تک نہ پہنچا تھا اور نہ اس نے یاجوج ماجوج کے روکنے کے لیے کوئی دیوار بنائی تھی اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر کیا ہے نہ کہ سکندر یونانی کا لہٰذا دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ (دیکھو عمدۃ القاری ص ۲۳۷ ج ۷، و فتح الباری ص ۲۷۰ جلد ۶ و قسطلانی ص ۱۱۱ جلد ۷ و تفسیر ابوداؤد) اور اس ذوالقرنین کا زمانہ سلطنت نمرود[1] کے بعد ہے دیکھو روح البیان ص ۲۹ جلد ۵ اور روح المعانی ص ۲۷ جلد ۶۔

---

[1] قال الآلوسی واستشکل کون ذی القرنین فی زمن ابراھیم علیہ السلام بان نمرود کان فی زمانہ ایضاً۔ ورایت فی بعض الکتب القول بان ذالقرنین ملک بعد نمرود وبحل بہ الاشکال کذا فی روح المعانی ص ۲۷ جلد ۱۶۔ وقال الشیخ اسماعیل الحقی وکان ذوالقرنین بعد نمرود فی عہد ابراھیم علیہ السلام علی ما یاتی الخ (کذا فی روح البیان ص ۲۹ ج ۵)

یا یوں کہو کہ گزشتہ قصہ میں طلب علم کے لیے سفر کا بیان تھا اب اس قصہ میں انتظام مملکت اور قیام معدلت اور مغرورین و متکبرین اور مفسدین کی سرکوبی کے لیے سفر کا بیان ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کامل وہ ہے جو خدا کے ماننے والوں کے ساتھ نرمی کرے اور ظالموں اور مفسدوں کو سزا دے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی! قریش مکہ یہود کے کہنے سے امتحاناً آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں کہ شاید آپ کی نبوت میں قدح کرنے کا کوئی بہانہ مل جائے آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے اس کا مختصر حال ذکر کروں گا اب آگے اس کا قصہ شروع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ ایک جلیل القدر بادشاہ تھا تحقیق ہم نے اس کو زمین میں بڑی قدرت اور غلبہ دیا تھا یعنی ہم نے اس کو اپنی رحمت اور عنایت سے روئے زمین کی حکومت عطا کی تھی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کو اس کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے جو حکمرانی اور ملکی فتوحات اور دشمنوں کی سرکوبی میں کام آسکیں۔ زاد المسیر ص ۱۸۴ جلد ۵ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ابر کو مسخر کر دیا تھا کہ ابر پر سوار ہو کر جہاں چاہتا جاتا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے بادل کو مسخر کر دیا تھا اور ہر قسم کے اسباب و وسائل اس کے لیے مہیا کر دیئے تھے اور زمین کی اطراف و جوانب اور اس کے راستوں کا علم بھی اس کو عطا کر دیا تھا (دیکھو عمدۃ القاری ص ۴۳۰ جلد ۷) غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو وہ تمام چیزیں عطا کیں جو سلطنت کے لیے درکار ہوتی ہیں اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے اور زمین کی تمام راہیں اس کے لیے آسان کر دیں کہ جہاں چاہے وہاں پہنچ سکے۔ مشرق سے مغرب تک کا سفر اس کے لیے آسان کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں ریل اور ہوائی جہاز اور تار برقی عجیب عجیب چیزیں خدا کی قدرت سے انسان کے لیے مہیا ہو گئیں تو کیا عجب ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کسی مقبول بندے کے لیے اس سے بڑھ کر عجیب عجیب سامان مہیا کر دیئے ہوں جو کسی صنعت اور کاریگری کے محتاج نہ ہوں جیسے احادیث میں آیا ہے کہ اخیر زمانہ میں امام مہدیؓ تمام روئے زمین کے مالک اور فرماں روا ہوں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسباب پر قادر ہے کہ کسی کو تمام روئے زمین کا مالک بنا دے اور اس کے لیے اسباب و وسائل مہیا فرما دے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ہر ضرورت کی چیز مہیا کر دی تھی۔ زمین اس کے لیے لپیٹ دی گئی تھی۔ دم کے دم میں ہزاروں میل طے کر لیتا تھا جو خدا امریکہ اور روس کے لیے سامان مہیا کر سکتا ہے وہ ذوالقرنین اور سلیمانؑ کے لیے بھی مہیا کر سکتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ ذوالقرنین نے اپنی عمر کے تین سفر کیے ایک مغرب کی طرف دوسرا مشرق کی طرف اور تیسرے سفر کی سمت اور جہت بیان نہیں کی ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر شمال کی جانب تھا آئندہ آیات میں ان تین سفروں کا بیان ہے۔

سفر اوّل

قال تعالیٰ۔ فَاَتۡبَعَ سَبَبًا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ... الیٰ... وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا

پس جب حق تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ہر قسم کا سامان مہیا کر دیا جس سے وہ اپنے عزائم کو پورا کر سکے تو اس نے سفر شروع کیا پہلا سفر اس کا یہ ہوا کہ اس نے بارادۂ فتوحات ملک مغرب کی راہ لی اور ایسا راستہ اختیار کیا کہ جو اسے مغرب تک پہنچا دے یہاں تک کہ جب سفر کرتے کرتے اور درمیانی ممالک کو فتح کرتے کرتے سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا۔ یعنی سمت مغرب میں منتہائے آبادی میں پہنچا جہاں آبادی ختم ہوتی تھی تو اس نے سورج کو سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا یعنی ظاہر نظر میں اس کو ایسا دکھائی دیا جیسے سمندر کا مسافر غروب کے وقت یہ دیکھتا ہے کہ آفتاب سمندر میں ڈوب رہا ہے حالانکہ آفتاب آسمان پر ہوتا ہے مگر سمندر میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے اسی طرح ذوالقرنین نے اس جگہ پر پہنچ کر سورج کو اپنی نگاہ میں ایسا پایا کہ وہ کیچڑ کے سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے ورنہ عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ آفتاب جیسا جسم عظیم جو زمین سے کئی ہزار گنا بڑا ہے اور زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین کے ایک چشمہ میں ڈوب جائے۔ نیز آفتاب تو ہر وقت حرکت میں رہتا ہے آفاق پر سے گزرتا ہے کہیں اس کا طلوع ہوتا ہے اور کہیں اس کا غروب ہوتا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین جب ساحل غربی پر پہنچا تو وہ ایسی جگہ تھی کہ وہ دلدل اور کیچڑ تھی کسی آدمی کا وہاں گذر نہ تھا آگے زمین نہ تھی یہ جگہ زمین کا کنارہ تھی آگے سوائے پانی کے کچھ نہ تھا اس لیے اس کو ایسا نظر آیا کہ سورج کیچڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اس وقت اس کی نگاہ میں سوائے کیچڑ اور دلدل کے کچھ نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا وَجَدَهَا تَغۡرُبُ۔ یعنی اپنی نگاہ میں سورج کو ایسا پایا اور یہ نہیں فرمایا کہ کَانَتۡ تَغۡرُبُ۔ کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر نہیں دی کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا بلکہ یہ بتلایا کہ ذوالقرنین نے اس کو ایسا پایا۔ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سورج فی الواقع سیاہ کیچڑ میں گھس گیا تھا یا اس کے اندر اتر گیا تھا یا اس میں جا کر چھپ گیا تھا کیچڑ کے ایک چشمہ میں اتنی گنجائش کہاں سے آئی کہ وہ آفتاب جیسے جرم عظیم کو اپنے اندر سما سکے آفتاب تو زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین سے ملاصق اور ملا ہوا نہیں اور اس قدر بڑا ہے کہ زمین کے چشمہ میں نہیں آسکتا اور نہ اس میں اتر سکتا ہے۔

فائدہ ایک قرأت میں عَيۡنٍ حَمِئَةٍ کے بجائے عَيۡنٍ حَامِيَةٍ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ گرم چشمہ میں آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے پایا اور اس کو ایسا نظر آیا کہ آفتاب گرم پانی کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی ایسا ہی ہو اور یہ دونوں قرأتیں معروف ہیں معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی منافات نہیں بہر حال مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین برابر چلتا

رہا یہاں تک کہ جب خشکی کی حد ختم ہوگئی اور جہاں تک آدمی جا سکتا تھا وہاں تک ذوالقرنین پہنچ گیا تو اس جگہ پہنچ کر ذوالقرنین نے آفتاب کو سیاہ کیچڑ یا گرم پانی کے چشمہ میں ڈوبتے ہوئے پایا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس سے آگے جانے کا ذکر نہیں فرمایا ظاہر تو یہ ہے کہ اس سے آگے نہیں گیا اور ممکن ہے کہ شاید آگے بھی گیا ہو واللہ اعلم۔ اور پھر اس جگہ جہاں پانی کی کیچڑ میں اس کو سورج ڈوبتا ہوا نظر آیا وہاں اس نے ایک قوم کو آباد پایا جو کافر تھی جیسا کہ اگلی آیت وَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ۔ الخ اس پر دلالت کرتی ہے تو ہم نے ذوالقرنین سے بطور الہام یا کسی نبی کے ذریعے یہ کہا اے ذوالقرنین تجھ کو اس کافر قوم کے بارہ میں اختیار ہے یا تو ان کافروں کو سزا دے یعنی ان کو کفر کی سزا میں قتل کرے یا قید کرے یا غلام بنا دے یا یہ کہ تو ان پر احسان کرے کہ فدیہ لے کر ان کو زندہ چھوڑ دے بہرحال تجھ کو اختیار ہے ان دو باتوں کے درمیان۔ ذوالقرنین نے عرض کیا کہ میں اول اس قوم کو ملت ابراہیمی کی دعوت دوں گا لیکن اس دعوت کے بعد جو شخص کفر اور شرک کرکے اپنی جان پر ظلم کرے گا سو عنقریب ہم یعنی میں اور میرے ارکان دولت اور حکام حکومت دنیا میں اس کو سزا دیں گے یعنی اس کو قتل کریں گے یہ سزا تو دنیا میں ہوگی پھر وہ مرنے کے بعد آخرت میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیا جائے گا پھر اللہ عزوجل اس کو دوزخ کی سزا دے گا اور میری دعوت کے بعد جو ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں اس کو نیک بدلہ ملے گا۔ اور ہم بھی دنیا میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں گے یعنی اس کو مشقت اور محنت میں نہ ڈالیں گے۔ بلکہ اس کے ساتھ رعایت اور نرمی کا معاملہ کریں گے اور جو میری دعوت سے روگردانی کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ عادل فرماں روا کی یہی راہ ہے کہ بدوں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔

سفر دوم

قَالَ اللہُ تعالیٰ۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ۔۔ الی۔۔۔ بِمَا لَدَیْہِ خُبْرًا۔

پھر اس سفر سے فارغ ہوکر اور مغربی ممالک کو فتح کر لینے کے بعد ایک دوسری راہ چلا یعنی مغرب الشمس سے مطلع الشمس کی راہ لی تاکہ مشرقی ممالک کو بھی فتح کرے اور ان کو دین حق کی دعوت دے اور جو اس سے سرتابی کرے اس کو ذلیل وخوار کرے پس برابر چلتا رہا یہاں تک کہ جب مسافت قطع کرکے زمین کے اس مقام پر پہنچا جہاں اول طلوع آفتاب سے دھوپ پڑتی ہے۔ یعنی جہت مشرق میں منتہائے آبادی پر پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لیے ہم نے سورج سے ورے کوئی پردہ اور بچاؤ نہیں رکھا تھا یعنی وہ لوگ جنگلی اور وحشی تھے۔ حیوانوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے خیمے اور مکانات نہیں رکھتے تھے۔ کوئی ستر اور لباس نہیں رکھتے تھے ننگے رہتے تھے ان کا لباس ہی آفتاب تھا گھر بنانا نہیں جانتے تھے کہ سورج کی دھوپ سے بچ سکیں۔ زیر زمین سرنگیں بنا رکھی تھیں۔ جب سورج طلوع ہوتا تو ان میں گھس جاتے۔

اور زوال کے بعد طلب معاش کے لیے غاروں سے باہر نکلتے اور الغرض ذوالقرنین کا قصہ اسی طرح ہے جو ہم نے بتلا دیا ہے اور باقی اس ذوالقرنین کے پاس جو لشکر اور ساز و سامان تھا ہم اس سے پورے باخبر ہیں ہمارا علم اس کو احاطہ کیے ہوئے ہے چارے سوا کسی کو کیا معلوم مطلب یہ ہے کہ فی الحقیقت واقعہ اتنا ہے جتنا ہم نے بتلا دیا باقی تاریخ والے اس کے سوا جو کہتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ یقینی نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کو یہ شوق ہوا تھا کہ دیکھے دنیا کہاں تک بستی ہے مشرق اور مغرب تک پہنچا مگر اللہ تعالیٰ کے ملک کی حد نہ پا سکا یہ سفر بھی تمام ہوا اس کے بعد ایک اور سفر کا بیان ہوتا ہے۔

سفرِ سوم

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ ۔ الیٰ ۔۔۔۔ وَكَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا۔

ذکرِ تعمیر سدِ آہنی برائے انسداد خروج یاجوج و ماجوج

پھر مشرق و مغرب کے سفر سے فارغ ہو کر مشرق و مغرب کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف ایک تیسری راہ کے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ جب وہ چلتا چلتا دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا جس کی پشت پر یاجوج ماجوج کی زمین تھی تو ان پہاڑوں کے پیچھے اس نے عجیب و غریب قوم پائی جو کم عقلی کی وجہ سے کسی بات کے سمجھنے کے قریب بھی نہ پہنچتے تھے یعنی غیر زبان ہونے کی وجہ سے تو بات نہیں سمجھتے تھے اور وحشی اور کم عقل ہونے کی وجہ سے سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے تھے ورنہ عاقل آدمی قرائن سے کچھ نہ کچھ سمجھ ہی لیتا ہے پھر غالباً انہوں نے کسی ترجمان کے ذریعہ سے یا اشاروں اور کنایوں کے ذریعے سے ذوالقرنین سے عرض کیا اے شاہِ ذوالقرنین بے شک یہ یاجوج ماجوج کی قوم جو اس درہ کے پیچھے رہتی ہے یہ بڑے ہی مفسد اور فتنہ پرداز لوگ ہیں جو زمین میں تباہی اور اودھم مچانے والے ہیں جن کا کام ہی لوٹ مار اور قتل و غارت ہے۔ مردم خور ہیں آدمیوں کو بھی کھا جاتے ہیں اور کھیتوں کو بھی ہضم کر جاتے ہیں۔ (زاد المسیر صفحہ ۱۹۱ جلد ۵)

مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں وہ ہم جیسے انسان ہیں مگر درندگی میں وہ درندوں سے بڑھ کر ہیں ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں سو کیا آپ ہم کو اجازت دیں گے کہ ہم لوگ آپ کے لیے کچھ چندہ جمع کریں گے اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایسی مضبوط اور مستحکم دیوار کھڑی کر دیں کہ جو ان کو ہماری طرف آنے سے روک دے۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو دسترس عطا کی ہے وہ تمہارے اس چندہ سے کہیں بہتر ہے مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں البتہ تم اپنی جسمانی اور عملی قوت سے میری مدد کرو جس طرح سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ۔

اسی طرح ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میں تم سے مال نہیں چاہتا۔ ہاتھ پیر کے کام میں میری مدد کرو میں تم سے مالی امداد نہیں چاہتا بلکہ عملی امداد چاہتا ہوں تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں جس سے ان کا راستہ بند ہو جائے اور پھر وہ تمہاری سرزمین میں نہ آ سکیں انہوں نے کہا کہ آپ ہم سے کس قسم کی قوت و اعانت چاہتے ہیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ مزدور اور عمدہ معمار اور سامان عمارت انہوں نے کہا کہ وہ سامان عمارت کیا ہے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ تم لوگ بجائے پتھروں کے میرے پاس لوہے کے ٹکڑے اور لوہے کی چادریں اور لوہے کی سلیں لاؤ جن کی قیمت ہم تم کو عطا کر دیں گے چنانچہ انہوں نے لوہے کی سلیں اور چادریں اور ٹکڑے لا کر حاضر کر دیئے اور موٹی موٹی لکڑیاں بھی لا کر موجود کر دیں اور بجائے پتھروں کے لوہے کے ٹکڑوں کو چن دیا اور بیچ میں لکڑیاں اور کوئلے رکھ دیئے اس طرح پہاڑ کی چوٹی تک ان کو چن دیا۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے کناروں کا درمیانی خلا پُر کر کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اس میں آگ لگا کر پھونک مارو یعنی خوب دھونکو یہاں تک کہ جب دھونکتے دھونکتے ان لوہے کے ٹکڑوں کو آگ اور انگارہ بنا دیا تو کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ میں گرم لوہے پر اس کو بہا دوں تاکہ وہ اس کے درازوں میں گھس کر اس کو بالکل ہموار اور ایک شئے بنا دے اور عجب نہیں کہ اس عظیم مقدار میں تانبے کا پگھلنا ذوالقرنین کی کرامت ہو جیسے داؤد علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم کر دیا تھا کما قال تعالیٰ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ۔ اسی طرح کیا عجب ہے کہ ذوالقرنین کے لیے بطور کرامت اور بطریق خرق عادت تانبے کو پگھلا دیا ہو واللہ اعلم بالصواب۔

چنانچہ ان کے حکم کے مطابق وہ تانبا لایا گیا اور آلات کے ذریعے یا بطور کرامت اور خرق عادت اوپر سے اس پر چھوڑ دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ تانبا اس لوہے سے پیوست ہو گیا اور پہاڑ کی مانند ایک آہنی دیوار تیار ہو گئی جس کا طول و عرض خدا ہی کو معلوم ہے روئے زمین پر اب تک ایسی بلند اور چکنی دیوار نہیں بنی تھی پھر چونکہ یہ دیوار نہایت بلند اور چکنی اور چوڑی اور مضبوط تھی۔ اس لیے یاجوج و ماجوج کے لیے یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ اس دیوار پر چڑھ کر ادھر سے اُدھر آ سکیں یا سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ سکیں اور پھر اس سے دوسری جانب اتر سکیں اور وہ دیوار اس قدر سخت تھی کہ اس میں سوراخ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

پس جب قیامت کے قریب خروج یاجوج و ماجوج کی بابت میرے پروردگار کا وعدہ آئے گا تو اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو ہموار کر دے گا یعنی اس سد آہنی کو یاجوج و ماجوج کی راہ سے ہٹا لے گا۔ اور اس روک کو ان سے ہٹا دے گا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ بالکل صحیح اور درست ہے یعنی میرے پروردگار کا یہ وعدہ ہے کہ یہ دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور قیامت کے قریب یاجوج و ماجوج اس دیوار کو توڑ کر ایک دم آدمیوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور دریا کے دریا پی کر خشک کر دیں گے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قریب خروج یاجوج و ماجوج کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور بلاشبہ ہونے والا ہے اور

سد کو توڑ کر یاجوج و ماجوج کا نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے انشاء اللہ سورۃ انبیاء کے اخیر میں اس کا ذکر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی اور احادیث صحیحہ میں یاجوج ماجوج کے خروج کو علامات قیامت میں سے قرار دیا گیا ہے اور یہ احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہیں اور تمام صحابہ و تابعین کا اس پر اجماع ہے اور جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح علامات قیامت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور جو بات قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہو اس کا انکار بلاشبہ کفر ہے اور ایسی قطعیات میں تاویل کرنا الحاد اور زندقہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ذوالقرنین نے لوگوں کی فرمائش پر ایک آہنی دیوار بنادی قرآن اور حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آہنی دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور یاجوج و ماجوج اس کے پیچھے بند رہیں گے قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی تب وہ یاجوج و ماجوج وہاں سے نکلیں گے اور ان کا یہ نکلنا نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال کے بعد ہوگا بالآخر یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے غیر معمولی موت مریں گے۔ جس کی تفصیل احادیث میں ہے اب رہا یہ امر کہ وہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار دنیا کے کس خطہ میں ہے اور وہ پہاڑ کہاں واقع ہے سو وہ خدا ہی کو معلوم ہے اور جس چیز کی خدا خبر دے اس پر ایمان لانا فرض ہے جس خدا نے زمین کو پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوق سے پورا باخبر ہے ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے مکان اور باغ کی خبر نہیں اور جن لوگوں نے دیوارِ ذوالقرنین کا مقام معین کیا ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں محض ان کے خیالات اور تخمینے ہیں یا عیسائیوں یا یہودیوں کے لکھے ہوئے جغرافیے ہیں خدا اور اس کے رسول ؐ نے اس کے بارے میں کوئی تعیین نہیں فرمایا جس سے یقینی طور پر اس دیوار کا مقام اور محل متعین کیا جاسکے اور ظن اور تخمینہ اہل عقل کے نزدیک تسلی بخش نہیں۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا۔ (ذوالقرنین کا قصہ یہاں ختم ہوا)

اب آئندہ آیت میں دنیا کے فناء و زوال کا ذکر ہے کہ یہ دیوار قیامت کے قریب تک قائم رہے گی اور جب قیامت قریب ہوگی تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور اس کے پیچھے سے یاجوج و ماجوج نکل پڑیں گے۔

ایک شبہ آج کل سائنس دان اور ماہرین انکشافات اور فضلائے جغرافیہ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا ہے مگر ہم کو کہیں اس دیوار کا پتہ نہ ملا اور نہ کہیں یاجوج و ماجوج کا پتہ لگا۔

جواب اس شبہ کے جواب میں ہمارے ان مصنفین نے جو مغربی علوم اور تحقیقات سے مرعوب ہیں اس دیوار کا پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے اور اٹکل کے تیر چلائے ہیں مگر خود ان کو اپنے لکھے ہوئے پر یقین اور اطمینان نہیں لیکن اس شبہ بلکہ اس وسوسہ کا صحیح جواب وہ ہے جو علامہ آلوسی ؒ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ حسین جسر طرابلسی ؒ نے الحصون الحمیدیہ میں دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس دیوار کی اور جس قوم کی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ صحیح اور درست ہے اور اس پر ایمان

لانا واجب ہے اور اس کی تصدیق فرض ہے مگر ہم کو اس دیوار کا موقع اور محل معلوم نہیں۔ بلا شبہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان میں بڑے بڑے سمندر اور بڑے بڑے پہاڑ حائل ہوں اور فضلاءِ جغرافیہ کا یہ دعویٰ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا اور ہم بر اور بحر اور خشکی اور تری کا احاطہ کر چکے ہیں اور اب کوئی جگہ ہم سے بچی ہوئی نہیں رہی سو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے قابلِ تسلیم نہیں ساری زمین کو چھان ڈالنا اور دیکھ ڈالنا تو بڑی بات ہے ابھی تک پوری آباد زمین کو بھی نہیں دیکھا جا سکا زمین کا بہت سا حصہ ابھی ایسا باقی ہے جہاں تک ان کا قدم نہیں پہنچا ابھی تک اطراف زمین میں بہت سے پہاڑ اور وادیاں ایسی موجود ہیں کہ ان تک فضلاءِ جغرافیہ کی رسائی نہیں ہوئی خصوصاً شمال کی طرف برفانی پہاڑوں کے پیچھے اور منطقہ باردہ کی جانب ایسی زمین موجود ہے جہاں آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا جیسا کہ خود اہل جغرافیہ کا بیان ہے پس ممکن ہے کہ انہیں اطراف میں یہ قومیں آباد ہوں امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سدِّ ذوالقرنین شمال کی طرف ہے اور جو لوگ نقشۂ زمین سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں سائبیریا کے بعد شمال کی طرف بہت سے برفانی پہاڑ ہیں جو بارہ مہینے برف سے ڈھکے رہتے ہیں اور اس زمانہ میں کوئی ان پر سے نہیں گزر سکتا اور ان پہاڑوں کے اس طرف زمین موجود ہے جو منتہائے عرض تک چلی گئی ہے پس یہ امر ممکن ہے کہ ان برفانی پہاڑوں کے نیچے کوئی پست زمین ہو اور پستی کی وجہ سے وہاں برف اتنا کم رہتا ہو کہ آدمی وہاں رہ سکے اور وہیں یاجوج ماجوج کی قوم آباد ہو اور ہمارے اور ان کے درمیان بڑے بڑے برفانی پہاڑ اور سمندر حائل ہوں اور ممکن ہے کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں یاجوج وماجوج کی اس طرف آمد کے لیے کسی وادی سے کوئی راستہ ہو کہ وہ لوگ پہاڑوں کی طرف سے آکر آس پاس کی قوموں کو قتل وغارت کرتے ہوں اور یہ دیکھ کر ذوالقرنین نے اس وادی کا راستہ سد کے ذریعے بند کر دیا ہو اور پہاڑوں کی پرلی جانب ان کو دھکیل دیا ہو اور پھر اس سد کی وجہ سے ان کا ادھر آنا بند ہو گیا ہو پھر جب قیامت کا زمانہ قریب آئے گا تو ممکن ہے کہ جوی اور سماوی حوادث کی وجہ سے وہ برف پگھل جائے اور یاجوج وماجوج کو سد ذوالقرنین کے توڑنے کا موقع مل جائے اور سد کو توڑ کر وہ قومیں اسی راستے یا کسی اور راستے سے دنیا نے آبادی کی طرف نکل پڑیں اور یہاں آکر اودھم مچائیں اور فساد برپا کریں جیسا کہ آیات اور احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

بہر حال قرآن اور حدیث نے جس چیز کی خبر دی ہے وہ عقلاً اور عادتاً محال نہیں اور قدرت خداوندی کے تحت داخل ہیں۔ پس جو امور عقلاً ممکن اور جائز الوقوع ہوں اور نصوص شرعیہ سے ان کا وجود اور وقوع ثابت ہو ان کی تصدیق فرض اور لازم ہے اس لیے ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ قیامت کے قریب یاجوج وماجوج سد ذوالقرنین کو توڑ کر نکلیں گے اور فضلاء جغرافیہ اور ماہرین اکتشافات کا یہ دعویٰ کہ ہم پوری زمین سے اچھی طرح واقف ہیں اور ہو چکے ہیں دعویٰ بلا دلیل ہے جو قابلِ تسلیم نہیں امریکہ اور روس کے متصل ہی ایسے جزیرے ملیں گے کہ جن کی ان ماہرین اکتشافات کو بالکل خبر نہیں یا پوری خبر نہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے زمین و آسمان کا چکر لگا لیا ہے اور ہم کونے کونے سے واقف ہو گئے ہیں زبان سے اس قسم کا دعویٰ کر دینا بہت آسان ہے لیکن ثابت کر دکھانا بہت مشکل ہے۔

سائنس کے تجربوں سے دن بدن یہ ثابت ہوتا جاتا ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا انکو بھی پورا نہیں دیکھا تھا روزمرہ کا تجربہ بتلا رہا ہے کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے ذرا اور آگے بڑھ آئندہ چل کر تجھ کو اپنی بار بار دیکھی ہوئی چیزوں کے وہ خواص اور آثار معلوم ہوں گے جو موجودہ علم اور تجربہ سے بالا اور کہیں بالا ہوں گے غرض یہ کہ ہر فلسفی اور سائنس دان ہمہ دانی کا نعرہ لگاتا ہے اور قدم قدم پر جدید تجربہ اور جدید انکشاف ہمہ دانی کے دعوے پر ایک تازیانہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ لے مدعیٔ ہمہ دانی اس جدید انکشاف نے تجھ پر واضح کر دیا کہ تیرا گزشتہ دعویٰ غلط تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قصۂ ذوالقرنین قطعًا ثابت ہے اس لیے کہ نزول قرآن کے وقت جو علماء توریت اور انجیل موجود تھے ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ یہ قصہ متواترہ ہے قطعًا ثابت ہے اس قصہ کے تواتر کے لیے فقط اتنی بات کافی ہے کہ علماء اہل کتاب نے بطور امتحان آپ سے اس قصہ کا سوال کیا اور علیٰ ہٰذا جس دیوار کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ بھی حق اور صدق ہے اگرچہ اس کا ہمیں موقع اور محل معلوم نہیں اب اگر کوئی شخص محض اس بناء پر انکار کرے کہ ہمیں اس دیوار کا علم نہیں یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو وہ ایک جنگلی پہاڑی کی طرح ہے کہ جس نے کبھی ریل اور تار اور ٹیلیفون اور ہوائی جہاز نہ دیکھا ہو اور کوئی شخص اس کے سامنے ان چیزوں کا ذکر کرے اور وہ سن کر یہ کہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک گھنٹہ میں چالیس پچاس میل یا پانچ سو میل کی مسافت کیسے قطع ہو سکتی ہے یا ہزار یا دس ہزار میل پر ٹیلیفون سے کیسے باتیں ہو سکتی ہیں اس قسم کی باتیں اس کے غافل اور جاہل ہونے کی دلیل ہیں لیکن اس کی ان باتوں سے ٹیلیفون کا عدم ثابت نہیں ہو سکتا کیا عقلاً یہ جائز نہیں کہ جس طرح آج سے پانچ سو برس پہلے ان سائنسدانوں کو دنیا کے چوتھے براعظم یعنی امریکہ کا پتہ نہ چلا اور یہ طویل و عریض آبادی ان لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ رہی اور فلاسفہ اور سائنسدان اس کے وجود سے واقف نہ ہوئے کیا اس طرح یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں کوئی پانچواں براعظم موجود ہو جہاں یاجوج و ماجوج کے ٹڈی دل رہتے ہوں اور ہمارے اور ان کے درمیان سدِّ ذوالقرنین کے علاوہ ایسے بر و بحر حائل ہوں کہ جہاں اب تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی انکشافات جدیدہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی وسعت کی کوئی حد نہیں اور روز بروز عجیب و غریب امور منکشف ہو رہے ہیں تو کیا عجب ہے کہ آئندہ چل کر اس دیوار کا اور قوم یاجوج و ماجوج کا انکشاف ہو جائے خوب سمجھ لو کہ آسمان و زمین کے خالق نے اور اس کی وحی سے اس کے برگزیدہ نبی برحق اور مخبر صادق نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے وہ بلاشبہ عقلاً ایک امر ممکن ہے اس پر ایمان لانا واجب اور لازم ہے اور خدا اور اس کے رسول نے جس چیز کی خبر دی ہے وہ بلاشبہ حق اور صدق ہے ضرور اپنے وقت پر ظاہر ہوگی اور محض اپنی لاعلمی اور ناواقفیت اور عدم وجدان اور عدم علم اور عدم معرفت کی بنا پر کسی چیز کے وجود سے انکار کرنا جہالت اور نادانی ہے اور اگر باوجود کامل تلاش کے مثلاً اگر کسی کو زید نہ ملے تو اس سے زید کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ بہرحال مخبر صادق جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب اس نے دیوار کے

وجود کی خبر دی ہے تو ہم پر اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے خواہ وہ چیز ملے یا نہ ملے جس خدا نے اس زمین کو پیدا کیا اور پھر ایک نیک بندہ ذوالقرنین کو پیدا کیا اور اپنی زمین پر اس کو فرماں روا بنایا تو کیا فضلاء جغرافیہ اور ماہرین انکشافات زمین کے بارہ میں خدا سے زیادہ باخبر ہو گئے کہ جس زمین کو خدا نے پیدا کیا وہ تو ایک خطۂ زمین اور ایک قوم کے وجود کی خبر دے رہا ہے اور یہ فضلاء جغرافیہ نہایت ڈھٹائی سے اس کا انکار کر رہے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ ایک انسان ضعیف البنیان کا کسی چیز کو نہ پانا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یہ شئے فی الواقع موجود نہیں کسی چیز کا نہ پانا اس چیز کے عدم کی دلیل بلکہ نہ ملنے کی وجہ سے کسی چیز کے وجود کا انکار کر دینا جہالت اور کوتاہ نظری کی قطعی دلیل ہے۔

دیوارِ ذوالقرنین اور دنیا کی پانچ بڑی دیواروں کا ذکر

قرآن کریم نے دیوار ذوالقرنین کا ذکر کیا مگر اس کا موقعہ اور محل نہیں بتایا کہ وہ کس جگہ بنی تھی۔ مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں نے تاریخی واقعات کے ذیل میں دنیا کی چند بڑی بڑی دیواروں کا ذکر کیا ہے اور اپنے خیالات اور گمان اور تخمینہ سے اس کو دیوار ذوالقرنین قرار دیا مولانا عبدالحق صاحب دہلویؒ مفسر تفسیر حقانی نے اپنی تفسیر میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور اس سلسلہ میں پانچ دیواروں کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس کو تفصیل درکار ہو وہ اصل تفسیر حقانی کی مراجعت کرے۔

دیوار اوّل ______ دیوار چین

جس کو بقول مؤرخین فغفور چین نے حضرت مسیح بن مریم سے تخمیناً دو سو پینتیس (۲۳۵) برس پہلے بنایا تھا جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے جس کے پیچھے کچھ وحشی قومیں آباد تھیں جو چین کے ملک پر تاخت و تاراج کیا کرتی تھیں ان کو یاجوج و ماجوج سے تعبیر کرتے تھے چونکہ یہ دیوار اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی ہے اور ایک کافر کی بنائی ہوئی ہے جو حضرت مسیح بن مریمؑ سے دو سو پینتیس برس پہلے گزرا ہے اس لیے یہ دیوار سدِّ ذوالقرنین نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دیوار آہنی تھی نیز ذوالقرنین حضرت مسیحؑ سے دو ہزار برس پہلے گزرا ہے اور وہ مرد مؤمن تھا کافر نہ تھا اور فغفور با خدا اور موحد نہ تھا اس کو ذوالقرنین قرار دینا قطعاً غلط ہے۔

دیوارِ دوم ______ دیوار سمرقند

یعنی وہ دیوار جو سمرقند کے قریب ہے یہ ایک مستحکم دیوار ہے جو لوہے کی چادروں اور اینٹوں سے بنائی گئی ہے نہایت مستحکم اور بلند ہے اور اس میں ایک دروازہ بھی ہے۔ جس پر قفل لگا ہوا ہے۔

خلیفہ معتصم نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق کے لیے پچاس آدمیوں کو روانہ کیا وہ اس دیوار کو دیکھ کر آئے اور آکر اس کا حال بیان کیا یہ دیوار جبل العلی کا دَرّہ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی بعض لوگ اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس دیوار کو یمن کے کسی حمیری بادشاہ نے بنایا تھا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ حمیری بادشاہ ذوالقرنین تھا اور تبع یمانی اس کی اولاد میں سے تھا جس پر اس کو فخر تھا لہٰذا بعض علماء کا خیال ہے کہ یہی دیوار ذوالقرنین ہے۔ واللہ اعلم۔

دیوار سوم ______ دیوار آذربائیجان

جو آذربائیجان کے بہت پر بحیرۂ طبرستان کے کنارہ جبل قبق کے گھاٹ کو بند کرنے کے لیے اور غیر قوموں کی آمد کو روکنے کے لیے بنائی گئی تھی یہ دیوار آذربائیجان اور آرمینیہ کے دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ دیوار پتھر اور سیسے سے بنائی گئی ہے جس کی بلندی تین سو گز ہے اس دیوار کو نوشیرواں نے بنایا یہ دیوار اب تک قائم ہے بعض علماء نے اسی دیوار کو سد ذوالقرنین بتلایا ہے۔

دیوار چہارم ______ دیوار تبت

یہ دیوار تبت کے شمالی پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ جگہ خراسان کا اخیر کنارہ ہے یہاں ایک کنارہ ہے جس سے ترک دھاوا کیا کرتے تھے فضل بن یحییٰ برمکی نے دروازہ لگا کر اس کو بند کر دیا یہ دیوار بالاتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کیونکہ یہ دیوار نزول قرآن کے بعد بنائی گئی۔

دیوار پنجم

دنیا کی پانچویں بڑی دیوار وہ ہے کہ جو بحیرۂ رُوم کے مشرقی کنارہ پر ایشیائے کوچک کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں واقع ہے یہ معلوم نہیں کہ یہ دیوار کب بنی اور اب تک قائم ہے یا نہیں یہ دیوار بھی بالاتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

غرض یہ کہ یہ سب تاریخی قصے ہیں جو ہرگز قابل اعتماد و اعتبار نہیں۔

بہرحال یہ دنیا کی پانچ مشہور دیواریں ہیں جن کا تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں ذکر ہے اور مصنفین نے اپنے اپنے خیال اور تخمینہ سے سد ذوالقرنین کے مصداق بتلانے کی بڑی کوشش کی ہے کسی نے کسی دیوار کو اور کسی نے کسی دیوار کو۔ مگر سوائے اپنی خیالی قیاس آرائیوں کے۔ دلیل کسی کے پاس نہیں ہر ایک نے اپنی اپنی کہی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس سَدّ (دیوار) کی قرآن عزیز نے خبر دی ہے قرآن اور حدیث میں اس کے کیا اوصاف ذکر کیے گئے ہیں تاکہ اس سے تعیین مصداق کا فیصلہ ہو سکے وہ اوصاف حسب ذیل ہیں۔

اوّل اس سد (دیوار) کا بانی خدا تعالیٰ کا کوئی مقبول بندہ اور مردِ صالح اور مردِ مومن ہے جو ایمانداروں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو جزاءِ حسنیٰ کی بشارت سناتا ہے اور کافروں اور ظالموں کو عذاب خداوندی سے ڈراتا ہے۔

دوم اس کا بانی ایسا جلیل القدر بادشاہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک کا فرماں روا ہے اور حکومت اور سلطنت کے تمام اسباب ظاہری اور باطنی منجانب اللہ اس کے لیے مہیا ہیں۔ کما قال تعالیٰ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فرمانروائے مشرق و مغرب ایسا سعادت مند ہے کہ تائید ربانی اور تمکین یزدانی اس کے ساتھ ہے اور فتح و کامرانی کا جھنڈا اس کے آگے آگے ہے کسی میں اس کے مقابلہ کی تاب نہیں شاہان عالم اس کی عظمت و ہیبت کے سامنے دم بخود ہیں۔

سوم وہ دیوار آہنی ہے پگھلے ہوئے تانبے سے تیار ہوئی ہے اینٹ اور پتھر سے نہیں بنائی گئی۔

چہارم یہ کہ اس دیوار کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں اور وہ دیوار بہت بلند اور مستحکم ہے اور بطور خرق عادت اور بطریق کرامت تیار ہوئی ہے اس لیے کہ اتنی بلند دیوار جو از اوّل تا آخر لوہے کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہو اور اس میں اس طور سے آگ سلگائی گئی ہو کہ اس کے سب ٹکڑے آگ بن گئے ہوں اور پھر ان میں ہزاروں من بلکہ ہزاروں ٹن پگھلا ہوا سیسہ ڈالا گیا ہو بظاہر یہ تمام امور اسباب ظاہری کے دائرہ سے باہر ہیں ایسی دہکتی ہوئی آگ کے قریب تو کوئی جاندار نہیں جا سکتا اور ایسی آگ میں پھونک مارنا اور پگھلے ہوئے تانبے کا اس پر ڈالنا ظاہرا اسباب میں ممکن نہیں لہٰذا سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عجیب و غریب دیوار اس نیک دل بادشاہ کی کرامت تھی یا اس نبی برحق کا معجزہ تھا جس کے ہاتھ پر ذوالقرنین نے بیعت کی تھی کہ جب اس قدر طویل و عریض لوہے کی دیوار آگ ہو جائے تو کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کے پاس بھی جا سکے اور پاس جا کر اس میں پھونک مار سکے اور اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال سکے یہ اللہ کی رحمت تھی کہ اس نے نافخین (پھونک مارنے والوں) کے ابدان و اجسام کو اس شدید گرمی اور حرارت سے محفوظ رکھا اور انہوں نے اپنا کام کیا۔

پنجم یہ کہ یاجوج و ماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں نہ وہ اس پر چڑھ سکتے ہیں نہ اس پر کوئی سیڑھی لگا کر ادھر سے اُدھر اُتر سکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں البتہ قیامت کے قریب زمانہ میں یہ لوگ اس دیوار میں نقب لگانے پر قادر ہو جائیں گے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

ششم یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس دیوار میں کچھ تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے

ہفتم یہ کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یاجوج و ماجوج ہر روز اس دیوار کو چھیلتے ہیں اور پھر

وہ دیوار بحکم الٰہی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ یعنی دبیز اور موٹی ہو جاتی ہے مگر قیامت کے قریب ایک روز وہ انشاء اللہ کہہ کر اس دیوار کو چھیلیں گے تو انشاء اللہ کی برکت سے اس میں وسیع سوراخ نکل جائے گا اور اگلے روز اس دیوار کو توڑ کر باہر نکل سکیں گے۔

ہشتم یہ کہ یاجوج ماجوج باوجود انسان ہونے کے عام انسانوں سے قوت میں بہت زیادہ ہیں اور عددی کثرت میں تو اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں اور عام بنی آدم میں وہ نسبت ہے جو ایک اور ہزار میں ہے اور سب کافر ہیں اور جہنمی ہیں۔

نہم یہ کہ ان کا خروج حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وقت میں ہوگا اور اس وقت حضرت عیسٰی علیہ السلام اپنے خاص لوگوں کو کوہ طور پر لے جائیں گے اور باقی لوگ اپنے طور پر کسی قلعہ یا مکان میں محفوظ ہو جائیں گے۔

دہم یہ کہ یاجوج ماجوج حضرت عیسٰی علیہ السلام کی دعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مر جائیں گے ان کی گردنوں میں اللہ تعالیٰ ایک نغف (طاعونی کیڑا) پیدا کر دے گا جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ دس اوصاف ہیں جن میں سے اول کے پانچ اوصاف قرآن کریم میں مذکور ہیں اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ اور مشہورہ میں مذکور ہیں۔

پس جو شخص ان اوصاف کو ملحوظ اور پیش نظر رکھے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ مؤرخین نے جن دیواروں کا پتہ بتایا ہے مجموعی طور پر یہ اوصاف کسی دیوار میں بھی نہیں پائے جاتے پس مؤرخین نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ صحیح نہیں اور ان دیواروں میں سے کوئی دیوار دیوار ذوالقرنین کا مصداق نہیں اور احادیث صحیحہ صریحہ کا انکار گمراہی ہے اور ان میں تاویل کرنا الحاد اور بے دینی ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ جس دیوار کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے اس کی صحیح اور واقعی جگہ اسی کو معلوم ہے ہم اس کی خبر پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کی تعیین کو اس کے علم کے حوالہ اور سپرد کرتے ہیں جیسا کہ ہم علامہ آلوسیؒ کا کلام روح المعانی سے نقل کر چکے ہیں۔

یاجوج ماجوج کون ہیں لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں جمہور علماء تفسیر وحدیث کا قول یہ ہے کہ یاجوج ماجوج بنی نوع انسان کی دو قوموں یا دو قبیلوں کا نام ہے آدمؑ اور حواؑ کی اولاد سے ہیں اور یافث بن نوحؑ کی نسل سے ہیں جو ترک کا جدّ اعلیٰ ہے اور ترک اس خاندان کی ایک شاخ ہے جو سد ذوالقرنین کے اس طرف ترک کر دیئے گئے تھے یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ گویا کہ لفظ ترک متروک سے مشتق ہے، اور یہ لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں اور اس قدر کثیر اور بے شمار ہیں کہ ان میں اور اہل بہشت میں وہ نسبت ہے کہ جو ایک اور ہزار میں ہے۔ امم سابقہ ولاحقہ میں سے جس قدر افراد دوزخ میں جائیں گے ان تمام کے مقابلہ میں اکثریت یاجوج ماجوج کی ہوگی۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر جدا کیجئے عرض کریں

گے کہ کس قدر، ارشاد ہوگا۔ ہر ہزار سے ایک کم ہزار۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد سے تو ہیں مگر حوا کے پیٹ سے نہیں گویا کہ وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہیں۔ حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات سوائے کعب احبارؓ کے اور کسی سے منقول نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج ترکوں کے دو قبیلے ہیں۔

صحیح قول یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج دو قومیں ہیں اور یافث بن نوحؑ کی اولاد سے ہیں جو بطن حوا سے پیدا ہوئی اور ان کے حالات اور صفات کے بارہ میں جو آثار اور اخبار وارد ہوئے ہیں ان پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج اگرچہ نسل آدم سے ہیں اور ظاہری صورت اور شکل کے اعتبار سے آدمی اور انسان ہیں لیکن طبعی اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے وحشی درندہ اور حیوان ہیں اور افعال اور اعمال کے اعتبار سے جنات سے ملتے جلتے ہیں۔ گویا کہ قوم یاجوج و ماجوج تمام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جو فتنہ اور فساد پھیلانے میں جنات کا نمونہ ہے عام انسان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے وہاں کے باشندوں نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی آہنی دیوار قائم کر دیں جس سے ان کا راستہ بند ہو جائے اور ہم ان کے شر سے محفوظ ہو جائیں چنانچہ ذوالقرنین نے ایک آہنی دیوار بنا کر ان کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل دیا۔

قرآن کریم میں یاجوج و ماجوج کا ذکر اجمالاً اور مختصراً آیا ہے اور احادیث میں کچھ تفصیل آئی ہے بہرحال قرآن اور حدیث سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ یاجوج ذوالقرنین کی بنائی ہوئی آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں قیامت سے پہلے اس سے باہر نہیں آ سکتے جس طرح دجال اکبر ایک جزیرہ میں محبوس اور مقید ہے اور اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نزول میں اس کا اپنے جزیرہ سے خروج ہوگا اسی طرح یاجوج و ماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے محبوس ہیں ان کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا اس وقت یہ مفسد قوم دنیا پر خروج کرے گی اور دنیا میں اودھم مچائے گی بالآخر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی دعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مر جائے گی اور اس شان اور صفت اور اس طاقت کی کوئی قوم اب تک ظاہر نہیں ہوئی اور نہ اب تک کسی کو اس قوم کا پتہ لگ سکا ہے حسب وعدۂ خداوندی قیامت کے قریب اس قوم کا ظہور اور خروج ہوگا۔ خروج دجال کے بعد قوم یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا۔ اور اس زمانہ کے بعض روشن خیال مصنف یہ خیال کرتے ہیں کہ یاجوج ماجوج سے چینی یا روسی یا دوسری وحشی قومیں مراد ہیں جو کہ منگولیا اور منچوریا یا کوریا کے قریب آباد ہیں یا وہ تاتاری اور چنگیزی لوگ مراد ہیں جنہوں نے خلافت بغداد کو درہم برہم کیا یا وہ وحشی قومیں مراد ہیں جو آرمینیہ کے پہاڑوں کے قریب رہتی ہیں ان مصنفین کا خیال یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں ان وحشی اور درندہ صفت قوموں کو یاجوج و ماجوج کہا جاتا ہے مگر اب وہ تعلیم یافتہ اور متمدن ہو گئے ہیں اور اب وہ یاجوج و ماجوج نہیں رہے اور نہ وہ اب کسی دیوار کے پیچھے بند ہیں وہ آہنی دیوار یا تو ختم ہو گئی ہے یا ان یاجوج و ماجوج نے اپنے خروج کے لیے کوئی دوسرا راستہ نکال لیا ہے اور اب باقاعدہ پاسپورٹ لے کر ہمارے

ملکوں میں آ جا رہے ہیں یہ سب خرافات ہے قرآن اور احادیث میں یاجوج و ماجوج کی جن صفات کا ذکر ہے وہ صفات ان قوموں پر منطبق نہیں ہوتیں۔

از روئے قرآن و حدیث یاجوج و ماجوج اس دیوار کے پیچھے بند ہیں وقت معین سے پہلے ہمارے ملکوں میں نہیں آ سکتے۔ اور جو وحشی ہمارے ملکوں میں آتے جاتے ہیں وہ اصل میں یاجوج و ماجوج نہیں اور جو اصلی اور واقعی یاجوج و ماجوج ہیں وہ دیوار کے پیچھے بند ہیں اور یہ متمدنین جن کو یاجوج و ماجوج خیال کرتے ہیں وہ یہ یاجوج و ماجوج نہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبر دی گئی ہے تاتاریوں[1] اور وحشیوں کو یاجوج و ماجوج سمجھ لینا ایک خام خیال ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

مرزائے قادیان کا ہذیان

مرزائی یہ کہتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور جب ان کا خروج ہو چکا تو اس کے لیے مسیح کی آمد ضروری ہے اور وہ مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی ہے تھوڑی دیر کے لیے اگر قادیان کے اس هذیان اور دلخراش سماعت کو بادل ناخواستہ برداشت کر لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ یاجوج و ماجوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دفعتاً ہلاک ہو جائیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان کی گردنوں میں دفعتاً کوئی طاعونی کیڑا نمودار ہوگا جس سے صبح کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور ایک ہی رات میں مر جائیں گے اور تمام دنیا متعفن اور بدبودار ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بڑی لمبی گردن والے پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور بعد ازاں ایک بارش ہوگی جس سے زمین دھل جائے گی یہ مضمون بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے۔

مرزائی بتلائیں کہ اگر یاجوج و ماجوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور مرزا صاحب مسیح موعود ہیں تو مرزا صاحب نے انگریز اور روس کے لیے کب بد دعا کی اور کس شہر کے انگریز اور روسی لوگ مرزا صاحب کی بد دعا سے ایک رات میں ہلاک ہوئے اور صبح ہوتے ہی سب کے سب مردہ پائے گئے اور کس مہینہ اور کس سال میں لمبی گردن والے پرندوں نے ان کی لاشوں کو کون سے سمندر میں لے جا کر ڈالا۔

مرزا قادیان تو یاجوج و ماجوج (عیسائی اقوام) کی عروج اور ترقی کے لیے دعا ہی کرتا ہوا مر گیا اور اپنے مریدوں کو ان کی وفاداری اور دعا کی وصیت کر گیا۔

---

[1] علامہ آلوسیؒ روح المعانی ص ۴۲ جلد ۱۶ میں لکھتے ہیں۔ ويعلم مما تقدم و مما سياتي ان شاء الله تعالیٰ بطلان ما زعمه بعض الناس من انهم التاتار الذين اكثروا الفساد في البلاد وقتلوا الاخيار والاشرار ولعمري ان ذلك الزعم من الضلالة بمكان وان كان بين ياجوج و ماجوج و اولئك الكفرة مشابهة تامة لا تخفى على الواقفين على اخبارهما يكون وما كان ابطال ما زعمه بعض الناس من انهم التاتار۔ انتهى۔

کیا کسی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مسیح زماں اور مہدی دوراں یاجوج وماجوج کے عروج اور بقا کیلیے دعا کرے گا اور اپنی اُمت کو ان کے لیے دعا کا حکم دے گا نیز مرزا قادیان کے نزدیک دجال سے با اقبال قومیں مراد ہیں تو سوال یہ ہے کہ مرزائے قادیان جو مدعی مسیحیت ہے یہ بتلائے کہ اس نے با اقبال قوموں میں سے کس دجال کو قتل کیا نزول مسیح کا اہم مقصد قتل دجال ہے۔ خود مرزا ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۴۷ میں لکھتا ہے لکل دجال عیسیٰ (دیکھو افادۃ الافہام ص۔ ۱۵ جلد ۲) حیرت کا مقام کہ مرزا با اقبال قوموں کو دجال بتاتا ہے اور بجائے انکے مقابلہ اور مقاتلہ کے انکی دعا گوئی اور خوشامد میں معروف ہے۔

تتمہ قصۂ ذوالقرنین

و ذکر انہدام دیوار ذوالقرنین و خروج یاجوج و ماجوج و نفخ صور

قال اللہ تعالیٰ۔ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ...الی... لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں ذوالقرنین کا یہ قول نقل فرمایا تھا۔ هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ کہ یہ دیوار اللہ کی رحمت اور اس کی نعمت ہے عرصہ دراز تک باقی رہے گی مگر جب خروج یاجوج وماجوج کے وعدہ کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ یاجوج وماجوج کی قوم جو اب اس سد کے پیچھے بند ہے نکل پڑے گی۔

اب آئندہ آیات میں خروج یاجوج وماجوج کے وعدہ کا وقت ذکر فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت کے قریب پورا ہوگا اور اس کے چند روز بعد صور پھونک دیا جائے گا اور بساط عالم لپیٹ دی جائے گی۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں ذوالقرنین کا قول نقل کیا کہ یہ دیوار اگرچہ کتنی ہی مضبوط اور مستحکم کیوں نہ ہو مگر فنا سے کوئی چیز محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اب حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نے جو کہا وہ ٹھیک کہا اور واقعی ایک روز ہم اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دیں گے اور یاجوج وماجوج کا بند کھول دیں گے اس روز جو حالت پیش آئے گی آئندہ آیت میں اس کا ذکر ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب اس آہنی دیوار کے انہدام اور یاجوج وماجوج کے خروج کا وقت موعود آئے گا اور حسب وعدہ یہ مفسد قوم اس دیوار کو توڑ کر نکل پڑے گی تو اس روز ہم اس مفسد قوم کو ایسی حالت میں کر چھوڑیں گے کہ وہ کثرت ازدحام سے ایک دوسرے میں خلط ملط اور گڈمڈ ہو جائیں گے۔

یعنی اس دیوار کے منہدم ہوتے ہی اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور ٹڈی دل کی طرح امنڈ پڑیں گے اور ایک دوسرے میں گھس پڑیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت ہے کہ یہ دیوار بن گئی اور یہ روک قائم ہو گئی۔ اسی کی رحمت سے یہ دیوار اور روک ایک میعاد معین تک قائم رہے گی۔

البتہ قیامت کے قریب جب خروج یاجوج وماجوج کے وعدہ کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ روک ہٹا دی جائے گی اور یاجوج وماجوج دنیا میں پھیل پڑیں گے اور خوب قتل و غارت کریں گے اور دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی۔

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں دست دعا دراز کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو غیبی وبا سے ہلاک کردے گا جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے اور ان کے اس تموج اور اضطراب کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا۔

حتیٰ کہ اول بار صور پھونکا جائے گا جس سے سارا عالم فنا ہو جائے گا پھر چالیس سال بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے پھر ہم سب کو ایک ایک کرکے میدان حشر میں حساب کتاب کے لیے جمع کریں گے کہ کوئی باقی نہ رہے گا اور اس روز حساب وکتاب اور فیصلہ سے پہلے دوزخ کو کافروں کے روبرو کر دیں گے۔ تاکہ داخل ہونے سے پہلے اس کو دیکھ لیں کہ وہ کیسی ہے اور جان لیں کہ یہی وہ جہنم ہے جس کو ہم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اور اب ان کو اسی میں داخل ہونا ہے اور یہ کافر جن کی آنکھوں کے سامنے دوزخ کردی جائے گی وہ لوگ ہیں کہ جن کی آنکھیں دنیا میں ہماری یاد سے پردہ میں تھیں یعنی ہماری آیات قدرت کے دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے تھے کہ حق کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور بہرے بھی بنے ہوئے تھے کہ بغض اور عداوت کی وجہ سے حق کو سن بھی نہ سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسا گروہ سوائے جہنم کے اور کس لائق ہے اور آیت میں آنکھ اور کان سے عقل کی آنکھ اور کان مراد ہیں اصل آنکھ اور کان دل کے ہیں اور سر کے آنکھ اور کان اس کے تابع ہیں۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ

اب کیا سمجھتے ہیں منکر؟ کہ ٹھہرا دیں میرے بندوں کو

مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

میرے سوا حمایتی۔ ہم نے رکھی ہے دوزخ

لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ؕ ﴿۱۰۳﴾

منکروں کی مہمانی۔ کہہ ہم بتا دیں تم کو کن کے کیے بہت اکارت۔

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ

جن کی دوڑ بھٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں کہ

أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ

خوب بناتے ہیں کام ۔ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے

رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ

رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے سو مٹ گئے ان کے کیے، پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان

الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَ

کے واسطے قیامت کے دن تول ۔ یہ بدلہ ہے ان کا دوزخ ، اس پر کہ منکر ہوئے

اتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

اور ٹھہرائیں میری باتیں اور میرے رسول ٹھٹھا ۔ جو لوگ یقین لائے ہیں

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

اور کیے ہیں بھلے کام اُن کو ہیں ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی ۔

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَوْ كَانَ

رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی ۔ تو کہہ اگر دریا

الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ

سیاہی ہو کر لکھے میرے رب کی باتیں، بیشک دریا نبڑ چکے ابھی

تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ

نہ نبڑیں میرے رب کی باتیں ، اور اگر دوسرا بھی لاویں ہم ویسا اس کی مدد کو ۔ تو کہہ

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ

میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ تمہارا صاحب ایک صاحب

وَاحِدٌ ۖ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا

ہے ۔ پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے ، سو کرے کچھ کام

صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

نیک اور ساجھا نہ رکھے اپنے رب کی بندگی میں کسی کا۔

خاتمۂ سورت بر توحید و رسالت و تذکیر آخرت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ۔ الیٰ۔ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝

(ربط) سورت کا آغاز توحید اور رسالت اور تذکیر آخرت سے ہوا تھا اب سورت کو انہی تین مضامین پر ختم کرتے ہیں اور جن لوگوں نے از راہ تمرد و سرکشی، احکام خداوندی کے قبول کرنے سے اعراض کیا تھا ان پر تہدید فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدا کے بیشمار علوم پر مشتمل ہے اور اخیر میں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مجھے خدا نہ سمجھ لینا میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں خدا اور فرشتہ نہیں مگر خدا تعالیٰ کا رسول برحق ہوں۔ صاحب وحی ہوں احکام شریعت میں میری اطاعت کرو مگر خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں ظاہراً اور باطناً ذرہ برابر کسی کو شریک نہ کرو اس لیے کہ اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے سمندروں کی بھی ایک حد ہے مگر اللہ کے کلمات اور اس کے علوم کی کوئی حد نہیں اور بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل ہے۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ لہٰذا کسی توریت اور انجیل کے عالم کو اپنے علم پر فخر اور ناز کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا پھر ان کافروں نے یہ گمان کیا ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنا لیں مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے فرشتوں کو اور مسیحؑ اور عزیزؑ کو اپنا کارساز ٹھہرا لیا ہے۔ کیا ان کا گمان یہ ہے کہ ان کو کچھ نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت اور شفاعت کریں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ قیامت کے دن تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے خوب سمجھ لیں کہ تحقیق ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لیے تیار کیا ہے وہاں پہنچتے ہی طرح طرح کے عذاب سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو خبر دوں ان لوگوں کی کہ جو باعتبار اعمال کے خسارہ اور گھاٹے میں ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی میں تمام کری کرائی محنت اور جدوجہد بیکار گئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافر بہت سے اعمال اپنے گمان میں اچھے سمجھ کر کرتے رہے ہیں اور یہ سمجھتے رہے کہ ہم کو ہمارے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔ مگر ان کا یہ گمان غلط ہے کفر کی نحوست سے وہاں سب اعمال بے کار ثابت ہوں گے اور ان کی دنیاوی زندگی کی تمام کوشش اکارت جائے گی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔ یعنی دلائل توحید کا انکار کیا اور قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا یعنی قیامت اور دار آخرت کا انکار کیا اور اگر کچھ مانا بھی تو شریعت کی ہدایت اور منشاء کے مطابق نہ مانا۔ اور اپنے زعم اور خیال کے مطابق،

آخرت کو نہ مانا پس اس کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت گئے یعنی جو کام ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں وہ سب حبط اور ضبط ہو جائیں گے۔ اور بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے اور ایک دم امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ پس قیامت کے دن ہم ان کے نیک اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ بے جان اور بے روح ہوں گے اور اپنے اندر کوئی وزن نہ رکھیں گے اور جب وزن کے لیے لائے جائیں گے تو ان کا کچھ وزن نہ ہوگا اور جن اعمال کو وہ اپنے زعم میں نیک اور موجب ثواب سمجھتے تھے وہ سب بے وزن ثابت ہوں گے دنیا میں ان اعمال کی ظاہری صورت سے شبہ ہوتا تھا کہ ان اعمال میں کچھ وزن ہے لیکن قیامت کے دن حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سب بے جان اور بے وزن ہیں میزان اعمال تو قیامت کے دن نیک و بد۔ مؤمن و کافر سب کے لیے قائم ہو جائے گی۔ مگر کافر جب اپنے اعمال کو لے کر آئیں گے اور ان کو تولا جائے گا تو ان میں کچھ بھی وزن نہ ہوگا۔ ایمان اور اخلاص سے خالی ہونے کی وجہ سے تمام اعمال مردہ اور بے جان ہوں گے۔ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی (کافر) لایا جائیگا اور اسکو تولا جائیگا مگر وہ مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خود کافروں کا بھی کوئی وزن نہ ہوگا اور نہ ان کے اعمال میں کوئی وزن ہوگا۔ کیونکہ وہ اعمال ایمان سے خالی ہوں گے بدی کے پلہ میں ان کے کفریات اور سیئات کو رکھا جائے گا اور ان کے قائل کرنے کے لیے ان کے گمان کے مطابق جو ان کے نزدیک ان کی نیکیاں تھیں ان کو بھی نیکیوں کے پلہ میں رکھ دیا جائے گا۔ مگر ان میں کوئی وزن بھی نہ ہوگا لہٰذا یہ پلہ ہلکا رہے گا اور کفر کا پلہ بھاری رہے گا بلکہ وہی رہے گا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کے تولے بغیر ہی انہیں جہنم میں جانے کا حکم دے دیا جائے گا اس لیے کہ اعمال کا تولنا اس لیے ہوتا ہے کہ نیکیوں اور بدیوں کی مقدار الگ الگ معلوم ہو جائے اور جن کے پاس سوائے کفریات اور سیئات کے کچھ نہ ہو تو تولنے کی کیا ضرورت ہے ایسے لوگ تو بغیر وزن ہی کے دوزخ کے مستحق ہیں۔ اس تقدیر پر میزان اعمال صرف ایمانداروں کے لیے ہوگی مگر صحیح قول وہ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کے دن مؤمن اور کافر سب کے اعمال کا وزن ہوگا جس سے مقصود عدل و انصاف کا ظاہر کرنا ہوگا اور لوگوں کی حجت اور معذرت کو قطع کرنا ہوگا کافروں کے اعمال بھی میزان اعمال میں تولنے کے لیے رکھے جائیں گے مگر ان کا کوئی وزن اور ثقل نہ ہوگا لقولہ تعالیٰ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ الآیہ۔ یعنی ان کے اعمال کا اکارت ہونا اور ان کا بے وزن ہونا یہ ان کی سزا ہے یعنی جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کا اور ہمارے رسولوں کا مذاق اڑایا لہٰذا اب اس کفر اور استہزاء کا مزہ چکھو۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان اور اہل اخلاص کا حال بیان کرتے ہیں۔

تحقیق جو لوگ ہماری آیتوں اور ہمارے رسولوں پر ایمان لائے اور شریعت کے مطابق انہوں نے نیک کام کیے تو ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی ان کو نکالے گا اور نہ وہاں سے اکتا کر جگہ بدلنا چاہیں گے۔ بعض مرتبہ انسان ایک جگہ طویل قیام سے اکتا جاتا ہے ان لوگوں کو ہر دم تازہ نعمتیں ملیں گی اس لیے کبھی اس بات کی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالٰے کے علوم کا غیر محدود اور لا متناہی ہونا بیان کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے اگر سمندر میرے پروردگار کے علم و حکمت کی باتوں کے لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو میرے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ یعنی خدا تعالٰے کے کلمات حکمت لکھنے کے لیے سمندر بھی کافی نہیں۔ اگرچہ ہم ویسا ہی سمندر اور اس کی مدد کیلئے لے آویں۔ سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں گے مگر حق تعالٰے کے کلمات ختم نہ ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالٰی کے کلمات حکمت غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کو نہیں لکھ سکتا۔

شانِ نزول

یہود نے ایک مرتبہ مسلمانوں سے کہا کہ تم قرآن میں پڑھتے ہو وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو حکمت دی گئی تو اس کو خیر کثیر دی گئی نیز تم یہ بھی پڑھتے ہو وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا یعنی تم کو جو علم دیا گیا وہ قلیل ہے یہ دونوں باتیں جمع کیسے ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ خود اس بات کے مُعترف ہیں کہ ہم کو توریت دی گئی جو کتاب حکمت ہے اور حکمت خیر کثیر ہے تو پھر یہ کیسے کہا گیا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ توریت اگرچہ خیر کثیر ہے لیکن اللہ کے کلمات حکمت کے مقابلہ میں قلیل ہے تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالٰی کے دریائے علم کے سامنے ایک قطرہ ہے بلکہ یہ بھی نہیں اللہ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے اور مخلوق کا علم حادث اور متناہی ہے۔

علم ہا از بحر علمش قطرۂ این چوں خورشید است وآنہا ذرۂ

گر کسے در علم صد لقمان بود پیش علم کاملش ناداں بود

اور اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا آدمی ہوں فرشتہ نہیں اور غیب سے واقف نہیں البتہ اللہ کا نبی ہوں اللہ کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے اور تمہارے سوال پر جو میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بیان کیا سو اللہ نے مجھ کو بذریعہ وحی کے اس پر مطلع کیا۔ منجملہ دلائل نبوت۔ یہ بھی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ اور شرک سے توبہ کرو اللہ کی طرف سے میرے پاس یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں جس طرح تم اس کے بندے ہو میں بھی اس کا بندہ ہوں۔ عبدیت اور بشریت میں تمہارے ساتھ شریک ہوں مگر نبوت اور رسالت کے اعتبار سے سب سے بلند اور برتر ہوں حتٰی کہ جبرائیلؑ اور میکائیلؑ بھی میرے وزیر ہیں۔ اللہ تعالٰے نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا ہے ظاہری طور پر میں تمہاری طرح بشر ہوں اور مخلوق ہوں مگر باطنی طور پر متخلق باخلاق الٰہی ہوں اور اندازۂ بشری سے

خارج ہوں۔ نصاریٰ کی طرح میری توصیف میں مبالغہ مت کرو کہ مقام نبوت کو مقام الوہیت کے ساتھ ملا دو خدا خدا ہے میں اس کا بندہ ہوں لہٰذا تم صرف اس کو پوجو اور مجھ کو صرف اس کا نبی مانو میں تم کو اس کا حکم سناتا ہوں سو جس شخص کو اپنے پروردگار سے ملنے کی توقع اور امید ہو اور اس کی رضا اور خوشنودی اس کو مقصود ہو تو اس کو چاہیئے کہ خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور اس کی شریعت کے مطابق کچھ نیک کام کرے جس سے صرف خدا تعالیٰ کی رضا مندی مقصود ہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے اگرچہ وہ شرک کتنا ہی صغیر اور خفی کیوں نہ ہو۔ حتی الوسع ہر قسم کے شرک سے بچتا رہے ظاہراً اور باطناً کسی درجہ میں بھی کسی کو اللہ کی عبادت میں شریک نہ کرے اور کوئی عمل کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے بناوٹ سے نہ کرے اس لیے کہ ریا چھوٹا شرک ہے اور عمل کو غارت اور تباہ کرنے والا ہے۔ ؎

کلید در دوزخ است آں نماز — کہ در چشم مردم گذاری دراز

شرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرک جلی اور ایک شرک خفی۔ شرک جلی یہ ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات اور عبادت میں کسی کو شریک کرے اور شرک خفی یہ ہے کہ نمود اور شہرت کے لیے کام کرے اور بعض مرتبہ وہ شرک اس قدر خفی ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں کوہ صفا پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے اور جو کام خالص اللہ کے لیے ہو اور غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو وہ اخلاص ہے۔ ؎

چیست اخلاص آنکہ از غیر خدا — فرد آئی در خلا و در ملا

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

عبادت باخلاص نیت نکوست — وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

چہ زنار مغ در میانت چہ دلق — کہ در پوشی از بہر پندار خلق

بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت — گرش با خدا در توانی فروخت

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ بِہٖ وَاَسْتَغْفِرُکَ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ——— نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الرِّیَاءِ فِی الْعَمَلِ وَنَعْتَصِمُ بِہٖ مِنْ وُّقُوْعِ الزَّلَلِ ——— اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۹ ذوالحجۃ الحرام ۱۳۸۹ھ۔ یوم پنجشنبہ قبل از مغرب سورۃ کہف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاھِرًا وَّبَاطِنًا وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ۔ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ وَیَا اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ مریم (علیہا السلام)

یہ سورۃ مکی ہے اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں اور اس سورۃ کا نام سورۂ مریم ہے کیونکہ اس سورۃ میں حضرت مریم صدیقہؑ کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اس لیے یہ سورت انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب صحابہ ہجرت کر کے حبشہ گئے اور شاہ نجاشیؒ سے ملے تو بادشاہ نے جعفرؓ بن ابی طالب سے کہا کہ تمہارا رسول جو کچھ لایا ہے اس میں سے جو تمہارے پاس ہے مجھے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے اس سورت کی شروع کی آیتیں پڑھیں نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی اور اساقفہ یعنی علماء اہل کتاب اس قدر روئے کہ ان کے سامنے جو کتابیں تھیں وہ بھیگ گئیں۔ نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ پیغام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک ہی مشکوٰۃ کے نور ہیں۔ (رواہ احمد والبیہقی وابن ابی حاتم)

نجاشیؒ صدق دل سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور جب اس کا انتقال ہو گیا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور بعض روایات میں ہے کہ عرصہ تک اس کی قبر پر نور دیکھا گیا۔

فائدہ متعلقہ بہ نماز جنازہ غائبانہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے سوائے نجاشی کے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہو۔ سو یہ نجاشی کی خصوصیت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بطور معجزہ نجاشی کا جنازہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ عمرانؓ بن حصینؓ کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔[1]

[1] عن عمران بن حصینؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا صلوا علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفوا خلفہ فکبر اربعا وھم لا یظنون الا ان جنازۃ بین یدیہ رواہ ابن حبان کذا فی نصب الرایۃ وفی روایۃ فصلینا خلفہ ونحن لا نری الا ان الجنازۃ قدامنا۔ کذا فی فتح الباری صفحہ ۱۵۱ ج ۳

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔

(ربط) گزشتہ سورت میں عجیب عجیب واقعات کا ذکر تھا اس سورت میں بھی عجیب عجیب واقعات کا ذکر ہے۔ اس سورت میں سب سے پہلے حضرت زکریاؑ کی دعا اور حضرت یحییٰؑ کی ولادت کا قصہ ذکر فرمایا اس کے بعد دیگر انبیاء کرامؑ کے واقعات ذکر کیے جن سے توحید اور رسالت اور مبداء۔ اور معاد کا اثبات مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دیکھو کہ خدا پرستوں پر دنیا میں کیسی کیسی رحمتیں اور کیسی کیسی نعمتیں مبذول ہوئیں اور کس طرح حق تعالیٰ نے اپنے مخلص اور وفادار بندوں کی دستگیری فرمائی اور آخرت کی نعمتیں تو وہم و گمان اور تصور سے بالا اور برتر ہیں۔ دیکھو کہ خدا کے مخلص بندے کیسے ہوتے ہیں ان کے نقش قدم پر چلو۔

آیاتہا ۹۸ ۱۹ : سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ : ۴۴ رکوعاتہا ۶

سورۂ مریم مکی ہے اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ

یہ مذکور ہے تیرے رب کی مہر کا، اپنے بندے زکریا پر۔ جب

نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ

پکارا اپنے رب کو چھپی پکار۔ بولا اے رب میرے! بوڑھی ہو گئیں

مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ

ہڈیاں اور ڈیگ نکلی سر سے بڑھاپے کی اور تجھ سے مانگ کر اے رب!

شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ

میں محروم نہیں رہا۔ اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے اور عورت

امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَ

میری بانجھ ہے، سو بخش مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانے والا۔ جو میری جگہ

يَّرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾

بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کے اور کر اس کو اے رب ! من مانتا ۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ

اے زکریا ہم تجھ کو خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ۔ نہیں کیا ہم نے

لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ

پہلے اس نام کا کوئی ! بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا

وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ

اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا یہاں تک کر

عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ

اکڑ گیا ۔ کہا یوں ہی ! فرمایا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور

خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ

تجھ کو بنایا میں نے پہلے سے ، اور تو نہ تھا کچھ چیز ۔ بولا اے رب

اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ

ٹھہرا دے مجھ کو کچھ نشانی ، فرمایا تیری نشانی یہ کہ بات نہ کرے تو لوگوں سے تین

لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى

رات تک چنگا بھلا ۔ پھر نکلا اپنے لوگوں پاس حجرے سے تو اشارت

اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ

سے کہا ان کو کہ یاد کرو صبح و شام ۔ اے یحییٰ اٹھا لے

الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ ۙ وَّحَنَانًا

کتاب زور سے ، اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکپن میں ۔ اور شوق دیا

مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ۙ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ

اپنی طرف سے اور ستھرائی ، اور تھا پرہیزگار . اور نیکی کرتا اپنے ماں باپ

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ

سے اور نہ تھا زبردست بے حکم - اور سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا

وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵ۧ

اور جس دن مرے اور جس دن اُٹھ کھڑا ہو جی کر .

قصۂ اوّل حضرت زکریا وحضرت یحییٰ علیہما السلام

قال تعالیٰ. كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ... الیٰ ... وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝

(ربط) حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ نجار (یعنی بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر کھاتے تھے ان کے کوئی فرزند نہ تھا اور اعزاء اور اقرباء کی طرف سے یہ کھٹکا تھا کہ میرے بعد دین حق میں تغیر و تبدل کر ڈالیں گے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوتا رہا۔ اس لیے انہوں نے پچھلی رات میں نہایت عجز و زاری کے ساتھ ایک فرزند کی دعا مانگی کہ جو میرے بعد تیرے دین کی حفاظت کرسکے اور دعا کا آغاز اپنے ضعف اور ناتوانی سے کیا۔ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ الخ اے میرے پروردگار میں بوڑھا ہوگیا۔ ہڈیاں کمزور ہوگئیں۔ اور سر کے بال سپید ہوگئے۔ وغیرہ وغیرہ کیونکہ بارگاہِ خداوندی میں ضعف اور لاچارگی کا اظہار اجابتِ دعا کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ كٓهٰيٰعٓصٓ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کے معنی معلوم ہیں۔ یہ تذکرہ ہے تیرے پروردگار کی خاص رحمت و عنایت کا اپنے خاص بندے زکریا پر جس وقت کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آواز کے ساتھ پکارا جو دردمندی اور نیازمندی اور اخلاص سے معمور تھی۔ اس وقت جو اللہ کی خاص رحمت اور عنایت ان پر مبذول ہوئی ان آیات میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور پست آواز سے دعا اس لیے فرمائی کہ دعا کا ادب یہی ہے کہ وہ پست آواز سے ہو۔

کما قال تعالیٰ۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً کیونکہ خدا تعالیٰ کے ہاں جہر اور اخفاء سب برابر ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى اور شاید لوگوں سے اس دعا کا چھپانا مقصود ہو کہ لوگ یہ دعا سُن کر مجھ کو احمق نہ بتلائیں کہ بڑھاپے میں کیا ہوگیا کہ اولاد کی دعا مانگ رہے ہیں اور وہ دعا یہ کی کہ اے میرے پروردگار بڑھاپے کی وجہ سے میری ہڈیاں کمزور اور سست

ہوگئیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے آگ کی طرح چمک اٹھا اور میری یہ حالت اگرچہ اولاد کی دعا سے مانع ہے۔ مگر اے پروردگار آپ سے دعا مانگنے میں کبھی محروم اور بے بہرہ نہیں رہا۔ آپ کی یہ گزشتہ الطاف و عنایات باوجود ظاہری اسباب کے فقدان کے مجھے دعا پر آمادہ کرتی ہیں اور میری یہ دعا کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں جس میں یہ امکان اور احتمال ہو کہ انبیاء اور اصفیاء کی جو دعا کسی دنیاوی غرض کے لیے ہو وہ بعض مرتبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ میری یہ دعا خالص دینی غرض کے لیے ہے اور اس درخواست کی اصل وجہ یہ ہے کہ تحقیق میں اپنے مرنے کے بعد اپنے وارثوں اور رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں کہ وہ دین کی حفاظت میں اور اس کے قائم رکھنے میں سستی کریں یا دنیا میں پھنس کر دین کو خراب کریں اور تیری مرضی کے مطابق دین کی خدمت نہ بجا لا سکیں۔ اے پروردگار تیرے دین کی خدمت اور حفاظت کا خیال مجھے اسی دعا پر آمادہ کر رہا ہے اور میری بیوی تو شروع جوانی ہی سے بانجھ ہے۔ اور اب تو نوے برس کی بڑھیا ہے ظاہر اسباب میں اولاد کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ پس اے پروردگار ایسی حالت میں تو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے بلا اسباب عادیہ کے ایک ایسا وارث یعنی ایسا بیٹا عطا کر جو علم و حکمت میں میرا بھی وارث ہو اور مرنے کے بعد میرا قائم مقام ہو اور میرے طریقہ ہدایت و ارشاد کو جاری رکھ سکے۔ اور اولاد یعقوب کا بھی وارث ہو یعنی خاندان یعقوب کا سچا جانشین ہو اور تیرے دین کا پاسبان اور نگہبان ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار ایسا فرزند عطا فرما جو میرے علم کا اور آباء و اجداد کے علم کا وارث ہو اور اے پروردگار میرے اس فرزند کو مقبول اور پسندیدہ بنا لے۔ جس سے تو بھی راضی ہو اور مخلوق بھی اس سے راضی ہو۔ یعنی ایسا فرزند عطا فرما کر جو علم و حکمت کے ساتھ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کے ساتھ بھی موصوف ہو تاکہ وہ تیرے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہو سکے۔ اور اولاد یعقوب کیلئے تو نے جس کرامت اور برکت کا وعدہ کیا ہے وہ اس کا وارث ہو سکے۔ اے پروردگار اہل دنیا کی طرح مطلق فرزند کا طلب گار نہیں بلکہ ایسے وارث کا آرزومند ہوں جو تیرے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ ہو اور تیرے دین کی حفاظت کرے۔

شیعہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری ہوتی ہے مگر ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں بلکہ علم و حکمت کی وراثت مراد ہے۔

۱۔ کیونکہ اس وقت یعقوب علیہ السلام کی اولاد لاکھوں کی تعداد میں موجود تھی۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت زکریاؑ کے ایک فرزند تن تنہا تمام اولاد یعقوب کے اموال و املاک کے وارث بن جائیں۔ حضرت یعقوبؑ کو انتقال کیے ہوئے دو ہزار برس سے زیادہ گزر چکے تھے۔ کیا وہ مال اب تک بجنسہٖ غیر منقسم رکھا ہوا تھا۔

۲۔ نیز مال کی وراثت کی دعا کرنا فضول ہے ہر لڑکا اپنے باپ کے مال کا وارث ہوتا ہی ہے لہٰذا

یَرِثُنِیْ کہنا بے کار اور لغو ہوا۔ معلوم ہوا کہ مال کی وراثت مراد نہیں ۔

۳- نیز حضرت زکریاؑ تو نجار تھے جیسا کہ حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ وہ بڑھئی کا کام کرتے تھے ۔ جس سے وہ محنت کرکے روزانہ اپنی قوت لایموت حاصل کرتے تھے۔ ان کے پاس کون سا مال و دولت رکھا تھا جس کی وہ فکر میں تھے کہ میرے بعد اس دولت کا کون وارث ہوگا۔ یہ فکر تو دنیا داروں کو ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد میرے مال کا کیا ہوگا۔

۴- مال کے وارث ہونے کے لیے اللہ سے بیٹا مانگنا شان نبوت کے بالکل منافی ہے مالی وراثت کی فکر تو دنیا داروں کو ہوتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارا مال و دولت فرزند کو مل جائے۔ اور اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ کمال بیقراری و بے تابی پر دلالت کرتا ہے کہ تولد فرزند کے لیے اس لیے بیتاب ہیں کہ بنی اعمام ان کے مال کے وارث نہ ہوجائیں تو یہ شان تو دنیا داروں کی ہے نہ کہ انبیاءؑ کی۔

۵- نیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاءؑ کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ انبیاء کرامؑ جو چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ اور وقف ہوتا ہے اور اس قسم کی روایت شیعوں کی کلینی میں بھی موجود ہے۔

پس معلوم ہوا کہ آیت میں میراث نبوت مراد ہے مال کی وراثت مراد نہیں جیسا کہ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ میں میراث سے میراثِ نبوت مراد ہے کہ جو داؤدؑ کی اولاد میں سے صرف سلیمان علیہ السلام کو ملی کیونکہ اگر میراث مالی مراد ہوتی تو تمام اولاد میں سے سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت تھی۔ نیز اس خبر دینے سے کوئی فائدہ نہ ہوتا اس لیے کہ تمام ملتوں اور شریعتوں میں یہ بات معلوم اور مقرر ہے کہ مال میں بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہے۔ پس اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو اس خبر دینے کی ضرورت نہ تھی اس کی خبر دینا لغو ہے اور کلام الٰہی لغو سے پاک ہے۔

وراثتِ انبیاءؑ کے مسئلہ کی تفصیل سورۃ نساء کے شروع میں گذر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے اور لفظِ وراثت اور میراث۔ مالی وراثت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کتاب و سنت میں میراث علمی پر بھی اس لفظ کا اطلاق بکثرت آیا ہے۔ جیسے آیت فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ اور آیت ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا میں وراثتِ علمی مراد ہے۔ وراثت کے اصلی معنی قائم مقام اور متسلط ہونے کے ہیں اور اس کے لیے مال لازم نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا۔ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۔ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۔ اس آیت میں میراثِ مالی کا مراد لینا ناممکن اور محال ہے بلکہ تسلط اور تصرف کے معنی مراد ہیں۔

حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے وارث بنایا اپنی کتاب کا ان بندوں کو جن کو ہم نے چھانٹ لیا۔ اس جگہ وراثت مالی کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یہاں بھی وراثت کتاب سے علم کتاب کی وراثت مراد ہے۔ نیز اول آیت میں بعد عِبَادِنَا کے۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ الخ

وارد ہے اور دوسری آیت میں بعد کتاب کے یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وارد ہوا ہے۔ سو
فَمِنْهُمْ کی تفریع سے ظاہر ہے کہ عطائے کتاب کے بعد لوگ تین حال پر ہو گئے کوئی ظالم رہا اور کوئی
مقتصد اور کوئی سابق بالخیر۔

سو یہ تفریع کتاب کی وراثت علمی پر ہے نہ کہ اوراق کتاب اور اس کی قیمت پر شیعوں نے یہ
سمجھ رکھا ہے کہ لفظ "وراثت" دراصل وراثت مال کے لیے وضع ہوا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ وراثت کا اطلاق
وراثتِ علم اور وراثت منصب اور وراثت تولیت اور وراثت خلافت یعنی قائم مقامی و تسلط سب
پر شائع اور ذائع ہے۔ قَالَ تَعَالٰى وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ
الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا اس کتاب میں بنی اسرائیل کا قوم فرعون کا وارث ہونا یعنی
ان کے ہلاک اور غرقابی کے بعد ان کا قائم مقام ہونا مراد ہے۔ مالی وراثت مراد نہیں مسلمان کافر کا وارث نہیں
ہوتا اور علیٰ ہذا القیاس اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ یہاں وراثتِ
ارضی سے ان کا قائم مقام بنانا مراد ہے اور تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ
تَقِيًّا سو اس آیت میں جنت کی وراثت سے قائم مقام ہونے کے معنی مراد نہیں بلکہ اہل ایمان کو حاوی اور
مسلط کر دینے کے معنی مراد ہیں۔ اور حدیث العلماء ورثة الانبیاء شیعوں کے نزدیک بھی مسلم
ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وراثت سے علم اور حکمت کی وراثت مراد ہے اور علیٰ ہذا وَوَرِثَ
سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ میں۔ علم و نبوت اور کمالات نفسانی کی وراثت مراد ہے۔

وراثتِ مالی مراد نہیں کیونکہ باجماع اہل تاریخ داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے۔ سب کے سب
باپ کے وارث ہوئے۔ سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت کہ جو خاص ان کی وراثت کا ذکر فرمایا۔ وہ
وراثت علم و نبوت ہے جس میں ان کے دوسرے بھائی شریک نہ تھے۔

حق تعالیٰ نے بواسطہ فرشتہ کے فرمایا اے زکریا ہم نے تمہاری دعا قبول کی ہم تجھ کو ایک لڑکے
کے پیدا ہونے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے کوئی ان کا ہمنام یا ہم صفت
نہیں پیدا کیا۔ یعنی اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی کا نہیں رکھا یا یہ معنی ہیں کہ اس سے پہلے ہم نے اس صفت
اور شان کا نہیں بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ صفت عفت اور پاکدامنی اور نزاہت میں ان کا مثل نہیں بنایا یعنی
ان کی طبیعت کو عورتوں کی طرف نفسانی اور طبعی میلان سے پاک کر دیا۔

زکریا علیہ السلام نے جب یہ عظیم بشارت سُنی تو فرطِ مسرت سے بطور تعجب عرض کیا اے میرے
پروردگار میرے کہاں سے لڑکا پیدا ہوگا۔ کیا میں جوان بنایا جاؤں گا۔ یا اسی بڑھاپے کی حالت میں بچہ ہوگا۔
اور حق تعالیٰ کی طرف سے جب یہ عظیم بشارت ملی تو فرط مسرت سے مزید طمانیت کے لیے
اور استلذاذ کے طور پر اس کے متعلق سوالات شروع کیے کہ کیسے ہوگا۔ اور کس طرح ہوگا۔ اور میری عورت
تو شروع ہی سے بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ معلوم نہیں کہ بحالت موجودہ کس

طرح اولاد ہوگی۔

فرشتہ نے زکریا علیہ السلام کو جواب دیا کہ تعجب مت کرو۔ اسی طرح ہوگا۔ اور بحالت موجودہ تمہارے بیٹا ہوگا۔ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تحقیق اس سے پہلے میں تجھ کو پیدا کرچکا ہوں اور تو اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھا۔ پس جو خدا عدم محض سے پیدا کرنے پر قادر ہے اسے بڑھاپے میں لڑکا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اختیار ہے کہ جس عمر میں چاہے اولاد عطا فرمادے۔ کسی خاص عمر میں اولاد کا پیدا ہونا مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں۔ صرف اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے وہ تو بغیر ماں باپ کے بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ بوڑھے ماں باپ سے اولاد پیدا کرنا اسے کیا مشکل ہے۔

زکریا علیہ السلام کو جب اطمینان ہوگیا تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس وعدہ پر میرا دل مطمئن ہوگیا ہے۔ لیکن میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے جو تیری بشارت کی آمد کی علامت ہو جس سے معلوم ہوجائے کہ تیرے وعدہ کے ظہور کا وقت اب قریب آگیا ہے تاکہ تیرے شکر میں مشغول ہوجاؤں۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن اور تین رات لوگوں سے بات نہ کرسکے گا۔ حالانکہ تو بھلا چنگا صحیح اور تندرست ہوگا۔ یعنی بات نہ کرسکنا۔ کسی مرض اور عذر کی وجہ سے نہ ہوگا۔ بلکہ وہ حمل اور ولادت کی علامت ہوگی۔ یعنی باوجودیکہ تو نہ گونگا ہوگا اور نہ تیری زبان میں کوئی نقص اور عیب ہوگا۔ تو بلا کسی مرض اور علت کے تین رات تک ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکے گا۔ تیری زبان بالکل بند ہوجائے گی اور تو لوگوں سے اشارے سے بات کرسکے گا۔ مگر باوجود اس کے اللہ کے ذکر پر تجھے قدرت ہوگی۔ اور یہ تیری عورت کے حمل کی نشانی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ کے ذکر میں تو زکریا کی زبان چلتی مگر جب لوگوں سے کچھ کہنا چاہتے تو بند ہوجاتی۔ تین دن اور تین رات برابر یہی کیفیت رہی جب لوگوں سے بات کرتے تو اشارہ سے بات کرتے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

پس جب وہ وقت آیا تو زکریا علیہ السلام مسجد کی محراب سے اپنی قوم کے سامنے برآمد ہوئے اور زبان گفتگو سے رک گئی سمجھ گئے کہ بشارت کا وقت قریب آگیا۔ باہر لوگ منتظر تھے دیکھا کہ چہرہ متغیر ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے نبی اللہ تم کو کیا ہوا۔ تو اس وقت اپنی قوم کو آہستہ اشارہ سے بتایا کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح پڑھا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ حسب سابق اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول رہو یا یہ مطلب ہے کہ اس جدید نعمت کے شکر میں مزید تسبیح و تحمید میں مشغول ہوجاؤ۔ میں بھی اللہ کی حمد و ثنا میں مشغول ہوں سب کو چاہیئے کہ میرے ساتھ مل کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

غرض یہ کہ ہم نے حسب وعدہ اور حسب بشارت زکریا علیہ السلام کو ایک فرزند عطا کیا۔ جس کا نام یحییٰ تھا۔ اور جب یحییٰ پیدا ہوئے اور سن شعور کو پہنچے تو ہم نے ان سے کہا اے یحییٰ کتاب توراۃ کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے۔ یعنی اس پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کرو اور ہم نے اس کو لڑکپن ہی سے فہم و دانش اور علم اور فراست صادقہ اور معرفت کاملہ دی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ بچپن میں لڑکوں

نے آپ کو کھیلنے کے لیے بلایا۔ تو آپ نے یہ کہا کہ ہم کھیل کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ "حکم" سے حلم اور وقار اور سکون کے معنی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو ہم نے بچپن ہی سے علم وحکمت عطا کیا تھا۔ تاکہ وہ احکام شریعت کو خوب سمجھ سکیں یہ ایک صفت ہوئی۔ اور دوسری صفت یحییٰؑ کو یہ عطا ہوئی کہ ہم نے اپنے پاس سے ان کو شفقت اور نرم دلی عطا کی یعنی بڑے رقیق القلب تھے۔ لوگوں پر شفقت فرماتے اور جب نماز پڑھتے تو زار وقطار روتے اور تیسری صفت ان کو یہ عطا کی کہ ان کو پاکیزگی اور پاک دلی عطا کی۔ زکوٰۃ سے طہارت قلب مراد ہے کہ دل گناہوں کے میلان سے پاک ہو جائے اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے عمل صالح مراد ہے۔ اور چوتھی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ طبعی اور جبلی طور پر پرہیزگار تھے خوف خداوندی کبھی ان کے دل سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اور پانچویں صفت ان کی یہ تھی کہ وہ اپنے والدین کے بڑے خدمت گزار تھے۔ اللہ پاک کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی طاعت نہیں کما قال تعالیٰ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور چھٹی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ یعنی تکبر اور نافرمانی کے شائبہ سے بھی پاک تھے۔ اور ساتویں صفت جو ان کو عطا ہوئی وہ یہ تھی کہ ان پر اللہ کا سلام ہے۔ اور اس کی سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن اٹھایا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اول تا آخر اللہ کی حفاظت میں محفوظ و مامون رہیں گے۔ اللہ کا سلام حضرت یحییٰؑ کے طرفین حیات کو محیط ہے۔ جوان کی فضیلت کی خاص دلیل ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ پر تین سلام ذکر فرمائے۔ پہلا سلام تو سلام تربیت ہے اور دوسرا سلام، سلام عصمت ہے۔ اور تیسرا سلام، سلام فضل ومشاہدہ ہے۔

تتمہ یحییٰ علیہ السلام بالاتفاق شہید ہوئے۔ یہود نے ان کو قتل کیا اور زکریا علیہ السلام کی وفات کے بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ طبعی موت سے مرے۔ یا وہ بھی شہید ہوئے۔ وھبؒ کی ایک روایت میں ہے کہ یہود نے جب یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو زکریا علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی قتل کریں۔ زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو بھاگے۔ اور ایک درخت کے شگاف میں داخل ہو گئے۔ یہود نے آکر اس درخت پر آرا چلا دیا اور درخت کے ساتھ ان کے دو ٹکڑے کر دیئے زکریا علیہ السلام نے صبر کیا اور اُف تک نہ کی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۵۱ ج ۲)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ

اور مذکور کر کتاب میں مریم کا۔ جب کنارے ہوئی اپنے

اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ

لوگوں سے ایک شرقی مکان میں۔ پھر پکڑ لیا اُن سے

دُونِهِمْ حِجَابًا ۚ فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا

ورے ایک پردہ - پھر بھیجا ہم نے اس پاس اپنا فرشتہ

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ

پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا - بولی مجھ کو رحمٰن کی پناہ

مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ

تجھ سے اگر تو ڈر رکھتا ہے - بولا میں تو بھیجا ہوں تیرے رب کا -

لِأَهَبَ لَكِ غُلَٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَٰمٌ

کر دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا - بولی کہاں سے ہو گا لڑکا ،

وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذَٰلِكِ ۚ

اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہ تھی - بولا یونہی فرمایا

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۖ وَلِنَجْعَلَهُۥٓ ءَايَةً لِّلنَّاسِ وَ

تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور اس کو ہم کیا چاہیں لوگوں کو نشانی، اور

رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ

مہر ہماری طرف سے - اور ہے یہ کام ٹھہر چکا - پھر پیٹ میں لیا اس کو پھر کنارے

بِهِۦ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَأَجَآءَهَا ٱلْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ

ہوئی اس کو لے کر ایک پرے مکان میں - پھر لے آیا اس کو جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ

ٱلنَّخْلَةِ قَالَتْ يَٰلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا

میں - بولی کسی طرح میں مر چکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی

مَّنسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادَىٰهَا مِن تَحْتِهَآ أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ

بھولی بسری - پھر آواز دی اس کو اس کے نیچے سے کہ غم نہ کھا کر دیا تیرے

رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ

رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ۔ اور ہلا اپنی طرف سے کھجور کی جڑ اس

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ

سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں۔ اب کھا اور پی اور آنکھ

عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ

ٹھنڈی رکھ۔ سو کبھی تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو میں نے مانا ہے

لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَاَتَتْ

رحمٰن کا ایک روزہ سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے۔ پھر لائی

بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔا

اس کو اپنے لوگوں پاس گود میں۔ بولے، اے مریم! تو نے کی یہ چیز

فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ

طوفان۔ اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور

مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ ښ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ

نہ تھی تیری ماں بدکار - پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو۔ بولے ہم کیونکر

نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ڜ

بات کریں اس شخص سے کہ وہ ہے گود میں لڑکا۔ وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا۔

اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ لا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ

مجھ کو اس نے کتاب دی اور مجھ کو نبی کیا - اور بنایا مجھ کو برکت والا جس

مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ

جگہ میں ہوں۔ اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں

حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾

جیتا ۔ اور سلوک والا اپنی ماں سے اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بدبخت ۔

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ

اور سلام ہے مجھ پر، جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں ، اور جس دن

اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾

کھڑا ہوں جی کر ۔

قصۂ دوم حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام

قال تعالیٰ ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ... الیٰ ... وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۔

(ربط) حق تعالیٰ نے گزشتہ رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ بحالت پیری ایک پیرِ ناتواں اور ایک بانجھ اور بوڑھی بیوی سے بلا سبب ظاہری ایک مبارک فرزند یعنی یحییٰ علیہ السلام کا تولد ہوا۔ اب اس سے زیادہ عجیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ اس لیے کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونا اگرچہ عجیب ہے۔ مگر والدین سے۔ بچہ کا پیدا ہونا عادۃً قریب الی العقل ہے اور بغیر باپ کے محض ماں سے بچہ پیدا ہونا بہت ہی عجیب و غریب ہے جو اللہ کی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا کرنے پر قادر ہے ولادت خواہ کسی طرح ہو وہ کسی مادہ اور طبیعت کے اقتضاء پر موقوف نہیں۔ صرف اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ قادرِ مطلق ہے جس طرح چاہے پیدا کرے اور کوئی مولود معبود نہیں ہوسکتا۔ حق جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کی تردید اور اصلاح کے لیے بیان فرمایا اس لیے کہ یہود تو حضرت مسیح بن مریمؑ کو معاذ اللہ ولد الزنا بتاتے تھے اور نصاریٰ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بتلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ولادت کی مفصل کیفیت بیان کی تاکہ خوب واضح ہو جائے کہ یہ مولودِ مسعود اللہ کی قدرت اور اس کی رحمت کی نشانی ہے معاذ اللہ ولد الزنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مولود مسعود کو خلاف عادت محض اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مبارک مولود قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے معبود نہیں چنانچہ اس مولود مسعود نے پیدا ہونے کے بعد جو پہلا کلام کیا سب سے پہلے اپنی عبدیت کا اقرار کیا۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اور اس کے بعد اپنی صفات بیان کیں جن میں اپنی نبوت کا اور اپنی برکت کا اور اپنی عبادت کا یعنی نماز اور زکوٰۃ کا اور اپنی تواضع اور اطاعت کا اور خدا تعالےٰ کی طرف سے اپنے اوپر سلامتی کا ذکر فرمایا تاکہ سننے والے سُن لیں کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور جو لوگ مجھے بے باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ سب غلط ہے ولادت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ من جانب اللہ عزت اور کرامت کی دلیل ہے۔ اور پھر شیرخوارگی کی حالت میں اپنے معجزانہ کلام کو وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا پر ختم فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو تمام تہمتوں اور عیبوں سے سلامتی عطا فرمائی ہے۔ یہی اس کی دلیل ہے کہ معاذ اللہ حضرت مسیح بن مریمؑ خدا نہیں کیونکہ خدا کو کسی کی سلامتی کی ضرورت نہیں نیز خدا ولادت اور موت اور بعث سے پاک اور منزہ ہے۔ اور ان تین وقتوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ یہ تین وقت انسان پر بہت سخت اور نازک ہیں۔ ان تین وقتوں میں انسان اللہ کی سلامتی کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب یعنی قرآن کے اس خاص حصہ یعنی اس سورت میں مریم کا قصہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیے۔ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب تھا غسل کے لیے گئیں۔ سو اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا تاکہ اس پردہ کی آڑ میں غسل کر سکیں اور کوئی اس پردہ کے اندر نہ آسکے پس جب غسل کر چکیں اور کپڑے پہن لیے تو اس وقت ہم نے اس کے پاس ایک اپنا فرشتہ یعنی جبرئیل امینؑ کو بھیجا۔ پس وہ پورا آدمی بن کر مریم کے سامنے نمودار ہوا۔ یعنی حضرت جبرئیل ایک نہایت حسین وجمیل اور خوبصورت نوجوان کی صورت میں مریمؑ کے سامنے ظاہر ہوئے آدمی کی صورت میں اس لیے نظر آئے تاکہ مریمؑ ان کو دیکھ کر ڈرے نہیں اور ان کا کلام سنیں اگر فرشتہ کی صورت میں نظر آتے تو مریمؑ ان کو دیکھ کر ڈر جاتیں اور بے ہوش ہو جاتیں۔ اور عجب نہیں کہ اس صورت میں مریم صدیقہؑ کی عفت اور پاکبازی کا امتحان بھی مقصود ہو غرض یہ کہ مریمؑ نے جب غسل خانے میں ایک اجنبی اور بیگانہ آدمی دیکھا تو گھبرا گئیں اور بولیں کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو مرد متقی ہے۔ تو میں تیرے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ مریمؑ اس کو بشر سمجھ کر گھبرائیں اور خدا کا واسطہ دیا کہ سامنے سے ہٹ جائے تو اس وقت جبرئیل امینؑ نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا۔ اور کہا کہ میں کوئی بشر اور آدمی نہیں اس سے تم ڈر رہی ہو۔ میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ (بھیجا ہوا) فرشتہ ہوں تاکہ تجھ کو خدا کے حکم سے پاک اور پاکیزہ لڑکا عطا کردوں۔ مجھ سے ڈرنے اور پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں میں ایسا نہیں جیسا کہ تیرا گمان ہے۔

مریمؑ کو اس کی نورانی صورت سے اور القاء ربانی سے یہ یقین ہوگیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے مگر تعجب ہے کہ بغیر شوہر کے کیسے بچہ ہوگا اس لیے مریمؑ نے کہا میرے لڑکا کہاں سے ہوگا اور مجھ کو تو کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ یعنی میرا کسی سے نکاح نہیں ہوا اور نہ تھی میں کبھی بدکار جبرئیلؑ نے کہا یونہی ہوگا۔ یعنی اللہ تعالےٰ

تجھے بغیر باپ کے ہی لڑکا عطا کرے گا۔ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ وہ (یعنی بغیر باپ کے بیٹا عطا کرنا) مجھ پر آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اپنی تخلیق و تکوین میں آلات اور مواد اور اسباب کا محتاج نہیں۔ اسے بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیں۔ کہ اس کے حال کو دیکھ کر لوگ ہماری قدرت کو پہچانیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنی جانب سے اسی بے باپ کے بچہ کو سامانِ رحمت بنائیں جو اس پر ایمان لائے وہ ہدایت پائے۔ اور قیامت کے دن شفاعت سے بہرہ یاب ہو یہ فائدہ خاص مؤمنین کے لیے ہے اور اٰیَةً لِّلنَّاسِ یعنی قدرت کی نشانی ہونا یہ سب لوگوں کے واسطے ہے۔ اور اس بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا علم الٰہی میں طے شدہ امر ہے۔ حضرت مریمؑ فرشتے کی بات سے مطمئن ہوگئیں پھر اس گفتگو کے بعد جبریل امینؑ مریمؑ کے قریب آئے اور ان کے منہ میں یا گریبان میں پھونک ماری پس اسی وقت مریمؑ حاملہ ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سات مہینے حمل رہا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قرارِ حمل اور ولادت سب ایک ہی ساعت میں واقع ہوئے۔

فرشتے عورت کو چھوتے نہیں اس لیے جبریل امینؑ نے مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری جس سے وہ اسی وقت حاملہ ہوگئیں۔ قرآن کریم میں نفخ روح کا ذکر ہے۔ مگر اس کی کیفیت کا بیان نہیں۔ اس لیے بیانِ کیفیت سے سکوت اولیٰ ہے۔ پس جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو شرم کے مارے اس حمل کو لے کر کسی دور جگہ جنگل یا پہاڑ میں چلی گئیں۔ غالباً وہ جگہ بیت لحم ہے۔ یہ مقام بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

بیت المقدس میں حضرت مریمؑ کی طرح ایک اور مرد صالح مسجد کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جس کا نام یوسف نجار تھا۔ اور وہ حضرت مریمؑ کا چچازاد بھائی تھا۔ بڑا عابد و زاہد تھا۔ سب سے پہلے مریمؑ کے حمل کا حال یوسف نجار کو معلوم ہوا۔ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گیا کہ اس عفیفہ اور پاکدامن کو کیا ہوا۔ ایک طرف تو ان کی عفت و براءت و طہارت و نزاہت کا اور ان کی کرامتوں کا خیال آتا اور دوسری طرف آثارِ حمل کو دیکھتا تو متحیر ہوتا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ زبان سے چپ رہتا مگر اندر ہی اندر طرح طرح کے خیالات آتے بالآخر ایک دن حضرت مریمؑ سے تعریضاً اور کنایۃً یہ سوال کیا۔ اے مریمؑ تیرے بارہ میں میرے دل میں خیال پیدا ہوا ہے میں نے اس کو بہت چھپانا چاہا مگر وہ مجھ پر غالب آیا میں اس کو تجھ پر ظاہر کرکے اپنے دل کو شفا دینا چاہتا ہوں۔ مریمؑ نے کہا، کہو وہ کیا خیال ہے۔

قال ھل یکون قط شجر من غیر حب وھل یکون زرع من غیر بذر وھل یکون ولد	یوسف نجار نے کہا اے مریمؑ! کیا کوئی درخت بغیر گٹھلی کے اور کوئی کھیتی بغیر دانہ کے ہو سکتی ہے اور کیا کوئی فرزند بغیر باپ کے

من غنیں اب۔ ہو سکتا ہے۔

مریمؑ اس تعریض اور کنایہ کو سمجھ گئیں اور کہا کہ ہاں کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ خدا نے جب پہلی کھیتی کو پیدا کیا تو بیج کے بغیر پیدا کیا۔ اور پہلے درخت کو اپنی قدرت سے بغیر پانی کے پیدا کیا۔ اس نے اپنی قدرت سے پانی کو درخت کی زندگی کا ذریعہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ پیدا کیا اور پھر ایک کو دوسرے کا سبب بنایا کیا تیرا یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ بغیر پانی کی مدد کے درخت اگانے پر قادر نہیں۔

یوسف نجار نے کہا میرا ہرگز یہ اعتقاد نہیں۔ میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے۔ تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ سو وہ ہو جاتا ہے۔

مریمؑ نے کہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ تخم اور دانہ کا اور کھیتی کا اور پانی کا اور بارش کا اور درخت کا ایک ہی خالق ہے اور وہ درخت اگانے میں کسی پانی اور دانہ کا محتاج نہیں۔ یوسف نجار نے کہا کیوں نہیں بیشک وہ قادر مطلق ہے۔

پھر مریمؑ نے کہا کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اور اس کی عورت کو بغیر مرد کے اور بغیر عورت کے اور بغیر حمل کے پیدا کیا۔

حضرت مریمؑ کے یہ جوابات سُن کر یوسف نجار کا دل مطمئن ہو گیا اور اس کے دل سے تمام شبہات دور ہو گئے۔ اور سمجھ گیا کہ یہ کوئی امر غیبی ہے جو تہمت اور بدگمانی سے پاک ہے۔ بلکہ کرامت خداوندی ہے جس سے مریمؑ کو عزت دینی مقصود ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی صفحہ ۵۴۲ ج ۵ و تفسیر ابن کثیر ص۱۱۶ ج۳۔ و تفسیر درمنثور از سورۃ آل عمران صفحہ ۲۴۔ ج ۲۔ و روح المعانی ص۷۹ ج ۱۶)

پھر جب ولادت کا وقت قریب آیا تو دردِ زہ نے ان کو مضطر اور مجبور کیا کہ وہ کھجور کے تنے سے آکر سہارا لیں یہ درخت جنگل میں تھا اور بالکل خشک ہو گیا تھا۔ جب دردِ زہ شروع ہوا تو مریمؑ چار ناچار ایک درخت خرما کے تنے سے سہارا لے کر بیٹھ گئیں۔ پریشانی کا عجیب عالم تھا ایک طرف تو بے سروسامانی اور دوسری طرف رسوائی اور بدنامی کا خیال اس لیے بولیں کہ کاش میں اس حالت سے پہلے ہی مر جاتی اور بھولی بھلائی ہو جاتی کہ کوئی میرا نام و نشان تک نہ جانتا فضیحت اور رسوائی کے خوف سے مریمؑ نے موت کی تمنا کی۔ شرم اور عار کے خیال نے فرشتوں کی بشارت کو فراموش کر دیا۔ پس اس وقت فرشتے نے مریمؑ کو نیچے کی جانب سے آواز دی کہ تو غم نہ کر اور موت کی تمنا نہ کر تیرے پروردگار نے غیب سے یکایک تیرے نیچے ایک نہر جاری کر دی ہے اور تیرے کھانے پینے کا سامان کر دیا ہے۔ پینے کے لیے نہر جاری کر دی اور کھانے کے لیے خشک درخت کو میوہ دار کر دیا۔ پہلی مرتبہ جبریلؑ بشارت کے لیے آئے تو مریمؑ کے سامنے آئے اس وقت تسلی کے لیے آئے تو سامنے نہیں آئے بلکہ وادی کے نیچے سے آواز دی مریمؑ اس وقت ایک ٹیلہ پر تھیں۔

اور نیچے جبریلؑ تھے وہاں ایک خشک نہر بھی تھی اللہ نے اپنی قدرت سے اس میں پانی جاری کر دیا اور سوکھے درخت کو ہرا اور سرسبز کر دیا اسی دم اس پر پھل آگئے اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ اے مریمؑ اس کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا وہ تجھ پر پکی پکی تازہ کھجوریں گرائے گا۔ زچہ کے لیے سب سے زیادہ مفید تر کھجور ہے۔
اطباء نے لکھا ہے کہ عورت کے لیے ایام نفاس میں رُطَبْ تازہ کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں
الغرض جبریلؑ نے حضرت مریمؑ کی تسلی اور تسکین کے بعد یہ کہا۔ پس اے مریمؑ! تو اس پھل کو کھا اور اس پانی کو پی اور اس فرزند دلبند سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر جو خدا بلا اسباب ظاہری خشک زمین سے پانی اور خشک درخت سے میوہ پیدا کر سکتا ہے وہ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے حق تعالیٰ کی ان کرامتوں اور عنایتوں پر نظر کر اور پریشانی اور غم دل سے نکال دو یکایک پانی کا جاری ہونا یہ تو پینے کا سامان ہوا اور خشک درخت سے یکدم تازہ کھجوروں کا گرنا یہ کھانے کا سامان ہوا۔ یہ تو لذت جسمانی ہوئی۔ اور چونکہ پانی اور پھل کا ظہور بطور خرق عادت ہوا۔ اس لیے یہ کرامت لذتِ روحانی کا سبب بنی۔
پس اے مریمؑ یہ تو تیری راحت کا سامان ہوا اور جس بدنامی سے تو ڈر رہی ہے اس کا انتظام یہ ہے کہ اگر تو اس کے بعد کسی آدمی کو دیکھے اور وہ تجھ سے تیرے بیٹے کا حال پوچھے کہ یہ لڑکا کہاں سے آیا تو تم زبان سے کچھ نہ بولنا بلکہ اشارہ سے یہ کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے واسطے ایسے روزہ کی نذر کی ہے۔ جس میں کلام کی ممانعت ہے۔ سو اس وجہ سے میں آج کسی آدمی سے زبان سے بات نہیں کروں گی۔
بنی اسرائیل میں روزہ کی حالت میں بولنا منع تھا ان لوگوں کا روزہ یہ تھا کہ کھانا اور پینا اور بات کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے کچھ نہ کہنا بلکہ لوگوں کو اشارہ سے یہ بات سمجھا دینا اھ
قول کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی اشارہ سے۔ غرض یہ کہ فرشتہ کے اس کلام سے حضرت مریمؑ کو تسلی ہو گئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر جب مریمؑ کو ان بشارتوں اور کرامتوں سے سکون اور اطمینان ہو گیا تو مریمؑ اس بچہ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے بیت اللحم سے چلیں اور اپنی قوم کے پاس اس کو لے کر آئیں تو قوم پر یہ بات بہت گراں گزری کہ جب مریمؑ کی کہیں شادی نہیں ہوئی تو یہ بچہ کہاں سے لائی سو کہنے لگے کہ اے مریم یہ تو تو ایک عجیب اور انوکھی چیز لے کر آئی ہے۔ تیرے گھر والوں میں کبھی ایسا امر ہوا ہی نہ تھا۔ اس طرح بچہ کو برملا گود میں لے کر آنا بہت ہی شرم کا مقام ہے یہ تو کھلی بے باکی اور بے حیائی ہے۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ کوئی برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی یہ اثر تجھ میں کہاں سے آیا۔ سچ بتا کس کا ہے۔ مریمؑ کے باپ کا نام عمران تھا جو مسجد اقصیٰ کے امام تھے اور بڑے عابد و زاہد تھے اور ان کی ماں کا نام حنہ بنت فاقوذا تھا جن کا قصہ قرآن میں مذکور ہے پس جب تیرے ماں باپ بھائی بدکار نہ تھے تو تُو نے یہ نالائق حرکت کیسے کی۔ حدیث میں ہے کہ مریمؑ کے بھائی کا نام ہارون تھا۔ جن کا زہد اور عبادت بنی اسرائیل میں ضرب المثل تھا۔ اور حضرت مریمؑ کا زہد اور عبادت بھی اپنے بھائی ہارون

جیسا تھا اس بناء پر ان کو اختِ ہارون کہا گیا۔ اور ہارون نام حضرت ہارون پیغمبرؑ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام پیغمبروں اور صالحین کے نام پر رکھتے تھے۔ جیسا کہ مسلمانوں میں ہزاروں آدمیوں کا نام محمد اور احمد رکھا گیا ہے اور اگر بالفرض ہارون سے مراد برادرِ موسیٰ علیہ السلام ہی ہوں تو بھی محاورۂ عرب کے مطابق مریمؑ کو اختِ ہارون کہنا درست ہے۔ کیونکہ مریمؑ حضرت ہارون کی نسل سے تھیں جیسے تمیمی کو یا اخا تمیم اور ہمدانی کو یا اخا ہمدان کہتے ہیں اور قرآن کریم میں ہے۔ وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ اس طرح مریمؑ کو يَا أُخْتَ هَارُونَ کہنا صحیح ہے۔

پس مریم علیہا السلام اپنی قوم کی طعن و تشنیع کی یہ باتیں سن کر حسب ہدایتِ خداوندی خاموش ہو گئیں اور کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ کہنا ہو وہ اس سے کہو یہ بچہ تمہیں جواب دے گا تو وہ لوگ برہم ہو کر بولے کہ ہم اس بچہ سے کیسے بات کریں جو ابھی ماں کی گود میں بچہ ہی ہے۔ جب حضرت مریمؑ نے بچہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم اس بچہ سے پوچھ لو تو اور غضبناک ہوئے کہ بجائے شرم کے ہم سے تمسخر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس شیر خوار بچہ سے پوچھ لو اور کہا جاتا ہے[1] کہ زکریا علیہ السلام کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ بھی جھپٹے ہوئے آئے اور بچہ سے کہا کہ اگر تو من جانب اللہ مامور ہے تو اپنی حجت اور حقیقت بیان کر۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بول اٹھے اور کہا کہ میں بلاشبہ اللہ کا بندہ ہوں خدا اور خدا کا بیٹا نہیں۔ الغرض جب حضرت مریمؑ بچہ کو لے کر اپنی قوم میں آئیں تو بنی اسرائیل جمع ہو گئے اور حضرت مریمؑ پر طعن و تشنیع شروع کی اس وقت[2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کا دودھ پی رہے تھے اسی وقت دودھ پینا چھوڑ دیا اور بائیں پہلو پر تکیہ لگا کر انگشت شہادت سے ان کی طرف اشارہ کیا اور جواب دینا شروع کیا اور کہا کہ تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۲ ج ۱۱) اور اپنی ذات کے لیے آٹھ صفتیں بیان فرمائیں جن میں تمام خیالات فاسدہ کا رد ہو گیا۔

پہلی صفت — عبدیت

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ

یعنی میں اللہ کا خاص بندہ ہوں بطور خرقِ عادت کے بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں معاذ اللہ ولد الزنا

---

[1] قيل كان المستنطق لعيسىٰ زكرياؑ۔ (كذا في البحر المحيط ص۱۸۶ ج ۶) وقال الرازيؒ وقيل ان زكريا عليه السلام اتاها عند مناظرة اليهود اياها فقال لعيسى عليه السلام انطق بحجتك ان كنت امرت بها فقال عيسىٰ عليه السلام عند ذلك إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ (تفسير كبير ص۵۸۹ ج ۵)

[2] فقيل كان عيسىٰ عليه السلام يرضع فلما سمع كلامهم ترك الرضاعة واقبل عليهم بوجهه واتكأ على يساره واشار اليهم بسبابته اليمنى وقال إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ (تفسير قرطبی ص۱۰۲ ج ۱۱)

نہیں اور نہ معاذ اللہ میں عین خدا ہوں اور نہ خدا مجھ میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ خالق معبود کا ایک جسم نومولود کے ساتھ متحد ہونا بداہۃً محال ہے اس لیے کہ معبود قدیم ہے اور جسم نومولود حادث ہے۔ جو ابھی عدم سے وجود میں آیا ہے اور ظاہر ہے کہ قدیم نہ حادث کے ساتھ متحد ہو سکتا ہے اور نہ اس کا عین ہو سکتا ہے اور نہ اس میں حلول کر سکتا ہے۔

۱۔ کیونکہ۔ محل۔ حال کو محیط ہوتا ہے۔ اور اپنے اندر اس کو سمولیتا ہے۔

۲۔ نیز محل اور ظرف۔ حال اور مظروف سے مقدار میں زیادہ ہوتا ہے۔

۳۔ نیز حال، محل کا محتاج بھی ہوتا ہے اور اللہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک جسم حادث اور متغیر۔ قدیم اور واجب الوجود کا محل اور ظرف بن سکے اور اس کو اپنے احاطہ میں لے سکے۔ یا اس کا جزء بن سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود اگرچہ اس کلام سے ماں سے تہمت دور کرنا تھا مگر عیسیٰؑ نے سب سے پہلے خدا تعالےٰ سے تہمت کو دور کیا کہ کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا یا اس کے لیے اولاد تجویز کرنا یہ خدا تعالیٰ پر اتہام ہے۔ اور وہ اس تہمت سے پاک ہے اسی طرح میری ماں کا حال ہے لوگ اس پر زنا کی تہمت لگا رہے ہیں مگر وہ اس سے بالکل پاک ہے ایسا مبارک اور صاحب کمال بچہ کہیں زنا سے پیدا ہو سکتا ہے اور میری ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ معاذ اللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں اس لیے کہ مولود معبود نہیں ہو سکتا لامحالہ عبد ہی ہوگا۔ اور اگر بقول نصاریٰ بطور فرض محال اس بات کو مان لیا جائے کہ ذاتِ خداوندی کے ناسوت کا عیسیٰؑ میں حلول جائز اور ممکن ہے تو پھر کلمۃ اللہ کا حلول اور دخول زید اور ذات عمر میں بھی جائز ہونا چاہیئے۔ سب کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قدیم اور ازلی نہ تھے۔ بلکہ حادث تھے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ پس اگر ایک جسم حادث اور طفل مولود میں خداوند معبود کا حلول اور دخول ممکن ہے تو پھر جسم فرعون اور جسم نمرود میں اور جسم گوسالہ میں معبود کا حلول کیوں محال ہے۔

اور دوسری صفت

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے۔ یعنی عنقریب اللہ تعالےٰ مجھ کو کتاب (انجیل) عطا کرے گا جو میری نبوت کی دلیل ہوگی اور نبوت الوہیت کے منافی ہے۔

اور تیسری صفت

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ یعنی اللہ نے ازل میں فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ کو نبی بنائے گا۔ اور مجھ کو انجیل عطا کرے گا۔ اور چونکہ یہ فیصلہ قطعی ہے۔ ضرور اپنے وقت پر واقع ہوگا۔ اس لیے اس آنے والے واقعہ کو بصیغۂ ماضی تعبیر کیا اور بعض کا قول یہ ہے کہ اسی وقت اللہ نے ان کو کتاب دے دی اور نبی

کردیا۔ مگر یہ قول غایت درجہ بعید ہے۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں یہ حکم کرچکا ہے کہ آئندہ چل کر مجھ کو نبوت ملے گی اور مجھ پر انجیل نازل ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی تھا۔ حالانکہ آدمؑ ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے۔

اور چوتھی صفت

یہ ہے وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے جس جگہ بھی ہوں جہاں بھی رہوں اور جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا مبارک بندہ ہوں۔

اور پانچویں صفت

یہ ہے وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں۔ اس لیے کہ آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد بندہ احکام شرعیہ کا مکلف نہیں رہتا البتہ قیامت کے قریب جب آسمان سے دوبارہ نازل ہوں گے تو پھر حسب دستور احکام شرعیہ کے مکلف ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جو اس کے حکم کے مطابق اس کے مقررہ وقت پر ادا کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اور عبادت دلیل عبدیت کی ہے۔ اور عبدیت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔

اور چھٹی صفت یہ ہے

وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ

اللہ تعالیٰ نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں اور میری یہ والدہ عفیفہ اور طاہرہ اور مطہرہ ہے مجھ پر اس کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ بالغرض اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی باپ ہوتے تو خدمت اور احسان میں والدہ کی تخصیص نہ ہوتی بلکہ باپ کا بھی ذکر ہوتا جیسا کہ حضرت یحییٰؑ کے قصہ میں فرمایا وَبَرًّا بِوَالِدَیْہِ یعنی یحییٰ علیہ السلام اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور اپنی والدہ کی خدمت اور اطاعت دلیل عبدیت کی ہے۔

اور ساتویں صفت یہ ہے

وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا

اللہ نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا کہ اللہ کا حکم نہ مانوں بلکہ متواضع اور نیک بخت بنایا۔

اس لیے کہ معصیت شقاوت کا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا یا اپنی ماں کا نافرمان ہے وہ متکبر اور بدبخت ہے اور متواضع اور نیک بخت ہونا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰؑ خدا کے بندے تھے۔

اور آٹھویں صفت یہ ہے

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا

سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ یہ صفت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ تھے کیونکہ خدا ولادت اور موت سے منزّہ ہے اور کسی کی سلامتی اور حفاظت سے بے نیاز ہے۔

حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس روضۂ اقدس میں مدفون ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا مَسِّ شیطان سے محفوظ رہا اور مرنے کے بعد سوال قبر وغیرہ سے محفوظ رہا اور قیامت کے دن قیامت کی ہول اور دہشت سے محفوظ رہوں گا۔ مجھے کہیں خوف وغم نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں یہ خارق عادت کلام کیا اور اپنی خداداد خصال کمال کو نہایت بلاغت کے ساتھ بیان کیا۔

جب لوگوں نے ان کا یہ کلام سُنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس خارق عادت کلام کو سُن کر لوگوں کو ان کی ماں کی براءت اور نزاہت معلوم ہوگئی اور اسی وجہ سے لوگوں نے مریمؑ پر زنا کی سزا قائم نہ کی اور مطمئن ہوگئے کہ یہ لڑکا معاذ اللہ ولد الزنا نہیں بلکہ قدرتِ خداوندی کی ایک نشانی ہے۔ اور خوب سمجھ گئے کہ یہ بچہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک ہے۔ اس لیے کہ اوّل تو ایک نومولود بچہ کا خارق عادت طریقہ پر اس طرح گفتگو کرنا اور نہایت فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ایسا مؤثر کلام کرنا جس سے دشمن حیران اور سرگرداں رہ جائیں۔ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نومولود نہایت مبارک اور مسعود ہے اور یہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک اور منزہ ہے پھر یہ کہ جو مولود ایسی پاکیزہ خصال اور ایسی صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو وہ کیسے ولد الزنا ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ خود ان کے اقرار مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا سے کہ فرع کو اصل کے مطابق دیکھنا چاہیئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ آخری کلام تھا یہ خارق عادت کلام سُنکر لوگوں نے ان کی والدہ کی براءت معلوم کرلی اور خاموش ہوگئے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی یہ کلام کرکے شیرخوار بچوں کی طرح خاموش ہوگئے پھر انہوں نے کوئی بات نہیں کی یہاں تک کہ اس مدت کو پہنچے جس میں بچے عادتاً باتیں کیا کرتے

ہیں اس کلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بولنا کہیں ثابت نہیں ورنہ ضرور نقل ہوتا غرض یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کلام کے بعد شیر خوار بچوں کی طرح خاموش ہوگئے اور جب تک بولنے کی عمر تک نہ پہنچے اس وقت تک نہ بولے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۳ ج ۱۱)

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ

یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا! سچی بات،

الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ

جس میں جھگڑتے ہیں۔ اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد وہ

وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

پاک ذات ہے۔ جب ٹھہراتا ہے کچھ کام یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو،

فَيَكُوْنُ ؕ ﴿٣٥﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا

وہ ہوتا ہے۔ اور کہا بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا، سو اسی کی بندگی کرو۔ یہ

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ

ہے راہ سیدھی۔ پھر کئی راہ ہو گئے فرقے ان میں سے۔

[1] قال الامام القرطبیؒ قد روی فی قصص هذه الآیة عن ابن زید وغیره انه لما سمعوا کلام عیسیٰ اذعنوا وقالوا ان هذا الامر عظیم وروی ان عیسیٰ علیه السلام انما تکلم فی طفولیته بهذه الآیة ثم عاد الی حالة الاطفال حتی مشی علی عادة البشر الی ان بلغ مبلغ الصبیان فکان نطقه اظهار براءة امه لانه کان ممن یعقل فی تلك الحالة وهو کما ینطق الله تعالیٰ الجوارح یوم القیامة ولم ینقل انه دام نطقه ولا انه کان یصلی وهو ابن یوم او شهر ولو کان یدوم نطقه و تسبیحه ووعظه وصلاته فی صغره من وقت الولادة فکان مثله مما لا ینکتم (صفحہ ۱۰۳ ج ۱۱)

وقال السیوطیؒ۔ ثم امسك عیسیٰ عن الکلام حتی بلغ مبلغ الناس۔ (تفسیر درمنثور ص ۲۶۹ ج ۴)

واخرج ابن ابی شیبة وابن ابی حاتم وابن عساکر من طریق مجاهد عن ابن عباسؓ قال تکلم عیسیٰ بعد الآیات التی تکلم بها حتی بلغ مبلغ الصبیان۔ (تفسیر درمنثور ص ۲۶۹ ج ۴)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾ أَسْمِعْ

سو خرابی ہے منکروں کو جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا - کیا سنتے

بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي

دیکھتے ہوں گے ؛ جس دن آویں گے ہمارے پاس، پر بے انصاف آج کے دن

ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ

صریح بھٹکتے ہیں - اور ڈر سنادے ان کو اس پچھتاوے کے دن کا، جب فیصل

الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّا

ہوچکے گا کام؛ اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے - ہم

نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾

وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر، اور ہماری طرف پھر آویں گے۔

قول مبرم و فیصلہ محکم

دربارۂ حقیقت عیسیٰ بن مریم صلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا و علیہما و بارک وسلم

قال اللہ تعالیٰ - ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ... الیٰ ... وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۞

یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ تفصیل سے بیان فرمایا تاکہ اصل حقیقت واضح اور منکشف ہو جائے۔ اب آگے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہود اور نصاریٰ کے اختلاف کا فیصلہ فرماتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں یہ ہیں عیسیٰ پسر مریم جو فقط عورت سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں یہ فقط مریمؑ کے بیٹے ہیں ان کا کوئی باپ نہیں ان کی صحیح شان اور صفت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی عیسیٰ بن مریمؑ وہ نہیں جن کو عیسائی خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نہ وہ ولد الزنا ہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں - یہی بالکل سچی

بات [۱] بتلا رہا ہوں جس میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا اور جھوٹا اور جادوگر کہتے ہیں
اور نصاریٰ میں کوئی ان کو اللہ اور کوئی ان کو ابن اللہ کہتا ہے مگر وہ حقیقت میں اللہ کا بندہ ہے اور اس کا
نبی ہے اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے۔ یہی اور حق بات یہ ہے جو بتلا دی گئی۔ اور اس کے سوا سب جھوٹ
ہے۔ گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو ثابت کیا اب آگے کی آیت میں نصاریٰ کے عقیدۂ ابنیت کا رد
فرماتے ہیں۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی فرزند بنائے اللہ اس سے پاک ہے اس لیے کہ
یہ اس کے لیے نقص اور عیب ہے خدا تعالیٰ سب حاجتوں اور خواہشوں سے پاک ہے اور بیٹا باپ کے
ہمجنس ہوتا ہے اور خدا بے مثل اور بے چون و چگون ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی کام کو کرنا
چاہتا ہے تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ کام ہو جاتا ہے۔ بھلا ایسے قادر مطلق کو بیٹے اور بیٹی کی
کیا ضرورت ہے۔ اور اس کو بغیر باپ کے پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور منجملہ [۲] ان باتوں کے جو عیسیٰ علیہ السلام نے
ماں کی گود میں لوگوں سے کہیں ایک بات یہ تھی کہ لوگوں کو اس بات کی خبر دی کہ تحقیق اللہ میرا پروردگار ہے
اور تم سب کا پروردگار ہے پس تم سب اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے جو اس راہ پر چلے گا وہ ہدایت
پائے گا۔ پس اس حقیقت حال کے واضح ہو جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جماعتیں آپس
میں مختلف ہو گئیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح حال ظاہر ہو چکا ہے۔ جس میں اختلاف کی گنجائش
نہیں اس لیے کہ شیر خوارگی کی حالت میں حضرت عیسیٰؑ کے خارق عادت کلام سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ
خدا کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے۔ معاذ اللہ خدا یا خدا کا بیٹا نہ تھے خدا کا مولود اور شیر خوار ہونا
عقلاً محال اور ناممکن ہے اور معاذ اللہ نہ وہ ولد الزنا تھے اور ان کی والدہ ماجدہ تہمت سے بالکل پاک اور
بری تھیں مگر باوجود اس کے یہود تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کاذب اور ساحر اور ولد الزنا تھا اور گہوارہ میں جو کلام کیا
وہ سب جادو کا اثر تھا۔ اور دعویٰ نبوت کے بعد جس قدر معجزات دکھلائے وہ سب جادو تھے۔ اور

---

[۱] قول الحق کے بارے میں دو قراءتیں ہیں عاصمؒ اور ابن عامرؒ کی قراءت میں قول الحق بفتح لام منصوب آیا ہے۔
ہم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ قراءت نصب کی بنا پر کیا ہے۔ کما قال الزجاج هو مصدر (ای مفعول
مطلق) ای اقول قول الحق لان ما قبلہ یدل علیہ وقیل مدح وقیل اغراء۔ اور باقی قراء نے
قول الحق کو بضم لام مرفوع پڑھا ہے اور تقدیر کلام یہ ہے هذا الکلام قول الحق اس قراءت پر ترجمہ یہ ہوگا کہ
یہ کلام حق ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۵ ج ۱۱)

[۲] اشارہ اس طرف ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ کا عطف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گزشتہ قول اِنِّیْ
عَبْدُ اللّٰهِ پر ہے اور یہ کلام یعنی ان اللہ ربی و ربکم بھی حضرت عیسیٰؑ کے کلام کا تتمہ اور تکملہ ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کا تعلق
واذکر فی الکتاب مریم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم آپ لوگوں کو مریمؑ کا حال سنا دیجئے اور یہ بتلا دیجئے کہ
میرا اور تمہارا سب کا ایک ہی رب ہے۔ اسی کی بندگی کرو۔ (روح المعانی صفحہ ۹۴ ج ۱۶)

نصاریٰ[1] میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کے فرزند تھے اور بعض نصاریٰ اہل اسلام کی طرح ان کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں اور زیادہ تر نصاریٰ میں تین فرقے ہیں نسطوریہ اور یعقوبیہ اور ملکانیہ۔

فرقہ نسطوریہ تو حضرت عیسیٰ ابن مریم کو خدا کا بیٹا بتاتا ہے کہ آسمان سے آیا تھا باپ نے اس کو پھر آسمان پر بلالیا اور اوپر اٹھالیا۔ اور فرقہ یعقوبیہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم بعینہٖ اللہ تعالیٰ تھا بعینہٖ خدا آسمان سے اُترا اور پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ اور فرقہ ملکانیہ یہ کہتا ہے کہ مسیح بن مریم تین خداؤں میں سے ایک خدا تھا اور نصاریٰ میں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا کے بندے اور اس کے رسول برحق تھے۔ اور صحیح نصرانی اور عیسائی یہی فرقہ ہے۔ اور یہی قول حق ہے جس کی قرآن اور حدیث نے مسلمانوں کو ہدایت کی اور یہی تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور نصاریٰ کا یہ فرقہ جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بندہ اور رسول برحق مانتا تھا۔ نصاریٰ کے تمام فرقوں میں یہی فرقہ حق پر تھا جو توحید کا قائل تھا۔ اور تثلیث کا منکر تھا۔

پس ہلاکت اور بربادی ہے ان کافروں پر جو اللہ پر افتراء کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں، سو ایسے کافروں کے لیے شدید عذاب ہے۔ بڑے دن کی حاضری کے وقت یعنی قیامت کے دن اور یہ کافر جو آج دنیا میں حق سے اندھے اور بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں قیامت کے دن کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے۔ جس دن ہمارے پاس آئیں گے اس دن آنکھیں بھی کھل جائیں گی اور کان بھی خوب کھل جائیں گے۔ لیکن یہ ظالم لوگ آج تو کھلی گمراہی میں ہیں یعنی یہ کافر آج تو دنیا میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں۔ نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ حق کو دیکھتے ہیں مگر جب قیامت کے دن ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہوں گے لیکن اس وقت کا سننا اور دیکھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور اے نبی آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرایئے یعنی قیامت کے دن سے ڈرایئے جس روز نیک و بد سب ہی پچھتائیں گے اور حسرت میں مبتلا ہوں گے بُرے آدمی تو اپنی برائیوں پر حسرت کریں گے کہ ہم نے یہ بُرے کام کیوں کیے اور نیک لوگ اس بات پر حسرت کریں گے کہ ہم نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں۔ لہٰذا آپ ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرایئے جب کہ موت کو سب کے سامنے ذبح کرکے اہل جنت اور اہل جہنم کے لیے خلود اور دوام کا اخیر فیصلہ کردیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ موت کو چت کبرے مینڈھے کی شکل میں لاکر جنت اور جہنم کے درمیان میں سب کے سامنے ذبح کیا جائے گا۔ اور لوگ دیکھتے ہوں گے۔ اور فریقین یعنی اہل جنت اور اہلِ دوزخ کو خلود اور دوام کا حکم سُنا دیا جائے گا۔ تاکہ اہل جنت کو معلوم ہوجائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں خلود اور دوام ہے اور کفار کو معلوم ہو

[1] تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۲۱ ج ۳ و تفسیر روح المعانی صفحہ ۸۵ ج ۱۶ دیکھیں۔

جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں خلود اور دوام ہے موت اور فنا نہیں۔ رواہ البخاری و مسلم وغیرہما۔
سنن ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب موت کے مینڈھے کو پلصراط پر کھڑا کر کے اہل جنت اور اہل دوزخ کو آواز دی جائے گی تو اہل جنت توڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر دیکھیں گے ان کو ڈر ہوگا کہ کہیں جنت سے نکلنے کا حکم تو نہیں ہوگا۔ اور اہل دوزخ خوش ہو کر دیکھیں گے کہ شاید ہم کو اس جگہ سے خروج اور رہائی کا حکم ہو جائے تو پھر سب کے سامنے موت ذبح کی جائے گی اور یہ اعلان کر دیا جائے گا۔ کلاھما خلود فیما تجدون لاموت فیہ ابداً۔ ہر ایک اپنے اپنے ٹھکانہ میں ہمیشہ رہے گا کسی پر کبھی بھی موت نہ آئے گی۔ (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

اور وہ لوگ آج دنیا میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ لوگ یوم آخرت اور یوم حسرت پر یقین نہیں رکھتے۔ لیکن جب وہ دن سامنے آئے گا تو سوائے حسرت کے کچھ نظر نہ آئے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں جب تک حشر کا دن ہے۔ مسلمان دوزخ سے نکل نکل کر بہشت میں جاویں گے۔ تب تک کافر بھی توقع میں ہوں گے۔ پھر موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر بہشت اور دوزخ کے بیچ سب کو دکھا کر ذبح کریں گے اور پکاردیں گے کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں رہ پڑے ہمیشہ کو وہ دن ہے کہ کافر نا امید ہوں گے۔ (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اب تک کافروں کو بھی امید تھی کہ شاید گنہگار مسلمانوں کی طرح ہم بھی کسی وقت دوزخ سے نکل جائیں لیکن جب موت کو لا کر سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت کافر بالکل نا امید ہو جائیں گے اور حسرت سے ہاتھ ملیں گے لیکن اب پچھتانے سے کیا فائدہ۔ وقت گزر چکا۔ جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم الحسرۃ سے وہ وقت مراد ہے کہ جس وقت موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر سب کے سامنے اس کو ذبح کیا جائے گا۔ صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن موت ایک کبود (چت کبرے) مینڈھے کی صورت میں لائی جائے گی۔ پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان اس کو کھڑا کیا جائے گا۔ پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا اے اہل جنت ما اس کی یہ آواز سن کر جنتی اپنی گردن اور اپنا سر اوپر اٹھا کر دیکھیں گے وہ کہے گا کہ تم اس کو پہچانتے ہو جنتی جواب دیں گے کہ ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے۔ یعنی خوب پہچان لیں گے کہ یہ موت ہے۔ پھر منادی ندا کرے گا کہ اے اہل نار! یہ آواز سن کر دوزخی اپنی گردن اٹھا کر دیکھیں گے۔ وہ منادی کہے گا کہ تم اس کو پہچانتے ہو وہ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے پھر اس مینڈھے کو جنت اور دوزخ کے درمیان سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا پھر منادی ندا کرے گا کہ اے اہل جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ رہو کبھی تم کو موت نہیں اور اے دوزخیو! ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہو کبھی تم کو موت نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے دنیا کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور یہی مضمون صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے اس وقت جنتیوں کو خوشی پر خوشی ہو گی۔ اور دوزخیوں کو غم پر غم ہوگا۔

ترمذی کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اگر کوئی خوشی سے مرتا تو جنتی مرجاتے اور اگر کوئی غم سے مرتا تو دوزخی مرجاتے (مگر موت کے ذبح ہو جانے کے بعد تو کسی کو موت نہیں) اسی لیے ایک روایت میں ہے کہ موت کے ذبح ہو جانے کے بعد دوزخ اور جنت کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر یہ کہے گا۔

یا اھل الجنۃ ھو الخلود ابد الآبدین	اے اہل جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خلود
ویا اھل النار ھو الخلود ابد الآبدین (تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۳ ج ۳)	اور دوام ہے اور اے اہل دوزخ! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا ہے۔

اہل ایمان ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اب کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔ اور کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

غرض یہ کہ موت کے ذبح سے اہل جنت اور اہل نار کو یہ اطلاع دینی مقصود ہوگی کہ اب ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔ اس ندا کو سن کر اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر کوئی خوشی سے مرجاتا تو وہ مرجاتے اور اہل دوزخ غم اور حسرت سے ایسی چیخ ماریں گے کہ اگر کوئی چیخ سے مرجاتا تو مرجاتے۔

اس لیے تمام اہل سنت والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی بھی جہنم سے نہیں نکلیں گے جیسا کہ اسی مسئلہ کی تفصیل پارۂ ہشتم میں اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

نیز سورۂ ہود میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کی تفسیر میں بھی اس مسئلہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں ان احادیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

وقد ذکرنا ذلک فی کتاب التذکرۃ وبینا ان الکفار مخلدون بھذہ الاحادیث والآیات ردا علی من قال ان صفۃ الغضب تنقطع وان ابلیس ومن تبعہ من الکفرۃ کفرعون وھامان و	ہم نے تفصیل کے ساتھ اس قسم کی احادیث کو اپنی کتاب التذکرۃ بامور الآخرۃ میں ذکر کر دیا ہے۔ اور آیات اور احادیث سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان آیات اور احادیث کو ہم نے ان لوگوں کے رد کے لیے ذکر کیا ہے جن کا یہ گمان ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت غضب منقطع اور ختم ہو جائے گی اور ابلیس اور

قارون و اشباھھم یدخلون الجنۃ۔ (تفسیر قرطبی ص۲۹۱ ج ۱۱)

اس کی پیروی کرنے والے کافر جیسے فرعون اور ہامان اور قارون ان جیسے جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

حافظ عسقلانی شرح بخاری شریف صفحہ ۳۶۳ ج ۱۱ میں لکھتے ہیں۔

قال القرطبی و فی ھذہ الاحادیث التصریح بان خلود اھل النار فیھا لا الی غایۃ امد واقامتھم فیھا علی الدوام بلا موت ولا حیاۃ نافعۃ ولا راحۃ کما قال تعالیٰ لَا یُقْضٰی عَلَیْھِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمْ مِّنْ عَذَابِھَا وقال تعالیٰ کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَآ اُعِیْدُوْا فِیْھَا فمن زعم انھم یخرجون منھا وانھا تبقی خالیۃ او انھا تفنی وتزول فھو خارج عن مقتضی ما جاء بہ الرسول واجمع علیہ اھل السنۃ۔ (فتح الباری باب صفۃ الجنۃ والنار من کتاب الرقاق)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں (یعنی ذبح موت کی احادیث میں) اس کی تصریح ہے کہ دوزخیوں کے عذاب کی کوئی حد اور انتہا نہیں کافر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ بغیر موت کے اور بغیر نافع زندگی کے اور بغیر راحت و آرام کے جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی کہ کافروں پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور نہ وہ کبھی جہنم سے نکلیں گے۔ اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ دوزخی کچھ روز کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور دوزخ خالی رہ جائے گی۔ یا یہ گمان کیا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی تو ایسا گمان کرنے والا شخص اس شریعت کے دائرہ سے خارج ہے کہ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے نیز یہ شخص اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ سے باہر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس دن موت ذبح کی جائے گی وہ دن کافروں کے حق میں انتہائی حسرت کا ہوگا اور مزید برآں حسرت کا ایک سبب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن ہر نفس کو ایک گھر جنت کا اور ایک گھر جہنم کا دکھایا جائے گا اور پھر یہ کہا جائے گا کہ اے کافرو! اگر تم نیک عمل کرتے تو جنت کے اس گھر میں جاتے اور اے مسلمانو! اگر تم کفر کرتے تو دوزخ کے اس گھر میں جاتے۔ اللہ کا احسان ہوا کہ اس نے تم کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق دی۔ یہ سنکر کافروں پر حسرت اور غم چھا جائے گا۔ یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے جو وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ اب کافروں کے اس حسرت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تحقیق ہم ہی وارث ہوں گے۔ اس زمین کے اور جو اس پر آباد ہے یعنی زمین کے جملہ ساکنین پر آخر ایک دن موت آنی ہے سب مر جائیں گے۔ کسی کا ملک اور کسی کی ملک باقی نہ رہے گی۔ اور صرف ہم اکیلے باقی رہ جائیں گے اور ہم ہی ان کے مال و متاع کے وارث

ہوں گے۔ اور وہ آخرت میں ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ پھر ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دیں گے۔

لطائف و معارف

۱۔ تمام اہلِ اسلام اور تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئے اور یہود یہ کہتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح مرد اور عورت سے پیدا ہوئے تھے مگر ان کا تولد نا جائز تھا اور یہود ان کو معاذ اللہ ولد الزنا اور ولد الحرام بتاتے ہیں۔ اور ملحد اور زندیق اور مرزائی اور قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عام انسانوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مرد کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کا یوسف نجار سے نکاح تو ہو گیا تھا مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ایسی حالت میں میاں بیوی کا جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا۔ ایسے وقت میں اگر اولاد پیدا ہو تو وہ جائز اولاد متصور ہوگی۔ مگر خلاف رسم ہونے کی وجہ سے یہ بات معیوب اور موجب خجالت و ندامت سمجھی جاتی تھی۔

حضرت مریمؑ پر یہودیوں کا اتہام اسی وجہ سے تھا۔ ورنہ یوسف نجار شرعاً مریمؑ کے شوہر تھے غرض یہ کہ ملاحدہ اور زنادقہ کے نزدیک حضرت مسیحؑ یوسف نجار کے بیٹے تھے اور بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اناجیل مروجہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مریمؑ کے ساتھ یوسف نجار کا تعلق زوجیت کا تھا اور اسی تعلق سے اور بھی ان سے اولاد ہوئی۔ اور یوسف نجار مریم صدیقہ کے شرعی شوہر تھے جیسا کہ اناجیل اور کتاب الاعمال کے مقامات ذیل میں صاف لکھا ہے کہ یسوع۔ یوسف کا بیٹا ہے۔ اور یوسف مریمؑ کا شوہر ہے۔

دیکھو متی ۱۸/۱ لوقا ۴۸/۲ و ۲۷ ۲۴/۱ متی ۵۵/۱۳ یوحنا ۴۲/۶ و ۴۵/۱ اعمال ۱۴/۱ و نامہ رومیاں ۳/۱۔

اس قسم کے تمام نہاد مسلمان جو خوارق عادات کے منکر ہیں۔ وہ بغیر باپ کے تولد کے قائل نہیں وہ اپنے مزعومات اور خیالات کے لیے انجیل کا سہارا ڈھونڈھتے ہیں۔

جواب یہ سب غلط ہے اور الحاد اور زندقہ ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مواضع میں حضرت مسیح بن مریمؑ کی ولادت کے قصہ کو اس درجہ تفصیل اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی احتمال کی گنجائش ہے۔

آیات قرآنیہ سے بصراحت و وضاحت یہ امر واضح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بلا باپ کے پیدا ہوئے۔

۱۔ اس لیے کہ اس قصہ کا آغاز فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا سے ہوا جو دور تک چلا گیا یہ تمام تفصیل اس بات کی صریح دلیل ہے کہ فرشتہ کی آمد محض اس لیے ہوئی تھی کہ وہ حضرت مریمؑ

کو بلا سبب ظاہری۔ من جانب اللہ ایک فرزند عطا کرے یہ سنکر حضرت مریمؑ کو تعجب ہوا اور بولیں کہ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا یعنی میرا تو کسی مرد سے تعلق ہی نہیں نہ حلال کا اور نہ حرام کا نہ نکاح کا نہ زنا کا مجھے تو آج تک کسی مرد نے ہاتھ بھی نہیں لگایا پھر میرے بچہ کیسے ہوگا۔ فرشتہ نے جواب دیا کہ یوں ہی ہو گا۔ یعنی بغیر باپ کے تجھ سے لڑکا پیدا ہوگا۔ بعد ازاں حضرت مریمؑ کی تسلی کے لیے فرشتہ نے کہا کہ یہ بات تیرے پروردگار کے لیے کوئی مشکل نہیں تو مطمئن رہ، پس اگر واقع میں حضرت مریمؑ کا کوئی شرعی شوہر تھا تو ان کو اس قدر گھبرانے اور ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ورنہ منکوحہ عورت کو ولادت سے تہمت کا کیا ڈر۔

۲۔ نیز حضرت مریمؑ کے اضطراب میں فرشتہ کا یہ کہنا۔

وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ تاکہ ہم اس مولود مسعود کو اپنی قدرت کی نشانی بنادیں۔

اس امر پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ تولد مسیح قدرت خداوندی کی ایک خاص نشانی ہوگی اور لفظ آیت صرف ایسے ہی موقعہ پر استعمال ہوتا ہے کہ جو چیز بطور خرق عادت بلا اسباب ظاہری ظہور میں آئے جیسے اصحاب کہف اور ناقہ صالح علیہ السلام پر لفظ آیت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ولادت عجائب قدرت سے ہے۔ جس میں اسباب ظاہری کو دخل نہیں۔

۳۔ آیت اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ میں حضرت مسیحؑ کی بلا باپ ولادت کو حضرت آدمؑ کی ولادت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل ان کی الوہیت کی نہیں اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں یہ آیت نصاریٰ کے اسی خیال کے رد کرنے کے لیے نازل ہوئی کہ جو مسیح کو بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ اس قصہ میں حضرت مریمؑ کی کرامتوں کا ذکر ہے۔ جیسے یکایک ایک خشک کھجور کا پھل دار ہو جانا اور یکدم اس کے قریب پانی کا چشمہ جاری ہو جانا اور حضرت مسیحؑ کا گہوارہ میں لوگوں سے خارق عادت طریقہ پر عجیب و غریب کلام کرنا وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ ولادت بطور خرق عادت بلا اسباب ظاہری قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ تھی لوگ ان کرامتوں کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اور سمجھ گئے کہ ایسا مبارک مولود معاذ اللہ کبھی بھی ولد الزنا نہیں ہو سکتا شیرخوار بچہ کی اس خارق عادت گفتگو نے تمام تہمتوں اور بدگمانیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بدزبانوں کی زبان بند کر دی اور ملاحدہ اور زنادقہ نے جو ان صریح آیات میں تاویلات اور تحریفات کی ہیں اور اناجیل کا سہارا پکڑا ہے سو ان کی تردید کے لیے (اول) تو یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اناجیل کا محرف ہونا قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے اور علماء یہود و نصاریٰ کے اعتراف اور اقرار سے ثابت ہے۔ قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں محرف کتاب کو کیسے حجت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(دوم) یہ کہ انجیل متی کے باب اول درس ۱۸ سے لے کر اخیر تک اس کی تصریح ہے کہ عیسیٰ بن مریمؑ ایک کنواری سے پیدا ہوئے جس میں کا ایک جملہ یہ ہے۔

جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئیں۔

پھر انجیل لوقا کے باب اول درس ۲۶ سے لے کر درس ۳۸ تک یہی کلام چلا گیا ہے جس کے کئی جملوں میں قرآن کے موافق مریمؑ کا فرشتہ سے حمل ہونا اور مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ

"مریمؑ نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہوگا جس حال سے کہ مرد سے واقف بھی نہیں اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خدا کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی"

اور صحیفۂ یسعیاہ کے باب ۷ درس ۱۴ میں ہے۔

"ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی"

پھر نامعلوم کہ یہ ملاحدہ اور زنادقہ مسلمانوں جیسے نام رکھ کر کہاں سے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور صریح آیات قرآنیہ کا انکار کرتے ہیں اور اس قسم کی ولادت کو خلاف سنت الٰہیہ کہہ کر محال بتلاتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ اللہ کی سنت اور اس کا قانون انبیاء اور اولیاء کے ساتھ اور ہے اور عوام اور دشمنوں کے ساتھ اور ہے۔

۲۔ نیز آیات قرآنیہ کا از اوّل تا آخر تمام سیاق و سباق صراحۃً اسبات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کا یہ کلام شیر خوارگی کی حالت میں تھا۔ اور ملاحدہ یہ کہتے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں تھا یا نبوت ملنے کے بعد تھا۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔

جس طرح لوگوں نے حضرت مسیحؑ کی ولادت میں اختلاف کیا اسی طرح لوگوں نے حضرت مسیحؑ کی وفات کے بارے میں بھی اختلاف کیا۔

یہود بے بہبود کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب ہی پر مر گئے اور لعنتی ہوئے۔

اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب پر مرے اور تین دن کے واسطے تمام انسانوں کے گناہوں کا عذاب اٹھایا تاکہ سب کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور اس کے بعد وہ زندہ ہوئے اور جی اٹھے اور آسمان پر چلے گئے۔ اور اپنے باپ کے پاس جا بیٹھے اور تمام اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور نہ وہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور جس جسم کو وہ قتل کرنا یا صلیب دینا چاہتے تھے اللہ نے اسی جسم کو زندہ اور صحیح سالم آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ایک شخص حضرت مسیحؑ کے مشابہ اور ہمشکل بنا دیا گیا۔ اور وہ ان کی جگہ ان کے شبہ میں مصلوب ہوا بعض فرقے بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور جو شخص حضرت مسیحؑ کی جگہ مصلوب ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام یہودا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام شمعون تھا۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۂ نساء کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو تو خاموشی کا حکم دیا۔ اور حضرت مسیحؑ جو کلمۃ اللہ اور کلمۂ صدق تھے۔ ان کو گویا کر دیا تاکہ اللہ کی الوہیت اور اپنی عبدیت اور ماں کی طہارت و نزاہت ایسے خارق عادت طریقہ سے ظہور میں آئے کہ کسی کو مجال انکار کی نہ رہے اور چونکہ اللہ پاک کے علم میں تھا کہ حضرت مسیحؑ کے بارے میں طرح طرح سے الفاظِ کفریہ کہے جائیں گے لہذا اوّل گویائی میں ان کی زبان سے وہ باتیں نکلوائیں جو ہر قسم کفر کے رد کے لیے کافی ہوں۔

۴- حدیث ذبح موت

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ موت کو مینڈھے کی صورت میں لاکر ذبح کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کا فدیہ اور بدل ہے۔ جیسے اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں مینڈھا ذبح کیا گیا اور اس مینڈھے کے کبودی رنگ یا سیاہ اور سفید ہونے میں بہشتیوں اور دوزخیوں کی صفت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ سفیدی اہل جنت کا رنگ ہے اور سیاہی اہل دوزخ کا رنگ ہے۔ اور حدیث میں موت کے مینڈھے کی صفت اَمْلَح وارد ہوئی ہے۔ اور املح وہ ہے کہ جس میں سیاہی اور سفیدی ملی ہوئی ہو۔ (دیکھو فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱ باب صفة الجنة والنار من کتاب الرقاق)

۵- امام قرطبیؒ نے بعض صوفیۂ کرام سے نقل کیا ہے کہ اس موت کے مینڈھے کو یحییٰ بن زکریا علیہما السلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کریں گے جس سے دوام حیات اور بقائے دائمی کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام ذبح کریں گے۔ (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

۶- موت کے مینڈھے کے ذبح ہونے کے بعد ایک منادی ندا کرے گا۔ اے اہل جنت! اب تم کو موت نہیں۔ اور اے اہل دوزخ اب تم کو موت نہیں۔ موت کے ذبح کے بعد یہ منادی اس لیے ہوگی کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ موت اب مردہ اور معدوم اور فنا ہو گئی اس کے بعد موت پھر کبھی نہیں آئے گی اور ظاہر ہے کہ موت اور فنا کے ذبح ہو جانے کے بعد سوائے بقا اور دوام کے اور کیا ہوگا۔ (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

۷- موت کا مینڈھا ذبح ہونے کے بعد فریقین کے لیے یہ اعلان:

کلاھما خلود فیما تجدون لا موت فیہ ابداً (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

اس امر کی صریح دلیل ہے کہ جس طرح اہل ایمان کا جنت میں خلود ابدی ہوگا اسی طرح کافروں کا خلود ابدی ہوگا اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے اس بارہ میں جمہور کا خلاف کیا اور یہ گمان کیا کہ کفار چند روز کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ یہ بالکل غلط ہے اور سیرۃ النبیؐ کے مصنف نے بھی اس غلطی میں ابن تیمیہ کی تقلید کی اور علامہ شبلیؒ کو اور ان کے پیروؤں کو اپنی مزعوم درایت پر بڑا ناز ہے اور اہل ندوہ اپنے تفرد اور شذوذ کو تحقیق سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا۔ بیشک تھا وہ سچا نبی۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا

جب کہا اپنے باپ کو، اے باپ میرے! کیوں پوجتا ہے جو چیز نہ سُنے نہ

يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِى عَنكَ شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾ يَٰٓأَبَتِ إِنِّى قَدْ

دیکھے، اور نہ کام آوے تیرے کچھ۔ اے باپ میرے مجھ کو

جَآءَنِى مِنَ ٱلْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَٱتَّبِعْنِىٓ أَهْدِكَ

آئی ہے خبر ایک چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی سو میری راہ چل سوجھا دوں

صِرَٰطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يَٰٓأَبَتِ لَا تَعْبُدِ ٱلشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّ

تجھ کو راہ سیدھی۔ اے باپ میرے! مت پوج شیطان کو۔ بے شک

ٱلشَّيْطَٰنَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يَٰٓأَبَتِ إِنِّىٓ أَخَافُ

شیطان ہے رحمٰن کا بے حکم۔ اے باپ میرے میں ڈرتا ہوں

أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ ٱلرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَٰنِ

کہیں آلگے تجھ کو ایک آفت رحمٰن سے، پھر تو ہو جاوے شیطان کا

وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ ءَالِهَتِى يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ ۖ لَئِن

ساتھی۔ وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر تو

لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَٱهْجُرْنِى مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلَٰمٌ

نہ چھوڑے گا تو تجھ کو پتھراؤ سے ماروں گا اور مجھ سے دور جا ایک مدت۔ کہا تیری سلامتی

عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىٓ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ بِى حَفِيًّا ﴿٤٧﴾

رہے میں گناہ بخشواؤں گا تیرا اپنے رب سے۔ بے شک وہ ہے مجھ پر مہربان۔

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَأَدْعُوا۟ رَبِّى

اور کنارہ پکڑتا ہوں تم سے، اور جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا، اور پکاروں گا اپنے رب کو،

عَسٰۤی اَلَّاۤ اَکُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّیۡ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعۡتَزَلَہُمۡ

امید ہے کہ نہ رہوں گا، اپنے رب کو پکار کر محروم۔ پھر جب کنارے ہوا ان

وَ مَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ۙ وَہَبۡنَا لَہٗۤ اِسۡحٰقَ وَ

سے اور جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بخشا ہم نے اس کو اسحٰق اور

یَعۡقُوۡبَ ؕ وَ کُلًّا جَعَلۡنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَ وَہَبۡنَا لَہُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا

یعقوب۔ اور دونوں کو نبی کیا۔ اور دیا ہم نے ان کو اپنی مہر سے،

وَ جَعَلۡنَا لَہُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾

اور رکھا اُن کے واسطے سچا بول اونچا۔

قصہ سوم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِبۡرٰہِیۡمَ ... الیٰ ... وَجَعَلۡنَا لَہُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِیًّا۔

ربط۔ اس سورۃ کا یہ تیسرا قصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدا پرستی کا ذکر ہے کہ وہ کیسے خدا پرست تھے اور کس طرح انہوں نے اپنے باپ کو توحید کی دعوت دی اور کس طرح شرک اور بت پرستی کا بطلان ظاہر کیا اور اس دعوت اور تبلیغ میں اپنے باپ کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھا اور پھر کس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے باپ کو چھوڑا اور اپنے آبائی وطن سے ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجے بلند کیے اور ان کو اولاد صالح عطا فرمائی اور تمام امتوں اور قوموں میں ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ علامہ سیوطیؒ نے بحر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سو پچھتر برس زندہ رہے اور اُن کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے اور ان کے اور حضرت نوحؑ کے درمیان ایک ہزار برس کا فاصلہ ہے۔ نیز حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے قصہ میں ان مشرکین کا رد فرمایا جو کسی زندہ عاقل کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کر کے ان مشرکین کا رد فرماتے ہیں جو بے جان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اس قسم کے مشرک قیامت کے دن اپنی حماقت پر بہت ہی[1] زیادہ حسرت کریں گے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب

[1] گزشتہ آیت وَ اَنۡذِرۡہُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَۃِ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

یعنی قرآن میں لوگوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجئے کہ یہ عرب کے مشرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور ان کے طریقہ کے خلاف شرک میں مبتلا ہیں بیشک ابراہیمؑ نہایت راستباز تھے۔ صدق و راستی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ صدق و راستی کے جز جز میں پوری طرح ہدایت کیے ہوئے تھی اور پیغمبر تھے خدا کی طرف سے خبر دینے والے تھے یا یہ معنی ہیں کہ وہ عالی قدر اور بلند مرتبہ تھے مطلب یہ ہے کہ نبوت اور صدیقیت کے جامع تھے جب کہ انہوں نے اپنے باپ آذر سے جو بت پرست تھے۔ یہ کہا کہ اے میرے باپ کیوں پوجتا ہے اس چیز کو جو نہیں سنتی اور نہیں دیکھتی اور نہ کسی ضرورت میں تیری کفایت کر سکے۔ یعنی جس چیز میں یہ صلاحیت نہیں کہ تیری خدمت اور عبادت کو سکے۔ اور نہ تیری فریاد سن سکے اور نہ کسی نفع اور ضرر میں تیری کفایت کر سکے تو ایسی چیز کی عبادت سے کیا فائدہ کہ جس سے نہ نفع کی امید ہو اور نہ ضرر کا ڈر ہو اور یہ باتیں انتہائی ذلت کی ہیں اور معبود کے لیے نہایت عظمت چاہیئے لہٰذا جب یہ بت نہ دیکھتے ہیں۔ اور نہ سنتے ہیں اور نہ ان کو یہ تمیز کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا اور نہ یہ کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں تو ان کی عبادت سے کیا فائدہ ان بتوں سے تو ان کی عبادت کرنے والے ہی بہتر ہیں کہ جو سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں ایسی ذلیل اور خوار اور بے کار چیز کو اپنا معبود بنانا انتہائی حماقت ہے۔

ایک بات تو یہ ہوئی دوسری بات حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کی نصیحت کے لیے یہ کہی اے میرے باپ بلاشبہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم پہنچا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔ لہٰذا غیر عالم کو چاہیئے کہ وہ عالم کا اتباع کرے۔ پس آپ میرا اتباع کیجئے میں آپ کو سیدھی راہ بتلاؤں گا جو چلنے والے کو منزل مقصود پر پہنچا دے۔ اتباع کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے میرے باپ میرے پیچھے پیچھے چلو انشاء اللہ تعالیٰ میں تم کو خدا تک پہنچا دوں گا۔ بحق پدری و بمقتضائے محبت فرزندی میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میرا اتباع کیجئے۔ مجھے اللہ کی طرف سے جو علم پہنچا ہے اس میں غلطی کا احتمال نہیں تو ایسے علم صحیح والے کا اتباع تو عقلاً ضروری ہے۔

تیسری بات یہ کہی اے میرے باپ تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ کیونکہ بتوں کی عبادت درحقیقت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ بتوں میں یہ صلاحیت اور لیاقت نہیں کہ وہ اپنی عبادت کی دعوت دے سکیں اور انبیاء اور اولیاء تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے چلے آئے۔ لہٰذا بتوں کی عبادت کا داعی سوائے شیطان کے کون ہو سکتا ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ بلاشبہ شیطان اللہ کا انتہائی نافرمان ہے جس کو ارحم الراحمین نے اپنی رحمت سے ملعون اور مطرود کر دیا ہے پس جو اس ملعون اور مطرود کا اتباع کرے گا۔ اس کو بھی لعنت اور غضب سے حصہ ملے گا۔ خدا کا سب سے پہلا نافرمان یہی شیطان ہے جس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

چوتھی بات یہ کہی کہ اے میرے باپ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ اگر تم اسی کفر و شرک کی حالت میں

مر گئے تو تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب پہنچے گا۔ اور پھر تو دوزخ میں شیطان کا ساتھی بنے یعنی عذاب میں اس کا شریک بنے۔

حضرت ابراہیمؑ جب باپ کو نہایت نرمی اور تلطف کے ساتھ یہ نصیحت فرما چکے تو باپ نے اس کے برعکس درشتی سے یہ جواب دیا۔ اے ابراہیمؑ کیا تو میرے معبودوں سے منحرف اور برگشتہ ہے اگر تو میرے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو ضرور سنگسار کردوں گا۔ اور ایک مدت دراز تک یعنی عمر بھر کے لیے تو مجھ سے دور ہوجا۔ تاکہ میں تیری شکل نہ دیکھوں۔ ورنہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا اچھا تم پر سلام ہو۔ یعنی میں جاتا ہوں اور تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہر ظاہری اور باطنی آفت سے سلامتی عطا فرمائے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ سلام تحیۂ اکرام نہ تھا۔ بلکہ سلام رحمت تھا اور باپ کے لیے دعا کو متضمن تھا۔ البتہ میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگتا رہوں گا بلاشبہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ یعنی میں آپ سے جدا ہوتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کی توفیق دے جو ذریعۂ مغفرت ہے چلتے وقت باپ سے دعاء مغفرت کا وعدہ کیا۔ شاید باپ نرم پڑجائے۔ ابراہیم علیہ السلام برابر اپنے باپ کے لیے دعاء مغفرت کرتے رہے۔ جب ان کے باپ کا خاتمہ کفر پر ہوگیا تو ان سے بیزار ہوگئے جیسا کہ سورۂ توبہ کے اخیر میں گزرا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ،
حضرت ابراہیمؑ کو پہلے سے علم نہ تھا کہ باپ کفر پر مرے گا ورنہ استغفار نہ کرتے۔ اور چھوڑ دوں گا میں تم سب کو یعنی باپ کو اور تمام خویش و اقارب کو اور سب اہل وطن کو اور چھوڑ دوں گا ان چیزوں کو یعنی ان بتوں کو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یعنی کہ میں تم سب کو چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کرتا ہوں اور صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں گا۔ جو مجھے دیکھتا ہے۔ اور میری دعا کو سنتا ہے۔

امید ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے میں محروم نہ رہوں گا۔ جیسا کہ تم اپنے بتوں کے پکارنے میں محروم اور ناکام ہو۔ پس جب ابراہیمؑ ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ پرستش کرتے تھے علیحدہ ہوگئے اور سب کو چھوڑ دیا۔ اور ملک شام کی طرف ہجرت کرگئے۔ تو ہم نے ان کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا بخشا۔ یعنی ان کو نیک اولاد عطا کی تاکہ ان کی وحشت دور ہو خدا کے لیے خویش و اقارب کو چھوڑا اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر عطا کر دیا۔ ایمان کے بعد سب سے زیادہ قابل قدر فرزند صالح ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ندارد پدر ہیچ بایستہ تر ز فرزند شائستہ شائستہ تر

اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا اور ان تینوں کو ہم نے اپنی رحمت اور برکت سے خاص حصہ دیا۔ جو ان کی پشتہا پشت میں جاری و ساری رہی۔ اور اس دنیا میں ہم نے ان کا نیک نام بلند کیا۔ کہ ہر کوئی ان کا ذکر خیر اور بھلائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اور تمام اہل ملت و دین ان کی مدح و ثناء کرتے ہیں لسان صدق سے ثناء حسن مراد ہے۔ کیونکہ ثنا اور تعریف زبان سے ہوتی ہے اور

بخشش ہاتھ سے ہوتی ہے اور درود میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کا ذکر یہ بھی لسان صدق میں داخل ہے اور اس جملہ یعنی وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو یہ دعا مانگی تھی۔ وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ وہ دعا قبول ہوئی شاید حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر اس جگہ اس لیے نہیں کیا کہ وہ اس سے پہلے عطا ہو چکے تھے۔ اور بحکم الٰہی ان کو اور ان کی والدہ ہاجرہؑ کو خانہ کعبہ کے قریب لاکر چھوڑ گئے تھے اس جگہ اس اولاد کا ذکر ہے جو اللہ تعالےٰ نے آپؑ کو عزیز واقارب کو چھوڑنے کے صلہ میں عطا کی تھی اور حضرت اسمٰعیلؑ شروع ہی سے ان کے پاس نہیں رہے تھے۔ بچپن ہی میں ان سے جدا ہو گئے تھے۔ نیز حضرت اسمٰعیلؑ کا مستقل طور پر آئندہ ذکر آنے والا ہے۔

نکتہ سلاطین اور ملوک کی اگر تعریف کی جائے تو اس تعریف سے لوگوں کی نظر میں سلاطین کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ بخلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ ان کی ثنا و حسن سے ثنا کرنے والوں کا رتبہ بلند ہوگا کیونکہ ابراہیمؑ کی تعریف سرتاپا صدق اور حق ہوگی۔ اس لیے ان کی تعریف لوگوں کے حق میں موجب صد خیر و برکت ہوگی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ

اور مذکور کر کتاب میں موسیٰ کا وہ تھا چنا ہوا اور تھا

رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

رسول نبی - اور پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے طور

الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ

پہاڑ کے۔ اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو۔ اور بخشا ہم نے اس کو اپنی مہر سے

اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

بھائی اس کا ہارون نبی -

قصۂ چہارم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالےٰ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۔

یہ چوتھا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ خلیل اللہ کے قصے کے بعد کلیم اللہ کا قصہ ذکر فرماتے ہیں

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پانچ صفتیں ذکر فرمائیں۔

(۱) مخلص یعنی خدا کے منتخب اور برگزیدہ بندے تھے۔ (۲) رسول اور نبی تھے۔ (۳) ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ (۴) ان کو اپنا مقرب بنایا۔ (۵) ان کی فرمائش سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور اے نبی اس کتاب یعنی قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر لوگوں کو سنائیے۔ بیشک وہ خدا کے چیدہ اور برگزیدہ خالص اللہ کے لیے چنے ہوئے تھے۔ جن کی ذات وصفات میں اور اعمال و نیات میں غیر اللہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اور تھے وہ رسول اور نبی رسول کے معنی یہ ہیں کہ وہ فرستادۂ خداوندی تھے اور نبی کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق کو احکام خداوندی سے آگاہ کرنے والے اور خبر دینے والے تھے۔ معتزلہ کے نزدیک ہر نبی رسول ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک دونوں متلازم ہیں اور جمہور اہل سنت کے نزدیک نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ رسول وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو یعنی کوئی مستقل کتاب یا کوئی مستقل شریعت عطا ہوئی ہو یا مکذبین اور معاندین کے مقابلہ میں معجزات قاہرہ دے کر بھیجے گئے ہوں۔

اور نبی وہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے خبر دے گو اس کے ساتھ کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ ہو۔ بہرحال نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ بظاہر مناسب یہ تھا کہ پہلے عام کو ذکر کرتے اور پھر خاص کو ذکر کرتے لیکن فاصلہ یعنی قافیہ کی رعایت سے خاص کو عام یعنی نبی پر مقدم کیا جیسا کہ طٰہٰ میں کہ رَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى میں فاصلہ کی رعایت سے ہارون کو موسیٰ علیہ السلام پر مقدم کیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو کوہ طور کے دائیں جانب سے آواز دی اور یہ ندا ندائے رسالت تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کو واپس آرہے تھے۔ اور ہم نے ان کو قریب کر لیا راز کی باتیں سنانے کے لیے۔ اور بلاواسطہ ان سے کلام کرنے کے لیے۔ زجاج کہتے ہیں کہ آیت میں قرب سے قرب مسافت اور قرب مکانی مراد نہیں بلکہ قرب منزلت اور قرب مرتبہ مراد ہے اور ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر عطا کیا۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ قبول کی اور ان کی دعا کے مطابق ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا دیا پس اصل ہبہ اور اصل عطیہ نبوت ہارونؑ کا تھا کہ ان کی دعا سے ہارونؑ کو نبوت ملی نہ کہ ذات ہارونؑ کا کیونکہ ہارون علیہ السلام تو پہلے سے موجود تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ

اور مذکور کر کتاب میں اسماعیل کا۔ وہ تھا وعدے کا سچا اور

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ

تھا رسول نبی۔ اور حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز

وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اور زکوٰۃ کا اور تھا اپنے رب کے ہاں پسندیدہ۔

قصۂ پنجم حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ... الیٰ ... وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۞

حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوّل فرزند ہیں اور عرب حجاز کے جد اعلیٰ ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ان کے صلب سے ہوا اور ان کی شریعت بھی مستقل تھی اور عشق اور فدائیت میں ان کی خاص شان ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قصہ کو ان کے باپ کے قصہ کے ذیل میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ جداگانہ طریقہ سے ان کا ذکر فرمایا اور اس سلسلہ میں ان کی چار صفتیں ذکر کریں۔

(۱) صادق الوعد تھے (۲) رسول اور نبی تھے۔ (۳) اہل وعیال کو جانی اور مالی عبادت کا حکم دیتے تھے اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اہل وعیال اور اہل خانہ سے اس کا آغاز کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔

(۴) وہ مرضی یعنی خداوند تعالیٰ کے پسندیدہ تھے۔ یہ انتہائی مدح ہے کہ حق جل شانہ ان سے من کل الوجوہ راضی تھے اور وہ ہر اعتبار سے خدا کے پسندیدہ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ذکر کرو قرآن میں قصہ اسمٰعیل کا تحقیق وہ وعدے کے بڑے سچے تھے۔ لوگوں سے جو وعدے کرتا اسے پورا کرتے۔ ایک شخص سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک تو واپس آئے تیرے انتظار میں کھڑا رہوں گا وہ شخص تین دن کے بعد واپس آیا آپ برابر تین دن اسی جگہ کھڑے رہے سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنے باپ سے ذبح پر صبر کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کو پورا کر کے دکھلایا اور تھے وہ رسول اور نبی۔ قبیلہ جرہم کی طرف مبعوث ہونے تھے عجب نہیں کہ مناسک اور وادی غیر ذی ذرع کے متعلق کچھ خاص احکام اور خاص شریعت دی گئی ہو جن سے وادی غیر ذی ذرع کے رہنے والوں کو آگاہ اور خبردار کرتے ہوں۔ اور تھے اسمٰعیل کہ خاص طور پر حکم کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا یعنی اوّل اپنے اہل وعیال کو عبادت کا حکم کرتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ اور تھے اسمٰعیل اپنے پروردگار کے نزدیک نہایت پسندیدہ قضاء الٰہی پر راضی تھے اور بلا میں صبر کرتے تھے۔ اور سخاوت میں کامل تھے۔ اور وعدہ کے سچے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾

اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا۔ وہ تھا سچا نبی۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

اور اٹھا لیا ہم نے اس کو ایک اونچے مکان پر۔

قصۂ ششم حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسّلام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ... الی ... وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

(ربط) یہ چھٹا قصہ حضرت ادریس علیہ السّلام کا ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السّلام کے پوتے اور حضرت نوح علیہ السّلام کے جدامجد تھے۔ آپ کا اصل نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب ہے۔ چونکہ آپ کتابوں کو بکثرت پڑھتے تھے۔ اس لیے آپ کا یہ لقب ہوا۔ آپ درزی کا کام کرتے تھے سب سے پہلے آپ ہی نے کپڑا سیا ہے اور سلا ہوا کپڑا سب سے پہلے آپ ہی نے پہنا ہے۔ آپ سے پہلے لوگ حیوانات کی کھالیں پہنا کرتے تھے۔ کتابت اور قلم حساب اور ترازو، پیمانہ اور ہتھیار کے موجد بھی آپ ہی ہیں۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تین صفتیں ذکر فرمائیں۔ ایک صدیقیت دوم نبوت، سوم رفعت مکانی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب یعنی قرآن میں ادریس علیہ السّلام کا ذکر پڑھ کر لوگوں کو سنائیے بلاشبہ وہ بڑے راست کردار تھے۔ سرتاپا صدق تھے کذب کا کہیں آس پاس بھی گزر نہ تھا۔ اور نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے اور اٹھایا ہم نے ان کو بلند مکان پر یعنی آسمان پر ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ ادریس علیہ السّلام عیسیٰ علیہ السّلام کی طرح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اب بھی وہ آسمان میں زندہ ہیں۔ اور صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ادریس علیہ السّلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا اور وہاں ان سے ملاقات کی۔ حضرت ادریس علیہ السّلام کے رفع کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں مگر وہ سب اسرائیلیات ہیں۔ جن پر ابن کثیرؒ نے تنقید کی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا میں رفعت مکانی مراد نہیں بلکہ رفعت مکانت یعنی علو مرتبہ کے معنی مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو قرب اور معرفت کے بلند مقام پر پہنچایا تیس صحیفے ان پر نازل کیے اور بہت سے علوم اور صنعتیں ان کے ہاتھ سے ایجاد ہوئیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آیا ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔

جمہور علماء کے نزدیک صحیح اور مختار یہ ہے کہ آیت میں رفعت سے مکان حسی کی بلندی مراد ہے۔

بلندی مرتبہ مراد نہیں، کیونکہ ظاہر الفاظ قرآنی سے یہی متبادر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند مکان یعنی آسمان پر اٹھایا۔ اور مرتبہ کی بلندی بھی اسی میں زیادہ ہے کہ ان کو آسمان پر اٹھایا گیا۔
امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ مقام مدح کے یہی معنی مناسب ہیں۔ اس لیے کہ جو عظیم المرتبہ ہوتا ہے وہی آسمان پر اٹھایا جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص) اور امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کا میلان بھی اسی معنی کی طرف ہے کہ آیت میں رفع سے مکان بلند یعنی آسمان کی طرف اٹھایا جانا مراد ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ
وہ لوگ ہیں، جن پر نعمت دی اللہ نے پیغمبروں میں،
ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ
آدم کی اولاد میں اور ان میں جن کو لادلیا ہم نے نوح کے ساتھ اور ابراہیم
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا
کی اولاد میں اور اسرائیل کی اور ان میں جن کو ہم نے سوجھ دی اور پسند کیا۔ جب
تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ﴿۵۸﴾
ان کو سنائے آیتیں رحمٰن کی، گرتے ہیں سجدے میں اور روتے۔

ذکر وصفِ عام جنس انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

کہ ہمہ اہل ہدایت واہل کرامت واہلِ نعمت واہلِ قرب ومنزلت بودند و
بااین ہمہ در خشوع وخضوع بانتہا رسیدہ بودہ بودند =

قال اللہ تعالیٰ۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ ... الی ... خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝
(ربط) شروع سورت سے یہاں تک خاص خاص انبیاء کے خاص خاص اوصاف بیان کیے گئے۔

اب تمام انبیاء کرام کا وصف عام بیان کرتے ہیں۔ جو تمام انبیاء میں مشترک ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ جنس انبیاء کے تمام افراد اور تمام اشخاص خدائے تعالےٰ کے فرمانبردار اور برگزیدہ بندے تھے جن کو حق تعالےٰ نے اپنی خاص ہدایت اور خاص نعمت اور کرامت اور قرب منزلت سے سرفراز فرمایا۔ مگر باوجود اس قدر علو مقام اور رفعت شان کے غایت درجہ متواضع تھے اور عبودیت اور بندگی میں کامل تھے کہ خدا کی آیتوں کو سن کر خشوع وخضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ اور زار و قطار روتے تھے۔ پس تم ان کے طریقے پر چلو۔ اور اہل غفلت کے طریقہ پر نہ چلو چنانچہ فرماتے ہیں۔ یہ لوگ جن کا اس سورت میں زکریا علیہ السلام سے لے کر یہاں تک ذکر ہوا۔ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالےٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا۔ وہ نبیین ہیں ان میں سے بعض صرف نسل آدم سے ہیں۔ جیسے ادریس علیہ السلام اور بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کہ وہ سام بن نوحؑ کے اولاد میں سے ہیں۔ جو کشتی میں سوار تھے اور بعض ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ جیسے اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور بعض اسرائیل یعنی یعقوبؑ کی نسل سے ہیں۔ جیسے موسیٰ و ہارون و زکریا و یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور یہ سب حضرات ان لوگوں میں سے تھے۔ اور جن کو ہم نے ہدایت دی اور جن کو ہم نے برگزیدہ بنایا۔ یہ حضرات ایسے برگزیدہ بندے تھے کہ جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو خوف وخشیت اور غلبۂ شوق ومحبت سے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔ سماع قرآن کے وقت رونا اور خشوع وخضوع مستحب ہے یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا

پھر اُن کی جگہ آئے ناخلف گنوائی نماز اور پیچھے

الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

پڑے مزوں کے سو آگے ملے گی گمراہی ۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین

وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

لایا اور کی نیکی سو وہ لوگ جاویں گے بہشت میں اور ان کا حق نہ

شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

رہے گا کچھ۔ باغوں میں بسنے کے جن کا وعدہ دیا ہے رحمٰن نے اپنے بندوں

بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

کو بن دیکھے۔ بے شک ہے اس کے وعدہ پر پہنچنا۔ نہ سنیں گے وہاں

فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً

بک بک سوا سلام۔ اور ان کو ہے ان کی روزی وہاں صبح

وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ

اور شام۔ وہ بہشت ہے جو میراث دیں گے ہم اپنے بندوں میں

كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

جو کوئی ہوگا پرہیزگار۔

ذکر حال ومآل اہل سعادت و اہل شقاوت

قال اللہ تعالیٰ۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ... الیٰ... مَنْ كَانَ تَقِيًّا

(ربط) گزشتہ آیات میں سلف صالحین اور انبیاء کرام کا ذکر تھا۔ جو سب دین حق پر تھے۔ اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ اب ان آیات میں پچھلوں اور ان ناخلف لوگوں کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے انبیاء کرام کے اتباع سے انحراف کیا اور دنیاوی شہوات اور لذات کے پیچھے ہو لیے۔ اور ہوسناکیوں میں مبتلا ہو گئے اور نماز جیسی اہم العبادات کو ضائع کر دیا۔ سو ایسے لوگ حال اور مآل کے اعتبار سے تباہ و برباد ہوئے۔ البتہ جو لوگ اپنی جہالت اور ضلالت سے تائب ہوئے اور انبیاء کرام پر ایمان لائے اور ان کے طریقہ پر چلے وہ اہل سعادت ہیں ان کو بارگاہ خداوندی سے انعام ملے گا۔ اس لیے اب ان آیات میں متبعین اور مبتدعین کے حال اور مآل کو اور ان کی سعادت اور شقاوت کو بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ سعادت انبیاء کرام کے اتباع میں ہے اور شقاوت ان کے اتباع سے اعراض و انحراف میں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

پھر ان اہل سعادت کے بعد بعض کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے سو یہ لوگ عنقریب آخرت میں بدی اور خسارہ میں مبتلا ہوں گے یعنی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کیے سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے

اور ان کے حق میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی یعنی ان کے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی۔ باغات خلود اور دوام میں داخل ہوں گے۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے۔ برخلاف دنیاوی باغات کے کہ وہ فانی ہیں۔ یہ دائمی باغات ایسے ہیں جن کا رحمٰن نے غائبانہ وعدہ کیا ہے۔ یعنی وہ باغ بندوں کی نظروں سے غائب ہیں کچھ شک نہیں کہ اس کا وعدہ اس کے دوستوں کو ضرور آ کر اور پہنچ کر رہے گا۔ ان باغوں میں سوائے سلام کے کوئی بیہودہ اور خراب بات نہیں سنیں گے۔ اللہ کا اور فرشتوں کا سلام سنیں گے۔ یا آپس کا سلام سنیں گے سلام سے وہ کلام مراد ہے جس سے سلامتی اور خوشی ظاہر ہو یعنی جنت میں عمدہ اور خوشگوار باتیں سنیں گے۔ اور رہا رزق تو ان باغوں میں ان کے لیے صبح و شام ان کا رزق موجود اور حاضر ہوگا۔ جنت میں صبح و شام نہیں مگر جتنی مقدار صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہے اتنی مقدار میں جنت میں ان کو رزق ملے گا۔ جیسا کہ دنیا میں ان کی عادت تھی ورنہ جنت میں دن رات نہیں وہاں ہر وقت نور ہی نور ہوگا۔ شاید وہ روشنی بدلتی رہے گی جس سے اوقات کا فرق معلوم ہوگا یا کوئی اور علامتیں ہوں گی۔ جن سے صبح و شام کی مقدار کو پہچانیں گے۔ جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے کہ پردے چھوڑنے اور دروازے بند کرنے سے رات کا وقت معلوم ہوگا۔ اور پردے اٹھنے سے اور دروازوں کے کھلنے سے دن معلوم ہوگا۔

(دیکھو روح المعانی صفحہ ۱۰۳ ج ۱۶) واللہ اعلم

وہ بہشت جس کا ذکر ہم نے کیا وہ ہے جس کا ہم وارث بنا دیں گے۔ اپنے بندوں میں سے اس شخص کو جو پرہیزگار ہوگا۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے۔ جو برخلاف سیرت انبیاءؑ کے تھے۔ اس سے اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے جنہوں نے اپنے دین مبین میں تحریف و تبدیل کی۔ اور بداعمالیوں میں مبتلا ہوئے۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت نزول سورۂ مریم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی موجود تھی جو اوصاف مذکورۂ آیت یعنی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف تھی۔ اور شک نہیں کہ وہ جماعت مہاجرین اولین کی تھی۔ وہو المقصود۔ (ازالۃ الخفاء)

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا

اور ہم نہیں اترتے مگر حکم سے تیرے رب کے، اسی کا ہے جو ہمارے آگے اور جو

خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝۶۴ رَبُّ

ہمارے پیچھے اور جو اس کے بیچ۔ اور تیرا رب نہیں بھولنے والا۔ رب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے سو اسی کی بندگی کر اور ٹھہرا رہ

لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

اس کی بندگی پر۔ کوئی پہچانتا ہے تو اس کے نام کا۔

ذکر احاطۂ علم و قدرت و اثبات وحدانیت و بیان عبودیت ملائکہ برائے ترغیب عبادت و طاعت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ... الیٰ ... هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا۔

(ربط) اوپر کی آیتوں میں انبیاء کرام کی عبودیت اور بندگی کو بیان فرمایا تھا۔ اب ان آیات میں ملائکہ کرام کی عبودیت اور بندگی کو بیان کرتے ہیں کہ فرشتے بھی اللہ کے حکم بردار بندے ہیں۔ ان کا آسمان سے زمین پر اترنا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ بخاری وغیرہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے کہا کہ تم ہمارے پاس جلد جلد کیوں نہیں آتے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم خدا کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور آپ ہمارے دیر سے آنیکا یہ سبب خیال نہ کریں کہ آپ کا پروردگار آپ کو بھول گیا ہے۔ خدا تعالےٰ بھول چوک اور نسیان اور غفلت سے پاک ہے اس کا علم اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے ہم اس کے حکم کے مطابق نازل ہوتے ہیں۔ تو جب فرشتے باوجود اس عظمت اور رفعت کے حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ حکم الٰہی کے موافق وقت معین پر آتے ہیں تو ہم کو کیا ہوا کہ اسکی اطاعت نہ کریں (یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیت میں جنت اور عالم قدس کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں عالم قدس کے رہنے والے اور وہاں کی خبریں لانے والے کا بیان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور ہم یعنی فرشتے نہیں اترتے زمین پر مگر تیرے پروردگار کے حکم سے سب اسی کی ملک ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا زمین پر اترنا اور وقتاً فوقتاً آپ کے پاس آنا اپنے اختیار سے نہیں۔ جب خدا حکم دیتا ہے تب ہی اترتے ہیں ہمارا ماضی اور حال اور استقبال اور دنیا اور آخرت جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں وہ آپ کے حال سے آگاہ ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ہمیں آپ کے پاس بھیجتا ہے ہمارا نزول اور عدم نزول سب اس کے علم اور حکم سے ہے اور اس کے علم اور حکم میں سہو اور نسیان کا احتمال نہیں وہ مربی اور مدبر ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو چیز ان کے درمیان میں ہے پس جب تمام بلندی اور پستی اس کے قبضۂ قدرت اور دست تصرف میں ہے تو پھر وہاں سہو و نسیان کیسے ممکن ہے پس اس کے مربی اور محسن ہونے کا اقتضاء یہ ہے تو تم اس کی عبادت کیا کرو اور اس کی بندگی میں لگے رہو اور اس کی عبادت پر جمے رہو۔

یعنی جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ پروردگار آپ کو بھولا نہیں تو پھر صبر اور استقامت پر جمے رہئے اور وحی کی تاخیر سے اور کافروں کے طعن سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوئیے وہ آپ کا رب ہے۔ جب مصلحت ہوتی ہے تب آپ پر وحی نازل کرتا ہے وحی میں جو کبھی تاخیر ہوتی ہے وہ مصلحت کی بنا پر ہوتی ہے سہو و نسیان کی بنا پر نہیں ہوتی کیا تو خدا کا کوئی ہمنام اور ہم صفت جانتا ہے۔ یعنی کوئی اس کا مثل نہیں وہ ذات وصفات میں یکتا ہے لہذا آپ صرف اسی کی عبادت میں لگے رہئے۔

نکتہ اس آیت میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر اور استقامت کا حکم دیا۔ اس لیے کہ یہاں دو درجہ ہیں ایک درجہ تو عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے اور دوسرا درجہ ہے عبودیت اور غلامی پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کی عبدیت اور عبادت پر مداومت ضروری ہے ایک لمحہ کے لیے بھی جادۂ عبودیت سے قدم نہ ہٹاؤ۔ نیز اس آیت میں عبادت کے حکم سے پہلے رب السموات والارض فرمایا یہ عبادت کے مقتضی کا بیان تھا کہ مربی اور محسن ہونا عبادت کو مقتضی ہے اور ہل تعلم لہ سمیا میں رفع مانع کا بیان ہے۔ یعنی اگر کوئی اس کی مثل ہوتا تو یہ سوال ہوسکتا تھا کہ ہم اس دوسرے خدا کی کیوں نہ عبادت کریں۔ پس جب یہ مانع بھی موجود نہیں تو پھر اس کی عبادت سے کیوں اعراض کرتے ہو اور جب تم جانتے ہو کہ وہ بے مثل اور یکتا ہے تو اس کی عبادت پر جمے رہو۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مرگیا پھر نکلوں گا جی کر۔

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ

سو قسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر بلادیں گے ان کو اور شیطانوں کو پھر سامنے لادیں گے

حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ

گرد دوزخ کے، گھٹنوں پر گرے۔ پھر جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے جونسا ان میں

أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ

سخت رکھتا تھا رحمن سے اکڑ۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہیں جو

هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ

بہت قابل ہیں اس میں پیٹھنے کے (پہنچنے) اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا

عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ

تیرے رب پر ضرور مقرر - پھر بچا دیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور

نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا

چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اسی میں اوندھے گرے۔ اور جب سنائے ان کو ہماری آیتیں کھلی

بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ

کہتے ہیں جو لوگ منکر ہیں ایمان والوں کو دونوں فرقوں میں

خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

کس کا مکان بہتر ہے اور اچھی لگتی ہے مجلس۔ اور کتنی کھپا چکے ہم پہلے اُن سے

مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ

سنگتیں وہ اُن سے بہتر تھے اسباب میں اور نمود میں ۔ تو کہہ جو کوئی رہا

فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا

بھٹکتا ۔ سو چاہیئے اس کو کھینچ لے جاوے رحمٰن لمبا ۔ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے

مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ

جو وعدہ پاتے ہیں ۔ یا آفت اور یا قیامت ۔ سو تب معلوم کر لیں گے

مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ

کس کا بُرا درجہ ہے اور کس کی فوج کمزور ہے ۔ اور بڑھاتا جاوے اللہ

الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ

سوجھے ہوؤں کو سوجھ ۔ اور رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں۔

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ

تیرے رب کے ہاں بدلہ، اور بہتر پھر جانے کو جگہ ۔ بھلا تو نے دیکھا وہ جو منکر

بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ

ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو ملنا ہے مال اور اولاد ۔ کیا جھانک آیا ہے غیب

أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ

کو یا لے رکھا ہے رحمٰن کے ہاں اقرار ؟ یوں نہیں، ہم لکھ رکھیں گے جو کہتا

وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَ

ہے اور بڑھاتے جاویں گے اس کو عذاب میں لمبا ۔ اور ہم لے لیں گے اس کے مرے پر جو بتلاتا

يَأْتِينَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

ہے اور آویگا ہم پاس اکیلا۔

اثبات معاد وبیان حال ومآل اہل طاعت واہل معصیت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا۔ الی۔ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝

(ارتباط) گزشتہ رکوع میں اہل طاعت اور اہل معصیت یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام ذکر فرمایا کہ مرنے کے بعد ان کا یہ حال ہوگا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کے شبہات کا جواب دیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں۔

اہل غفلت اور ارباب شہوت کا عموماً یہ طریقہ ہے کہ وہ حشر ونشر کے منکر ہوتے ہیں۔ اور تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے۔ یہ لوگ دوبارہ زندہ ہونے کو محال اور خدا کی قدرت سے خارج سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس نادان انسان کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ یہ پہلے نیست اور نابود تھا۔ ہم نے ہی اس کو پیدا کیا تو پھر ہم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز گزشتہ آیات میں صبر اور عبادت کا حکم تھا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ صبر اور عبادت کا پھل قیامت کے دن ملے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جو آدمی حشر و نشر کا منکر ہے وہ بطور استہزاء و تکذیب یہ کہتا ہے کہ بھلا جب میں مرگیا تو پھر زندہ کرکے قبر سے نکالا جاؤں گا۔ یہ کہنے والا اُبی بن خلف جمحی تھا خدا تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ کیا یہ منکر حشر آدمی یہ نہیں سوچتا کہ ہم نے اس کو اول پیدا کیا اور وہ کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی عدم محض تھا۔ پس اس آدمی کو یہ خیال کرنا چاہیئے تھا کہ جو خدا معدوم محض کے موجود کرنے پر قادر ہے کیا وہ پراگندہ اور ریزہ ریزہ شدہ چیز کو جمع کرنے پر قادر نہیں جو ذات والاصفات نیست کو ہست اور ہست کو نیست کرنے پر قادر ہے وہ جمع اور تفریق پر بلاشبہ قادر ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر تمام مخلوق حشر کی دلیل لانے پر جمع ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کوئی دلیل نہیں لاسکتا۔ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی ہم قیامت کے دن ضرور ان مشرکوں کو زندہ کرکے میدان حشر میں جمع کریں گے جو حشر کے منکر تھے اور ان کے ساتھ ان شیاطین کو بھی جو دنیا میں ان کے ساتھ رہ کر ان کو بہکایا کرتے تھے۔ ہر ایک کافر کو اسی کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر ساتھ باندھ دیں گے۔ ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَآ أَطْغَيْتُهُ۔

پھر ہم ان سب کو جہنم کے گرداگرد گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا حاضر کریں گے۔ پھر نکالیں گے ہر فرقہ میں سے جو شخص ان میں کا دنیا میں اللہ تعالیٰ کا شدید سرکش تھا۔ تاکہ پہلے سب سے بڑے مجرم کو اور پھر اس کے بعد والے مجرم کو دوزخ میں داخل کیا جائے۔ کفار علی حسب المراتب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر فرقہ سے اس شخص کو کھینچے گا جو ان میں زیادہ متمرّد اور سرکش ہوگا۔ پھر جب وہ جمع ہو جائیں گے تو ان کو جہنم میں پھینک دے گا۔ اور جو جس طبقہ کے لائق ہوگا وہاں ڈال دیا جائے گا۔ پھر یہ نہیں کہ اس جدا کرنے میں ہم کو تحقیقات کی ضرورت پڑے کیونکہ البتہ تحقیق ہم خوب جاننے والے ہیں کہ ان میں سے دوزخ میں داخل کرنے کا سب سے زیادہ لائق اور سزاوار کون ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ کون پہلے دوزخ میں ڈالنے کے قابل ہے گناہوں کی کمیت اور کیفیت کا تفصیل کے ساتھ علم اللہ ہی کو ہے اس کو معلوم ہے کہ پہلے کس مجرم کو آگ میں ڈالا جائے گا۔

یہاں تک خاص کافر اور منکر حشر و نشر انسان کے بارے میں کلام تھا۔ اب آئندہ آیات میں عام انسانوں کو خطاب عام فرماتے ہیں جو مومن اور کافر سب کو شامل ہے غرض یہ کہ گزشتہ آیت میں خاص اس انسان کو خطاب تھا جو حشر و نشر کا منکر تھا۔ اب آئندہ آیت میں مطلق انسان کو خطاب فرماتے ہیں اور اے بنی نوع انسان نہیں ہے تم میں سے کوئی انسان خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر نیکوکار ہو یا بدکار ہو مگر یہ کہ وہ دوزخ کے پاس پہنچنے والا اور اس پر سے ضرور گزرنے والا ہے لیکن جب مومن دوزخ پر سے گزریں گے تو آگ بجھ جائے گی اور ٹھنڈی ہو جائے گی۔

یہ دوزخ پر سے گزرنا حسب وعدہ و بمقتضائے حکمت تیرے پروردگار پر لازم اور قطعی اور قضاء محکم ہے ضرور بالضرور اپنے وقت مقررہ پر واقع ہو کر رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ یہ قطعی فیصلہ کرچکا ہے

کہ ہر شخص کو دوزخ کے اوپر سے یعنی پل صراط سے مرور بالضرور گزرنا ہے۔ جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے اہل ایمان اور اہل تقویٰ اس پر سے صحیح وسالم گزر جائیں گے اور کافر سر اور گھٹنوں کے بل اس میں اوندھے جا گریں گے۔ اور گنہگار مسلمان بھی اُلجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ لیکن کچھ مدت بعد اپنے اعمالِ صالحہ کی برکت سے اور انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ پھر آخر میں براہ راست ارحم الراحمین اپنے دستِ رحمت سے ان گنہگاروں کو نکالے گا جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تھا اب اس کے بعد جہنم میں صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا جیسا کہ فرماتے ہیں پھر اس ورود اور مرور وعبور کے بعد ہم نجات دیں گے۔ ان لوگوں کو جو خدا سے ڈرتے تھے۔ یعنی ہم اہل تقویٰ کو بقدر تقویٰ نجات دیں گے اور ان کو بچالیں گے۔ اور ان کو صحیح سالم نکال کرلے جائیں گے اور جو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں گر پڑا ہے اس کو بعد میں دوزخ سے نکال لیں گے۔ اور ظالموں کو ہم اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے ———— اور اگر وہ ظالم کافر و مشرک ہے اور ظلم عظیم کا مرتکب ہے تو اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں گے اور اگر گنہگار مسلمان ہے تو چند روز کے لیے چھوڑ دیں گے اور پھر اس کو نکال لیں گے۔

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ وَاِنْ مِّنْكُمْ کا خطاب عام ہے جس کے مخاطب سارے عالم کے لوگ ہیں جس میں مؤمن اور کافر اور صالح اور طالح سب ہی داخل ہیں اور ورود کے معنی عبور اور مرور کے ہیں۔ یعنی کسی چیز کے پاس پہنچنے کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ ۔ وَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ اور ورود سے پُل صراط پر سے گزرنا مراد ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مؤمن اور کافر سب کو پلصراط پر سے ہو کر گزرنا ہے۔ جو جہنم کی پشت پر قائم کیا جائے گا۔ جنت میں جانے کا راستہ یہی پُل صراط ہے۔ مؤمن تو اس پر سے صحیح وسالم گزر جائیں گے۔ اور کافر اسی میں گر پڑیں گے جیسا کہ بعد والی آیت اس معنی پر دلالت کرتی ہے کہ ہم مؤمنوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں گرا دیں گے۔ اور پل صراط پر سے گزرنے کی رفتار بقدر اعمال ہوگی۔ کوئی مثل برق (بجلی) کے گزرے گا۔ اور کوئی مثل تیز گھوڑے کے اور کوئی مثل شتر سوار کے اور کوئی مثل دوڑنے والے آدمی کے اور کوئی مثل معمولی رفتار کے۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ورود سے عبور اور مرور کے معنی مراد ہیں خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ دوزخ کی پشت پر جو پل قائم کیا جائے گا تم سب کو اس پر سے گزرنا ہے جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی پشت کو جنت میں جانے کا راستہ بنایا ہے۔ اہل ایمان اور خدا سے ڈرنے والے اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ کے موافق اس سے صحیح سالم گزر جائیں گے۔ اور گنہگار اور بدکار اُلجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ پھر کچھ عرصے بعد گنہگار اہلِ ایمان انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ اور پھر اخیر میں براہ راست ارحم الراحمین کے دست رحمت سے وہ لوگ بھی دوزخ سے نکال لیے جائیں گے کہ جن میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اور صرف کافر جہنم میں باقی رہ جائیں گے جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ۔

اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ وَاِنْ مِّنْكُمْ کا خطاب خاص کفار کو ہے اور ورود کے معنی دخول کے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ۔ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا اگر یہ بت معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ وَ قَالَ اللہُ تعالیٰ۔ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۔

اور جب ورود کے معنی دخول کے ہوں گے تو یہ دخول نار کفار کے لیے مخصوص ہوگا۔ حضرات انبیاء و مرسلینؑ اس حکم میں داخل نہ ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین مخلصین جہنم سے دور اور بالکلیہ اس سے مامون اور محفوظ رہیں گے۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیت میں ورود سے دخول کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مؤمن اور کافر سب اس میں داخل ہوں گے۔ اور جابرؓ نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں کی طرف دراز کیں اور کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نہ سنا ہو تو خدا کرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نیک و بد باقی نہ رہیگا۔ مگر ضرور جہنم میں داخل ہوگا مگر وہ آگ مؤمن کے حق میں برد و سلام ہو جائے گی۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام پر ہو گئی تھی۔

(اخرجہ احمد والحکیم الترمذی والحاکم وصححہ)

اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت سے آگ کا کسی کے حق میں برد اور سلام ہو جانا کوئی محال نہیں اس لیے کہ احراق نار کا طبعی اور ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ آگ کا کسی کو جلانا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ آخر جو فرشتے جہنم پر مقرر ہیں آگ ان کو نہیں جلاتی اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ ایک ہی پیالہ پانی کا قبطی کے حق میں خون ہو جاتا تھا اور وہی پیالہ سبطی یعنی اسرائیلی کے حق میں شیریں پانی ہو جاتا تھا نیز عقلاً یہ بھی ممکن ہے کہ جہنم کے وسیع علاقے میں کچھ حصے ایسے بھی ہوں جو آگ سے خالی ہوں اور مؤمن جہنم کا معائنہ کر کے صحیح سالم واپس آجائیں (تفسیر کبیر صفحہ ۵۷۲/ ۵)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت میں دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ ورود کے معنی دخول کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سب لوگ مسلمان ہوں یا کافر ایک مرتبہ دوزخ میں ضرور جائیں گے مگر اہل ایمان کے حق میں آتش دوزخ برد و سلام ہو جائے گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ورود کے معنی مرور اور عبور کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے اوپر سے مسلمان اور کافر سب گزریں گے پل صراط دوزخ کی پشت پر ہے سب کو اوپر سے گزرنا ہوگا۔ مسلمان تو پار ہو جائیں گے اور کافر کٹ کر دوزخ میں گر جائیں گے۔

(اب رہا یہ سوال) کہ مؤمنین کے اس طرح دخول جہنم میں کیا حکمت ہے کہ آگ ان کے حق میں برد و سلام ہو جائے (سو جواب یہ ہے) کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

ایک یہ کہ اہل ایمان کے سرور اور فرحت میں اضافہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہولناک مقام سے

غلامی بخشی اور اس نعمت عظمیٰ پر اللہ کا شکر کریں۔
دوم یہ کہ کافروں کے غم اور حسرت میں اضافہ ہو کہ جن کو ہم نے دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھا تھا وہ تو آج عیش و عشرت میں ہیں اور ہم عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہیں۔
سوم یہ کہ مسلمانوں کے دشمن ان کے روبرو فضیحت ہوں۔
چہارم یہ کہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ جس حشر و نشر کی ہم تکذیب کرتے تھے وہ ہی حق نکلا۔
پنجم یہ کہ مسلمانوں کو جنت کی نعمت کی قدر معلوم اور اس کی لذت محسوس ہو اس لیے کہ کسی نعمت کی قدر و قیمت مقابلہ سے ہوتی ہے وبضدھا تتبین الاشیاء (تفسیر کبیر صفحہ ۳، ۵/ ۵۴)
اور علماء تفسیر کے اس گروہ کے نزدیک جو ورود کو بمعنی دخول لیتے ہیں آیت اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ سے نفس جہنم سے بُعد اور دوری مراد نہیں۔ بلکہ اس کے عذاب سے دوری مراد ہے برگزیدہ حضرات کے حق میں تھوڑی دیر کے لیے بطور معائنہ جہنم کے علاقہ میں داخل ہونا موجب رحمت و کرامت ہوگا۔ جیل خانہ میں مجرموں کا داخل ہونا اور نوع کا ہے اور حکام کا بطور معائنہ اس میں داخل ہونا یہ اور نوع کا ہے دونوں دخول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

کفار کے ایک مغالطہ کا جواب

گزشتہ آیات میں منکرین حشر کے ذلت آمیز عذاب کا ذکر فرمایا کہ ان ظالموں کو ذلت و خواری کے ساتھ ہم اسی جہنم میں گرادیں گے یہ ظالم جب اس قسم کی آیتیں سنتے جن میں ان کے ذلت آمیز انجام کا ذکر ہوتا تو بطور استہزاء و تفاخر غریب مسلمانوں سے یہ کہتے کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی تم سے اچھے رہیں گے جس طرح دنیا میں ہم تم سے مال و دولت اور عزت و وجاہت کے اعتبار سے بہتر ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطہ کا جواب دیتے ہیں اور ان ظالموں کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور قیامت کے دلائل ان کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں۔ اور وہ ان کے جواب سے عاجز آجاتے ہیں تو ازراہ جہالت کافر ایمان داروں سے یہ کہتے ہیں کہ بتلاؤ تو سہی کہ ہم دونوں فریق میں سے کون سا فریق مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے اور کون سا باعتبار مجلس کے عمدہ ہے منکرین حشر جب دلائل حشر کے جواب سے عاجز آتے تو یہ کہتے کہ بتلاؤ دنیا میں کون زیادہ معزز ہے اور کس کی مجلس اور سوسائٹی بہتر ہے اور کون عمدہ مکانات اور موٹر اور بنگلوں کا مالک ہے اور کون ٹھاٹھ سے زندگی گزار رہا ہے پس جس طرح یہاں راحت و عزت میں ہیں اور تم ذلت اور مصیبت میں اسی طرح ہم عالم آخرت میں معزز اور سربلند ہوں گے اور تم اسی طرح پستی میں ہو گے اگر تم حق پر ہوتے اور ہم باطل پر ہوتے تو تمہارا حال ہم سے بہتر ہوتا اللہ تعالیٰ آئندہ آیت میں اسبات کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ان کفار مکہ سے پہلے کتنی ہی امتیں اور جماعتیں ہلاک کر چکے ہیں۔ جو سامان زندگی یعنی مال و متاع میں اور مال و دولت اور عزت و شوکت میں اور نمود اور منظر میں ان سے بہت تھے۔ جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اللہ نے ان کو تباہ

اور برباد کر دیا معلوم ہوا کہ دنیا کی چند روزہ خوشحالی اور مال و دولت کی فراوانی مقبولیت اور محبوبیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان مغرور متکبر دولت مندوں اور عیش پرستوں کو دنیا میں تباہ و برباد اور ذلیل و خوار نہ کرتا ان کا مال و منال اور ان کی عزت و وجاہت ان کی ہلاکت اور ذلت کو دفع نہ کر سکی۔

ف اثاث کے معنی ساز و سامان کے ہیں جو تمام اقسام کے اموال کو اور اونٹ اور گھوڑے اور حشم و خدم کو اور اسباب خانہ کو شامل ہے اور رئیا کے معنی یہ ہیں کہ جو منظر اور ظاہری ہیئت میں خوبصورت ہو۔ اور دیکھنے میں اچھی معلوم ہوتی ہو جیسے آج کل بنگلوں کا سامان آرائش و زیبائش جسے قارون اور فرعون بھی دیکھ کر دنگ رہ جائے۔ ان کافروں کی نظر صرف دنیا پر تھی اہل مکہ کو کچھ عزت و وجاہت ملی اور کچھ مال و دولت ملا مست ہو گئے۔ اور اترانے لگے اور غریب اور نادار مسلمانوں کو حقیر سمجھنے لگے اپنی فراخی اور مسلمانوں کی تنگدستی کو اس بات کی دلیل ٹھہرانے لگے کہ ہم حق پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں قریش مکہ کو یہ ہوش نہ آیا کہ نصاریٰ روم بھی ہمارے مخالف ہیں اور ایران کے مجوسی بھی ہمارے مخالف ہیں اور دونوں گروہ مال و دولت اور عزت و وجاہت میں مکہ کے بت پرستوں سے ہزار درجہ بڑھ کر تھے۔ تو کیا قریش مکہ کے نزدیک نصاریٰ اور مجوس کی یہ ہوش ربا مالداری اُن کے حق ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے۔

جواب دیگر اب آئندہ آیت میں اسی شبہ کا دوسرا جواب دیتے ہیں۔ اور اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ اے نبی آپ ان کافروں سے یہ کہہ دیجئے کہ اللہ کی عادت یوں جاری ہے کہ جو شخص گمراہی میں غرق ہے۔ سو رحمٰن اس کو ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے۔ خوب ڈھیل دینا۔ یعنی اس کو رحمٰن کی رحمت اور اس کے حلم سے مہلت مل رہی ہے ورنہ اس کے جرم کا مقتضا یہ تھا کہ فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ گمراہوں کو فوراً پکڑ لے وہ حلیم و کریم ہے۔ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اسکو طویل مہلت دیتا ہے اور اسکی رسی کو دراز کرتا ہے اور پے درپے اسکو نعمتیں پہنچاتا رہتا ہے تاکہ اس پر حجت پوری ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ وقال تعالیٰ اِنَّمَا نُمۡلِيۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا یعنی ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ دل کھول کر کفر کریں اور دل کی حسرتیں نکال لیں اس لیے دنیا ان پر خوب کشادہ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جس کا اللہ کی طرف سے وعدہ یا وعید کی گئی ہے۔ خواہ دنیاوی عذاب کو دیکھیں اور خواہ قیامت کو دیکھیں جو عذاب کی انواع و اقسام کا مجموعہ

۱؎ یہ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا کا ترجمہ ہے۔ یہ صیغہ امر کا ہے مگر معنی اس کے خبر کے ہیں۔ معنی مرادی کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا اور لفظی ترجمہ یہ ہے کہ چاہیے کہ دراز کرے رحمٰن اس کے لیے خوب دراز کرنا۔ اور خبر کو بصیغہ امر اس لیے تعبیر کیا گیا کہ اشارہ اس طرف ہے کہ بمقتضائے حکمت اس مہلت کا واقع ہونا ضروری ہے۔

۲؎ اس تردید میں اشارہ اس طرف ہے کہ یوعدون۔ وعدلا سے مشتق ہے یا وعید سے دونوں کی گنجائش ہے۔

ہے۔ تو اس وقت ان پر حقیقت حال کھل جائے گی۔ اور اس وقت جان لیں گے کہ کون بدتر ہے باعتبار جگہ اور ٹھکانہ کے یا باعتبار[1] مقام اور مرتبہ کے اور کس کے مددگاروں کی فوج کمزور ہے۔ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے کہ دونوں فریقوں میں سے کس کے مکانات عمدہ اور کس کی مجلسیں شاندار ہیں۔ اور کس کے یارو مددگار زور دار ہیں وہاں اُن کے لیے نہ کوئی ٹھکانہ ہوگا اور نہ کوئی یار و مددگار ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم آپ ان گمراہوں سے جو اپنی مال و دولت کے نشہ میں مسلمانوں کو حقیر سمجھ رہے ہیں ان سے یہ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالٰے حلیم اور کریم ہے۔ سرکشوں کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے اہل ضلالت کو مہلت دیتا ہے کہ اپنے غرور اور جہالت کی امنگیں پوری کریں جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو یکایک ان کو دنیاوی یا اُخروی عذاب میں پکڑتا ہے اس وقت وہ جان لیتے ہیں کہ ذی عزت اور صاحب منزلت کون ہے اور کون ذلیل و خوار ہے معلوم ہوا کہ حسب و نسب اور مال و دولت مدار فضیلت نہیں بلکہ عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ مدارِ فضیلت ہیں۔ کافر دنیا میں غرور اور فخر سے یہ کہتا تھا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا۔ قیامت کے دن اس کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مقام بُرا ہے اور کس کی مجلس بُری ہے اللہ تعالٰے کے حلم نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے ؎

این مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

خلاصۂ کلام یہ کہ آیات بینات کی تلاوت سے گمراہوں کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالٰے ان آیاتِ بینات سے راہ راست اختیار کرنے والوں کے لیے ہدایت بڑھاتا ہے۔ جس قدر آیات بینات کو سنتے ہیں اسی قدر ان کے ایمان اور ہدایت میں زیادتی ہوتی ہے۔ آیاتِ بینات سے مؤمنین کے ایمان اور ایقان میں زیادتی ہوتی ہے اور کافروں کی گمراہی میں زیادتی ہوتی ہے۔

جواب دیگر دلدادگان دنیا جو بطور تمسخر اور استہزاء غریب مسلمانوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ جس طرح ہم دنیا میں باعتبار مال و دولت کے تم سے بہتر ہیں۔ اسی طرح ہم آخرت میں بھی تم سے اچھے رہیں گے۔ ان کی اس بات کے دو جواب پہلے گزر گئے۔ اب آگے ایک اور جواب دیتے ہیں۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی اعمال صالحہ اور اعتقادات حقہ تیرے پروردگار کے نزدیک باعتبار جزاء کے بھی بہتر ہیں اور باعتبار انجام اور ثمرہ کے بھی بہتر ہیں، "باقیات صالحات" سے وہ اعمالِ صالحہ مراد ہیں جو مرنے کے بعد انسان کے کام آئیں حدیث میں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا ہے۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ تمام اعمال صالحہ اس میں داخل ہیں۔ سورۂ کہف کے چھٹے رکوع میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے اور

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ خَیْرٌ مَّقَامًا میں دو احتمال ہیں کہ مکان سے جگہ اور ٹھکانہ کے معنی مراد ہوں یا مقام اور مرتبہ کے معنی مراد ہوں واللہ اعلم۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ آخرت میں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ عزت و راحت کا دارومدار باقیات صالحات پر ہے اور اصلی دولت اعمالِ صالحہ اور اعتقاداتِ حقہ ہیں نہ کہ دنیاوی مال و دولت اور اس دارِ فانی کا ساز و سامان اور چند روزہ رونق۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا کا بہترین مقام کس کو حاصل ہے۔ اہلِ ایمان کو یا اہلِ کفر کو مرنے کے بعد مال و اولاد کام نہ آئیں گے صرف باقی رہنے والی نیکیاں کام آئیں گی۔

منکرین حشر کے ایک اور تکبّر اور تمسخر کا جواب

گذشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی منکرین بعث و نشر کے ایک تمسخر کا جواب دیتے ہیں۔ اول حق تعالیٰ نے کفار کے ایک قول کا ذکر کیا جو دنیا کی ظاہری رونق اور زینت پر فخر کرتے تھے اور اپنے مال و دولت اور قوت و شوکت اور کثرت اعوان و انصار پر اور عمدگی مکانات پر اتراتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا مسکت جواب دیا۔ اب پھر اسی قسم کے غرور و تکبر کا ایک قول نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ خباب بن ارت صحابی رضی اللہ عنہ آہنگری کا کام کرتے تھے جاہلیت کے زمانہ میں عاص بن وائل کافر نے ان سے ایک تلوار بنوائی جس کی قیمت اس کے ذمے قرض تھی زمانۂ اسلام میں خبابؓ نے اس سے اپنے قرض کا تقاضہ کیا اس نے کہا کہ جب تک تو محمدؐ کی نبوت کا انکار نہ کریگا۔ اس وقت تک میں تیرا قرض نہیں دوں گا۔ خبابؓ نے کہا واللہ ہرگز ہرگز میں آپ کی نبوت کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مرے اور پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے تو وہ بولا کہ جب میں مرکر زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس مال اور اولاد سب کچھ ہوگا جیسا کہ اب ہے۔ پس اسی وقت تیرا سارا قرض چکا دوں گا۔ جلدی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی بدبخت کا قول نقل فرمایا اور اس کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس بدبخت کو کیونکر معلوم ہوا کہ وہاں بھی اس کو مال اور اولاد ملے گا۔ کیا یہ عالم الغیب ہے یا اس نے خدا سے اقرار کر لیا ہے ہم اس کی یہ سب باتیں لکھ رہے ہیں۔ قیامت کے دن بازپرس کریں گے اور سزا دیں گے چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبیؐ) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور بطور استہزاء و تمسخر یہ کہا کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو وہاں بھی مجھ کو مال اور اولاد دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کیا یہ کافر غیب پر مطلع ہو گیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو سب کچھ ملے گا۔ "اطلاع" کے معنی بلند مقام پر چڑھ کر کسی چیز کو جھانکنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کیا اس کافر نے بلند مقام سے جھانک لیا ہے کہ وہاں مجھ کو یہ ملے گا یا اس نے لوح محفوظ پر نظر ڈال کر دیکھ لیا ہے کہ میں ضرور بہشت میں داخل ہوں گا۔ اور وہاں پہنچ کر مجھ کو مال و اولاد ملے گی یا اس نے اللہ سے اس بات کا عہد لے لیا ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کو مال اور اولاد دے گا۔ ہرگز نہیں یہ سب غلط ہے وہاں کچھ نہیں ملے گا یہ کلمۂ زجر ہے یعنی جھڑکی ہے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ اور یہ شخص جھوٹا اور بدکار ہے اور سخت گستاخ ہے ضرور ہم اس کا یہ گستاخانہ قول اس کے اعمال نامہ میں لکھ لیں گے اور قیامت کے دن اس گستاخانہ قول پر خاص طور پر سزا دیں گے۔ اور اس گستاخی و جرأت کی وجہ سے ہم اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اول تو کفر اور پھر یہ گستاخی اس لیے

اس پر عذاب پر عذاب ہوگا۔ اور جس مال اور اولاد کا وہ ذکر کرتا ہے اس کے ہم وارث ہوں گے اس کے مرتے ہی وہ سب اس سے چھن جائے گا اور وہ قیامت کے دن ہمارے پاس تن تنہا آئے گا۔ نہ اس کے ساتھ اس کا مال ہوگا۔ اور نہ اس کی اولاد ہوگی۔ قیامت کے دن کا فر کو نہ مال کام آئے گا۔ اور نہ اولاد ساتھ دے گی بخلاف مسلمان کے کہ وہاں اس کو مال بھی کام آئے گا اور اولاد بھی کام آئے گی۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا

اور پکڑا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو پوجنا کہ وہ ہوں

لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ

ان کی مدد۔ یوں نہیں! وہ منکر ہوں گے ان کی بندگی سے اور ہو جاویں گے ان

ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ

کے مخالف۔ تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر!

تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

اچھالتے ہیں انکو ابھار کر۔ سو تو جلدی نہ کر ان پر ہم تو پوری کرتے ہیں ان کی

عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾

گنتی۔ جس دن ہم اکٹھا کر لاویں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس مہمان بلائے۔

وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ

اور ہانک لے جائیں گے گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے۔ نہیں اختیار رکھتے

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَ

لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا رحمٰن سے اقرار۔ اور

قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾

لوگ کہتے ہیں رحمٰن رکھتا ہے اولاد۔ تم آگئے ہو بھاری چیز میں۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ

ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے، اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں

الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا

پہاڑ ڈھے کر۔ اس پر کہ پکارتے ہیں رحمٰن کے نام پر اولاد۔ اور نہیں

يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي

بن آتا رحمٰن کو کہ رکھے اولاد۔ کوئی نہیں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ

آسمان و زمین میں، جو نہ آوے رحمٰن کا بندہ ہو کر۔ اس پاس

اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ان کا شمار ہے اور گن رکھی ہے ان کی گنتی۔ اور ہر کوئی ان میں آوے گا اس پاس قیامت

فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ

کے دن اکیلا۔ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں نیکیاں ان کو دے گا

لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ

رحمٰن محبت۔ سو ہم نے آسان کیا یہ قرآن تیری زبان میں اس واسطے

الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ

کہ خوشی سناوے تو ڈر والوں کو اور ڈراوے جھگڑالو لوگوں کو۔ اور کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے

قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ

سنگتیں، آہٹ پاتا ہے تو ان میں کسی کا؟ یا سنتا ہے

لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

ان کی بھنک؟

ابطال عقیدۂ ابنیّت

دربیان ضلال ووبال منکرین وحدانیت ومنکرین قیامت برائے تسلیۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا

(ربط) شروع سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبودیت اور بلا باپ کے ان کی ولادت کا ذکر فرمایا تاکہ ان کی والدۂ ماجدہ کی عصمت ونزاہت ثابت ہو جائے اور یہود بے بہبود کا رد ہو۔ جو حضرت عیسےٰ ابن مریم کو ولد الزنا اور ساحر بتلاتے تھے اب ان آیات میں ان لوگوں کے زعم فاسد کا رد ہے جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں۔ اور اس پر گھمنڈ کرتے ہیں۔

نیز گزشتہ آیات میں قیامت اور خدا پرستوں کا حال اور مآل بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی جہالت اور ضلالت اور سوء عاقبت کو بیان کرتے ہیں جو مشرک ہیں اور خدائے تعالےٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسے نصاریٰ اور یہ بتلاتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ایسا جرم عظیم ہے کہ اندیشہ ہے کہ آسمان اور زمین نہ شق ہو جائیں اگر اللہ تعالےٰ کا حلم نہ ہوتا تو یہ گستاخ کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے۔

اور جب دنیا میں کفار اور مشرکین کی جہالت اور آخرت میں ان کی فضیحت بیان کر چکے تو سورت کو احوالِ مؤمنین صالحین پر ختم فرمایا اور یہ بتلایا کہ ایمان اور عمل صالح کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ من جانب اللہ لوگوں کے دلوں میں مؤمن کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ جس سے وہ محبوب خلائق ہو جاتا ہے اور سورت کو ایک موعظت بلیغہ پر ختم فرمایا۔ یعنی كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ پر سورت کو ختم فرمایا کہ یہ دنیا فانی اور آنی جانی ہے اپنے انجام کو سوچ لو۔ مال و دولت کے غرہ میں نہ رہو۔ اس سورت کو رحمت کے ذکر سے شروع فرمایا۔ اور انذار اور ترہیب پر اس کو ختم فرمایا یہ انداز کلام خاص طور پر موجب لطف ہے۔

نیز قریبی آیتوں میں ناخلف لوگوں کا حال اور مآل بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں دوسرے ناخلف لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں جو خدا کے لیے بیٹا ثابت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت پر تو گھمنڈ کرتے ہیں اور اپنی جہالت اور ضلالت کو نہیں دیکھتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان نادانوں نے بنا لیے اللہ کے سوا اور معبود جن کی یہ عبادت کرتے ہیں۔ تاکہ وہ معبود ان کے لیے اللہ کے یہاں عزت اور نصرت کا سبب بنیں اور اللہ کے یہاں ان کی شفاعت کریں اور ان کی شفاعت کی بدولت خدا کے یہاں عزت پائیں۔ ہرگز نہیں یعنی کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ان نادانوں کا محض سودائے خام ہے۔ جو انہوں نے اپنے خیال سے گھڑ

رکھا ہے کسی کو معبود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا وہ معبود خود ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے اور تراشے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو کیا نفع پہنچائیں گے اور ان کو کیا عزت بخشیں گے بلکہ قیامت کے دن یہی معبود خود ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے۔ اور بجائے معین و مددگار ہونے کے ان کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔ اور ان کی بندگی سے اپنی برأت اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بتوں کو گویائی عطا کر دے گا۔ اور وہ بت ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہیں جن کو اپنا دوست یار و مددگار سمجھتے تھے وہ مدد تو کیا کرتے اُلٹے ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ اور بجائے عزت بڑھانے کے ذلت اور رسوائی کا سبب بنیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وقال اللہ تعالیٰ مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ پس جب یہ بت بھی ان سے بری اور بیزار ہو جائیں گے تو ان کی حسرت بہت ہی زیادہ ہو جائے گی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سَيَكْفُرُوْنَ کی ضمیر عابدوں یعنی مشرکوں کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب کافر اور مشرک قیامت کے دن کفر اور شرک کے بُرے انجام کا مشاہدہ کریں گے تو اپنے شرک سے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ یعنی خدا کی قسم ہم تو کبھی مشرک ہوئے ہی نہیں۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر اپنے شرک سے مکر جائیں گے۔ اور صریح جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے تو تیری عبادت میں کسی کو شریک ہی نہیں کیا۔

اوپر کی آیتوں میں کافروں کی گمراہیوں کا اور آخرت میں ان کی رسوائیوں کا بیان ہوا اب آئندہ آیات میں ان کی گمراہی کا سبب بیان کرتے ہیں کہ وہ تسلط شیاطین ہے کہ دنیا میں شیاطین ان پر مسلط تھے اور یہ لوگ ان کے اشاروں پر چل رہے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ آپ نے دیکھا نہیں کہ ہم نے بتقاضائے حکمت اور بغرض ابتلاء و امتحان شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان کو ہلاتے رہتے ہیں خوب ہلانا اور اچھالتے رہتے ہیں خوب اچھالنا اور اپنی انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں خوب نچانا تاکہ اہل عقل ان کی گمراہی کا تماشا دیکھیں۔

زجاج ؒ کہتے ہیں کہ ارسال کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جیسے کتا شکار پر چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح ہم نے شیاطین کو کفار پر چھوڑ دیا ہے انتہی کلامہ یہ اس کی قضا و قدر ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت ہے جس کو چاہے جس پر مسلط کر دے۔

اور تَؤُزُّهُمْ اَزًّا کے معنی تحریک اور انزعاج کے ہیں یعنی ہلانے اور جنبش دینے اور برانگیختہ کرنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ شیطان کسی کو معصیت پر مجبور نہیں کرتا بلکہ برانگیختہ کرتا ہے جیسے انبیاء کرامؑ اور ان کے وارث کسی کو اللہ کی اطاعت پر مجبور نہیں کرتے بلکہ ایمان اور عمل صالح کی دعوت دیتے ہیں اسی طرح شیاطین کسی کو کفر اور معصیت پر مجبور نہیں کرتے بلکہ اس کو کفر اور معصیت کی

دعوت دیتے ہیں۔ جو عقل والے ہیں وہ انبیاء کرام کی دعوت کو قبول کرتے ہیں اور جو شہوت پرست نفس کے بندے ہیں وہ شیطان کی دعوت کو قبول کرتے ہیں اور کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی اور اس کے مقابلہ پہ تل جاتے ہیں اور مستحق سزا کے ہو جاتے ہیں۔

پس اے نبی آپ ان بدبختوں کے لیے عذاب اور سزا کی جلدی نہ کیجئے۔ ہم ان کے جرم سے غافل نہیں ہم نے ان کی سزا کے لیے ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ جزایں نیست کہ ہم ان کی مدت کو شمار کر رہے ہیں شمار کرنا جب وہ شمار پوری ہو جائے گی اس وقت ان پر عذاب آئے گا مطلب یہ ہے کہ آپ انکے عذاب میں جلدی نہ کیجئے ہم نے ان کو مہلت دے دی ہے اور ان کی باگ ڈور ڈھیلی چھوڑ دی ہے اور ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور ان کی میعاد کے دن ہم گن رہے ہیں جب دن پورے ہو جائیں گے تو ضرور عذاب آئے گا اور کسی طرح نہیں ٹلے گا اور ان مجرموں کو سزا اس روز ملے گی کہ جس روز ہم پرہیزگاروں کو بارگاہ رحمٰن کی طرف اعزاز و اکرام کے ساتھ وفد بنا کر سواریوں پر لے جائیں گے۔ جیسے معزز وفود کو شہنشاہ کی بارگاہ میں سوار کر کے لے جاتے ہیں۔ اور مجرموں کو جانوروں کی طرح جہنم کی طرف پا پیادہ اور پیاسا ہنکا کرے جائیں گے جس طرح پیاسے جانوروں کو گھاٹ کی طرف ہنکا کرلے جاتے ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو پا پیادہ اور پیاسا ہنکا کر دوزخ کے گھاٹ لے جا کر اتار دیں گے۔

بے شمار روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ متقین اعزاز و اکرام کے ساتھ سواریوں پر سوار کر کے جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ اور مجرم لوگ پا پیادہ اور پیاسے جانوروں کی طرح ذلت اور خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ اور اس روز لوگ شفاعت کے مالک اور مختار نہ ہوں گے مگر جس نے رحمٰن سے کوئی پروانہ لیا۔ یعنی اس روز کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ مگر جس کو اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو جیسے انبیاء و صلحاء اور رحمٰن کے لیے اجازت ہو بغیر اس کی اجازت کے کوئی زبان نہیں ہلا سکے گا۔ اور سفارش انہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے لیے سفارش کی اجازت ہو گی جیسے مسلمان اور کافروں کے لیے سفارش کی اجازت نہ ہو گی۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کا رد فرمایا اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں جو خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنے لیے اولاد بنائی یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ تم تینوں بڑی بھاری بات لائے ہو اور جرم عظیم کے مرتکب ہوئے ہو قریب ہے کہ تمہاری اس گستاخی سے آسمان پھٹ پڑیں اور ان کہنے والوں پر گر پڑیں اور زمین پھٹ جاتے اور یہ اس میں دھنس جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں اور وہ ریزے اڑ کر ان کو لگ جائیں۔ جس سے یہ ہلاک یا زخمی ہو جائیں اس لیے کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لیے اولاد ٹھہرائی ہے۔ یہ ایسی بھاری بات ہے کہ اگر اس سے سارا عالم تہہ و بالا ہو جائے تو کچھ تعجب کی بات

نہیں۔ مگر وہ رحمٰن حلیم اور بردبار ہے۔ گستاخی اور نالائقی پر فوراً سزا نہیں دیتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ
اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ
مِّنْۢ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ غرض یہ کہ یہ کلمہ نہایت درجہ خراب اور برا ہے اور جس سے اللہ
کا غضب اور قہر جوش میں آجاتا ہے اور زمین اور آسمان اس سے تھرا جاتے ہیں اور اندیشہ ہوتا ہے کہ
دنیا تباہ نہ ہو جائے۔ رحمٰن کی شان کے شایاں نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔ بیٹا باپ کا شبیہ اور نظیر ہوتا ہے۔
اور کسی درجہ میں باپ کا مددگار بھی ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ شبیہ اور نظیر سے پاک ہے اور کسی کی مدد سے
بے نیاز ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے وہ اس کے روبرو ضرور بندہ اور غلام بن کر حاضر ہونے والا ہے
تو اس کے بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے۔ بیٹا اور غلام ہونے میں تو منافات ہے۔

البتہ تحقیق اللہ نے سب کو اپنے علم اور قدرت کے احاطہ میں گھیر رکھا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ
نہیں اور ہر ایک ان میں قیامت کے دن اس کے پاس تنہا حاضر ہونے والا ہے۔ نہ اس کے پاس مال ہوگا
اور نہ اولاد ہوگی۔ غرض یہ کہ کل عالم اس کے سامنے مجبور اور مقہور ہے اور عاجز اور لاچار ہے اور اس کے
علم اور قدرت کے احاطہ میں گھرا ہوا ہے پھر وہ خدا کا شریک یا اس کا فرزند کیسے ہو سکتا ہے۔

خاتمۂ سورت

مشتمل بر بشارت اہل ایمان و طاعت و نذارت اہل طغیان و خصومت و بودن آں از اعظم مقاصد نزول کتاب ہدایت و اغراض بعثت

(ربط) اوپر کی آیتوں میں متقین کے اعزاز و اکرام اور مجرمین کی ذلت و خواری کا ذکر تھا۔ اب اس
سورت کو ابرار کی بشارت اور اشرار کی نذارت پر ختم فرماتے ہیں جو کہ تنزیل قرآن اور بعثت نبوی کا
عظیم ترین مقصد ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے جو
خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اخروی نعمتوں کے علاوہ دنیا ہی میں ان کو
یہ نعمت عطا کرے گا۔ کہ نیک بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا۔ اور بدوں کے دل میں ان کی
ہیبت ڈال دے گا۔ یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظر میں محبوب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بدون سبب ظاہری لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ
کافروں کے دل میں رعب ڈال دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبد القادرؒ لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ
اللہ ان سے محبت کرے گا یا ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے گا یا مخلوق کے دل میں ان کی محبت
ڈال دے گا۔ (کذا فی موضح القرآن)

فائدہ جاننا چاہیئے کہ مقبولیت ومحبوبیت اور چیز ہے اور شہرت اور چیز ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مقبولیت اور محبوبیت کی ابتداء نیک بندوں اور خدا پرستوں سے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو قبول عام ہو جاتا ہے باقی محض اخباری شہرت یا کسی غلط فہمی کی بنا پر عوام الناس کا کسی لیڈر کی طرف جھک جانا یہ مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

پس اے نبی آپ لوگوں کو یہ بشارت دیجیئے۔ کیونکہ اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان پر اسی لیے آسان اور سہل کر دیا ہے کہ آپ اس کے ذریعے بشارت سنائیں پرہیزگاروں کو جنہوں نے کفر اور شرک سے کنارہ کیا۔ اور ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے۔ اور تاکہ آپ اس قرآن کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔ جھگڑالو قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق اور اہل حق سے جھگڑتے ہیں اور باطل اور اہل باطل کا ساتھ دیتے ہیں۔ جن کو حق سے عداوت ہے اور حق سے عداوت اور نفرت ہی ہمہ اقسام کفر و معصیت کی جڑ ہے۔ لہٰذا آپ اللہ کے عذاب سے اس جھگڑالو قوم کو ڈرائیے اور یہ بتلا دیجیئے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی جھگڑالو قوموں کو ہلاک کر دیا۔ جو حق سے نفرت اور عداوت رکھتے تھے اور اہل حق سے جھگڑتے تھے۔ کیا تو پاتا ہے اور دیکھتا ان ہلاک ہونے والوں میں سے کسی کو یعنی کیا ان میں سے کوئی تجھے دکھائی دیتا ہے یا ان میں سے کسی کی بھنک اور بھنک سنتا ہے۔ "رِکْزًا" کے معنی لغت میں آہستہ آواز کے ہیں۔ حاصل یہ کہ ان ہلاک شدگان میں سے تجھے کسی کا جسم نظر آتا ہے یا کسی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ سب ہی ہلاک ہو گئے کسی کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

لہٰذا عرب کے کافر اپنے انجام کو سوچ لیں اور پہلی قوموں کی تباہی اور بربادی سے عبرت پکڑیں اور بُرے انجام سے ڈریں۔ اور آخرت کی فکر کریں اور قہر الٰہی سے ڈریں اور اللہ کی عادت یہ ہے کہ نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ یہ صفت اور حالت تو کفار کی تھی۔ مگر اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں کا ظاہری اور عملی طور پر یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے اور ہم کو حسن اعمال کی توفیق دے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے آمین یارب العالمین۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ آج بتاریخ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ یوم چہار شنبہ بوقت آٹھ بجے سورۂ مریم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

تفسیر سُورۃ طٰہٰ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں چونکہ اس سورت کے شروع میں طٰہٰ کا لفظ آیا ہے اس لیے یہ سورۃ اس نام سے موسوم ہوئی اور اس سورت کا ایک نام الکلیم بھی ہے۔

سورۂ مریم میں حق تعالےٰ نے متعدد انبیاء کرام کے واقعات اور قصے ذکر کیے بعض تفصیل کے ساتھ، جیسے زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور بعض اجمال اور اختصار کے ساتھ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا قصہ اور باقی انبیاء کرام کے قصوں کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۔ الآیات۔ اب اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے قصہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور پھر اخیر سورت میں حضرت آدم علیہ السّلام کے قصے کی قدرے تفصیل کرتے ہیں جن کا سورۂ مریم میں محض نام ذکر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ، اور اس سورت کے بعد سورۂ انبیاء میں ان انبیاء کرام کے قصے ذکر فرمائے جن کے قصے سورۂ مریم میں ذکر نہیں فرمائے تھے۔ جیسے حضرت نوح اور لوط اور داؤد اور سلیمان اور ایوب الیسع اور ذالکفل اور ذوالنون علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور جن انبیاء کرام کے قصے سورۂ مریم میں ذکر ہو چکے تھے سورۂ انبیاء میں ان کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ کا قصہ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا لیکن سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صرف اتنا قصہ ذکر فرمایا جو قوم سے متعلق تھا اور جتنا قصہ ان کے باپ آذر سے متعلق تھا چونکہ اس کا ذکر سورۂ مریم میں ہو چکا تھا اس لیے سورۂ انبیاء میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

شروع اللہ کے نام سے، جو بےحد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰهٰ ۝۱ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝۲ اِلَّا تَذْكِرَةً

اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے۔ مگر نصیحت کے واسطے

لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ

جس کو ڈر ہے۔ اتارا ہوا اس شخص کا، جس نے بنائی زمین اور آسمان

الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اُونچے۔ وہ بڑی مہر والا تخت کے اوپر قائم ہوا۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَ

اور زمین میں ہے اور ان دونوں کے بیچ اور نیچے گیلی زمین کے۔ اور

اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ

اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو خبر ہے چھپے کی اور اس سے چھپے کی۔ اللہ ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝۸

جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ اُس کے ہیں سب نام خاصے۔

تقریر رسالت و وحدانیت

قال اللہ تعالیٰ۔ طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ... الیٰ ... لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى۔

(ربط) گزشتہ سورت کے ختم پر نزول قرآن کا ذکر تھا۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ الخ یعنی ہم نے قرآن آپ کی زبان یعنی عربی میں اس لیے نازل کیا تاکہ آپ کو متقین کی تبشیر اور معاندین کا انذار آسان ہو جائے اب اس سورت کے شروع میں انزال قرآن کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اس قرآن کے نازل کرنے سے ہمارا مقصود نصیحت اور موعظت اور بندوں کی ہدایت ہے کہ ان کو زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے کی معرفت حاصل ہو اور سمجھیں کہ لائق عبادت وہی معبود برحق ہے جس کی قدرت اور جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔

ابتداء میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا تو آپ نماز تہجد میں اس قدر طویل قیام فرماتے کہ قدم مبارک ورم کر جاتے۔ بدبخت کافروں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ اس شخص پر قرآن کیا نازل ہوا یہ تو اور مشقت میں پڑ گیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

طٰہٰ ۔ واللہ اعلم بمرادہ بذالک ۔ اے نبی ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ
آپ ایسی مشقت اور تعب میں پڑ جائیں لیکن یہ قرآن تو ہم نے اس شخص کی نصیحت کے لیے نازل کیا
ہے جو خدا سے ڈرتا ہو۔ لہذا آپ کسی کے کہنے سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں جس کی قسمت میں ڈرنا اور
ماننا ہے وہ مانے گا۔ جس قدر آپ کو آسان ہو اتنا پڑھ لیا کیجئے۔ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ اور اس
قدر تعب اور مشقت میں نہ پڑیئے۔ مشرکین یہ خیال نہ کریں کہ اللہ نے آپ پر کوئی مشقت اور تعب
کی چیز نازل کی ہے بلکہ وہ ایک خیر کثیر اور کتاب حکمت اور موعظت ہے۔ اور مشعل ہدایت اور ابر رحمت اور
سامان سعادت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن رحمت کے لیے نازل کیا ہے نہ کہ زحمت کے لیے۔

یا یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن ہم نے آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ان سرکشوں کے ایمان نہ لانے
کی وجہ سے رنج اور حسرت میں پڑ جائیں بلکہ اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ ان کو نصیحت
کریں اور ان منکرین اور معاندین کی باتوں سے ملول اور تنگ دل نہ ہوں آپ ان کو تبلیغ اور نصیحت
کر چکے۔ اب ان کو اختیار ہے کہ چاہیں ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ اور یہ مضمون اس قسم کا ہے جیسا کہ دوسری
آیت میں ہے۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ
أَسَفًا ۔ فَلَا يَكُن فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ۔ وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي
الْكُفْرِ ۔

مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی دعوت اور نصیحت میں جس قدر مشقت اٹھا سکتے تھے وہ آپ نے اٹھا
لی۔ آپ ان کے رنج و غم میں اپنی جان ہلاک نہ کیجئے اور یہ قرآن آپ پر اس ذات کی طرف سے نازل
ہوا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ وہ رحمن ہے جو عرش پر قائم اور جلوہ فرما ہے بمقتضائے
رحمانیت اس نے بندوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے اور آپ کے
قلب مبارک کو اس نور ہدایت کے لیے کوہ طور سے بڑھ کر مضبوط اور محکم بنایا ہے ہر شخص کا دل ان انوار و
تجلیات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ استواء علی العرش کی مفصل تفسیر سورۂ اعراف میں گذر چکی ہے۔
وہاں دیکھ لی جائے۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان اور بلا جہت کے اور بلا حد اور بلا کیفیت
کے عرش پر قائم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش عظیم باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہے۔ عرش اس کا مستقر
اور جائے قرار نہیں اس لیے کہ وہ نہ مکان کا محتاج ہے اور نہ کسی تخت اور جہت کا محتاج ہے اور نہ عرش
اس کو اٹھائے ہوئے ہے اور نہ تھامے ہوئے ہے بلکہ اللہ کی قدرت عرش عظیم کو تھامے اور اٹھائے
ہوئے ہے عرش اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے جو محدود اور متناہی ہے اور یہ ناممکن اور
محال ہے کہ کوئی شے خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے۔ عرش اور مکان بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ جس
شان سے تھا عرش اور مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ
کا کوئی جسم نہیں۔ جو کسی وجہ سے جسم پر مستقر اور متمکن ہو سکے۔ (نظم)

نے مکاں رہ یافت سوئش نے زماں نے بیاں دارد خبر زو نے عیاں
ایں ہمہ مخلوق حکم دادر است خالق عالم زعالم برتر است

اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ یعنی جو چیز زمین کی تہہ میں ہے وہ بھی اس کی ملک ہے۔ گیلی مٹی ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بلندی و پستی سب اسی کے قبضۂ تصرف میں ہے اور سب پر اس کی نظرِ رحمت ہے۔

یہ تو اللہ کی قدرت ہوئی اور اللہ کے علم کی شان یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو کوئی بات پکار کر کہے تو اس کے سننے میں تو کیا شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سننے میں کسی جہر کا اور کسی آواز کا محتاج نہیں وہ تو ایسا ہے کہ اس کو پوشیدہ بات کا اور پوشیدہ سے زیادہ پوشیدہ بات کا بھی علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر تو دل کے خطرات بھی پوشیدہ نہیں۔ سرّ کے معنی آہستہ اور پوشیدہ بات کے ہیں جو دوسروں سے چھپا کر کرے اور اخفیٰ وہ بات ہے جو اپنی دل میں رکھے اور کسی سے بھی ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمام اچھے نام اور تمام عمدہ صفات اور کمالات اسی کے لیے ہیں۔ ربوبیت اور خالقیت اور رزاقیت اور مالکیت اور تمام صفات فاضلہ اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ اور کسی میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں۔ اور یہ قرآن اسی ذاتِ مقدس کی نازل کردہ کتاب ہے کہ جو تمام چیزوں کی مالک ہے اور تمام ظاہر و باطن کی عالم ہے، اور تمام کائنات کی مربی ہے۔ پس جس پر ایسی مقدس اور مبارک کتاب نازل ہوگی، وہ مشقت اور مصیبت میں نہیں پڑ سکتا۔ اسی کتاب کو رحمٰن نے عرشِ عظیم سے نازل فرمایا ہے۔ اس کتاب کا نزول رحمت کی دلیل ہے نہ کہ زحمت اور مشقت کی علامت ہے۔

وَهَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿٩﴾ إِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی ! جب اس نے دیکھی ایک آگ تو کہا

لِأَهْلِهِ امْكُثُوْٓا إِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا

اپنے گھر والوں کو ٹھہرو ! میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تم پاس اس میں

بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا

سے سلگا کر یا پاؤں اس آگ پر راہ کا پتہ ۔ پھر جب پہنچا

نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿١١﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ

آگ پاس آواز آئی اے موسیٰ ! میں ہوں تیرا رب سو اتار اپنی پاپوشیں ،

إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ

تو ہے پاک میدان طویٰ میں ۔ اور میں نے تجھ کو پسند کیا

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا

سو تو سنتا رہ جو حکم ہو ۔ میں جو ہوں، میں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے

فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿١٤﴾ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ

میرے، سو میری بندگی کر اور نماز کھڑی رکھ میری یاد کو ۔ قیامت مقرر آنی ہے میں

أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا

چھپا رکھتا ہوں اس کو کہ بدلہ ملے ہر جی کو جو وہ کماتا ہے ۔ سو کہیں

يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ

تجھ کو نہ روک دے اُس سے وہ جو یقین نہیں رکھتا اس کا اور پیچھے پڑا ہے

هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾

اپنے مزوں کے، پھر تو پٹکا جاوے ۔

تفصیل قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ... الیٰ ... وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ۔

(ربط) اوپر کی آیتوں میں اللہ کی توحید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا بیان تھا اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو ثابت کیا۔ اور دلیل نبوت یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لیے گئے اللہ کے فضل سے ان کو نبوت مل گئی اور عصا اور ید بیضا کا معجزہ عطا ہوا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کر دے تو کیا بعید ہے۔

نیز اس قصہ کے بیان سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی مقصود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی دعوت اور تبلیغ میں طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں پیش آئیں گی۔ آپ بھی ان کی طرح صبر کیجئے بالآخر اللہ تعالےٰ آپ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور فرعون کی طرح ان متکبرین کی ظاہری شان وشوکت سب خاک میں مل جائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور اے نبیؐ بھلا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی خبر بھی پہنچی ہے کہ کس طرح انہوں نے سختیوں پر صبر کیا۔ آپ بھی تحمل شدائد میں ان کی اقتدا کیجئے۔ کیونکہ توریت میں آپ کو موسیٰؑ کے مانند کہا گیا ہے۔ جس کو علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی کے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ میں بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسمٰعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا پس اسی مماثلت اور مشابہت کے ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم میں جابجا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کو خدا تعالےٰ نے توراۃ میں موسیٰؑ کے مانند کہا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک آگ دیکھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنے ماں باپ اور بھائی کو دیکھنے کے لیے مصر جانے کی اجازت چاہی تو شعیب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی اور ان کی بیوی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ سردی کا موسم تھا اور اندھیری رات تھی راستہ بھول گئے اسی پریشانی میں تھے کہ کوہ طور پر دور سے ایک آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے جن کا نام صفورا۔ یا صفوریا۔ یا صفورہ تھا یا گھر والوں سے کہا شاید بیوی کے علاوہ کوئی خادم وغیرہ بھی ساتھ ہو یہ کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میرے پیچھے پیچھے مت آنا۔ میں نے ایک آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں شاید میں تمہارے واسطے اس آگ میں سے ایک شعلہ لاؤں یا شاید پاؤں آگ کے پاس راستہ کا اتہ پتہ یعنی شاید وہاں کوئی شخص ایسا مل جائے جو مجھے راستہ بتلا دے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی صفورا دختر شعیب علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیے مدین سے مصر کو واپس آ رہے تھے جاڑوں کا موسم اور رات کا وقت تھا بیوی کو حمل تھا۔ آج کل میں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسرے راستہ پر پڑ گئے۔ کوہ طور کے قریب جا پہنچے۔ سردی کی وجہ سے بے قرار تھے یکایک دور سے ایک آگ نظر آئی حقیقت میں وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ نور الٰہی تھا جو آگ کی صورت میں نظر آیا اور موسیٰ علیہ السلام اس کو آگ سمجھے۔

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ دراصل نار نہ تھی بلکہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نار (آگ) کی تلاش میں نکلے تھے اور آگ ہی ان کا مطلوب اور مقصود تھا۔ اس لیے نور الٰہی بصورت نار متجلی اور نمودار ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس نور الٰہی کو نار سمجھے اس لیے اس نور کو نار سے تعبیر کیا گیا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقۃً آگ تھی اور بارگاہ خداوندی کے حجابات میں سے ایک حجاب تھی جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ من جملہ حجابات خداوندی۔ اللہ کا ایک حجاب آگ ہے۔ اگر اللہ اس حجاب کو اٹھا لے تو اس بے چون وچگون وجہ (منہ) کے سُبُحاتِ جلال یعنی انوار وتجلیات جہاں تک پہنچیں سب کو جلا کر بھسم

کردیں۔ (رواہ مسلم)

نکتہ موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ اور اہل کو بلفظ اُمْكُثُوْا بصیغہ جمع مذکر خطاب کرنا بطریق تکریم تھا۔ جیسے رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ میں بصیغہ جمع مذکر خطاب تکریم ہے۔ اور جیسے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا میں ازواج مطہرات کو بصیغہ جمع مذکر بغرض تکریم خطاب کیا گیا ہے۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو منجانب اللہ آواز دی گئی لے موسیٰ بلاشبہ میں تیرا رب ہوں جو تجھ سے کلام کر رہا ہوں اور دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اس مبارک وادی میں درخت کے قریب پہنچے تو یہ آواز سنی کہ لے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں گویا کہ یہ درخت بلاتشبیہ وتمثیل ایک غیبی ٹیلیفون تھا۔ جس میں سے یہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ امام احمدؒ نے وہبؒ سے نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز سنی يٰمُوْسٰی لے موسیٰ تو فوراً لبیک کہا کئی بار یہ آواز سنی اور ہر بار یہی جواب دیا لبیک لیکن ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لیے بولے کہ لے پکارنے والے میں آواز سنتا ہوں اور تیری جگہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے اور کدھر ہے پکارنے والے نے جواب دیا کہ میں تیرے اوپر اور تیرے ساتھ اور تیرے آگے اور تیرے پیچھے اور تیرے تجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا۔ اور یقین کر لیا کہ یہ پکارنے والا اللہ عزوجل ہے کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں۔

نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزاء بدن سے سنا گویا کہ تمام اعضاء بدن کان ہی کان تھے۔ اس لیے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ کے کلام کی ہی ہو سکتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۱۳ ج ۶ وروح المعانی ص ۱۵۳ ج ۱۶)

پس چونکہ میں تیرا رب ہوں اور تجھ سے کلام کر رہا ہوں۔ اس لیے ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ تو اپنی دونوں جوتیاں نکال دے کیونکہ تو ایک پاک وادی میں ہے۔ جس کا نام طویٰ ہے اس لیے سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ برہنہ پا خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تواضع اور ادب کا طریقہ یہی ہے کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتے پہن کر نہیں جاتے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوتیاں مردار گدھے کے چمڑے کی تھیں یا ان میں کوئی ناپاکی لگی ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے نکالنے کا حکم ہوا اس حکم کا منشا بھی وہی ادب اور احترام ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ جوتیاں اتارنے کا حکم ادب اور احترام کی بنا پر دیا گیا ہے کہ مقامات متبرکہ ومقدسہ کا ادب یہی ہے کہ آدمی ننگے پاؤں ہو تاکہ وہاں کی مٹی کی برکت پاؤں کو پہنچے جیسا کہ خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ اس میں برہنہ پا داخل ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بشیر بن خصاصیہؓ کو دیکھا کہ جوتے پہنے ہوئے قبروں کے درمیان سے گزر رہے ہیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انا کنت فی مثل ھذا المکان فاخلع نعلیک قال فخلعتھما۔	اے بشیر جب تو ایسی جگہ میں ہو تو جوتے اتار دیا کر بشیر کہتے ہیں کہ میں نے فوراً جوتے اتار دیئے۔

حضرت علیؓ اور سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ اور ابن جریجؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ ادب اور تواضع کا تقاضا یہی ہے کہ دعا اور مناجات کے وقت جوتے اتار دینے چاہئیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی صہ ۱۷۳ ج ۱۱ دیکھیں۔

عطائے خلعت نبوت و رسالت

یہ ابتدا وحی اور آغاز تکلیم خداوندی کا بیان تھا۔ اب آگے خلعت نبوت و رسالت کے عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا برگزیدہ بنایا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ یعنی اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنی رسالت اور کلام کے لیے چھانٹ لیا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اوّل موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسی وقت اور اسی مکان میں ان کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا فرما دیا کہ ہم نے تم کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی؛ پس اے موسیٰ خوب غور سے سنو اس وحی کو جو تمہاری طرف کی جائے اس کے سننے کے لیے ہمہ تن گوش بن جاؤ۔ اور وحی یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کو قائم و دائم رکھو۔ اس لیے کہ تحقیق قیامت اپنے مقرر وقت پر ضرور آنے والی ہے۔ اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر ملے گا۔ اس کے لیے تیار رہو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے وقت کو تمام خلائق سے مخفی اور پوشیدہ رکھوں اور کسی کو اس پر مطلع نہ کروں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ موت قیامت صغریٰ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے اور قیامت قائم کرنے اور اس کے وقت کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی سعی اور جد و جہد کا معاوضہ اور بدلہ وقت مقررہ پر مل جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی جزا و سزا کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تاکہ لوگ اس دن کے لیے تیاری کرلیں مگر اس کا وقت کسی کو نہیں بتلایا۔ اس لیے کہ جب انسان کو اپنی موت کا یا قیامت کا وقت معلوم ہو جائے گا۔ تو بے فکری کے ساتھ معاصی میں مشغول رہے گا اور سمجھے گا کہ جب موت کا وقت قریب آئے گا اس وقت توبہ کرلوں گا اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ توبہ بھی اس کے اختیار میں نہیں۔ جب بے باکی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب کرے گا تو دل سیاہ ہو جائے گا اور ایمان اور عمل صالح سے متنفر ہو جائے گا تو توبہ کیسے کرے گا۔

پس تم قیامت کے لیے تیار رہو۔ مبادا تم کو قیامت کی تصدیق سے یا اس کے مراقبہ یا اس کی تیاری سے یا اس کے فکر سے وہ شخص باز نہ رکھے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اور اپنی نفسانی خواہش کا پیرو بن گیا ہے جدھر اس کی نفسانی خواہش اس کو لے جاتی ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہے۔ پس مبادا اس شخص کی طرح تو بھی ہلاک ہو جائے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے مگر مقصود سُنانا اوروں کو ہے۔ یعنی ان کی راحت مراد ہے کہ قیامت سے غفلت اور بے فکری کا انجام ہلاکت اور بربادی ہے۔

نکتہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو توحید کا حکم دیا۔ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنَا۔ اس لیے بندوں پر اوّل واجب اور اوّل فرض اللہ کی معرفت اور اس کی توحید ہے پھر اس کے بعد عبادت کا حکم دیا۔ فَاعْبُدْنِیْ فرمایا اس لیے کہ فاتعقیبیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ توحید کے بعد اللہ کی عبادت فرض ہے اور تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے جس کا وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ میں حکم دیا۔ اس کے بعد اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ میں ایمان بالآخرۃ کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں معاد کا ذکر فرمایا۔ آخرت کی تیاری کا حکم دیا اور آخرت سے غفلت اور بے فکری کی ممانعت فرمائی فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنْھَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِھَا فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتلا دیا کہ شہوات نفسانی اور لذات دنیاوی کا اتباع موجب ہلاکت ہے وَاتَّبَعَ ھَوٰىهُ فَتَرْدٰی اشارہ اس طرف ہے کہ ہوائے نفسانی کا اتباع تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ

اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ۔ بولا یہ میری لاٹھی ہے۔

اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا

اس پر ٹیکتا ہوں، اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے، اپنی بکریوں پر اور میرے اس

مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا

میں کتنے کام ہیں اور۔ فرمایا ڈال دے اس کو اے موسیٰ! تو اس کو ڈال

فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا

دیا، پھر تب ہی وہ سانپ ہے دوڑتا فرمایا پکڑلے اس کو اور نہ

تَخَفْ وقفۃ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ

ڈر۔ ہم پھیر دیں گے اس کو پہلے حال پر۔ اور لگا اپنے ہاتھ اپنے

اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾

بازو سے کہ نکلے چٹا ہوکر نہ کچھ بری طرح. ایک نشانی اور۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

کہ دکھاتے جاویں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی۔ جا طرف فرعون کے اُس نے

طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ

سر اٹھایا۔ بولا اے رب کشادہ کر میرا سینہ ۔ اور آسان کر

اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾

میرا کام ۔ اور کھول گرہ میری زبان سے ۔ کہ بوجھیں میری بات۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ

اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا۔ ہارون میرا بھائی ۔ اس سے

بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾

بندھا میری کمر ۔ اور شریک کر اس کو میرے کام کا ۔ کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم

وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ

بہت سا. اور یاد کریں تجھ کو بہت سا۔ تو تو ہے ہم کو خوب دیکھتا ۔ فرمایا ملا

اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾

تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ ۔

عطائے معجزات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى۔ الٰی۔ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى۔

(ربط) گزشتہ آیات میں کلام خداوندی اور منصب نبوت و رسالت کے دیئے جانے کا ذکر تھا۔

جس سے موسیٰ علیہ السلام پر دہشت اور ہیبت طاری ہوگئی۔ اب آئندہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی دہشت اور حیرت دور کرنے کے لیے عطائے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں جو اُن کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث سکینت و طمانینت ہیں۔ ایک معجزہ عصا کا عطا فرمایا کہ اس کے ڈالنے سے ایک جماد۔ حیوان بن جاتا تھا۔ اور دوسرا معجزہ ید بیضاء کا عطا کیا کہ جس سے ایک جسم کثیف ایک جسم لطیف اور نورانی بن جاتا تھا۔ نیز پہلی آیت میں تکلم وغیرہ کا جو قصہ ذکر فرمایا اس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ خاص سے تھا اور اس آیت میں جن دلائل نبوت اور براہین رسالت کا ذکر کیا ان کا تعلق امت اور عام خلائق سے ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خلعتِ نبوت و رسالت عطا فرما دیا تو یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو اس زمانے کے مناسب حال ہوں اور وہ خارق عادت امور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل و برہان ہوں اس لیے عطاء معجزات کا آغاز سوال محبت و موانست سے فرمایا کہ مبادا دفعۃً ان خوارق عادات اور ان عجیب و غریب امور کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرا نہ جائیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب بنا کر یہ سوال کیا اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس لاٹھی کا جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی، سانپ بنانا منظور تھا۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے ان سے سوال کیا اور یہ سوال، سوالِ انبساط تھا۔ کہ اے موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ تاکہ وہ اس کو اچھی طرح دیکھ بھال لیں اور ان کو اس کے لاٹھی ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے اور دل سے رعب اور ہیبت جاتی رہے پھر جب وہ سانپ بن جائے تو جان لیں کہ یہ معجزہ ہے اور کرشمۂ خداوندی ہے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میرا عصا ہے جس پر کبھی میں سہارا لیتا ہوں اور کبھی اس کو درخت پر مار کر اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس کے علاوہ اس میں اور بھی ضروریات کے منافع ہیں۔ حق جل شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کے اُنس کے لیے سوال کیا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى تاکہ وہ مانوس ہو جائیں اور ان کی ہیبت و دہشت دور ہو۔ اور خوب جان لیں کہ کلام کرنے والے حق جل شانہٗ ہیں اور اس استفہام اور سوال سے مقصود تنبیہ ہے کہ ہوشیار رہیں اور دیئے جانے والے عجائب قدرت کو دیکھ کر گھبرائیں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں چار چیزیں ذکر کیں۔ تین چیزیں تو تفصیل کے ساتھ بیان کیں اور چوتھی چیز یعنی وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى کو اجمالاً ذکر کیا۔ اصل جواب تو هِيَ عَصَايَ پر پورا ہو گیا تھا۔ لیکن اس شوق میں کہ اللہ رب العزت کے ساتھ کلام میں طول ہو جائے تو جواب میں طول دیا۔

پہلا معجزہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اچھا اپنے اس عصا کو زمین پر ڈال دو اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے

کیا چیز نمودار ہوتی ہے۔ اور یہ عصا کس طرح معجزہ بن جاتا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو زمین پر ڈال دیا یکایک وہ ڈالتے ہی قدرتِ خداوندی سے ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ ابتداء میں وہ سانپ بنا بعد میں وہ اژدھا ہو گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ موسیٰ علیہ السلام پر چونکہ ابھی تک حقیقتِ حال منکشف نہ ہوئی تھی۔ اس لیے یکایک اس ہولناک منظر کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ دم کے دم میں ایک عصا سانپ اور اژدہا بن کر دوڑنے لگا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ ڈرو مت تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ اور بطور لطف و عطوفت خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا۔ اے موسیٰ اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لو اور اس کی ظاہری صورت سے تم کسی قسم کا کوئی خوف نہ کرو۔ ہم اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ یعنی جب تم اس کو پکڑو گے تو ہم اس کو اسی وقت پہلے کی طرح عصا کر دیں گے۔ عصا کی یہ ظاہری صورت تمہارے ڈرانے کے لیے نہیں بلکہ کسی اور کے لیے ہے۔

وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بدن پر (صوف) بالوں کا قمیض تھا۔ اپنے ہاتھ پر اس کو لپیٹا اس پر فرشتہ نے کہا کہ اے موسیٰ اگر اللہ اسی چیز کو جس سے تو ڈرتا ہے اس کی اجازت دے کر وہ تیرے ڈنگ مارے تو کیا یہ تیرا صوف کا کرتہ اس کو دفع کر سکے گا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کچھ نہیں لیکن میں ضعیف ہوں اور ضعف سے پیدا ہوا ہوں اس پر اپنا ہاتھ کھول دیا۔ پھر اس سانپ کے منہ پر رکھا تو اس کے داڑھوں اور دانتوں کی آواز سنی پھر اس کو پکڑا تو وہی عصا تھا جو ہمیشہ ہاتھ میں رہتا تھا۔

فائدہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ خوف طبعی اور بشری تھا۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے کبھی ایسا حال مشاہدہ نہ کیا تھا۔ اس لیے ڈرے اور ان کا یہ خوف اس بات کی دلیل تھی کہ وہ ساحر اور جادوگر نہیں۔ اس لیے کہ ساحر اپنے سحر سے نہیں ڈرتا۔

نکتہ شیخ جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے دکھلایا تاکہ جب یہ عصا فرعون کے روبرو سانپ اور اژدہا بن جائے تو موسیٰ علیہ السلام اُسے دیکھ کر گھبرا نہ جائیں یعنی ایسا نہ کریں کہ اس کو نہ پکڑیں تو مخلوق تباہ ہو جائے۔

دوسرا معجزہ

یہاں تک پہلے معجزہ یعنی معجزۂ عصا کا ذکر تھا جو ان کی نبوت و رسالت کی ایک برہان تھی اب آیندہ آیت میں رسالت کی دوسری برہان عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ تاکہ پہلے معجزہ کے ساتھ مل کر آپ کی نبوت و رسالت کے دو گواہ ہو جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اپنے داہنے ہاتھ کو اپنی بغل یا بائیں بازو کے ساتھ ملا دو اور پھر اس کو نکالو تو وہ چاند کی طرح سفید ہو کر بلا کسی عیب کے نکل آئے گا۔

یعنی یہ سفیدی کسی مرض اور عیب کی بنا پر نہ ہوگی جیسا کہ برص ایک مرض ہے جس سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں یعنی جب وہ ہاتھ بغل میں سے نکلے گا تو سفید اور روشن ہوگا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تو وہ مثل آفتاب اور ماہتاب کے چمکتا ہوا نکلتا اور اے موسیٰ ہم نے تم کو نبوت و رسالت کی یہ دوسری نشانی عطا[1] کی جو علاوہ معجزہ عصا کے ہے۔ جب ایک مرتبہ اپنا ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر بائیں بغل کے نیچے لے جاتے اور نکالتے تو مثل آفتاب و ماہتاب چمکتا ہوا نکلتا اور پھر جب اس کا اعادہ کرتے تو ہاتھ کا رنگ حسب سابق پہلے جیسا ہو جاتا اور یہ دو عظیم الشان نشانیاں ہم نے آپ کو اس لیے عطا کیں تاکہ ہم تجھ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ چنانچہ ہم نے آپ کو اپنی بڑی نشانیوں[2] میں سے اس وقت دو بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ ایک عصا اور ایک ید بیضاء اور یہ دونوں نشانیاں آپ کی نبوت کی بڑی نشانیاں ہیں لہذا فی الحال تم یہ نشانیاں لے کر فرعون کی طرف جاؤ تحقیق وہ حد سے گزر گیا ہے۔ اور ایسا سرکش اور مغرور ہو گیا ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ جا کر اسے تبلیغ کرو اور توحید کی دعوت دو اور اگر وہ تمہاری نبوت و رسالت میں شبہ کرے تو اس کو اپنی نبوت کی یہ دو روشن نشانیاں دکھلاؤ اور میری عبادت کی طرف اس کو بلاؤ اور میرے عذاب سے اس کو ڈراؤ اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کے طغیان اور سرکشی کو واضح کرو اس وقت روئے زمین پر فرعون سے بڑھ کر کوئی کافر نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ کا یہ حکم پہنچا تو ڈرے اور یہ خیال کیا کہ اس سرکش جبار اور ظالم کا مقابلہ تو بہت سخت ہے تو عرض کیا کہ اے پروردگار میرا سینہ کھول دیجئے کہ اس بوجھ کو اٹھا سکوں اور کوئی خوف تیرے حکم کی تبلیغ اور دعوت سے مجھے نہ روک سکے اور میرا یہ کام تبلیغ و دعوت۔ میرے لیے آسان فرما دیجئے بغیر آپ کے تیسیر اور تاکید کے دشمنان حق سے مقابلہ اور مجادلہ بہت دشوار ہے اور میری زبان سے لکنت کی گرہ کھول دیجئے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی: بچپن میں زبان جل گئی جس کی وجہ سے صاف نہیں بول سکتے تھے۔ گرہ سے یہی لکنت مراد ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ لکنت پیدائشی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے لڑکپن

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ آیۃً اُخریٰ فعل محذوف کا مفعول ہے جیسا کہ زجاج سے منقول ہے قال الزجاج المعنی اتیناک آیۃ اخری او نؤتیک لانہ لما قال تخرج بیضاء من غیر سوء دل علی انہ قد اتاہ آیۃ اخریٰ (تفسیر قرطبی ص ۱۹۱ ج ۱۱)

[2] اس ترجمہ میں اشارہ ہے اس طرف کہ الکبریٰ آیٰتنا کی صفت ہے اور مِن آیٰتنا کا مِن تبعیضیہ ہے بمعنی بعض ہے۔ جو لِنُرِیَکَ کا مفعول ثانی ہے اور اس آیت میں اور بھی وجوہ اعراب ہیں۔ (تفصیل کے لیے روح المعانی ص ۱۹۳ ج ۱۶ دیکھیں)

میں آگ کی ایک چنگاری اپنے منہ میں ڈال لی تھی۔ جس کے سبب زبان میں لکنت آگئی تھی اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے لکنت کے کچھ دفع کرنے کی دعا کی تھی چنانچہ وہ کم ہوگئی تھی اگر وہ بالکل دفع ہونے کی دعا کرتے تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔

موسیٰ علیہ السلام نے صرف اس قدر دعا مانگی کہ وہ لکنت اتنی شدید نہ رہے کہ جو بات کرنے میں رکاوٹ کا سبب بنے۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے چند سوال کیے جن کے بغیر بار رسالت کا اٹھانا دشوار تھا۔

پہلا سوال یہ کیا کہ اے اللہ میرا سینہ کشادہ کر دے تاکہ بار رسالت اٹھا سکوں۔ اور منکرین کے اعتراضات اور سوالات کا جواب دے سکوں یہ بات بدون شرح صدر کے ممکن نہیں۔

دوسرا سوال تیسیر امر کا کیا یہ سوال نہایت ضروری تھا بدون تیسیر الٰہی و تائید غیبی دشمنان خدا سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں، بعدازاں چونکہ تبلیغ و دعوت کے لیے فصاحت لسانی بھی ضروری ہے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں:

تیسرا سوال یہ کیا کہ اے پروردگار میری زبان کھول دیجیے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔

چوتھی درخواست یہ کی کہ اے اللہ میرے کنبہ میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دیجیے جو میرا بوجھ اٹھا سکے تاکہ وہ میرا شریک کار ہو کر میری مدد کر سکے۔

ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے اور فصیح اللسان تھے۔ اور اس وقت بجز ہارونؑ کے کوئی اس منصب کا اہل نہ تھا اس لیے خصوصیت سے اپنے بھائی ہارونؑ کے لیے یہ درخواست کی کہ اے اللہ ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دیجیے اور ان کے ذریعے میری کمر کو مضبوط کر دیجیے اور ان کو میرے اس کام یعنی نبوت و رسالت اور تبلیغ و دعوت میں میرا شریک کر دیجیے۔ تاکہ تبلیغ و دعوت کے کام میں مجھے ان سے مدد ملے۔ تاکہ ہم دونوں مل کر تیری پاکی بیان کریں، اور کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ کیونکہ تیری تسبیح و تقدیس اور کثرت سے تیرا ذکر دل کی طمانیت اور جمعیت کا وسیلہ ہے۔ دشمن کے مقابلہ میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اللہ کا ذکر مومن کا ہتھیار ہے ہم دونوں مل کر یہ ہتھیار چلائیں گے اور تیرے دشمن کا مقابلہ کریں گے اور مل کر کام کرنے سے ایک دوسرے کو تقویت پہنچے گی اور برکت اور نورانیت میں زیادتی ہو گی اور کفر کی ظلمت اس سے دور ہوگی یا مغلوب ہوگی۔

بلاشبہ تو ہم کو خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی تو خوب آگاہ ہے کہ ہم صرف تیری رضامندی چاہتے ہیں اور تو ہی دانا ہے کہ تبلیغ و دعوت میں ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ خدا تعالے نے فرمایا اے موسیٰ تیری درخواست منظور کی گئی۔ یعنی جو تو نے ہم سے مانگا وہ ہم نے تجھ کو دے دیا۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰٓ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ

اور احسان کیا ہم نے تجھ پر ایک بار اور ۔ جب حکم بھیجا ہم نے

أُمِّكَ مَا يُوحَىٰٓ ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ

تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں۔ کہ ڈال اس کو صندوق میں ، پھر اس کو ڈال دے

فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي

پانی میں، پھر پانی اس کو لے ڈالے کنارے پر ، اٹھالے اس کو ایک دشمن میرا

وَعَدُوٌّ لَّهُۥ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً

اور اس کا ۔ اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف

مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِيٓ ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ

سے ۔ اور تا تیار ہو تو میری آنکھ کے سامنے۔ جب چلنے لگی تیری بہن ۔

فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ ۖ فَرَجَعْنَٰكَ إِلَىٰٓ

اور کہنے لگی میں بتاؤں تم کو ایک شخص کہ اس کو پالے ؟ پھر پہنچا یا ہم نے تجھ کو

أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا

تیری ماں پاس کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھاوے ۔ اور تو نے مار ڈالی ایک جان

فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِيٓ

پھر نکالا ہم نے تجھ کو اس غم سے ، اور جانچا تجھ کو ایک ذرا جانچنا۔ پھر ٹھہرا تو کئی برس

أَهْلِ مَدْيَنَ ۚ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ﴿٤٠﴾ وَ

مدین والوں میں ، پھر آیا تو تقدیر سے یا موسیٰ ۔ اور

اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾ اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِـَٔايَٰتِي

بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے۔ جا تو اور تیرا بھائی لے کر میری نشانیاں

وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٤٣﴾

اور سستی نہ کرو میری یاد میں ۔ جاؤ طرف فرعون کے اس نے سر اٹھایا ۔

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾ قَالَا

سو کہو اس سے بات نرم، شاید وہ سوچ کرے یا ڈرے ۔ بولے

رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ ﴿٤٥﴾ قَالَ

اے رب ہمارے! ہم ڈرتے ہیں کہ بھبکے ہم پر یا جوش میں آوے ۔ فرمایا

لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ﴿٤٦﴾ فَأْتِيَاهُ فَقُولَا

نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے سنتا ہوں اور دیکھتا ۔ سو جاؤ اس پاس اور کہو

إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا

ہم دونوں بھیجے ہیں تیرے رب کے سو چلا دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل ۔ اور نہ

تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ

ستا ان کو، ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے رب کی ۔ اور سلامتی ہو اس کی

مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ﴿٤٧﴾ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ

جو مانے راہ کی بات ۔ ہم کو حکم ہوا ہے کہ عذاب اس پر ہے

عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ﴿٤٩﴾

جو جھٹلاوے اور منہ پھیرے ۔ بولا پھر کون ہے صاحب تم دونوں کا اے موسیٰ!

قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ﴿٥٠﴾

کہا صاحب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سوجھائی۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِندَ

بولا پھر کیا حقیقت ہے ان پہلی سنگتوں کی ۔ کہا ان کی خبر میرے رب کے

رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ﴿۵۲﴾ الَّذِیْ

پاس لکھی ہے ، نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے ۔ وہ ہے جس

جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّ سَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا

نے بنادی تم کو زمین بچھونا ، اور چلادیں تم کو اس میں راہیں

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ

اور اتارا آسمان سے پانی ، پھر نکالا ہم نے اس سے بھانت

نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾ کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

بھانت سبزہ ۔ کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو البتہ اس میں

لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی ﴿۵۴﴾ مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْھَا نُعِیْدُکُمْ

پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر ڈالتے ہیں

وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾

اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار ۔

تذکیر انعامات و احسانات

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْکَ مَرَّۃً اُخْرٰی ... الی ... وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی۔

(ربط) یہاں سے حق تعالیٰ اپنے وہ انعامات اور احسانات موسیٰ علیہ السلام کو یاد دلاتے ہیں کہ جو نبوت سے پہلے ان پر کیے تھے تاکہ ان کا دل مضبوط ہوجائے اور سمجھ لیں کہ جب نبوت سے پہلے حق تعالیٰ نے مجھ پر اتنے احسانات کیے اور طرح طرح کے مصائب سے مجھ کو بچایا تو اب بدرجۂ اولیٰ میری حفاظت فرمائیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اس واقعہ سے پہلے بھی ہم آپ پر آپ کے بلا سوال اور بلا درخواست کے بار بار احسان کرچکے ہیں تو اب تجھے سوال اور درخواست کے بعد کیوں محروم کریں گے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ احسان ذکر فرمائے۔

پہلا احسان

جب کہ ہم نے تیری ماں کی طرف وحی بھیجی تھی جو اب تیری طرف بھیجی جاتی ہے جو اس لائق اور قابل ذکر ہے کہ آپ کی طرف بھیجی جائے اور آپ کو سنائی جائے اور وحی سے وحی الہام مراد ہے۔ وحی نبوت مراد نہیں جیسا کہ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ میں وحی سے الہام مراد ہے اور وہ وحی یہ تھی کہ اس موسیٰ کو جلادوں سے بچانے کے لیے صندوق میں لٹا کر اس صندوق کو دریائے نیل میں پھینک دے۔ پھر وہ دریا اس کو کنارہ پر لے جا کر ڈال دے۔ جس کی ایک شاخ فرعون کے محل تک پہنچتی ہے جب یہ صندوق وہاں پہنچ جائے تو اس کو ایسا شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے۔ یعنی فرعون اس کو اٹھالے گا۔ اس طرح وہ پکڑے جانے سے بچ جائے گا۔ اور بعد میں ہم تجھے واپس کر دیں گے۔

جس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کو اور اس کی سلطنت کو غارت کرے گا۔ اس لیے بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا فرعون اس کو قتل کرا دیتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ محترمہ کو (جن کا نام یوحانذ تھا)۔ خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی اگر خبر پا دیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے خدا تعالیٰ نے ان کو یہ الہام کیا کہ اس بچہ کو ایک صندوق میں لٹا کر اور اس کو مقفل کر کے دریائے نیل میں ڈال دے۔ ہم اس کو اپنے اور اس کے دشمن فرعون سے لوٹا لیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا دریائے نیل کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں جاتی تھی وہ صندوق بہتا بہتا اس باغ میں پہنچ گیا۔ فرعون اپنی بیوی آسیہ سمیت نہر کے کنارے پر بیٹھا تھا۔ جب وہ صندوق اس کی نظر پڑا تو اس کو نکلوایا کھول کر دیکھا تو اس میں ایک خوبصورت لڑکا پایا۔ فرعون کو اور اس کی بیوی کو دونوں کو اس سے محبت ہو گئی بیٹا بنا کر اس کو پالا جس سے خدا کی قدرت اور اس کی غیبی حفاظت کا کرشمہ ظاہر ہوا ؎

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود
قصۂ فرعون زیں افسانہ بود

دوسرا احسان

اور اے موسیٰ ایک احسان میں نے تجھ پر یہ کیا کہ اپنی جانب سے تجھ پر محبت ڈال دی جو تجھے دیکھے وہ تجھ پر ایسا فریفتہ ہو جائے کہ صبر بھی نہ کر سکے۔

تیسرا احسان

اور تاکہ تو میری آنکھ کے سامنے پرورش کیا جائے یعنی تاکہ تیری پرورش میری نگرانی اور نگہبانی میں ہو۔

چوتھا احسان

اس وقت کا ہے کہ جب تیری بہن مریم بنت عمران تیری تلاش میں تیرا حال معلوم کرنے کے لیے فرعون کے گھر چلی جا رہی تھی پھر فرعون کے گھر پہنچ کر کہہ رہی تھی کہ کہو تو میں تم کو ایسی عورت بتلا دوں جو اس بچہ کی پرورش کی کفیل ہو جائے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بالہام خداوندی موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو دریا میں ڈال دیا تو بمقتضائے بشریت رنجیدہ اور غمگین ہوئیں کہ معلوم نہیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ ادھر یہ قصہ پیش آیا کہ وہ صندوق فرعون کے محل پر پہنچ گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس میں سے نکال لیے گئے اور یہ قرار پایا کہ ان کو بیٹا بنا لیا جائے تو حضرت آسیہؓ کی توجہ سے دودھ پلانے کے لیے دائیوں کی تلاش شروع ہوئی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی دایہ کا دودھ نہ پیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ یعنی ہم نے تمام دودھ پلانے والیوں کو ان پر حرام کر دیا۔ اب آسیہؓ کو یہ فکر ہوئی کہ اب اس لڑکے کو کس طرح پالیں اور ادھر یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کی تلاش میں وہاں جا پہنچیں جن کو انا کی تلاش تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا پستان منہ میں نہیں لیتے تو اس وقت ان کی بہن بولیں کہ کیا میں تم کو ایسے گھرانے کا پتہ نہ بتلا دوں کہ جو اس کی پرورش کی کفالت بھی کریں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔ فرعون کے گھر والوں نے کہا کہ لاؤ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ان کی والدہ کو لے جا کر حاضر کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی پستان کو قبول کر لیا۔ فرعون کے گھر والے بہت خوش ہوئے۔ موسیٰؑ کی والدہ نے کہا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی اگر آپ اجازت دیں تو اپنے گھر رہ کر دودھ پلا سکتی ہوں۔ آسیہؓ نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ اچھا کبھی کبھی لا کر مجھ کو دکھلا دیا کرو۔ موسیٰؑ کی والدہ نے اس کو مان لیا اور آسیہؓ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی گود میں دے دیا اور وہ ان کو اپنی گود میں لے کر وہاں سے چلیں۔

پس اس تدبیر سے ہم نے اے موسیٰ تم کو تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا۔ تاکہ تیرے دیدار سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ اور تیرے فراق سے غمگین نہ ہو۔ اس طرح اولاد کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دینا کوئی معمولی چیز نہیں جس پر صدمہ اور غم نہ ہو۔

سلہ کذا فی روح المعانی صـ ۱۷۰/۱۶

پانچواں احسان

اور بڑے ہونے کے بعد ایک اور احسان کیا وہ یہ کہ تم نے ایک جان کو مار ڈالا یعنی ایک قبطی کو جب وہ اسرائیلی کو مارتا تھا تم نے اس کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ قبطی مرگیا پس ہم نے تم کو قصاص کے غم سے نجات دی اس طرح سے کہ تم کو مصر سے مدین پہنچا دیا۔

چھٹا احسان

اور طرح طرح سے تم کو قسم قسم کے فتنوں اور آزمائشوں میں ڈالا اور پھر سب سے تم کو خلاصی دی۔

ساتواں احسان

پھر جب تو قبطی کو قتل کرکے مصر سے مدین پہنچا تو کئی سال امن وامان کے ساتھ مدین والوں میں رہا مدین شعیب علیہ السلام کا شہر ہے۔ مصر سے آٹھ منزل پر ہے۔ جب قصاص کے ڈر سے مدین بھاگے تو وہاں شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا نصیب ہوا۔ شعیب علیہ السلام نے اس شرط پر کہ آٹھ یا دس سال تک ان کی بکریاں چرائیں۔ اپنی صاحبزادی صفوراء سے ان کا عقد کردیا۔ پھر مصر واپس آئے۔ یہ سب حق تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام پر انعام تھا۔

آٹھواں احسان

پھر آئے موسیٰ تو اللہ کی تقدیر اور اس کے اندازہ کے مطابق جو اللہ نے مقرر کیا تھا۔ ایک میدان میں پہنچا وہاں ہم نے تجھ سے کلام کیا اور تجھ کو اپنی ذات کے لیے خاص کرلیا۔ یعنی تجھ کو نبوت ورسالت اور کلام اور وحی کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا محب اور مخلص بنا لیا تاکہ تو میری مرضی کے مطابق میرا کام انجام دے۔ میں نے تجھ کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان اپنا سفیر اور ترجمان بنایا اور تجھ کو نشانات اور معجزات عطا کیے۔ لہٰذا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ اور ان کو دعوت وتبلیغ کرو اور میری یاد میں سستی نہ کرو۔ کسی وقت میری یاد سے غافل نہ ہو یعنی پوری مستعدی کے ساتھ تبلیغ کرو۔ اور اس میں سستی نہ کرو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ تحقیق وہ دعویٰ ربوبیت

کر کے حد سے گزر گیا ہے۔ پھر تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرو۔ اس کے ساتھ سختی کے ساتھ بات نہ کرو اور اس کے حق پرورش کی رعایت کرو۔ اور اس کی ظاہری بادشاہت کے ادب کو ملحوظ رکھو اور نرمی عموماً نصیحت میں مفید ہوتی ہے۔ اور سختی سے دل پر اثر نہیں ہوتا۔ شاید وہ نصیحت پکڑے یعنی ایمان لے آئے یا کم از کم عذاب الٰہی سے ڈر جائے۔ یہ دعوت و تبلیغ کے دستور العمل کی طرف اشارہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔

نکتہ خدا تعالیٰ کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا لفظ لَعَلَّ جس کے معنی شاید کے ہیں وہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی نسبت سے ہے ان کو علم نہ تھا۔ ان کے اعتبار سے کلمۂ اُمید فرمایا اور خدا تعالیٰ نے باوجود علم ازلی کے فرعون ایمان نہیں لائے گا۔ پھر اس کو دعوت دینا اتمام حجت کے لیے تھا کہ قیامت کے دن یہ عذر نہ کر سکے کہ میرے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔

الغرض جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ تبلیغ و دعوت سے پہلے ہی عقوبت میں جلدی نہ کر بیٹھے کہ نہ تیرا پیغام سُنا سکیں اور نہ کوئی معجزہ ہی دکھلا سکیں اس سے پہلے ہی وہ ہم کو ہلاک کر دے۔ یا تکلیف اور ایذا رسانی میں حد سے گزر جائے۔ حتیٰ کہ تیری بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو تحقیق میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی میری حفاظت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہاری دعا سنتا ہوں۔ اور تمہارا حال دیکھتا ہوں۔ تم سے جُدا اور غافل نہیں۔ تم بے فکر رہو کچھ غم نہ کرو۔ پس بے خوف و خطر اس کے پاس جاؤ پھر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام اور حکم لے کر تیرے پاس آئے ہیں۔ پس اوّل تو ہم پر ایمان لا تاکہ تو اپنے رب کے غضب سے محفوظ ہو جائے۔ پھر تو اپنے ظلم و ستم سے باز آ جا۔ اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے رہا کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ان کو ان کے آبائی وطن ملک شام میں لے جائیں۔ اور ان کو مت ستا۔ فرعون بنی اسرائیل سے مشقت اور ذلت کا کام لیتا۔ جیسے نہر کھودنا اور کوڑا کرکٹ ان سے اٹھوانا اور طرح طرح سے ان سے بیگار لینا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ لوگ۔ اس کی ربوبیت کو نہیں مانتے تھے اور دین ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور یوسفؑ پر قائم تھے۔ اس عداوت میں بنی اسرائیل کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتا اور ذلیل و خوار کرتا اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ارض مقدس میں واپس چلے جائیں جو ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

الغرض ہم دونوں تیرے پروردگار کے رسول ہیں جن کا بے چون و چرا اتباع تجھ پر واجب ہے پس اولاً تو ہم پر ایمان لا اور ہم کو پروردگار کا رسول برحق مان اور پھر بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ تحقیق ہم اپنی نبوت و رسالت کے لیے تیرے پروردگار کے پاس سے ایک روشن نشان اور واضح

برہان لے کر آئے ہیں۔ یعنی ایک معجزہ لے کر آئے ہیں۔ جس کے مقابلہ سے تو عاجز ہوگا اور یہ معجزہ ہمارے دعویٰ نبوت ورسالت کی نشانی ہوگی اور سلامتی ہے اس شخص پر کہ جس نے راہ ہدایت کی پیروی کی۔ یعنی جو ایمان لایا اور حق کا پیرو بنا اور صراط مستقیم پر چلا۔ تحقیق ہم پر ہمارے پروردگار کی طرف سے یہ وحی بھیجی گئی کہ عذاب ہے اس شخص پر جس نے حق کو جھٹلایا اور حق سے منہ موڑا۔ القصہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔

ربوبیت خداوندی پر
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مکالمہ

پس یہ دونوں حضرات حسب حکم خداوندی فرعون کے پاس پہنچے اور اس کو حق تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ تو اس پر فرعون بولا اے موسیٰ تم دونوں بھائیوں کا رب کون ہے جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام حق تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس گئے اور جا کر اس سے یہ کہا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ یعنی ہم دونوں تیرے رب کے رسول اور فرستادہ ہیں۔ تو فرعون نے یہ سوال کیا۔ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى یعنی اچھا تم دونوں یہ بتاؤ کہ تمہارا رب کون ہے جس کے تم فرستادہ اور پیغمبر ہو اور جس کے عذاب سے تم مجھ کو ڈراتے ہو کیونکہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ فرعون خالق اور معبود کے وجود کا منکر تھا۔ اور یہ کہتا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا اور اے موسیٰ تیرا رب بھی میں ہی ہوں۔ تو نے میرے گھر میں پرورش پائی ہے۔

فرعون دہری عقیدہ کا تھا، منکر خدا تھا۔ سرے سے خالق اور صانع عالم کا قائل نہ تھا۔ اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ کارخانۂ عالم خود رو کارخانہ ہے۔ قدیم سے اسی طرح چل رہا ہے اور اسی طرح چلتا رہے گا۔ لوگ خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور پھر مر کر گل سڑ جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ سارے عالم کو خود رو گھاس کی طرح سمجھتا تھا کہ خود بخود موسم برسات میں اگا اور پھر چند روز بعد خشک ہو کر ختم ہو گیا۔

فرعون کا گمان یہ تھا کہ جو شخص جس خطۂ زمین کا فرمان روا ہو گیا وہی اس کا رب ہے اس لیے از راہ تکبر و تجبر اپنی الوہیت اور ربوبیت کا مدعی تھا اس لیے یہ بولا کہ میں اپنے سوا تمہارا کوئی رب نہیں جانتا پھر وہ کون رب ہے جس کا تم اپنے کو رسول بتاتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا جواب دیا اور دلائل اور براہین سے وجود صانع کو ثابت کیا اور کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کا وجود عطا کیا اور اس کو اس کی خاص صورت اور خاص شکل دی۔ جو اس کے علم ازل میں اس کی جنسی اور

نوعی استعداد کے لائق اور مناسب تھی تاکہ ایک شئے دوسری شئے سے متمیز ہو سکے۔ پھر وجود عطا کرنے کے بعد ہر شئے کو اس کے اسباب بقاء کی طرف رہنمائی کی۔ ہر چیز پیدا ہوتے ہی بقا کا ذریعہ ڈھونڈنے لگتی ہے۔ مرغی کا بچہ زمین پر چونچ مارتا ہے اور انسان کا بچہ ماں کے پستان کو ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی کھانے پینے کا ہوش آجاتا ہے۔ یہ ہوش کہاں سے آیا۔ اور کس نے سکھایا اور جانوروں کا تو یہ حال ہے کہ ہر جانور کو ابتداء پیدائش ہی سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ جنگل کا کون سا گھاس اور کس درخت کے پتے میرے لیے مفید ہیں اور کون سے مضر ہیں۔ مفید کو کھا جاتا ہے اور مضر سے بچتا ہے اور جب بیمار ہوتا ہے تو خود ہی مختلف قسم کے نباتات کھا کر اپنا علاج کر لیتا ہے حالانکہ جانور کسی میڈیکل کالج کا تعلیم یافتہ نہیں ہوتا۔

پس خدا وہ ہے کہ جو ہر چیز کو اس کا خاص وجود اور اس کو خاص صورت اور خاص شکل عطا کرے۔ پھر وجود عطا کرنے کے بعد اس کو اپنے منافع اور مضار القاء اور الہام کرے اور ظاہر ہے کہ فرعون نہ کسی کو وجود عطا کرنے پر قادر ہے اور نہ کسی کو خاص صورت اور خاص شکل دینے پر قادر ہے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سراپا صدق و صواب سُنکر ایسا ششدر و حیران اور مبہوت رہ گیا کہ کچھ بول ہی نہ سکا۔ اور نہ اس استدلال پر کوئی اعتراض کر سکا اس لیے اس وقت اس کو یہ سوجھا کہ بات کا رُخ دوسری طرف پلٹ دیا جائے اس لیے اس نے رُخ بدل کر یہ سوال کیا فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى۔ تحقیق اللہ کا عذاب ہے ہر اس شخص پر جو حق کو جھٹلا دے اور اس سے منہ پھیر لے۔

لہٰذا اگر تم پیغمبر خدا ہو تو یہ بتلاؤ کہ پہلی امتوں کا کیا حال ہے جو مر چکی ہیں اور جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کے روشن دلائل سے انحراف کیا وہ لوگ تو بت پرست تھے اور حشر و نشر اور جزاء و سزا کے منکر تھے اور ان باتوں کے قائل نہ تھے جن کی طرف تم دعوت دیتے ہو کیا وہ تمہارے ان دلائل سے غافل اور بے خبر تھے۔ تمہارے قول کے مطابق بتلاؤ کہ ان پر کیا عذاب آیا۔ اور بتلاؤ کہ ان کا حشر و نشر کس طرح ہوگا اور ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اور اب تو ان کی ہڈیوں کا بھی نام و نشان نہیں رہا۔ ان کا حشر کس طرح ہوگا۔ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو تم کو ان کے تفصیلی حالات معلوم ہونے چاہئیں۔ لہٰذا بتلاؤ کہ گزشتہ قومیں اب کس حال میں ہیں جنت میں ہیں یا دوزخ میں ہیں۔

فرعون نے یہ فضول اور لایعنی باتیں اس لیے چھیڑیں کہ اصل مسئلہ (وجود صانع) کو ادھر اُدھر کی باتوں میں رلا دے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ گزشتہ امتوں کے اعمال اور احوال اور ان کے انجام اور مآل کا تفصیلی علم تو میرے پروردگار کے پاس ایک کتاب میں لکھا ہوا محفوظ ہے جس میں ان کے کل اعمال و افعال درج ہیں قیامت کے دن ہر شخص کو خدا کے روبرو حاضر کیا جائے گا اور اس کے اعمال کے مطابق اس کو جزا ملے گی اور کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا نامۂ اعمال ہے اور پیغمبر کو تمام چیزوں کا علم تفصیلی

ضروری نہیں غیب کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مجھے تو صرف اتنی چیز کا علم ہوتا ہے جتنا کہ حق تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی کے بتلا دے۔

مطلب یہ ہے کہ اجمالی طور پر تو میں نے پہلے ہی تجھ کو بتلا دیا تھا کہ جن گزشتہ امتوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ان پر دنیا میں عذاب آیا جیسا کہ میں نے پہلے ہی وَاَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی میں اجمالی طور پر اشارہ کر دیا تھا کہ وہ لوگ عذاب میں ہلاک ہوئے تم بھی اپنا انجام سوچ لو باقی یہ امر کہ امم سابقہ پر کیا کیا گزرا اور آئندہ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یہ منجملہ علم غیب کے ہے۔ اور غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ ہی کو اس کی تفصیل معلوم ہے۔ اس کو نہ تو جانتا ہے اور نہ میں جانتا ہوں اور امم سابقہ کے احوال کے علم کو منصب نبوت و رسالت سے تعلق نہیں۔

پیغمبر کو گزشتہ قوموں کے احوال کا تفصیلی علم ضروری نہیں انبیاء غیب دان نہیں ہوتے۔ عالم الغیب صرف حق تعالیٰ ہے انبیاء کا کام دین اور شریعت کے احکام کو بتانا ہے۔ خدا تعالیٰ بذریعہ وحی کے جتنا اپنے نبی کو بتلا دیتا ہے اتنی بات سے وہ نبی بندوں کو آگاہ کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی جتنی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے اتنی بات ظاہر کر دی جاتی ہے باقی پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔ جن باتوں کا تو نے سوال کیا ہے ان کا منصب نبوت و رسالت سے تعلق نہیں۔ میرا کام ہدایت اور تبلیغ اور دعوت اور احکام شریعت کو بیان کرنا ہے۔ امم سابقہ کے احوال کی تفصیل میری بعثت کے اغراض اور مقاصد سے نہیں اور کسی نبی کا غیب کا نہ جاننا نبوت و رسالت میں قادح نہیں۔ نبوت نام ہے صرف پیغام رسانی کا پیغمبر کے ذمے صرف ہدایت اور بیان احکام ہے۔ پوشیدہ امور اور گزشتہ احوال کا بیان کرنا اس کے ذمہ نہیں۔ یہ تمام کلام امام فخر الدین رازیؒ کے کلام کی تشریح اور تفصیل ہے (دیکھو تفسیر کبیر[1] ص ۴۹ ج ۶ اور دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۱۸۴ ج ۱۶)

---

[1] قال الامام الرازی، واما قوله تعالٰی قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی فاعلم ان فی ارتباط هذا الکلام بما قبله وجوه۔ والاظهر ان فرعون لما قال فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰی نذکر موسٰی علیه السلام دلیلا ظاهرا وبرهانا باهرا علی هذا المطلوب فقال رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی فخاف فرعون ان یزید فی تقریر تلك الحجة فظهر للناس صدقه وفساد طریق فرعون فاراد ان یصرف عن ذلك الکلام وان یشغله بالحکایات فقال فما بال القرون الاولی فلم یلتفت موسٰی علیه السلام الی ذلك بل قال عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ولا یتعلق غرضی باحوالهم فلا اشتغل بها ثم عاد الی تتمیم کلامه الاول وایراد الدلائل الباهرة علی الوحدانیة فقال الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا الآیات وهذا الوجه المعتمد فی صحة هذا النظم۔ انتهٰی کلامه (تفسیر کبیر ص ۴۹ ج ۶)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تفسیر آیت مذکورہ بعنوان دیگر

موسیٰ علیہ السلام نے جب وجود صانع پر ایسے واضح اور روشن دلائل قائم کیے کہ جن کا جواب ممکن نہیں تو فرعون گھبرا گیا اور اس کو ڈر ہوا کہ میری قوم ان روشن دلائل کو سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہ کر دے اور مجھے چھوڑ کر اس رب معبود کی طرف نہ جھک جائے کہ جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں اس لیے فرعون نے بات کاٹ کر لایعنی امور یعنی قصوں اور کہانیوں کا ذکر چھیڑ دیا جس کا نبوت و رسالت سے تعلق نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لیے یہ سوال کیا کہ اچھا جو شخص تمہارے نزدیک تکذیب کرے وہ مستحق عذاب ہے تو بتلاؤ کہ پہلی قوموں کا کیا حال ہوا۔ جو تکذیب کرتے تھے۔ اس سوال میں فرعون کی ایک غرض یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صاف طور پر یہ کہہ دیں کہ وہ سب دوزخی تھے تو وہ لوگ مشتعل ہو جائیں اور موسیٰ علیہ السلام سے بگڑ جائیں کہ یہ شخص تو ہمارے آباؤ اجداد کو دوزخی بتلاتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے ان کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکا۔

غرض یہ کہ فرعون نے اس ڈر کے مارے کہ اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی تقریر سراپا تنویر کی طرف نہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) قال الآلوسیؒ لما شاھد اللعین ما نظمہ علیہ السلام فی سلک الجواب من البرھان النیر خاف ان یظھر للناس حقیۃ مقالاتہ علیہ السلام وبطلان خرافات نفسہ ظھورًا بینا اراد ان یصرفہ علیہ السلام عن سننہ الی ما لا یعنیہ من الامور التی لا تعلق لھا فی نفس الامر بالرسالۃ من الحکایات موھما ان لھا تعلق بذلک ویشغلہ عما ھو بصددہ عسی ان یظھر فیہ نوع غفلۃ فیتسلق بذلک الی ان یدعی بین یدی قومہ نوع معرفۃ فقال فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی والفاء لتفریع ما بعدھا علی دعوی الرسالۃ اذا کنت رسولا فاخبرنی ما حال القرون الماضیۃ والامم الخالیۃ وماذا جری علیھم من الحوادث المفصلۃ۔ قال موسیٰ علیہ السلام عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ۔ ای ان ذلک من الغیوب التی لا یعلمھا الا اللہ تعالیٰ وانما انا عبد لا اعلم منھا الا ما علمنیہ من الامور المتعلقۃ بالرسالۃ والعلم باحوال القرون وما جری علیھم علی التفصیل مما لا ملابسۃ فیہ بمنصب الرسالۃ کما زعمت۔ (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۱۶)

اور علامہ آلوسیؒ کی یہ تمام تفسیر شیخ الاسلام ابو السعودؒ سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ علامہ آلوسی کی عادت ہے کہ ان کا زیادہ اعتماد شیخ الاسلام ابو السعود کی تفسیر پر ہوتا ہے اور حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ بھی اپنی تفسیر میں تفسیر روح المعانی اور تفسیر ابو السعود کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

جھک پڑے اس لیے اس نے اس بات (یعنی مسئلہ الوہیت و ربوبیت) کو چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دی اور اگلوں کا حال پوچھنا شروع کر دیا۔ فرعون بڑا ظالم اور متکبر اور جبار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر دلپذیر و دلگیر کو سُن کر نہ تو ان کو قتل کیا اور نہ ان کو گرفتار کیا۔ بلکہ گھبرا کر مناظرہ اور بحث کی راہ سے ہٹ کر دوسری راہ اختیار کی اور سوال کیا کہ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو پہلی قوموں کے تفصیلی حالات بتاؤ کہ جو انبیاء کے کذب اور حشر و نشر کے منکر تھے ان کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لیے یہ سوال کیا تاکہ اپنی قوم پر یہ بات واضح کر دے کہ اس کے پاس بھی بڑا علم و معرفت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ علم غیب اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام چیزوں کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ پیغمبر کو تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہونا نہ ضروری اور نہ منصب نبوت و رسالت سے اس کا کچھ تعلق ہے تو پھر تو کس لیے ان لایعنی باتوں کا مجھ سے سوال کرتا ہے۔ تجھ کو چاہیئے کہ تو ان دور از کار باتوں میں جانے کے بجائے ان دلائل اور براہین پر غور کرے جو میں نے تیرے سامنے بیان کی ہیں تاکہ تجھ پر خدا کی ربوبیت اور تیری عبدیت اور عاجزی اور درماندگی ظاہر ہو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے گزشتہ قوموں کے اعمال اور ان کے انجام کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک کتاب (لوح محفوظ یا نامۂ اعمال) ہے جس میں ان کے تمام اعمال محفوظ ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا علیم و خبیر ہے کہ اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میرا پروردگار نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے اس کا علم سہو و نسیان اور خطا اور غلطی سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کو لکھنے کی ذرہ برابر ضرورت نہیں البتہ اتمام حجت کے لیے بندوں کے اعمال کو ایک کتاب میں محفوظ کر دیا ہے تاکہ کوئی مجرم انکار نہ کر سکے غرض یہ کہ ان کی مثل دفتر خداوندی میں محفوظ ہے۔ وقت پر سزا کا حکم سُنا دیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے۔ بخلاف تیرے کہ تیرا علم سر تا پا غلط ہے اور سہو اور نسیان کی آماجگاہ ہے اور پھر اس پر دعویٰ ربوبیت بھی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے امم سابقہ کے حال کو علم خداوندی کے حوالے اس لیے کیا کہ ابھی تک توریت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے گزشتہ امم کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے توریت فرعون کی ہلاکت کے بعد نازل ہوئی۔ (دیکھو زاد المسیر صفحہ ۲۹۲ ج ۵)

موسیٰ علیہ السلام کا اصل مقصد اثبات ربوبیت خداوندی تھا۔ جس پر ابتداء کلام میں دلائل قائم فرمائے۔ پھر جب فرعون نے اس بات کو ٹلانے کے لیے پہلی قوموں کا حال پوچھنا شروع کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ

سو موسیٰ علیہ السلام نے اس جواب میں بھی اصل مدعا (اثبات الوہیت صانع) کی ایک اور دلیل کی طرف اشارہ فرمایا۔

وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علام الغیوب ہو اور ایسا علیم و خبیر ہو کہ جس کے علم میں کسی غلطی اور سہو و نسیان کا امکان نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ بات تجھ میں نہیں گزشتہ قوموں کا حال نہ میں جانتا ہوں اور نہ تو جانتا ہے۔ تیری لاعلمی اور جہالت تیرے سامنے ہے پھر کس بناء پر الوہیت اور ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جہالت اور ربوبیت کا اجتماع عقلاً محال ہے۔ میں تو خدا کا نبی اور رسول ہوں اور نبی کے لیے غیب داں ہونا ضروری نہیں اور تو تو مدعی ربوبیت ہے تیرے لیے علم غیب ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تجھ میں نہیں پھر بتلا کہ کس بنا پر تو نے ربوبیت کا دعویٰ کیا۔

اے مدعی ربوبیت تو اگر ذرا عقل سے کام لے تو سمجھ جائے کہ تو اس عالم کا رب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ عالم کا یہ عجیب و غریب کارخانہ اور محکم نظام خود بخود یا محض بخت و اتفاق سے یا مادہ اور پتھر کی حرکت سے نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم و قدیر کے دستِ قدرت سے چل رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اس جواب کے بعد پھر اصل مقصد یعنی اثبات الوہیت خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور اوصاف خداوندی بیان کرنے شروع کیے جو اس کی ربوبیت کے دلائل ہیں۔ اور فرمایا کہ میرا رب جس نے مجھ کو تیری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے وہ رب ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس پر آرام کر سکو اور مزے کے ساتھ اس پر چل پھر سکو اور زمین عجیب فرش ہے کہ جو نہ لوہے کی مانند بہت سخت ہے کہ جس پر لیٹنے سے جسم کو تکلیف ہو اور نہ روئی اور گارے کی طرح نرم ہے جس میں پاؤں دھنسنے لگیں۔ اور اسی رب نے تمہارے چلنے کے لیے اس زمین میں راستے بنا دیئے تاکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو اور اسی رب نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا تاکہ تم اس سے زندہ رہ سکو پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے قسم قسم کے نباتات اُگائے باوجودیکہ زمین ایک ہے اور پانی ایک ہے اور ہوا ایک ہے مگر ہر ایک کا مزہ اور رنگ اور بو مختلف ہے اور تم کو اجازت دی کہ ان میں سے خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ یہ سب تمہاری حیات اور زندگی کا سامان ہوا پس جس رب نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ ایسا ہے اور ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہے

بیشک ان چیزوں میں عقلمندوں کے لیے ہماری قدرت اور ربوبیت کی کتنی ہی نشانیاں ہیں۔ البتہ جو عقلیں نفسانی خواہشوں کی پیرو بن گئی ہیں وہ ان روشن دلائل سے اندھی اور بہری بنی ہوئی ہیں۔

ف نُہیٰ جمع نُہْیَۃ کی ہے جیسے غُرَفٌ جمع غُرْفَۃ کی ہے۔ نُہیۃ اس عقل کو کہتے ہیں جو انسان کو قبیح باتوں سے روکے۔

پس اے فرعون تو جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو بتلا کہ تجھ میں بھی ان صفات کا کوئی شمہ پایا جاتا ہے نہ تو نے زمین بنائی اور نہ آسمان بنایا۔ اور نہ تو خود بخود پیدا ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو دلائل قدرت اور براہین الوہیت پیش کیے وہ دہریوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں اگر عقل ہے تو سمجھ لیں گے کہ ہمارا معبود اور ہمارا پالنے والا سوائے اس خدا کے کوئی نہیں جس میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

بیان مبدأ و معاد

موسیٰ علیہ السلام ان دلائل قدرت کے بیان کرنے کے بعد مبداء اور معاد کے بیان کی طرف متوجہ ہوئے کہ تم سب مٹی سے پیدا ہوئے جو تمہارا مبداء ہے اور پھر مر کر اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اسی میں رل مل جاؤ گے۔ اور پھر قیامت کے دن ہم تم کو اسی مٹی سے نکالیں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! جس طرح زمین سے ہم نے نباتات کو پیدا کیا۔ اسی طرح ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ انسان کے زمین سے پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی پیدائش نطفہ سے ہے اور نطفہ خلاصہ ہے غذا کا اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے اور ہمارے باپ آدم علیہ السلام ابتداءً مٹی ہی سے پیدا ہوئے تھے۔ اور تمام افراد بشری آدم علیہ السلام کی پشت میں مضمر اور مستتر تھے۔

بہرحال انسان کی اصلیت مٹی ہے۔ اور پھر مرے پیچھے ہم تم کو زمین میں لوٹا دیں گے۔ یعنی تم زمین میں دفن کر دیئے جاؤ گے۔ اور اگر جلا دیئے گئے تو تمہاری راکھ مٹی میں ملا دی جائے گی۔ لہٰذا زمین میں سے ہم تم کو دوبارہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے نکالیں گے۔ لہٰذا تم کو چاہیئے کہ زمین کا مراقبہ کیا کرو۔ زمین ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اس میں غور کیا کرو کہ وہ تمہارا مبداء اور منشاء ہے۔ تم اسی زمین سے پیدا ہوئے اور پھر مرنے کے بعد اسی زمین میں لوٹا دیئے جاؤ گے اور پھر قیامت کے دن اسی زمین سے تم نکالے جاؤ گے۔ اور تم کو تمہارے اعمال کی جزا ملے گی۔ لہٰذا سوچ لو اور اس دن کیلئے کچھ ذخیرہ جمع کر لو اس زمین میں دلائل ربوبیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی جس خدا نے پہلی بار تم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر مٹی ہی میں تم کو دفن کرا کے امانت رکھا وہی خدا پھر تم کو مٹی سے نکال سکتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

اور ہم نے دکھا دیں اس کو اپنی سب نشانیاں پھر جھٹلایا اور نہ مانا۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾

بولا کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اے موسیٰ

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا

سو ہم بھی لاویں گے تجھ پر ایک ایسا ہی جادو سو ٹھہرا ہمارے اپنے

وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ

بیچ ایک وعدہ نہ تفاوت کریں اس سے ہم نہ تو ایک

مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ

میدان صاف میں - کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن اور یہ کہ جمع کرے

النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ

لوگوں کو دن چڑھے - پھر الٹا پھرا فرعون، پھر اکٹھے کیے اپنے سارے داؤ پھر

اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

آیا - کہا ان کو موسیٰ نے کمبختی تمہاری جھوٹ نہ بولو اللہ پر

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

پھر کھپا دے تم کو کسی آفت سے - اور مراد کو نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا.

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا

پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کی مشورت - بولے

اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

مقرر یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہارے ملک سے،

بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا

اپنے جادو کے زور سے اور اٹھا دیں تمہاری راہ خاصی - سو مقرر کرو

كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ

اپنی تدبیر، پھر آؤ قطار باندھ کر - اور جیت گیا آج جو اوپر

اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ

رہا - بولے اے موسیٰ! یا تو ڈال اور یا ہم ہوں

تَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ

پہلے ڈالنے والے - کہا نہیں ! تم ڈالو - پھر تبھی ان کی رسیاں

وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾

اور لاٹھیاں اُس کے خیال میں آتی ہیں جادو سے کر دوڑتی ہیں -

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ

پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر ، موسیٰ - ہم نے کہا تو نہ ڈر

إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ ﴿٦٨﴾ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا

مقرر تو ہی رہے گا اوپر - اور ڈال جو تیرے داہنے میں ہے کہ نگل جاوے جو

صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ

انہوں نے بنایا، اُن کا بنایا تو فریب ہے جادوگر کا ، اور جادوگر نہیں کام سے نکلتا

حَيْثُ أَتَىٰ ﴿٦٩﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ

جہاں آوے - اور گر پڑے جادوگر سجدے میں بولے ہم یقین لائے رب پر

هَارُونَ وَمُوسَىٰ ﴿٧٠﴾ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ

ہارون اور موسیٰ کے - بولا فرعون، تم نے اس کو مان لیا ابھی میں نے حکم نہ دیا

إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ

تھا - وہی تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تم کو جادو - سو اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ

وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ

اور دوسرے پاؤں ، اور سُولی دوں گا تم کو کھجور کے

النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ﴿٧١﴾ قَالُوا

ڈھنڈ پر - اور جان لوگے ہم میں کس کی مار سخت ہے اور دیر تک رہتی - وہ بولے

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ

ہم تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اس چیز سے جو پہنچی ہم کو صاف دلیل اور اس

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ

سے جن نے ہم کو بنایا سو تو کر چک جو کرنا ہے تو یہی کرے گا اس دنیا کی زندگی میں

الدُّنْيَا ۝۷۲ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا

ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر تا بخشے ہم کو ہماری تقصیریں، اور جو تو نے کروایا ہم

عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۷۳ اِنَّهٗ مَنْ

سے زور آوری یہ جادو۔ اور اللہ بہتر ہے اور دیر رہنے والا۔ مقرر ہے جو

يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا

کوئی آیا اپنے پاس گنہگار ہو کر، سو اس کے واسطے دوزخ ہے، نہ مرے اس میں

وَلَا يَحْيٰى ۝۷۴ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ

نہ جیوے۔ اور جو آیا اس پاس ایمان سے کر کر نیکیاں۔

فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝۷۵ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ

سو ان لوگوں کو ہیں درجے بلند۔ باغ ہیں بسنے کے بہتی

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

ہیں ان کے نیچے سے نہریں رہا کریں گے ان میں

وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ

اور یہ بدلہ ہے اس کا

تَزَكّٰى ۝۷۶ ع

جو پاک ہوا۔

ذکر مذاکرہ دیگر درمیان موسےٰ علیہ السلام و فرعون لعین

قَالَ اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا ... الیٰ ... وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں الوہیت و ربوبیت خداوندی کے بارے میں مذاکرہ کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنۃ کے درمیان ایک دوسرے مذاکرہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے فرعون کو الوہیت اور ربوبیت اور نبوت و رسالت اور حشر و نشر اور قیامت کے متعلق اپنی تمام نشانیاں دکھلادیں۔ جن کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کسی عذر کی اس کے لیے گنجائش باقی نہ رہی اس لیے کہ حق اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ پھر بھی اس نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان کو سحر اور جادو بتلایا اور ان کے ماننے سے انکار کردیا۔ موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی فرعون کے پاس گئے اور جن آیات بینات کا اس وقت دکھلانا منظور تھا وہ سب اس کو دکھلادیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دلائل ربوبیت و وحدانیت بھی فرعون کے سامنے بیان کردیئے۔

کما قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عنہ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى اپنی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے فرعون کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دکھلا دیا۔ اور مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى سے حشر و نشر اور قیامت کا اثبات فرمایا مگر فرعون نے ان آیات بینات اور ان روشن دلائل کو بھی نہ مانا اور ان معجزات کو جادو بتایا اور بولا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکالدے اور خود اس پر قابض ہو جائے تو ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے اور تیرے جادو کا جادو سے مقابلہ کریں گے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ فرعون ملعون نے یہ بات اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى اے موسیٰ کیا تو اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک اور وطن سے نکالنا چاہتا ہے اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے نفرت اور اشتعال دلانے کیلئے کہی۔ کیونکہ جب قوم کے لوگ یہ سنیں گے تو ان کے دل میں یہ بات جم جائے گی کہ اگر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی بات مان لی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم کو اپنے گھر بار سے نکلنا پڑے گا۔ تو اس کی بات کو قبول نہ کریں گے اور نہ اس کے معجزوں میں غور و فکر کریں گے۔ اور یہ سمجھیں گے کہ جو کچھ موسیٰؑ نے دکھایا ہے وہ بھی ایک قسم کا جادو ہے۔ فرعون ملعون کا یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر غایت درجہ خوف زدہ ہوا اور یہ سمجھ گیا کہ یہ حق ہے جادو نہیں اور یہ وہی شخص ہے کہ جس کی پیشگوئی میں عرصہ سے سن رہا ہوں۔ کہ آل ابراہیم میں ایک شخص ہوگا جس کے ہاتھ پر میری سلطنت کا خاتمہ ہوگا اور اسی ڈر کے مارے بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کرواتا تھا۔ اگر اس کو یقین نہ ہوتا تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی جادوگر محض جادو سے کسی سلطنت

پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ عصائے موسیٰ کی ہیبت نے اس کو ایسا بدحواس بنا دیا کہ اس کو موسیٰ علیہ السلام پر دست درازی کی جرأت نہ ہوئی۔

الغرض جب موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی فرعون کے پاس گئے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ اس کو دکھایا تو دل سے تو سمجھ گیا اور یقین کر لیا کہ یہ خدائے برحق کے نبی اور رسول ہیں۔ مگر نہ ماننے کا ایک بہانہ نکالا کہ تم جادوگر ہو اور یہ جو کچھ تم نے دکھایا ہے وہ سب سحر ہے پس ہم بھی اس سحر کے مقابلہ میں ایک اور سحر لائیں گے۔ اور تمہارا مقابلہ کریں گے۔

پس اس مقابلہ کے لیے ہمارے اور اپنے درمیان وعدے کے لیے کوئی مقام اور وقت معین کر دیجیے نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم اس کے خلاف کرو۔ اور اس مقابلہ کے لیے درمیان شہر کوئی جگہ مقرر کریں جو شہر کے بیچوں بیچ ہو اور آنے والوں کے لیے ہر طرف سے مسافت برابر ہو تاکہ کسی طرف سے آنے والے کو دشواری نہ ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہ میدان اور وہ زمین ہموار ہو جس میں سب برابر کھڑے ہو کر مقابلہ کو اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہارے وعدہ کا وقت تمہاری عید کا دن ہے۔ جس دن لوگ آرائش و زیبائش کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے لیے عید کا دن اس لیے تجویز کیا کہ اس دن سب لوگ حاضر ہوں گے۔ تو حق مجمع عام کے روبرو ظاہر ہو جائے گا اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت یعنی دن چڑھے جمع کیے جائیں۔ جس وقت روشنی خوب ہوتی ہے یعنی ہمارا وعدہ عید کے دن چاشت کے وقت کا ہے تاکہ دن دھاڑے سب کے سامنے حق واضح ہو جائے اور سارے جہان میں اس کی خبر پھیل جائے اور کوئی بات چھپی نہ رہے۔ پیغمبروں کے کام میں کوئی تلبیس اور ملمع کاری نہیں ہوتی۔ اس لیے دن چڑھے کا وقت مقرر کیا۔ تاکہ روز روشن میں کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کو اپنے غلبہ کا یقین کامل تھا اس لیے بے دھڑک یہ دن اور یہ وقت مقرر کیا۔

پس جب مقابلہ کے لیے مکان اور زمان اور وقت سب طے پا گیا۔ تو فرعون اپنے دربار سے واپس ہوا اور خلوت میں آکر مشورہ کیا کہ کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ پھر اپنے مکر و فریب کا سامان جمع کرنا شروع کیا۔ پھر جب سامان کر چکا تو پوری طاقت اور پوری جمعیت کے ساتھ وقت معین پر میدان مقابلہ میں آیا۔ ساحروں کی بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ فرعون جب میدان میں آیا تو تخت شاہی پر بیٹھا۔ اور تمام ارکان دولت اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور تمام جادوگر بھی اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور فرعون ان کو طرح طرح کے انعامات کی امیدیں دلا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جادوگروں کی تعداد چار سو تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھی۔ واللہ اعلم

اور موسیٰ علیہ السلام اطمینان سے اپنے عصا پر تکیہ لگائے تشریف لائے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے۔

میدان مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا ساحروں کو ناصحانہ خطاب

جب حسب وعدہ سب میدان مقابلہ میں حاضر ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے یہ کہا کہ اے کمبختی کے مارو میرے معجزے کو جو خدا کی دی ہوئی نشانی ہے جادو قرار دے کر اللہ پر جھوٹ بہتان نہ باندھو کہ پھر وہ تم کو کسی آفت سے ہلاک کر ڈالے اور جڑ سے تم کو نیست و نابود کر دے اور تحقیق نامراد اور ناکام ہوا وہ شخص جس نے مخلوق پر افترا کیا۔ چہ جائیکہ جو شخص اللہ پر افترا کرے وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بغرض اتمام حجت مقابلہ سے پہلے جادوگران کو سمجھایا۔ اور ان کو نصیحت کی کہ دیکھو اللہ پر افترا نہ کرو۔ مفتری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پس جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ کلمۂ موعظت و حکمت سنا تو سنکر اپنے معاملہ میں مختلف ہو گئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ کہ آیا اس مبارک چہرہ کا مقابلہ کرنا چاہیئے یا نہیں کوئی کہتا کہ یہ بات جادوگروں کی سی نہیں اور یہ چہرہ بھی جادوگروں جیسا نہیں۔ اس شخص کے لب و لہجہ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شخص اندر سے مطمئن ہے۔ خوف و ہراس کا نام و نشان بھی اس شخص کے آس پاس بھی کہیں نظر نہیں آتا اور بعض کہتے کہ یہ جادوگر ہے ہم اس پر غالب آجائیں گے۔ اور چھپ کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ اور فرعون سے چھپا کر سرگوشیاں کرنے لگے کہ فرعون کے لوگوں میں سے کسی کو اس مشورہ کی خبر نہ ہو۔ بالآخر اس مشورہ میں یہ طے پایا کہ سب نے متفق ہو کر یہ کہا۔

۱۔ کہ بیشک یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں۔

۲۔ اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں اور خود اس پر متصرف اور قابض ہو جائیں اور اس ملک کو اپنے تصرف میں لائیں۔

۳۔ اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے بہتر طریقہ کو مٹا دیں۔ اور اپنا طریقہ اس پر رائج کر دیں، "طریقہ" سے دین اور مذہب مراد ہے کہ فرعون نے یہ کہا۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا مقصد یہ ہے کہ سرزمین مصر سے تمہارا طریقہ اور مذہب اور تمہاری تہذیب اور تمدن ختم کر کے بنی اسرائیل کا طریقہ اور ان کا دین اور ان کی تہذیب و تمدن ملک میں رائج کریں۔ پس تم سب مل کر اور متفق ہو کر اپنی تدبیر کو پختہ کر لو اور پھر سب صف باندھ کر مقابلہ پر آؤ۔ تاکہ اس کے دل میں ہیبت ہو۔ اور سب پر تمہارا رُعب پڑے اور ڈٹ کر موسیٰ کا مقابلہ کرو اور تحقیق آج فلاح کو پہنچا جو آج کامیاب ہوا۔ یعنی آج جس نے غلبہ پالیا جیت اسی کی ہے اور وہی اپنے مقصد میں کامیاب ہے ساحروں کی تعداد میں مختلف اقوال آئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ۹۰۰ (نوسو) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین سو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ بارہ ہزار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تیس ہزار تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھے۔

(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۱ ج ۶)

پھر اس صف بندی کے بعد جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ بتلایئے یا تو یہ ہو کر آپ اپنا عصا پہلے زمین پر ڈالیں گے۔ اور یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے بنیں یعنی دونوں باتوں کے درمیان آپ کو اختیار ہے۔ جیسی صورت چاہیں پسند کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلکہ پہلے تم ہی ڈالو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔

چنانچہ پہلے انہوں نے اپنی لاٹھیاں رسیاں زمین پر ڈالدیں تو ڈالتے ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰؑ کی نظر میں ایسی دکھائی دینے لگیں جیسے سانپ دوڑ رہے ہوں۔ تمام لوگوں کو ایسا نظر آیا کہ ان کی لاٹھیاں اژدھا بنی ہوئی ہیں اور دوڑی چلی جا رہی ہیں اور سارا میدان ان سے بھرا ہوا ہے۔

پس اس منظر کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ جادو کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا اور یہ خوف بمقتضائے جبلت بشری تھا یا اس وجہ سے تھا کہ سادہ لوگ اس ظاہری منظر کو دیکھ کر جادو کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اور سحر اور معجزہ کا فرق ان پر ملتبس ہو جائے اور عجب نہیں کہ یہ بھی خیال کیا ہو کہ میرے پاس تو ایک ہی عصا ہے اور وہ ایک ہی سانپ بنے گا اور ان کے پاس تو بہت سی رسیاں اور لاٹھیاں ہیں جب وہ سب سارے سانپ بن جائیں گے تو بظاہر باطل۔ حق پر غالب نظر آئے گا۔ اس لیے ڈر سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ تو کچھ بھی خوف نہ کر بلاشبہ تو ہی تن تنہا ان سب پر غالب رہے گا۔ معجزہ کے سامنے جادو اور شعبدہ کیا چیز ہے اور اے موسیٰ جو چیز بھی اس وقت تیرے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو زمین پر ڈال دے اگرچہ وہ گھانس کا تنکا ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی ان رسیوں اور لاٹھیوں کی پرواہ نہ کر جو کچھ تیرے داہنے ہاتھ میں ہے خواہ گھانس کا تنکا ہی کیوں نہ ہو اس کو زمین پر ڈال دے وہ ان کے تمام شعبدے کو نگل جائے گا جو انہوں نے بنایا ہے۔ اور آپ کا ایک عصا ان ہزارہا ہزار لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل کر ڈکار بھی نہ لے گا تحقیق انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ تو جادوگر کا حیلہ اور فریب ہے اور آپ نے جو کام کیا ہے وہ قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے اور ایک خیالی شعبدہ بھی کرشمۂ قدرت پر غالب نہیں آسکتا اور جادوگر جہاں کہیں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ فوراً وہ ایک بڑا اژدھا بن گیا اور ان عصاؤں اور رسیوں کے پیچھے ہوا جو ساحروں نے ڈالی تھیں دم کے دم میں سب کو ایک ایک کرکے نگل گیا۔ اور کسی چیز کو باقی نہ چھوڑا۔ اور لوگ ڈر کے مارے بھاگ اٹھے۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام کا یہ عصا جو اژدھا بنا ہوا تھا۔ فرعون کی طرف متوجہ ہوا کہ فرعون کو نگل جائے تو فرعون چلایا اور موسیٰؑ سے فریاد کی تو موسیٰؑ

نے اس کو پکڑ لیا پھر وہ پہلے ہی جیسا عصا ہوگیا (دیکھو تفسیر کبیر صہ ۶۷ج)
کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ تک فرعون اپنے محل سے باہر نہیں نکلا۔
ساری دنیا نے اس وقت حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا یہ معرکہ دیکھا اور جادوگر بھی سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دکھایا ہے وہ سحر نہیں بلکہ معجزۂ نبوت اور کرشمۂ قدرت ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس جادوگروں کی اس وقت یہ حالت ہوئی کہ وہ اس کرشمۂ غیبی کو دیکھ کر ایسے بے خود ہوگئے کہ گویا گردن پکڑ کر سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ ساحرین چونکہ فن سحر کے ماہر تھے اور اس کے اصول و فروع سے باخبر تھے اور سحر کی حقیقت سے واقف تھے اس لیے دیکھتے ہی یہ سمجھ گئے کہ یہ کرشمۂ موسوی دائرۂ سحر سے بالا اور برتر کوئی حقیقت ہے۔ یہ کرشمۂ قدرت ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے اور بولے کہ ہم ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر یعنی ہم اس رب پر ایمان لائے جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے اور جس کی قدرت سے یہ عصا اژدھا بنا اور ہماری ہزارہا رسیوں اور لاٹھیوں کو ایک لقمہ بنا کر نگل گیا سحر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ایک دم سے رسیوں اور تمام لاٹھیوں کو نگل جائے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ عصا موسیٰؑ نے ان کے حبال اور عصی میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ معجزہ ہے اور ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر گئے اور ساحروں کا یہ سجدہ، سجدۂ شکر تھا کہ اللہ نے ہم پر حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا فرق ظاہر فرما دیا۔

سبحان اللہ کیا عجیب ماجرا ہے کہ انہی جادوگروں نے ابتدا میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر ڈالا تھا۔ پھر جب حق واضح ہوگیا تو اپنے سروں کو زمین پر ڈال دیا اور یہ سجدہ، سجدۂ شکر تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

نکتہ | اور رب ہارونؑ و موسیٰؑ میں ہارونؑ کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ یا اس وجہ سے کہ فرعون نے بچپن میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی تو رب موسیٰؑ سے یہ وہم نہ ہو جائے کہ فرعون مراد ہے۔

عکرمہؒ سے مروی ہے کہ فرعون کے ملک میں نو سو جادوگر تھے۔ انہوں نے فرعون سے کہہ دیا تھا کہ اگر موسیٰؑ درحقیقت جادوگر ہے تو ہم اس پر ضرور غالب آئیں گے کیونکہ فن سحر میں ہم سے زیادہ کوئی کامل اور ماہر نہیں اور اگر وہ پیغمبر ہوں گے تو ہم ان پہ غالب نہ آسکیں گے۔

چنانچہ جب مقابلہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے جادو کی ہستی مٹا کر رکھ دی تو ان سب کو آپ کی پیغمبری کا یقین آگیا۔ اور ایمان لے آئے فرعون نے یہ واقعہ دیکھ کر جادوگروں کو دھمکایا اور کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر کیسے ایمان لے آئے۔ یعنی تم کو چاہیئے تھا کہ مجھ سے مشورہ کرتے۔ اور میرے حکم کے بعد ایمان لاتے۔ پھر اپنے لوگوں کو شبہ میں ڈالنے کی غرض سے یہ کہا۔ بیشک یہ شخص تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اور تم سب اس کے شاگرد ہو اور دل سے اس کے ساتھ ہو اور

اندرونی طور پر اس سے ملے ہوئے ہو۔ یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے اور جنگِ زرگری ہے تم نے اپنے استاد کی شان بلند کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ فرعون نے جب دیکھا کہ جس جادو کے بل بوتے پر وہ اچھل کود رہا تھا وہ دم کے دم میں معجزۂ موسوی کا لقمہ بن گیا تو اب لوگوں کو بہکانا شروع کیا ؎

چو حجت نہ ماند جفا جوئے را
بہ پرخاش برہم کشد روئے را

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فرعون کا صریح جھوٹ تھا لوگوں کو دھوکہ دینے اور شبہ میں ڈالنے کے لیے اس نے یہ جھوٹ بولا کہ یہ تمہارا استاد ہے وہ خوب جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں سے کبھی ملے بھی نہیں اور نہ ان کی ان سے کوئی جان پہچان ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں کے استاد ہوتے اور یہ ان کے شاگرد ہوتے تو سب کو معلوم ہوتا۔ استادی اور شاگردی کا تعلق لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ فرعون نے جب یہ جھوٹ بولا تو سننے والے بھی جانتے اور سمجھتے تھے کہ یہ فرعون کا بہتان اور دروغ بے فروغ ہے (دیکھو تفسیر کبیر ص ۹۴ ج ۶)

پھر اس جھوٹ کے بعد فرعون نے ان کو دھمکانا شروع کیا اور کہا۔ پس تم خوب سمجھ لو کہ میں ضرور بالضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں تاکہ تمہاری ہیئت اور صورت بگڑ جائے۔ اور پھر تم کو سولی دے کر کھجور کے تنوں پر لٹکوا دوں گا۔ تاکہ لوگ تم کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور تم یہ بھی جان لو گے کہ ہم دونوں میں یعنی مجھ میں اور ربِ موسیٰؑ میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے یعنی میں تم کو تمہارے ایمان لانے پر سزا دوں گا۔ اگر تم ایمان نہ لاتے تو موسیٰؑ کے قول کے مطابق تم کو موسیٰؑ کا خدا عذاب دیتا۔ اب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا عذاب زیادہ سخت ہے دیرپا ہے یا موسیٰؑ کے خدا کا جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ایک شبہ

امام رازیؒ فرماتے ہیں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابھی تو یہ گزرا ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے جب وہ اژدھا ہو گیا اور وہ عصا فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون چیخیں مارنے لگا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پکڑا اور ہاتھ میں لیا پھر وہ بدستور پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا تب فرعون کے ہوش درست ہوئے تو شبہ یہ ہے کہ پہلے تو فرعون کے خوف کا یہ حال تھا جو بیان ہوا اور اب یہ دلیری اور بہادری کہ سب کو ڈرا دھمکا رہا ہے۔ خوف و ہراس کے بعد یہ دلیری کہاں سے آئی۔

جواب

یہ ہے کہ وہ دل سے نہایت خوفزدہ تھا۔ مگر بے حیائی اور ڈھٹائی سے اپنی دلیری ظاہر کرتا تھا تاکہ اس کی بات بنی رہے اور ظالم اور بدکار لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ فرعون کا یہ کہنا کہ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ یہ تمہارا استاد و بزرگوار ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اس کا یہ دروغ بے فروغ خود اس کے اندرونی

خوف کی دلیل ہے۔ حالانکہ اس کو خوب معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی ان جادوگروں سے نہیں ملے اور نہ ان سے واقف ہیں۔ اور نہ ان کا ان سے کوئی تعلق ہے۔ جو شخص اندر سے خوفزدہ ہوتا ہے وہ باہر سے ایسی ہی بے سروپا باتیں کیا کرتا ہے۔ جس کی حقیقت اکڑ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۹۴ ج ۶)

مؤمنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب

یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی تہدید کا اور دھمکیوں کا ذکر کیا۔ اب آگے مؤمنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب ذکر فرماتے ہیں کہ فرعون کی ان دھمکیوں سے ان کے پائے ثبات میں کوئی تزلزل نہیں آیا۔ فرعون کی یہ دھمکیاں سُن کر مؤمنین صالحین جواب میں یہ بولے کہ اے فرعون ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ ان واضح دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو پہنچے ہیں اور نہ ہم تجھ کو اس ذات کے مقابلہ میں ترجیح دیں گے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے پردۂ عدم کو چاک کر کے ہم کو وجود عطا کیا ہے۔ ربوبیت کے لیے خالقیت شرط ہے جب تو ہمارا خالق نہیں تو ہمارا رب کیسے ہو سکتا ہے۔ پس تو جو کرنا چاہے وہ کر گزر۔ ہمیں تیرے ڈرانے دھمکانے کی کچھ پرواہ نہیں جز این نیست کہ تو اپنا حکم صرف اس دنیاوی زندگانی میں جاری کر سکتا ہے جو عنقریب زائل اور فنا ہونے والی ہے تو تیرا عذاب کچھ دیرپا نہیں۔ تیرا سارا زور اس دارِ فانی میں ہے۔ اور ہم دار البقاء اور دار القرار کے شیدائی اور فدائی ہیں تو ہم کو کیا اس فانی اور مجازی عذاب سے ڈراتا ہے بس اب تو ہم اپنے اس پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں جس نے ہم کو وجود عطا کیا اور زمین کو ہمارا فرش اور آسمان کو ہماری چھت بنایا۔ اور ہمارے لیے سامانِ رزق زمین سے اُگایا۔ ساری عمر ہم نے اس کا کفر کیا اب ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ تاکہ وہ پروردگار ہمارے پچھلے تمام گناہوں کو بخش دے اور خاص کر اس گناہ کو بخش دے جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا۔ یعنی یہ جادو جو ہم نے موسیٰؑ کے مقابلہ میں کیا وہ تیرے زور دینے سے کیا۔ ساحروں نے یہ سحر اگرچہ اپنے اختیار سے کیا لیکن چونکہ حکمِ شاہی سے کیا تو مجبور تھے اس لیے کہ حکم شاہی آدمی کو مجبور کر دیتا ہے۔ شخصی اور انفرادی دباؤ سے آدمی اتنا مجبور نہیں ہوتا جتنا کہ حکومت کے دباؤ سے مجبور ہو جاتا ہے۔ فرعون نے جب ساحروں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے کہا اور ان سے عصا کے اژدھا ہو جانے کا ذکر کیا تو جادوگروں نے یہ کہا کہ اچھا پہلے ہم کو موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا دکھا دو تاکہ ہم ان کو دیکھ کر معلوم کر لیں کہ بات کیا ہے تو فرعون نے جادوگروں کو ان کے دیکھنے کے لیے بھیجا جب جادوگر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو سو رہے ہیں اور وہ عصا سانپ کی صورت میں ان کا پہرہ دے رہا ہے۔

اور ان کی پاسبانی اور نگہبانی کر رہا ہے۔ جادوگروں نے اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص تو جادوگر نہیں کیونکہ ساحر جب سو جاتا ہے تو اس کا سحر اس وقت کام نہیں کرتا جادوگروں نے آکر یہ سارا ماجرا فرعون سے بیان کر دیا مگر فرعون نے نہ مانا اور کہا کہ تم لوگ بھی بے شمار اژدھے لا سکتے ہو وہ ایک اژدھا کیا تمہارا مقابلہ کرے گا غرض یہ کہ فرعون نے جادوگروں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کرنے کے لیے مجبور کیا۔

(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۵ ج ۶ و تفسیر روح المعانی صفحہ ۲۱۱ ج ۱۶)

اور ظاہر یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا حال دیکھنے کے لیے خاص خاص فن سحر کے ماہر ہی گئے ہوں گے نہ کہ سب۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سب جادوگر دل سے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آمادہ نہ تھے۔ بہت سے فرعون کے جبر و اکراہ سے مقابلہ پر آئے اور جب علی الاعلان حق واضح ہو گیا۔ اور حق باطل کو نگل گیا تو فرعون کی پرواہ نہ کی اور اپنے خدائے عزوجل پر ایمان لے آئے اور اپنے گناہ کی معافی چاہی اور فرعون کی دھمکیوں کے جواب میں یہ کہا اور اللہ بہت بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے اور اس کا ثواب اور عذاب دائمی ہے۔ اس کا انعام تیرے انعام سے بہتر ہے اور اس کا عذاب تیرے عذاب سے زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے تو تو ایک بگڑا اور متورا جھگوٹا آدمی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو دیکھ کر تیرا پیشاب پاخانہ خطا ہو گیا۔ اور تو اپنے تخت سے بھاگ اٹھا تجھے ربوبیت سے کیا واسطہ۔

اب آگے قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں کہ فرعون نے ان ایمان لانے والوں کو وہ سزا دی یا نہیں جس کی اس نے ان کو دھمکی دی تھی حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے جو ان کے قتل اور سولی کا عزم مصمم کیا تھا وہ کر گزرا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ اور دیگر سلف سے مروی ہے کہ یہ مقتولین صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہید تھے۔

(دیکھو تفسیر[1] ابن کثیر صفحہ ۱۵۹ ج ۳ اور دیکھو تفسیر کبیر[2] صفحہ ۶۶ ج ۶)

پھر ان مؤمنین صالحین نے فرعون کے عذاب کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرنے کی وجہ بیان کی۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے مجرم اور باغی ہو کر حاضر ہو گا تو بلاشک اس کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا وہاں اس کو کوئی راحت نصیب نہ ہو گی۔ ہمیشہ عذاب ہی میں رہے گا۔ ہم اس کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائے ہیں جس کے مقابلہ میں تیرا عذاب ہیچ ہے اور جو شخص اس کے پاس ایمان والا ہو کر آئے گا

---

[1] قال الحافظ ابن کثیر الظاهر ان فرعون لعنه الله صمم على ذلك وفعله بهم رحمة لهم من الله ولهذا قال ابن عباس وغيره من السلف اصبحوا سحرة وامسوا شهداء۔

[2] قال الامام الرازی اعلم انه ليس فی القرآن ان فرعون فعل باولئك القوم المؤمنين ما اوعدهم به ولكن ثبت ذلك بالاخبار۔

جس نے ایمان کے ساتھ نیک عمل بھی کیے ہوں تو ایسے لوگوں کے لیے بلند درجے اور ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ جزا ہے اس شخص کی کہ جو کفر اور معصیت کی نجاستوں سے پاک صاف ہوا اور کفر اور معصیت کی نجاست سے پاک کرنے والی چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو - کہ لے نکل میرے بندوں

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ

کو رات سے پھر ڈال دے اُن کو راہ سمندر میں سوکھی، نہ خطرہ تجھ کو

دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ

آپکڑنے کا نہ ڈر - پھر پیچھے لگا ان کے فرعون اپنے لشکرے کر

فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ

پھر گھیر لیا ان کو پانی نے جیسا گھیر لیا - اور بہکایا فرعون نے

قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ

اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا - اے اولاد اسرائیل ! چھڑا دیا ہم نے تجھ کو

مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ

تمہارے دشمن سے اور وعدہ رکھا تم سے داہنی طرف پہاڑ کے ، اور

نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

اتارا تم پر من اور سلویٰ - کھاؤ ستھری چیزیں

مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ

جو روزی دی ہم نے تم کو، اور نہ کرو اس میں زیادتی ، پھر اُترے تم پر میرا غصہ۔

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّىْ

اور جس پر اُترا میرا غصہ وہ ہٹکا گیا ۔ اور میری

لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ

بڑی بخشش ہے اس پر ، جو توبہ کرے اور یقین لاوے اور کرے بھلا کام پھر

اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

راہ پر رہے ۔

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور فرعون کا تعاقب اور اس کی غرقابی

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ ... الیٰ ... ثُمَّ اهْتَدٰى

(ربط) گزشتہ آیات میں ساحرین کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کا ذکر تھا کہ کھلے میدان میں دن دہاڑے مقابلہ ہوا اور فرعونیوں کو شکست فاش ہوئی اور ساحرین مشرف باسلام ہو گئے تو بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اور فرعون ڈر گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور دعوت کا سلسلہ شروع ہو گیا چند ہی سال میں موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کافی تعداد میں ہو گئے مگر چند روز کے بعد لوگوں نے پھر فرعون کو دعوائے الوہیت اور سابق ظلم و تشدد پر آمادہ کیا تو حسب سابق اس نے پھر وہی ظلم و ستم شروع کر دیا۔ اور بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے لگا تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پڑ جائے کہ وہ مولود جس کی نجومیوں نے خبر دی تھی وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس لیے فرعون نے پھر قتل کا بازار گرم کیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ان مظالم کی شکایت کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کا حکم دیا اور فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم سب ملک شام چلے جائیں اور فرعون کو متنبہ کرنے کے لیے طرح طرح کے نشانات دکھاتے رہے۔ جیسے طوفان اور جراد اور قمل اور ضفادع اور دم وغیرہ وغیرہ جن کا ذکر سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ فرعون جب کوئی نشان دیکھتا تو ڈر جاتا اور موسیٰ علیہ السلام سے اس کے رفع کے لیے درخواست کرتا اور بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے کا وعدہ کر لیتا۔ مگر جب وہ مصیبت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہو جاتی تو پھر مکر جاتا۔ بیس سال اسی حالت میں گزر گئے نہ ایمان لایا اور نہ بنی اسرائیل کو رہا کرنے پر آمادہ ہوا اور اس طویل و عریض مدت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے جس قدر بھی نشانیاں دکھائی گئیں سب کی تکذیب کی۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۔

پس جب حق جل شانہٗ کی طرف سے حجت پوری ہوگئی اور جرم کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو وقت آگیا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نجات دلائی جائے اور اس کے ان وحشیانہ مظالم کا انتقام لیا جائے اور اس کے غرق کا سامان کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر سے ہجرت کر جاؤ تاکہ بنی اسرائیل کی مظلومیت کا خاتمہ ہو اور خدا کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہو جائیں اور خارق عادات طریقہ سے بنی اسرائیل کا دریا سے پار ہو جانا اور پھر ان کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کا اس خارق عادت طریقہ سے بصد ہزار ذلت وخواری غرق ہو جانا کرشمۂ قدرت اور معجزۂ نبوت ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر شام چلے جاؤ اور جب راستہ میں دریا پر پہنچو تو اس پر لاٹھی مار دینا اس سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے اور درمیان میں دونوں طرف پانی کی دیواریں کھڑی ہو جائیں گی اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں کا ہر خاندان ایک ایک راستہ سے الگ الگ نکل جائے گا۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے کنارے پر پہنچے تو حسب حکم خداوندی دریا پر اپنی لاٹھی ماری تو فوراً دریا میں خشک راستے تیار ہو گئے اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح پانی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔

جب صبح ہوئی تو فرعون کو اور قوم قبط کو معلوم ہوا کہ اب شہر میں بنی اسرائیل میں سے کوئی نہیں فرعون کو جب یہ خبر ملی تو فوراً اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا اور بنی اسرائیل کو دیکھا کہ دریا میں خشک راستوں سے گزر رہے ہیں تو اس نے اپنے آدمیوں کو ان دریائی راستوں پر چلنے کا حکم دیا۔ اس عجیب وغریب منظر کو دیکھ کر فرعون کے خوشامدی لوگ کہنے لگے کہ یہ سب حضور فیض گنجور کا اقبال ہے۔

جب بنی اسرائیل دریا سے پار نکل گئے اور فرعون مع لشکر کے دریا کے بیچ پہونچ گیا تو بحکم خداوندی دریا کا پانی رواں ہوگیا۔ اور وہ بدبخت مع اپنی قوم کے غرق ہوگیا۔

(ربط دیگر) گزشتہ رکوع میں حق تعالیٰ نے خاص موسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا۔ ان آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح تمہارے دشمن کو تمہاری نظروں کے سامنے غرق کیا۔

(ربط دیگر) گزشتہ رکوع میں فرعون کے حال کو بیان کیا تھا۔ اب اس رکوع میں فرعون کے مآل اور انجام کو بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ خدا تعالیٰ اگرچہ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر اس کو چھوڑتا نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون باوجودیکہ اس مقابلہ میں شکست کھا گیا مگر پھر بھی اپنے تجبر اور تجبر سے باز نہ آیا اور بنی اسرائیل کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا رہا تو البتہ تحقیق اس وقت ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجۂ ظلم سے نجات دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی کہ ہمارے

ان بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے باہر لے کر نکل جاؤ اور دور چلے جاؤ چلتے چلتے تم کو راستہ میں دریا ملے گا۔ پس جب دریا پر پہنچو تو اس پر اپنا عصا مار کر بنی اسرائیل کے لیے خشک راستہ بنا دینا جس میں نہ پانی ہو اور نہ کیچڑ ہم نے دریا کو حکم دے دیا ہے کہ جب موسیٰ تجھ پر عصا مارے تو اس کے لیے خشک راستے بنا دینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر پہنچ کر اس پر اپنا عصا مارا اسی وقت اس میں بحکم خداوندی بارہ راستے بن گئے۔

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ

چونکہ علم الٰہی میں یہ امر تھا کہ فرعون اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کا تعاقب کرے گا اس لیے پہلے ہی فرما دیا کہ تم سیدھے چلے جانا نہ تو پکڑے جانے سے ڈرے گا اور نہ ڈوبنے کا خوف کرے گا۔ اس واسطے کہ ہم تجھ کو صحیح سالم سلامتی کے ساتھ پار کر دیں گے نہ تو تجھ کو ڈوبنے کا خوف ہوگا اور نہ یہ خوف ہوگا کہ پیچھے سے کوئی دشمن آکر ہمیں پکڑ لے اس حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے چل پڑے۔

پس جب صبح کو فرعون کو اور قبطیوں کو اس کی خبر ہوئی تو فرعون نے اپنے لشکر سمیت اُن کا پیچھا کیا۔ اور دریا کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لیکر دریا سے پار ہو چکے ہیں اور دریا میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں۔ فرعون اپنے لشکر کو لے کر انہی راستوں پر ہو لیا۔ پس جب تمام لشکر دریا[1] کے درمیان پہنچ گیا تو ڈھانپ لیا فرعون کو مع اس کے لشکروں کے دریا کی موج سے اس چیز نے کہ جس نے ان سب کو ڈھانپ لیا۔ یعنی ایک بڑی موج نے ان سب کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ موج ایسی عظیم اور ہولناک تھی کہ کوئی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب فرعون مع لشکر کے دریا کے اندر داخل ہوگیا۔ تو دریا کی ہولناک موج نے ان سب کو پکڑ لیا اور ہر طرف سے پانی آملا۔ اور سب غرق ہوگئے۔

اور فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کیا اور راہ راست پر نہ لگایا۔ یہ فرعون کے اس دعوے کا جواب ہے جو یہ کہتا تھا وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ میں تم کو سیدھا راستہ بتلاتا ہوں۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے عبرتناک غرقابی کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے دوسرے انعامات اور احسانات کا ذکر کرتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دینی اور دنیوی احسانات کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے بڑے دشمن فرعون سے نجات دی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نجات کی نعمت کو بیان فرمایا۔ اس لیے کہ

[1] قال الامام الرازی الاولیٰ ان یقال انہ امر مقدمۃ عسکرہ بالدخول فدخلوا وما غرقوا فغلب علی ظنہ السلامۃ فلما دخل الکل اغرقوا۔ (تفسیر کبیر صـ ۶۹ ج ۶)

دفع ضرر کی نعمت سب سے مقدم ہے اور یہ نعمت دنیوی تھی اب اس کے بعد دینی نعمت کو بیان کرتے ہیں اور اے بنی اسرائیل ہم نے تم سے توریت دینے کے لیے طور کے داہنی جانب کا وعدہ کیا توریت کا عطا کرنا دینی نعمت ہے کیونکہ توریت نور ہے اور ہدایت ہے اور شریعت الٰہیہ ہے۔ جس پر عمل سے انسان گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

پھر اس دینی نعمت کے بعد ایک دنیوی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ہم نے تم پر من وسلوی اتارا مَنّ تو ایک حلوا تھا جو آسمان سے ان پر اُترتا تھا۔ اور سلویٰ ایک پرندہ تھا جو ان پر گرتا تھا اور لذیذ تھا۔ بقدر حاجت اس میں سے لے لیتے تھے اور اگلے روز کے لیے ذخیرہ کرنے کی ممانعت تھی یہ ان پر اللہ کا دنیوی انعام تھا۔ اب آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہماری ان نعمتوں کو عصیان اور طغیان کا سبب نہ بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے ان سے یہ کہا کہ ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس کھانے میں حد شرعی سے تجاوز نہ کرو کہ پھر تم پر میرا غضب نازل ہو۔ حد سے بڑھنے سے ناشکری اور نافرمانی کرنا اور اس کا ذخیرہ کرنا مراد ہے اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ بلندی سے پستی میں جاگرا اور ہلاک اور برباد ہوا۔ یعنی اوپر سے ہاویہ (قعر جہنم میں جاگرا) ھوی کے معنی اوپر سے نیچے گرنے کے ہیں۔

(ھذا کلہ من التفسیر الکبیر للامام الرازیؒ از ص ۶۹ ج ۶ تا ص ۷۰ ج ۶)

اور اس قہر وغضب کے ساتھ یہ بھی ہے کہ میں بلاشبہ بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے پچھلے گناہوں سے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور آئندہ کو نیک کام کیے پھر راہ ہدایت پر قائم رہا اور مضبوطی کے ساتھ اس پر جما رہا یہاں تک کہ اسی پر مرگیا۔ یہ مقام استقامت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ غرض کہ اہتداء سے استمرار اور استقامت کے معنی مراد ہیں۔

(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۷۰ ج ۶)

اور راہ ہدایت سے صراط مستقیم مراد ہے جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے اور یہ گروہ اہل سنت والجماعت کا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر قائم ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾

اور کیوں جلدی کی تُو نے اپنی قوم سے اے موسیٰ۔

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ

بولا وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی آیا تیری طرف اے رب

لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ

تاکہ تو راضی ہو۔ فرمایا ہم نے بچلا دیا (آزمائش میں ڈالا) تیری قوم کو تیرے پیچھے،

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ

اور بہکایا ان کو سامری نے۔ پھر الٹا پھرا موسیٰ اپنی قوم پاس

غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ

غصے بھرا پچھتاتا۔ کہا اے قوم! تم کو وعدہ نہ دیا تھا تمہارے رب نے

وَعْدًا حَسَنًا ۬ ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ

اچھا وعدہ، کیا لمبی ہوگئی تم پر مدت یا چاہا تم نے

اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ

کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کا اس سے خلاف کیا تم نے

مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا

میرا وعدہ۔ بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے،

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا

اور لیکن ہم کو کہا تھا کر اٹھا لیں کتنے بوجھ اس قوم کا گہنا، پھر ہم نے وہ پھینک دیئے،

فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا

پھر یہ نقشہ ڈالا سامری نے۔ پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬

ایک دھڑ، جس میں چلانا گائے کا، پھر کہنے لگے یہ صاحب ہے تمہارا اور صاحب موسیٰ کا،

فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۬ۙ وَّلَا

سو وہ بھول گیا۔ بھلا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب نہیں دیتا ان کو کسی بات کا اور

يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ

اختیار نہیں رکھتا ان کے بُرے کا نہ بھلے کا ۔ اور کہا تھا ان کو ہارون نے

مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ

پہلے سے اے قوم ! اور کچھ نہیں تم کو بہکا دیا گیا ہے اس پر اور تمہارا رب

الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ

رحمٰن ہے ، سو میری راہ چلو اور مانو بات میری ۔ بولے ہم رہیں گے

نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾

اسی پر لگے بیٹھے ، جب تک پھر آوے ہم پاس موسیٰ

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا

کہا موسیٰ نے اے ہارون تجھ کو کیا اٹکاؤ تھا جب دیکھا تو نے کہ وہ بہکے ۔ تو میرے

تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ

پیچھے نہ آیا ، کیا تو نے رد کیا میرا حکم ۔ وہ بولا اے میری ماں کے جنے ! نہ پکڑ

بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ

میری ڈاڑھی اور نہ سر ۔ میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی

بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا

تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات ۔ کہا موسیٰ نے

خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ

اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری ۔ بولا میں نے دیکھ لیا جو سب نے نہ دیکھا

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ

پھر بھر لی میں نے ایک مٹھی ، پاؤں کے نیچے سے اس بھیجے ہوئے کے پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی

سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَکَ فِی الۡحَیٰوۃِ

مصلحت دی مجھ کو میرے جی نے۔ کہا موسیٰ نے چل! تجھ کو زندگی میں اتنا ہے کہ

اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَ اِنَّ لَکَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ۚ

کہا کر نہ چھیڑو۔ اور تجھ کو ایک وعدہ ہے وہ تجھ سے خلاف

وَ انۡظُرۡ اِلٰۤی اِلٰـهِکَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ عَلَیۡهِ عَاکِفًا ؕ

نہ ہوگا۔ اور دیکھ اپنے ٹھاکر کو جس پر سارے دن لگا بیٹھا تھا۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِی الۡیَمِّ نَسۡفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَاۤ اِلٰـهُکُمُ

ہم اس کو جلا دیں گے، پھر بکھیریں گے دریا میں اڑا کر۔ تمہارا صاحب

اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۹۸﴾

وہی اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ سب چیز سما گئی ہے اس کی خبر میں۔

موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی اور گوسالہ پرستی کا واقعہ

قال اللّٰہ تعالٰی وَمَآ اَعۡجَلَکَ عَنۡ قَوۡمِکَ یٰمُوۡسٰی.... الیٰ... وَسِعَ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا۔

القصہ جب فرعون غرق ہوگیا[1] تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ استدعا کی کہ ہمارے لیے کوئی دستورِ ہدایت اور قانونِ شریعت چاہیے کہ ہم اس پر چلیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بارے میں حق تعالیٰ سے درخواست کی، حق تعالیٰ نے توریت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا کہ ہم تم کو ایسی کتاب عطا کریں گے۔ جس میں احکام شریعت جمع ہوں گے اور یہ حکم دیا کہ ستر علماء اپنے ہمراہ لے کر کوہ طور پر آئیں تاکہ وہ اس کرامت کا جلوہ دیکھیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جگہ پر ہارون ؑ کو چھوڑ اور ستر علماء کو لیکر کوہ طور کی طرف متوجہ ہوئے جب وہ کوہ طور کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام شدتِ شوق سے بے تاب ہوگئے اور ان سب سے پہلے سبقت کرکے آگے پہنچ گئے اور ان کو یہ سمجھا گئے کہ تم پہاڑ پر آجانا۔

[1] مطلب یہ ہے کہ توریت فرعون کے غرق کے بعد عطا ہوئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًی۔ (دیکھو کتاب النبوات ص ۱۵۷)

اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا۔

اور اے موسیٰ جلدی کرکے اپنی قوم سے پہلے آجانے پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار وہ میرے پیچھے ہی پیچھے آرہے ہیں کچھ زیادہ دور نہیں اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو مجھ سے اور زیادہ خوش ہو جائے۔ اس لیے میں نے بصد شوق و رغبت تیری طرف عجلت اور مسارعت کی تاکہ مزید تیرے قرب اور رضا اور کرامت کا سبب بنے اس عجلت اور سبقت سے میرا مقصود اپنی بڑائی نہیں بلکہ تیری مزید خوشنودی مقصود ہے اور نہ یہ عجلت۔ قوم سے غفلت اور بے اعتنائی کی بنا پر ہے۔ وہ سب میرے پیچھے پیچھے میرے نشان قدم پر چلے آرہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰؑ! یہ خاص گروہ اگرچہ تمہارے پیچھے پیچھے تمہارے نشانِ قدم پر چلا آرہا ہے۔ مگر تمہاری وہ قوم جن پر تم ہارونؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کرکے چھوڑ آئے ہو وہ تمہارے نشانِ قدم سے منحرف ہوگئی۔ حق جل شانہ کا اس سوال مَآ اَعۡجَلَكَ سے مقصود ہی یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس فتنہ کی خبر دیں جو ان کی مفارقت کے بعد پیش آیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

پس تحقیق ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے چلے آنے کے بعد فتنہ اور آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور در ظاہر اسباب میں سامری نے ان کو گمراہ کیا ہے۔ یعنی اصل فتنہ اور ابتلاء تو من جانب اللہ ہے اور گمراہی کا ظاہر سبب اور واسطہ سامری ہے کہ اس نے گوسالہ ایجاد کیا اور بنی اسرائیل کو اس کی عبادت پر آمادہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارونؑ کو اپنا جانشین کر گئے تھے اور یہ ہدایت فرما گئے تھے کہ ان کو توحید اور ہدایت پر قائم رکھنا۔ سامری موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کا ایک منافق تھا ہر وقت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اس نے چاندی سونے کا ایک بچھڑا ڈھال لیا۔ اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے بنی اسرائیل اس کو پوجنے لگے اور آزمائش میں پورے نہ اُترے سوائے بارہ ہزار کے سب گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ اور بعض کہتے ہیں اس کا نام ہارون تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے جاتے ہی سارے بنی اسرائیل کے گمراہ کرنے کی فکر میں پڑ گیا تھا۔ بالآخر اس نے یہ فتنہ کھڑا کیا جس پر بنی اسرائیل مفتون ہوگئے۔

پس موسیٰ علیہ السلام اس فتنہ کی خبر سُنکر چالیس دن کی مدت پوری کرکے توریت لینے کے بعد اس خبر وحشت اثر کی وجہ سے غصہ اور غم میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کو ڈانٹنے اور دھمکانے لگے۔ اور کہا اے میری قوم کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا اور سچا وعدہ نہیں کیا تھا یعنی خدائے تعالیٰ نے مجھے کوہ طور پر بلا کر تمہارے لیے توریت اور شریعت عطا کرنے کا وعدہ

کیا تھا جس میں تمہارے دین اور دنیا کی عزت اور شرافت اور کرامت تھی۔ اس کا انتظار کیوں نہ کیا۔ اور نہ میری واپسی کا انتظار کیا اور جلد بازی کرکے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ تو کیا اس عہد اور وعدہ کی مدت اتنی طویل اور دراز ہوگئی تھی کہ تم صبر نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے توریت دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ کیا تھا۔ بعد میں دس رات کا اور اضافہ ہوگیا تو یہ لوگ کہنے لگے تھے۔ اب تک کیوں نہیں آئے اور سامری کے کہنے سے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ ایسی تاخیر تو نہیں ہوگئی تھی جس سے تم بالکل ناامید ہوگئے یا تم نے یہ ارادہ کر لیا کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی غضب نازل ہو۔ اس لیے تم نے اس بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ تمہاری گوسالہ پرستی کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ میری مفارقت کا عرصہ طویل ہوگیا اور تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے۔ اس لیے تم میرے عہد کو (جو میں نے تم سے خدا کی توحید پر قائم رہنے کا لیا تھا۔ اور تم نے مجھ سے اس کا وعدہ کیا تھا) وہ بھول گئے۔ اور یا تم نے یہ چاہا کہ تم کوئی ایسا فعل کرو جس کی وجہ سے تم پر خدا کا غضب نازل ہو اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں نہیں پس بتلاؤ کہ آخر اس گوسالہ پرستی کا کیا سبب ہے۔ پہلی بات کا نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ مجھے تم سے جدا ہوئے صرف چالیس دن کا زمانہ گزرا ہے۔ کوئی طویل مدت نہیں گزری اور دوسری بات کا نہ ہونا بھی ظاہر ہے کہ جس کسی کو ذرہ برابر بھی سمجھ ہوگی۔ وہ کبھی بھی غضب الٰہی کا خواہشمند نہیں ہو سکتا پس نتیجہ یہ نکلا کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ چلتے وقت تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کے واپس آنے تک اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں گے بتلاؤ وہ وعدہ کہاں گیا۔ گوسالہ پرست یہ عتاب سنکر نادم ہوئے اور گوسالہ پرستی سے الگ ہوگئے اور یہ ہیبت ناک عتاب سنکر ایسے عذر کرنے لگے جو قابل سماعت نہیں۔ کہنے لگے کہ ہم نے اپنی قدرت اور اختیار سے تیرے عہد اور وعدہ کا خلاف نہیں کیا۔ یعنی یہ حرکت ہم نے از خود نہیں کی بلکہ سامری نے ہم سے کرائی اگر ہم اپنے حال پر چھوڑ دیئے جاتے اور سامری یہ دام تزویر ہمارے سامنے نہ بچھاتا تو ہم کبھی آپ کے وعدہ کے خلاف نہ کرتے اس کمبخت نے ایسا جال بچھایا کہ ہم نہ اسکو روک سکے اور نہ اپنے کو روک سکے ایسا طمع کیا کہ ہم اپنے اختیار سے باہر ہوگئے اور چونکہ ہم بے عقل اور باؤلے تھے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس لیے ہم اس شعبدہ کو دیکھ کر بے قابو ہوگئے اور اس فتنہ میں مبتلا ہوگئے ولیکن بات یہ ہوئی کہ ہم پر قوم فرعون کے زیوروں کے بوجھ لاد دیئے گئے تھے۔ اور کم عقلی کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم ان کا کیا کریں۔

پس سامری کے کہنے سے ہم نے ان زیوروں کو آگ کے گڑھے میں ڈال دیا۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلنے لگے تو انہوں نے یہ حیلہ بنایا کہ ہم اپنی عید میں جاتے ہیں اس حیلہ اور بہانہ سے بنی اسرائیل نے قبطیوں سے ان کے چاندی اور سونے کے زیورات مستعار (عاریت پر) لیے تاکہ ان کو یقین آجائے کہ بنی اسرائیل کا مقصود فقط شادی اور عید ہی میں جانا ہے اور یہ حیلہ اس لیے کیا تھا کہ بغیر اس حیلہ کے

فرعونی ان کو مصر سے نکلنے نہ دیتے۔ یہ مانگے ہوئے زیور بنی اسرائیل کے پاس موجود تھے۔ مگر چونکہ یہ زیورات ان کے لیے حلال نہ تھے اس لیے وہ ان کو اپنے اوپر گناہ اور بوجھ سمجھتے تھے اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ سامری نے ہم کو یہ مشورہ دیا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلائی جائے اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ تمام زیورات جو تمہارے پاس ہیں ان سب کو آگ میں جلا دو تاکہ تم پر گناہ اور بوجھ نہ رہے اس لیے ہم نے ان زیورات کو سامری کے کہنے سے آگ کے گڑھے میں ڈال دیا۔ پھر جس طرح ہم نے ڈالا تھا۔ اسی طرح سامری نے بھی جو اس کے پاس تھا آگ میں ڈال دیا۔ پھر سامری نے اُن کے لیے اُن زیورات سے ایک دھڑ نکالا یعنی ایک جسم بے روح نکالا جس میں سے بچھڑے کی سی آواز آتی تھی۔

یعنی سامری نے ان زیورات کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر بچھڑے کا ایک پُتلہ بنا کر نکال لیا۔ جس میں سے گائے کی آواز نکلتی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ اس میں سوائے آواز کے اور کوئی صفت نہ تھی اس آواز کو سن کر یہ لوگ گمراہ ہوئے۔ پھر بعد ازاں سامری اور اس کے متبعین یہ کہنے لگے کہ لے بنی اسرائیل تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے تم اس کی عبادت کرو۔ موسیٰ تو اپنے معبود کو بھول گئے اور اس کی تلاش میں کوہِ طور پر چلے گئے اصل معبود تو ان کا یہ بچھڑا ہے جس میں ان کا معبود حقیقی حلول کر آیا ہے[1]۔

عجیب نادان تھے کہ ایک شعبدہ باز کے کہنے سے یہ یقین کر لیا کہ خداوند قدوس کسی حیوان اور انسان میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوستان کے ہنومان بھی یہ سمجھتے ہیں کہ خداوند قدوس رامچندر اور کرشن اور گائے بیل کے جسم میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک کسی کو اوتار ماننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ معاذ اللہ حق تعالےٰ اس میں حلول کر آیا ہے۔ بہرحال بنی اسرائیل نے ان زیورات کے استعمال کو اپنے لیے حلال نہ سمجھا جو قبطیوں سے مستعار لیے تھے۔ اس لیے گناہ سے بچنے کی صورت یہ نکالی کہ ان کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ لیکن غضب یہ کیا کہ ان کا بت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ آئندہ آیات میں ان کی اس جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں۔ پس کیا وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ بچھڑا نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کو وہ نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور نہ نفع پہنچانے پر۔

مطلب یہ ہے کہ عجب احمق ہیں کہ صرف حیوان کی آواز پر ایمان لے آئے اور ایسے اندھے بنے کہ ان کو یہ نظر نہ آیا کہ یہ بچھڑا نہ تو بول سکتا ہے اور نہ نفع اور ضرر پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ تو فرعون سے زیادہ عاجز ہے۔ یہ کیونکر معبود ہو سکتا ہے۔ اور یہ لوگ جیسے اندھے ہو گئے تھے۔ ویسے ہی بہرے بھی ہو گئے تھے۔

---

[1] قال الامام الرازی لعلّھم کانوا من الحلولیۃ فجوزوا حلول الالٰہ او حلول صفۃ من صفاتہ فی ذٰلک الجسم وان ھٰذا فی غایۃ البعد۔ (تفسیر کبیر صفحہ ج ۶)

موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا مگر ایسے بہرے بنے کہ ایک نہ سُنی چنانچہ فرماتے ہیں۔

البتہ تحقیق ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے طور پر سے لوٹنے سے پہلے ہی بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا۔ اے میری قوم اصل بات یہ ہے کہ تم اس گوسالہ کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو۔ یہ سب فتنہ اور ابتلاء ہے اور سراسر گمراہی کا سامان ہے۔ اس بچھڑے کے پتلے کا معبود اور خدا ہونا محال اور ناممکن ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا پروردگار خدائے رحمٰن ہے جس کی رحمت اور نعمت تمام عالم کو محیط ہے۔ اس کو اپنا معبود بناؤ پس اس رب رحمٰن کی عبادت میں تم میری پیروی کرو۔ اور میرا حکم مانو۔ وہ بولے جب تک موسیٰ ہمارے پاس نہ آئے تو ہم اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے۔ یعنی جب تک موسیٰ واپس نہ آجائے اس وقت تک ہم یہی کرتے رہیں گے۔ البتہ ان کے واپس آنے کے بعد دیکھا جائے گا جو اس وقت مناسب ہوگا وہ کریں گے۔ ہارون علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر کسی طرح نہ مانے بالآخر کنارہ کش ہوگئے ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو عجب طرح سے نصیحت فرمائی اوّل تو ان کو باطل پر متنبہ کیا اور کہا اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ یعنی یہ فتنہ ہے اس سے دور رہو دوم ان کو اللہ کی معرفت کی طرف متوجہ کیا اور کہا وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ یعنی تمہارا معبود وہ ہے جس کی رحمت تمام عالم کو محیط ہے۔ نہ کہ یہ بچھڑا۔ سوم ان کو نبوت کے اتباع کی دعوت دی فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ چہارم ان کو اتباع شریعت کی دعوت دی۔ اور یہ فرمایا وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِیْ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کی نصیحت کو قبول کریں گے۔ جب تک موسیٰ واپس نہ آئیں ہم اسی طریقہ پر قائم رہیں گے۔

جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے اور قوم کو بچھڑے کا طواف کرتے دیکھا تو غصہ میں بھر گئے اور اپنے داہنے ہاتھ سے حضرت ہارونؑ کے سر کے بال پکڑ لیے اور بائیں سے ڈاڑھی۔ اور کہا اے ہارون جب تو نے ان کو گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو کون سا امر تجھ کو مانع ہوا کہ تو میری پیروی نہ کرے۔ یعنی تجھ کو چاہیئے تھا ان اہل ضلال سے جہاد و قتال کرتا یا میرے پاس کوہ طور پر چلا آتا۔ پس تو نے میرے حکم کے خلاف کیا اور ان گمراہوں سے مقابلہ اور مقاتلہ نہ کیا۔

ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں کے بیٹے نہ میری ڈاڑھی پکڑ اور نہ میرا سر میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نصیحت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن قوم نے مجھ کو ضعیف اور کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ تحقیق میں ان سے مقابلہ اور مقاتلہ بھی کرتا۔ لیکن مجھ کو ڈر یہ ہوا کہ آپ آکر یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو یاد نہ رکھا۔ یا یہ معنی ہیں کہ میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب ہارون علیہ السلام پر عتاب فرمایا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے نہایت محبت آمیز لہجہ میں اپنا بے خطا اور بے قصور ہونا اس طرح بیان کیا کہ اے میرے بھائی آپ کوہ طور پر جاتے وقت مجھے یہ

نصیحت کر گئے تھے۔ اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ۔ یعنی اے ہارونؑ تم میری نیابت کرنا اور قوم کے کام کو درست رکھنا اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ مفسدوں کا تلوار سے مقابلہ کرنا اور اصلاح نام ہے جماعت کی نرمی کے ساتھ نگہبانی کا اس لیے میں نے ان کو گوسالہ پرستی سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ اور ہرچند اصلاح کی کوشش کی مگر شنوائی نہ ہوئی اور مجھ کو یہ ڈر ہوا کہ اگر میں ان کا مقابلہ کروں یا اُن کے درمیان سے نکل جاؤں اور ان کو بالکل چھوڑدوں تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کچھ لوگ میرے ساتھ ہوجائیں گے۔ اور کچھ مجھ سے علیحدہ ہوجائیں گے۔ تو بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ اور عجب نہیں کہ یہ تفرقہ باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کا سبب بنے اور خدا پرستوں اور گوسالہ پرستوں میں جنگ وجدال کی نوبت آئے اور پھر ان کو سنبھالنا دشوار ہوجائے اس لیے مجھے ڈر ہوا کہ آپ آکر مجھے یہ الزام نہ دیں کہ تو نے قوم میں تفرقہ کیوں ڈال دیا۔ اور میرا انتظار کیوں نہ کیا۔

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں۔

"موسیٰ علیہ السلام چلتے وقت ہارون علیہ السلام کو نصیحت کر گئے تھے کہ سب کو متفق رکھیو۔ اس واسطے انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ نہ کیا (فقط) زبان سے سمجھایا پر وہ نہ سمجھے" (موضح القرآن)

ہارون علیہ السلام کے اس جواب سے موسیٰ علیہ السلام پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ہارون علیہ السلام بے قصور اور بے گناہ ہیں۔ اس لیے ان کا عذر قبول کیا اور اپنے لیے اور اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کی۔ بعد ازاں سامری کی طرف متوجہ ہوکر کہا پس کیا حال ہے تیرا اے سامری۔ یعنی تو نے یہ نامعقول حرکت کیوں کی۔ وہ بولا میں نے وہ چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ سو میں نے فرستادۂ خداوندی یعنی روح القدس کی سواری کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر خاک اٹھالی۔ پھر میں نے اس مشتِ خاک کو اس قالب کے اندر ڈال دی تو وہ زندہ ہوکر بولنے لگا اور اس میں یہ آواز پیدا ہوگئی۔ اسی طرح میرے جی نے یہ بات بنائی۔ اور اس بارہ میں میں نے اپنی نفسانی خواہش کا اتباع کیا۔ اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ سامری نے یہ جواب دیا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ وہ یہ کہ جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ان کے تعاقب میں پہنچا تو اس حالت میں جبرئیل امینؑ دونوں جماعتوں کے درمیان کھڑے ہوگئے تاکہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں اور جبرئیل امینؑ اس وقت فرس الحیوٰۃ پر سوار تھے سامری نے اس وقت کسی دلیل سے یا کسی وجدان سے یا کسی قرینہ سے سمجھ لیا کہ یہ جبرئیلؑ ہیں۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی اور یہ سمجھا کہ اس میں حیاۃ کا مادہ ہے اس لیے کہ جس مٹی پر جبرئیلؑ کے گھوڑے کا سُم پڑتا تھا وہ سبزہ ہوجاتی تھی۔ اس لیے اس کے دل میں یہ آیا کہ یہ مشت خاک جس چیز پر ڈالی جائے گی وہ زندہ ہوجائے گی۔ اس بنا پر اس نے اول زیورات کو آگ میں ڈالا۔ جس سے وہ پگھل گئے پھر اس کے دل میں یہ بات آئی کہ اس پتلے پر وہ مشتِ خاک ڈال دے۔ مشتِ خاک کا ڈالنا تھا کہ اس پتلہ سے آواز نکلنے لگی بنی اسرائیل

اس کرشمہ کو دیکھ کر مفتون ہوگئے جمہور صحابہ کرامؓ و تابعین سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے۔
(دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۴۳ ج ۱۱ و تفسیر ابن جریر صفحہ ۱۴۷ ج ۱۶ و تفسیر کبیر صفحہ ۹۹ ج ۶ و روح المعانی صفحہ ۲۴۹ ج ۶)

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب فرعون بچوں کو قتل کراتا تھا تو سامری کی ماں اس کو غار میں چھپا کر ڈال آئی کہ ذبح سے محفوظ رہے اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ سے اس کی پرورش کرائی اس لیے سامری حضرت جبریلؑ کو اس صورت سے پہچانتا تھا۔

غرض یہ کہ سامری نے زیورات کو گلا کر بچھڑے کا قالب بنایا اور وہ مٹی اس میں ڈال دی تو وہ بولنے لگا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ سونا تو کافروں سے ملا ہوا مال تھا جو ان سے فریب سے لیا تھا۔ اس میں مٹی پڑی برکت کی تو حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا۔ کہ جاندار کی طرح روح اور آواز اس میں پیدا ہوگئی ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہیئے اسی سے بت پرستی بڑھتی ہے۔
(کذا فی موضح القرآن بتوضیح)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تیری سزا یہ ہے کہ تو دور ہو جا اور ہم میں سے نکل جا۔ پس اس دنیاوی زندگی میں تیرے قتل کا حکم تو نازل نہیں ہوا۔ البتہ اس دنیاوی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو یہ کہتا پھرے "لا مساس" کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا یعنی جس کو دیکھے تو اس سے تیرا یہ کلام ہو لا مساس نہ مجھے چھونا اور نہ میرے پاس آنا اور نہ میں تم کو چھوؤں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو یہ سزا دی کہ بے اختیار وہ زندگی بھر اسی حال میں رہے۔ اس لیے نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا اور نہ اس کو کوئی اور اگر وہ کسی کو چھوتا یا کوئی اس کو چھوتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا اور اگلے روز اسی وقت اترتا۔ اس کے بیوی بچے بھی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اس سے خلط ملط نہ رکھیں اور نہ اس کے قریب جائیں۔ اور نہ اس سے بات کریں دنیا میں اس سے بڑھ کر وحشت ناک اور عبرت ناک سزا نہیں ہوسکتی یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے معجزہ تھا کہ دنیا میں اس کا یہ حال ہوا اب آخرت کی سزا کو بیان کرتے ہیں۔ اور اے سامری بلاشبہ تیرے لیے اس دنیاوی سزا کے علاوہ ایک اور سزا کا وعدہ ہے۔ جو تجھ سے ہرگز خلاف نہ کیا جائے گا۔ اس سے آخرت کے عذاب کا وعدہ مراد ہے جس میں ہرگز خلاف نہ ہوگا اور وہ تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ یہ تو تیری سزا ہوئی اب اپنے خود ساختہ معبود کا حال دیکھ اور اپنے اس معبود کی طرف ایک نظر اٹھا کر دیکھ جس کا تو معتکف اور مجاور بنا ہوا تھا۔ ہم ضرور اس کو آگ میں جلا دیں گے پھر ریزہ ریزہ کرکے اس کی راکھ کو دریا میں اڑا دیں گے کہ نہ اس کا عین باقی رہے گا اور نہ اثر وہ معبود نہیں ہوسکتی۔ جز ایں نیست تمہارا معبود صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا علم ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے۔ کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں یعنی خدا وہ ہے جس کا علم محیط اور غیر محدود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو اس سورت میں ھَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى سے شروع ہوا وہ یہاں تک آکر تمام ہوا اور یہ آیت اسی قصہ کا اخیر ہے۔

لطائف ومعارف

سحر سحر کے معنی لغت میں امر خفی اور پوشیدہ چیز کے ہیں اور اصطلاح میں اس عجیب و غریب شئے کو کہتے ہیں کہ جس کی حقیقت اور کیفیت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت واقعیہ ہے یا محض نظربندی اور شعبدہ بازی ہے۔ معتزلہ اور متکلمین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں بلکہ سحر ایک بے حقیقت ملمع کاری کا نام ہے جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ امام ابو اسحاق اسفرائنیؒ اور ابوبکر رازیؒ کی یہی رائے ہے کہ سحر سے کسی شئے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدل جاتی بلکہ خلاف واقعہ اس کی صورت متغیر ہو جاتی ہے۔

اور جمہور علماء کے نزدیک سحر محض تخییل اور نظربندی کا نام نہیں بلکہ بسا اوقات واقع میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو باذن الٰہی بسا اوقات اثر بھی کرتی ہے۔ اور یہی صحیح ہے اور ظاہر قرآن اور حدیث اس پر دلالت کرتا ہے۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ سحر کے اقسام ہیں بعض میں شئی کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے اور بعض میں حقیقت نہیں بدلتی شعبدہ بازی بھی ایک قسم کا سحر ہے۔

اور آج کل جو مسمریزم نکلا ہے وہ بھی ایک قسم کا شعبدہ ہے جو قوتِ خیالیہ کا اثر ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سحر محض خیال بندی کا نام ہے اور واقع میں اس کی حقیقت نہیں ہوتی وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى۔

جواب یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر کی تمام اقسام محض تخییل اور نظربندی ہوں بلکہ جس سحر کی خدا تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے وہ خیال بندی تھا کہ اُن کی لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ (تفصیل کے لیے فتح الباری صـ ۱۰۲ ۱۰۷ دیکھیں)

معجزہ معجزہ اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور دنیا اس کے مقابلہ سے اور اس کے مثل لانے سے عاجز ہو۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ نبی کا فعل نہیں ہوتا۔ جسے دیکھ کر بالبداہت یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ امر منجانب اللہ ہے اور قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے جو مادی اسباب اور عقل سے بالاتر ہے اور برتر ہے اور سحر جادوگر کا ایک فعل ہوتا ہے جو اس کے ارادہ اور اختیار سے ظاہر ہوتا ہے نیز سحر ایک فن ہے جس کے اصول

اور قواعد مدوّن ہیں۔ جو اس فن کو سیکھ لے گا وہ جادو کر سکے گا۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ کوئی فن نہیں جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہو سکے۔ اور نہ وہ نبی کا کوئی اختیاری فعل ہے جس کو نبی اپنے ارادہ و اختیار سے کر سکے۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کہ جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی سُنّت اور عام عادت کے خلاف بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر اپنی قدرت کا کرشمہ ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ اس کی نبوت و رسالت کی دلیل ہو اور لوگ دیکھتے ہی اس کو یہ سمجھ لیں کہ یہ اللہ کا فعل ہے اور قدرت بشری کے دائرہ سے خارج ہے اس کو دیکھتے ہی بالبداہت نبی کی صداقت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

پس معجزہ اللہ کے قہر اور قدرت کا ایک نمونہ ہوتا ہے اس کے غلبہ اور رعب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ عقل دلائل عقلیہ کا کچھ مقابلہ کر سکتی ہے مگر معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

سحر اور معجزہ میں فرق

۱۔ ہمارے اس گزشتہ بیان سے سحر اور معجزہ کا باہمی فرق واضح ہو گیا کہ سحر ایک فن ہے جو تعلیم و تعلم سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ اللہ کا فعل ہے جس میں کسی تعلیم و تعلم کو دخل نہیں۔

۲۔ نیز سحر اگرچہ ظاہر نظر میں بلا کسی سبب کے معلوم ہوتا ہے لیکن درپردہ اس کے اسباب خفیہ ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس میں اسباب طبعیہ کو بالکل دخل نہیں ہوتا۔

نیز جادو ہمیشہ بدکار اور نکمے کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کی صورت اور چہرہ ہی سے یہ نظر آجاتا ہے کہ یہ کوئی خدا کا نیک کردار اور دنیا اور حرص اور طمع سے بری اور بیزار بندہ ہے۔

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور
در دل ہر امتی کز حق مزہ است
روئے و آوازِ پیمبر معجزہ است

حکایت مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر و معجزہ

عارف رومیؒ نے مثنوی دفتر سوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں دو جادوگروں کی ایک عجیب حکایت نقل کی ہے جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا

ہے کہ اس حکایت کو ہدیۂ ناظرین کریں۔ خلاصۂ حکایت یہ ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور اس کو دعوت دی کہ ہم دونوں بھائی یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول ہیں تو ہم پر ایمان لا اور معجزۂ عصا دکھلایا تو فرعون بولا یہ تو جادو ہے۔ اور میرے ملک میں بھی بہت جادوگر ہیں ہم تیرے اس جادو کا جادو سے مقابلہ کریں گے۔ اس بنا پر فرعون نے اپنے ملک کے تمام جادوگروں کے جمع کرنے کا حکم دے دیا۔ تاکہ سب مل کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ ملک مصر میں دو نوجوان جادوگری میں بہت مشہور تھے۔ ان کے پاس بادشاہ نے یہ پیغام دے کر ایک قاصد کو روانہ کیا کہ بادشاہ پر ایک مصیبت آپڑی ہے اس کے دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ اور وہ مصیبت یہ ہے کہ میرے شہر میں دو فقیر (موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام) آگئے ہیں اور انہوں نے بادشاہ اور اس کے قلعہ پر حملہ اور بلّہ بول دیا ہے اور ان دونوں فقیروں کے پاس سوائے ایک عصا (لاٹھی) کے کچھ نہیں اور وہ عصا نہایت عجیب و غریب ہے جو ان کے حکم سے اژدہا بن جاتا ہے ان ہر دو فقیروں کے مقابلہ سے بادشاہ کا لشکر عاجز آگیا ہے۔ قاصد نے بادشاہ کا یہ پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ بادشاہ نے یہ کہا ہے کہ اگر تم اس مصیبت کے دفع کرنے میں کوئی تدبیر کرو تو تم کو اس صلہ میں بہت انعام ملے گا۔

یہ دونوں جادوگر اس پیغام کو سُنکر اپنی ماں کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں ہمارے بابا کی قبر بتا تاکہ ہم اس کی روح سے کچھ ضروری بات دریافت کر سکیں ماں ان کو ان کے باپ کی قبر پر لے گئی وہاں ان دونوں جوانوں نے فرعون کے نام کے تین روزے رکھے۔ بعد ازاں باپ سے کہا کہ اے بابا بادشاہ کا ہمارے پاس یہ پیغام پہنچا ہے کہ ان دو درویشوں نے مجھ کو پریشان کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے مجھ کو بے آبرو کر دیا ہے اور عجیب درویش ہیں کہ ان کے پاس سوائے عصا کے کوئی ہتھیار نہیں اور سارا شور و شر اسی لاٹھی میں ہے۔ اے بابا آپ سچوں کے ملک میں گئے ہیں اگرچہ بظاہر مٹی میں سوتے ہیں مگر وہاں کے حال سے واقف ہیں آپ ہم کو ان درویشوں کی اصل حقیقت سے آگاہ فرمائیں اگر ان کا یہ عصا جادو ہے تو یہ بتلا دیجئے اور اگر کوئی کرشمۂ ایزدی ہے تو یہ بتلا دیجئے تاکہ ہم بھی اسی خدا کے مطیع ہو جائیں اور کیمیا سے مل کر کیمیا بن جائیں ہم اس وقت ناامیدی کی حالت میں ہیں شاید کوئی امید نظر آجائے اور ہم ضلالت کی شب تاریک میں ہیں شاید کوئی آفتاب ہدایت طلوع ہو کر آئے اور اس کی روشنی میں ہم کو راہ حق نظر آجائے۔

مُردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو خواب میں جواب

آئندہ شب وہ مردہ جادوگر اپنے بیٹوں کو خواب میں نظر آیا اور ان کے سوال کا یہ جواب دیا کہ اے میرے بیٹو میں اس کام کی اصل حقیقت سے پورا آگاہ ہوں۔ مگر مجھ کو صاف طور پر کہنے کی اجازت نہیں لیکن تم کو ایک نشان بتائے دیتا ہوں اس سے تم اصل حقیقت کا پتہ لگا لینا۔ وہ یہ کہ تم دونوں جاؤ اور ان دونوں

درویشوں کی خواب گاہ کو تلاش کرو کہ وہ کہاں سوتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا پاؤ تو اس کے عصا (لاٹھی) کے چرانے کی کوشش کرنا۔ پس اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لینا کہ یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جادوگر ہیں اور سحر اور جادو کا توڑ تو تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ تم بھی سحر میں کامل اور ماہر ہو۔

اور اگر تم اس عصا کو نہ چرا سکے تو سمجھ لینا کہ وہ کوئی طلسم اور شعبدہ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ دونوں اللہ کے فرستادہ اور ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ان کی نبوت کی قطعی نشانی ہے کہ سونا تو درکنار اگر ان کی وفات بھی ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو بلند فرمائے گا اور وہ کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ بیٹا جاؤ یہ سچی نشانی ہے جو میں نے تم کو بتائی ہے۔ تم اسے دل پر نقش کر لو۔ دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ ایک درخت کے نیچے پڑے سو رہے ہیں۔ اور عصا قریب ہی رکھا ہے دونوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا۔ اور عصا چرانے کے لیے آگے بڑھے یکایک عصا نے حرکت کی اور اژدہا بن کر ان پر حملہ کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر دونوں بھاگ نکلے۔

مولانا بحر العلومؒ شرح مثنوی صفحہ ۴۹ ج ۳ صفحہ ۵۰ دفتر سوم میں فرماتے ہیں کہ مولانائے رومؒ نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح کیا ہے وہ یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ رسول کی غفلت کی حالت میں بھی باقی رہتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ سحر ساحر کا فعل ہے اور اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہوا تو سحر اور اس کا اثر بھی ختم ہوا۔ جادوگر جب سو جاتا ہے تو اس کے جادو کا کوئی رہبر باقی نہیں رہتا۔ اس لیے وہ سحر معطل اور بے کار ہو جاتا ہے جیسا کہ چرواہا جب سو جاتا ہے تو بھیڑیا نڈر ہو جاتا ہے بخلاف معجزہ کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس کو وہ محض اپنی قدرت سے نبی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی صداقت کی نشانی بنے اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ و نگہبان ہوتا ہے۔ نبی کی غفلت اور عدم غفلت کو معجزہ کے بقاء اور عدم بقاء میں کوئی دخل نہیں۔ عصا کا سانپ بن جانا اور اس کے مارنے سے دریائے نیل میں راستے پیدا ہو جانا یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا کہ کس طرح عصا مارنے سے دریا میں بارہ راستے بن جائیں گے معجزہ بیشک نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اس کا ظہور اللہ کے ارادے اور اختیار سے ہوتا ہے نبی کے ارادہ اور اختیار کو اور اس کی طاقت بشریہ کو اس میں دخل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات رسول کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ ؎

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

اطلاع سحر اور معجزہ کے فرق کو اس ناچیز نے اپنی کتاب علم الکلام اور اصول اسلام میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے حضرات اہل علم ان دونوں کتابوں کی مراجعت کریں، انشاء اللہ تعالیٰ ماقل ودل کا مصداق پائیں گے۔ اور اگر اس ناچیز کو دعاء مغفرت سے نواز دیں تو زہے نصیب۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ

یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو، احوال سے ان کے جو پہلے گذرے۔ اور ہم

اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ

نے دیا تجھ کو اپنے پاس سے ایک پڑھنا۔ جو کوئی منہ پھیرے اس سے، سو اٹھاوے گا

يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ

دن قیامت کے ایک بوجھ۔ پڑے رہیں گے اس میں۔ اور برا

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَ

ہے ان پر قیامت میں بوجھ اٹھانے کا۔ جس دن پھونکیں گے صور میں، اور

نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ

گھیر لاویں گے ہم گنہگاروں کو اس دن نیلی آنکھیں۔ چپکے چپکے کہیں آپس میں

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

دیر نہیں ہوئی تم کو مگر دس دن۔ ہم کو خوب معلوم ہے جو کہتے ہیں،

اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾

جب بولے گا ان میں اچھی راہ والا، تم کو دیر نہیں لگی مگر ایک دن۔

اثبات رسالت محمدیہ تہدید معاندین وترہیب از عذاب آخرت

قال اللہ تعالیٰ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ... الیٰ ... اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا۔

(ربط) یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا ماجرا ختم ہوا جو از اوّل تا آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کی دلیل اور برہان تھا۔ اب ان آیات میں رسالت محمدیہ کا اثبات فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اے نبی ہم آپ کو اس قرآن میں گزشتہ زمانے کے حالات سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ یہ آپ کی نبوت ورسالت کی اور اس قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہو۔ اور آپ کے لیے باعث تسلی ہو اور منکرین

اور معاندین کے لیے موجب تہدید و عبرت ہو۔ اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن جو ہم نے آپ کو عطا کیا ہے وہ آپ کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہے۔ جو لوگ اس قرآن سے اعراض کرتے ہیں قیامت کے دن ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ عصا کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزۂ قرآن کا ذکر فرماتے ہیں۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن بمنزلہ عصائے موسیٰ کے ہے کہ افعال کفریہ کو نگل جائے گا۔

اے رسول ما تو جادو نیستی

صادقی ہم خرقۂ موسیٰستی

اے ہمارے رسول آپ جادو نہیں بلکہ آپ سچے ہیں اور موسیٰؑ کے ہم خرقہ اور ہم مشرب ہیں ؎

ہست قرآن مر ترا ہمچو عصا

کفرہا را در کشد چوں اژدھا

یہ قرآن آپ کے لیے عصاء موسیٰؑ کی طرح ہے کفر کے تمام سانپوں کو نگل جائے گا۔

تو اگر در زیر خاکے خفتۂ

چوں عصائش داں تو آنچہ گفتۂ

اگر آپ زیر خاک بھی خواب استراحت فرمائیں گے تو یہ قرآن عصائے موسیٰؑ کی طرح آپ کے دین کا پاسبان اور نگہبان ہوگا۔

آپ موسیٰؑ کے بھائی ہیں آپ کا آغاز اور انجام انہی کی طرح ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی جس طرح ہم نے آپ کے سامنے موسیٰؑ کا قصہ بیان کیا۔ اسی طرح ہم آپ کے سامنے گزشتہ حوادث کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ آپ کو تسلی ہو اور آپ کی اُمت کے لیے عبرت اور نصیحت ہو اور سمجھیں کہ گزشتہ پیغمبروں کے کافروں کے ساتھ خدا تعالےٰ کا کیا معاملہ رہا ہے۔ اور تحقیق ہم نے تجھ کو اپنے پاس سے ایک کتاب نصیحت و ہدایت دی ہے۔ جو شخص اس قرآن سے اعراض کرے گا۔ یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو وہ قیامت کے دن بلاشبہ کفر اور معصیت کا بڑا بھاری بوجھ اٹھا کر لائے گا۔ درآنحالیکہ اس بوجھ کی سزا میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ اور وہ اُن کے واسطے قیامت کے دن بہت ہی بڑا بوجھ ہوگا جو اُن پر لدا ہوگا۔ اور قیامت کا دن وہ دن ہوگا۔ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ جس سے مردے زندہ ہوں گے۔ اور ہم اس دن مجرموں کو یعنی کافروں کو جو اس قرآن کی تکذیب کرتے تھے میدان قیامت میں ایسی حالت میں جمع کریں گے کہ اُن کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

مطلب یہ ہے کہ اس دن مجرمین کی علامت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور چہرے سیاہ ہوں گے۔ اوّل اوّل ایسے بدصورت ہوں گے اور بعد میں اندھے ہو جائیں گے اور اس وقت اس قدر خوف زدہ ہوں گے کہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ تم لوگ دنیا میں یا قبروں میں دس رات سے زیادہ نہیں رہے۔

"صور" ایک سینگ ہے جس میں پھونک مار کر لوگوں کو حشر کے لیے بلایا جائے گا۔ وہ دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ میں تمام دنیا فنا ہو جائے گی اور دوسری دفعہ پھونکنے سے تمام زندہ ہو جائیں گے۔ اور دونوں نفخوں کے درمیان ۴۰ سال کا فاصلہ ہوگا۔ یہاں نفخہ سے مراد نفخۂ دوم ہے۔ اس روز جب کافر زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ان کی آنکھیں نیلی اور منہ کالے ہوں گے۔ اور اُن پر پیاس غالب ہوگی اور بد حواس ہوں گے۔ اور دنیا کے طویل وعریض قیام کو یہ خیال کریں گے کہ ہم دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب ان میں کا بہتر طریق والا یعنی ان میں پوری عقل والا یہ کہے گا کہ نہیں ٹھہرے تم دنیا میں مگر ایک روز یعنی اگر ہم کو پہلے سے اس کا علم ہوتا تو اس فانی کو ترک کرتے اور اس باقی کو اختیار کرتے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾

اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال، سو تو کہہ ان کو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ

پھر کر چھوڑے گا زمین کو پٹپڑ میدان۔ نہ دیکھے تو اس میں موڑ نہ

اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ

ٹیلا۔ اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے، ٹیڑھی نہیں جس کی بات اور

خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

دب گئیں آوازیں رحمٰن کے ڈر سے، پھر نہ تو سنے مگر بھس بھسی آواز۔

يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے،

وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا

اور پسند کی اس کی بات۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور

خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ

پیچھے اور یہ قابو میں نہیں لاتے اس کو دریافت کر کر۔ اور گرتے ہیں منہ آگے اس

لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ

جیتے ہمیشہ رہتے کے اور خراب ہوا جس نے بوجھ اُٹھایا ظلم کا ۔ اور جو

يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا

کوئی عمل کرے کچھ بھلائیاں اور وہ یقین رکھتا ہو سو اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا

وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ

اور نہ دبانے کا ۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا اور

صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ

پھیر پھیر سنایا اس میں ڈر کا شاید وہ بچ چلیں یا ڈالے ان کے

يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا

دل میں سوچ ۔ سو بلند درجہ اللہ کا اس سچے بادشاہ کا اور تو

تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ

جلدی نہ کر قرآن لینے میں جب تک نہ پورا ہو چکے اس کا اُترنا اور کہہ

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

اے رب ! مجھ کو بڑھتی دے بوجھ ۔

منکرینِ آخرت اور مکذبینِ رسالت کے ایک سوال کا جواب

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ .... الیٰ ... وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں منکرینِ آخرت کے ایک سوال کا ذکر کرتے ہیں کہ منکرینِ آخرت بطور تمسخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ پوچھتے تھے کہ اچھا اگر قیامت قائم ہوئی تو بتلاؤ کہ اس دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست و نابود ہونا ناممکن تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب دیا کہ خداوند عالم ان کو خاک کرکے اڑا دے گا

چنانچہ فرماتے ہیں اور سے نبی یہ لوگ آپ سے قیامت کا حال سن کر بطور استہزاء یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو اس دن پہاڑوں کی کیا حالت ہوگی اور اس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے۔

پس سے نبی آپ بے تامل ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دے گا۔ اور ان کو پراگندہ کر دے گا پوری طرح پراگندہ کرنا یہ سوال قبیلۂ ثقیف کے ایک شخص نے کیا تھا۔ پھر ان پہاڑوں کے نیچے کی زمین کو صاف میدان بنا دے گا پس اے دیکھنے والے تو اس میں نہ کوئی کجی دیکھے گا اور نہ کوئی اونچائی یعنی ٹیلہ اس دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ان کے نیچے کی زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ جس میں اونچائی اور نیچائی کا کوئی نام و نشان نہ رہے گا اور وہ ایسی برابر کر دی جائے گی کہ اگر علم ریاضی و ہندسہ کے ماہرین بھی آلاتِ ہندسہ سے اس کی جانچ پڑتال کریں تو وہ بھی برابری اور ہمواری کی شہادت دیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس روز پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیئے جائیں گے۔ اور زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ اس پر نہ کوئی ٹیلہ اور پہاڑ ہوگا جس پر کوئی مجرم چڑھ کر پناہ لے سکے۔ اور نہ کوئی غار ہوگا جس میں کوئی مجرم چھپ سکے۔ اس روز تمام لوگ خدائی پکارنے والے کی آواز کے پیچھے دوڑیں گے یہ پکارنے والے اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر آواز دیں گے۔

تلے پرانی اور بوسیدہ ہڈیو اور اے متفرق شدہ گوشت کے ٹکڑو خدائے رحمن کے سامنے پیش ہونے کے لیے حاضر ہو جاؤ تمہارے فیصلوں اور حساب کا وقت آ پہنچا ہے۔ اسرافیل کی یہ آواز سن کر لوگ دوڑ پڑیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اس آواز کے اتباع اور پیروی سے کسی کو کجی اور انحراف ممکن نہ ہوگا۔ اسی روز اس آواز پر سب سیدھے دوڑے چلے آئیں گے۔ دائیں بائیں نہ جھکیں گے۔ اگر دنیا کا ماجرا ہوتا تو انحراف ممکن تھا۔ لیکن آج اس آواز کی پیروی سے انحراف ممکن نہیں اور اس دن ہیبت کے مارے رحمٰن کے لیے تمام آوازیں پست ہوں گی سوائے پیروں کی آہستہ آواز کے کچھ نہ سن سکے گا۔ نہایت خاموشی کے ساتھ میدان حشر کی طرف جائیں گے۔ اس روز کسی کو کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی مگر جس کو یا جس کے لیے رحمٰن نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور پسند کیا ہو۔ شفاعت کے بارے میں اس کا بولنا اور بات کرنا تو اس روز اس کی سفارش چلے گی۔ اور نفع دے گی۔ یا یہ معنی ہیں کہ اس دن شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی مگر جس کے لیے اور جس کے واسطے رحمٰن نے اذن دیا اور جس کی بات سے اللہ راضی ہوا۔ بات سے مراد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا یعنی ایمان لایا۔ اور اسی پر مر گیا اگرچہ اس کے گناہ ہوں تو اس کو انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت نفع دے گی۔

حاصل یہ کہ جو مسلمان ہو وہ لائق شفاعت ہے اگرچہ گنہگار ہو۔ کافر کے حق میں کوئی سعی اور سفارش نہیں چلے گی۔ شفاعت کے لیے شافع اور مشفوع لہ دونوں کا مسلمان ہونا شرط ہے اور شفاعت کے لیے اجازت کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ شافع کو معصیت کا نہ مبدا معلوم ہے اور نہ منتہیٰ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے اگلے اور پچھلے احوال کو اس کا علم تمام خلائق کو محیط ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون لائق شفاعت ہے اور

کون نہیں اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد کون نکالے جانے کے قابل ہے اور کون نہیں اور تمام مخلوقات علم کے اعتبار سے اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں کہ وہ کسی کے بارے میں لیاقت اور عدم لیاقت کا حکم لگا سکے۔ اس لیے اس روز بغیر اجازتِ خداوندی کے کوئی کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گا۔ اور اس دن تمام چہرے اس حیّ وقیوم کے سامنے پست اور ذلیل اور عاجزی کرنے والے ہوں گے۔ اس دن حکومت اور سلطنت صرف اللہ کی ہوگی۔ حیّ کے معنی ایسے زندہ کے ہیں کہ جو کبھی نہ مرے اور قیوم کے معنی جو ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حشر کے دن سب کے چہرے خدائے عزّوجل کے سامنے عاجز اور سرافگندہ ہوں گے۔ اور اس روز یہ چہرے دو قسم کے ہوں گے۔

قسم اوّل کافروں کے چہرے ایسے ہوں گے۔ جن کی بابت ارشاد فرماتے ہیں۔ اور تحقیق نامراد ہوا جس نے ظلم (یعنی کفر اور شرک) کا بوجھ اٹھایا۔ یعنی جو شخص کفر اور شرک کا بوجھ لے کر میدانِ حشر میں آیا وہ تو خراب اور برباد ہوا۔ اور قسم دوم مؤمنین کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص نیک کام کرے گا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو وہ قیامت کے دن نہ ظلم اور زیادتی سے ڈرے گا اور نہ نقصان اور کمی سے ڈرے گا۔ ظلم اور زیادتی کے یہ معنی کہ اس کے گناہوں میں زیادتی اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور نقصان کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔
مطلب یہ ہے کہ جو گناہ اس نے نہیں کیا ہے اس کا اس سے مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اور جو نیکی اس نے کی ہے وہ ضائع نہیں کی جائے گی۔ ہر ایک ظالم کو بقدر اس کے ظلم کے سزا ملے گی۔ اور ہر مؤمن صالح کو بقدر اس کے ایمان کے اور عمل صالح کے جزا ملے گی۔

اور اے نبی جس طرح ہم نے ان آیات میں قیامت کے احوال اور اہوال کو آپ کے سامنے بیان کیا ہے جو وعد اور وعید کو متضمن ہیں اسی طرح ہم نے اس سارے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تاکہ اہلِ عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعد اور وعید پر ایمان لائیں اور سعادتِ ابدی حاصل کریں۔ اور ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو مکرر سہ کرر بیان کیا ہے۔ تاکہ لوگ متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔ یعنی تقویٰ کا ملکہ ان کے نفس میں راسخ ہو جائے یا کم از کم ان کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا کر دے۔ جو رفتہ رفتہ ان کو تقویٰ اور ہدایت کے مرتبہ تک پہنچا دے اور شاید آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں۔

ذکر کے معنی فکر اور عبرت اور نصیحت کے ہیں اور عبرت اور نصیحت ہدایت کی ابتداء ہے اور ورع اور تقویٰ اس کی منتہا ہے پس اللہ جو بادشاہ حقیقی اور مالک برحق ہے اور وہ بلند اور برتر ہے۔ اس سے کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے امر و نہی اور وعد اور وعید نازل نہ فرمائے اور اپنے مجرموں کو سزا اور اپنے وفاداروں کو انعام نہ دے۔ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں فرق کرنا بادشاہت کے لوازم میں سے ہے اس لیے اس بادشاہ برحق نے اپنے بندوں کی صلاح اور فلاح کے لیے اور ان کے دین و دنیا کی بہبودی کے لیے آپ پر یہ کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم نازل فرمائی تاکہ راہ ہدایت ایسی واضح ہو جائے کہ کسی کو اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بندے اپنی صلاح اور فلاح سے باخبر ہو جائیں اور مجرمین پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔

قرآن کے نازل کرنے کی غرض وغایت یہی ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں۔ اور اسکی معصیت سے بچیں اور ایسی کتاب ہدایت اور ایسے قانون شریعت کا نازل کرنا جو دین ودنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہو وہ بادشاہ برحق ہی کا کام ہے کہ جس کی سلطنت کو فنا اور زوال نہ ہو۔ لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اس بادشاہ برحق کے وعدہ پر مطمئن رہو اور اس کی وعید سے ڈرتے رہو کہ اگر ہم نے پیغمبر کی نافرمانی کی تو پہلی امتوں کی طرح ہم بھی تباہ ہوجائیں گے خوب سمجھ لو کہ مالک حقیقی اور بادشاہ نے تم پر مہربانی کی کہ تمہاری صلاح اور فلاح کے لیے یہ قرآن نازل کیا۔

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں یہ بیان کیا ہے کہ ہم اس قرآن میں وعد اور وعید کو مکرر سہ کرر اس لیے بیان کرتے ہیں کہ بنی آدم کی اصلاح اس پر موقوف ہے اب اسی مناسبت سے آئندہ آیات میں تبعًا واستطرادًا کلام ربانی اور پیام یزدانی کا ادب بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا کلام نازل ہو تو اس کا ادب یہ ہے کہ اس کو سُنا جائے اور سُن کر اس کے معانی میں غور وفکر کیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی اس بادشاہ برحق نے بندوں کے ہدایت کے لیے یہ قرآن آپ پر نازل کیا ہے تو جبریل امینؑ جب آپ کے پاس قرآن کی وحی لے کر آیا کریں تو آپ وحی کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں۔

جبریل امینؑ جب آپ کے پاس قرآن کی وحی لے کر نازل ہوتے تو ابھی وحی پوری نازل نہ ہونے پاتی تھی کہ آپ اثناء نزول ہی میں اس خوف سے کہ کہیں بھول نہ جاؤں جبریل امینؑ کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھتے اور اسکو دھراتے تو اللہ تعالیٰ نے آپکو اس کی ممانعت کردی کہ جب تک وحی پوری نہ ہوجائے اور جبریلؑ اسکے پہنچانے سے فارغ نہ ہوجائے اس وقت تک آپ نہ پڑھا کریں اور آپ کو تسلی کردی کہ قرآن کا بتمام وکمال آپ کے سینہ میں جمع کردینا اور لفظ لفظ اس کا محفوظ کردینا یہ ہمارے ذمہ ہے جیسا کہ یہ حکم سورۂ قیامہ میں بھی آیا ہے۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

اور اے نبی آپ اس فکر میں نہ پڑیئے اور ہمارا فرشتہ جب آپ کے سامنے ہماری وحی پڑھے تو آپ اس کو خوب غور سے سنیئے کیونکہ اللہ کے کلام کا حق استماع اور انصات ہے اور جب فرشتہ آپ پر پڑھنے سے فارغ ہوجائے تو بجائے پڑھنے کے وحی پوری ہوجانے کے بعد آپ یہ دعا مانگا کیجیئے۔

اے میرے پروردگار اپنی طرف سے میرے علم اور فہم میں زیادتی کر تاکہ تیرے کلام کے معانی کو اور تیرے احکام کے اسرار اور حکم کو خوب سمجھوں کیونکہ قرآن کے ہر حرف کے نیچے بے شمار علوم ہیں اور جو وحی ہم آپ پر نازل کر رہے ہیں وہ تو ضرور بالضرور آپ پر نازل ہوکر رہے گی۔ اور آپ کے سینہ میں ضرور محفوظ ہوکر رہے گی۔ آپ اس کی فکر نہ کیجئے زیادتی علم کے فکر کیجئے۔ نظم قرآن کے کلمات اور حروف محدود اور متناہی ہیں۔ اور اس کے علوم غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور علم کی زیادتی اور ترقی میں حفظ بھی آگیا۔ کیونکہ زیادتیِ علم کی دعا ایسی جامع دعا ہے جو سب کو شامل ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ معانی کا سمجھنا الفاظ کی یاد ہونے پر موقوف ہے۔ اس لیے زیادتی علم۔ زیادتی حفظ کو بھی شامل ہے۔

سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا علم برابر زیادہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات

پائی ۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ جب یہ آیت پڑھتے تو یہ دعا کرتے اللّٰھم زدنی علماً و ایماناً و یقیناً اے اللہ میرے علم میں اور میرے ایمان میں اور میرے یقین میں زیادتی فرما کر ہر لحہ علم اور معرفت اور ایمان اور ایقان میں اضافہ اور ترقی ہوتی رہے اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھم انفعنی بما علمتنی وعلمنی ما ینفعنی وزدنی علماً والحمد للہ علی کل حال اور ایک حدیث میں اس دعا کے اخیر میں اتنا لفظ اور زیادہ آیا ہے۔

وَاعوذ باللّٰہِ من حال اھل النار۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ

اور ہم نے تقید کر دیا تھا آدم کو اس سے پہلے

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ وَإِذْ قُلْنَا

پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت ۔ اور جب کہا ہم نے

لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ ﴿١١٦﴾

فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نہ مانا ۔

فَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا

پھر کہہ دیا ہم نے اے آدم ! یہ دشمن ہے تیرا اور تیرے جوڑے کا ، سو

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ ﴿١١٧﴾ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ

نکلوا نہ دے تم کو بہشت سے پھر تو تکلیف میں پڑے گا ۔ تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو

فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴿١١٨﴾ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا۟ فِيهَا وَلَا

اس میں اور نہ ننگا ۔ اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اس میں نہ

تَضْحَىٰ ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ ٱلشَّيْطَٰنُ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ هَلْ

دھوپ ۔ پھر جی میں ڈالا اس کے شیطان نے کہا اے آدم ہیں

اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا

بتاؤں تجھ کو درخت سدا جینے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو ۔ پھر دونوں

مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

کھا گئے اس میں سے پھر کھل گئیں اُن پر ان کی بُری چیزیں اور لگے گانٹھنے اپنے اوپر

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ

پتے بہشت کے اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا ۔ پھر

اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا

نوازا اس کو اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اور راہ پر لایا ۔ فرمایا اُترو یہاں

مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ

سے دونوں اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن ۔ پھر کبھی پہنچے تم کو

مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا

میری طرف سے راہ کی خبر پھر جو چلا میری بتائی راہ پر نہ وہ بہکے گا نہ وہ

يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً

تکلیف میں پڑے گا ۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گذران

ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ

تنگی کی اور لاویں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا ۔ وہ کہے گا اے رب

لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ

کیوں اٹھا لایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھتا ۔ فرمایا

كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ

یوں ہی پہنچیں تجھ کو ہماری آیتیں پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو

تَنْسٰی ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ

بھلا دیں گے۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اس کو جس نے ہاتھ چھوڑا اور یقین نہ

بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۲۷﴾

لایا اپنے رب کی باتیں، اور پچھلے گھر کا عذاب سخت ہے اور بہت دیر رہنا۔

ذکرِ قصہ سیدنا آدم علیہ السلام برائے تنبیہ معترضین مستکبرین

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ ... الیٰ ... وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں اعراض عن الذکر کی سزا اور اس کے بُرے انجام کا ذکر تھا اب حضرت آدم علیہ السلام کا اور شیطان کا قصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اعراض اور استکبار کس درجہ قبیح چیز ہے نیز اس قصہ کے ذکر سے اولادِ آدم کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اولادِ آدم کو چاہیے کہ اپنے اور اپنے باپ کے قدیمی دشمن سے ہشیار رہیں مبادا کہ غفلت سے اس کے دھوکہ میں آجائیں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رتبہ بہت بلند تھا۔ اس لیے ان سے بھول چوک پر بھی مواخذہ ہوا ؎

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی مشکل ہے سوا

اولادِ آدم کو چاہیئے کہ اگر کسی وقت شیطان کی تسویل اور تغریر سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو باپ کی طرح توبہ اور استغفار سے اس کی تلافی اور تدارک کریں شیطان کی طرح اپنے قصور کی تاویلیں نہ کریں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیت میں علم و حکمت کی زیادتی کی دعا کی تلقین تھی اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ علم کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بدون تکبر کے علم کے موافق عمل بھی کیا جائے اس لیے آئندہ آیات میں حضرت آدمؑ کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

کہ علم کی زیادتی نے آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائک بنایا اور تکبر نے ابلیس کو مردود اور ملعون بنایا چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے پہلے ہی سے آدم سے عہد لے لیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھانا اور یہ بتلا دیا تھا کہ یہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ پس وہ ہمارے اس عہد کو بھول گئے اور شیطان کی قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ ابلیس کے وسوسہ سے ان کی طبیعت نرم پڑ گئی اور ان کا عزم سست پڑ گیا عہد کی پوری حفاظت نہ کر سکے اور دل اس پر مضبوط نہ رہا۔ اس لیے نسیان واقع ہوا۔ (یا یہ معنی ہیں کہ: اس بارے میں ہم نے آدم کا قصد اور ارادہ نہیں پایا۔ یعنی قصداً ان سے یہ صورت واقع نہیں ہوئی بلکہ خطاءً ایسا ہو گیا اور ان کا ارادہ خلافِ حکم کرنے کا نہ تھا۔ بھول سے اور دھوکہ سے ایسا ہو گیا۔ عزم کے معنی لغت میں مضبوطی اور پختگی کے بھی آتے ہیں اور

قصد و ارادہ کے بھی آتے ہیں اس لیے آیت میں دونوں معنی درست ہیں اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ ہم نے آدمؑ کو اپنا خلیفہ بنایا ہے سو تم اس کے لیے سجدۂ تعظیم و تکریم بجا لاؤ تاکہ تمہارا یہ سجدۂ تعظیمی و تکریمی اس کی علامت ہو کہ تم خلیفہ خداوندی کی اطاعت اور تائید اور تقویت میں کوئی کمی نہ کریں گے سجدۂ عبادت تو سوائے اللہ رب العزت کے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ یہ سجدہ۔ سجدۂ عبادت نہ تھا بلکہ سجدۂ تحیت تھا جو انبیاءؑ سابقین کی شریعتوں میں جائز رہا۔ اور خاتم الانبیاءؐ کی شریعت میں منسوخ ہو گیا۔ جیسے بہن بھائی کا نکاح حضرت آدمؑ کی شریعت میں جائز تھا اور اب منسوخ ہو گیا۔

پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ہم نے آدمؑ سے کہا بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ جیسا کہ تم نے اس کی عداوت اور حسد کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور ہم تمہاری ہی وجہ سے اس کو اپنی بارگاہ سے نکال رہے ہیں۔ پس تم اس سے ہوشیار رہنا۔ کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے یہ تمہارا دشمن ہے اور تمہارے جنت سے نکالنے کی فکر میں لگا ہوا ہے پس ایسا کام نہ کرنا جس سے جنت سے نکلنا پڑے۔ پھر تم دنیا کی مشقتوں میں پڑ جاؤ۔ اور بیوی بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اس کا بوجھ بھی تم پر پڑے گا یعنی جنت سے تو دونوں ہی نکلو گے مگر ساری مشقت تم پر پڑ جائے گی۔ کیونکہ بیوی کی تمام ذمہ داری شوہر ہی پر ہوتی ہے اس آیت میں فَتَشْقٰٓی سے آخرت کی شقاوت مراد نہیں بلکہ دنیا کا تعب اور اس کی مشقت مراد ہے۔ اس لیے کہ دنیاوی رزق یعنی بھوک اور پیاس کے دفعیہ کے لیے کاشت کاری اور آٹا پیسنا اور روٹی پکانا درکار ہے جو بغیر مشقت اور محنت کے ممکن نہیں اور یہاں آپ کو بلا مشقت اور بلا محنت اللہ کا رزق ملتا ہے۔ اس لیے کہ جنت میں تیرے لیے تمام نعمتیں اور راحتیں ہیں۔ جنت میں تو نہ کبھی بھوکا رہے اور نہ ننگا ہو سکتا ہے اور یہ کہ نہ تو اس میں پیاسا ہو اور نہ دھوپ کی تکلیف اٹھاوے۔

غرض یہ کہ کھانے اور پینے اور غذا اور قیام اور طعام اور لباس کے سب آرام تجھ کو یہاں حاصل ہیں۔ اگر یہاں سے نکالا گیا تو دنیاوی رزق اور غذا کے حصول کے لیے تجھ کو بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ چنانچہ ابلیس نے یہ کہا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشہ رہنے کا درخت نہ بتلا دوں کہ جو کوئی اس میں سے کھا لیوے وہ کبھی نہ مرے اور کیا میں تم کو ایسی بادشاہت اور سلطنت نہ بتلا دوں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو۔ یعنی جس کو کبھی زوال نہ ہو یعنی اگر تو اس درخت سے کھا لے گا تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور تیری سلطنت کبھی زائل نہ ہوگی۔ شیطان نے اس طرح سے حضرت آدمؑ کو دھوکہ دیا اور شجرۃ الخلد کے نام سے ان کو فریب دیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر تم نے اس درخت سے کھا لیا تو تم کو جنت کا دوام اور خلود حاصل ہوگا۔ جب شیطان نے خدا کی قسم کھا کر حضرت آدمؑ سے یہ کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔

پس اس طرح اس کے بہکانے سے دونوں نے اس درخت سے کھا لیا۔ جس کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور جنت کے دائمی عیش و عشرت کے شوق و رغبت نے اس ممانعت کو بھلا دیا۔ پس اس کے کھاتے ہی دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئے یعنی اس درخت کے کھاتے ہی بہشتی لباس تو اتر گیا اور دونوں ننگے ہو گئے اور گھبرا کر اپنے

اور جنت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے اور حیران رہ گئے کہ دم کے دم میں یہ کیا ہوگیا۔ اور اس طرح شیطان کے دھوکے میں آکر آدمؑ شجرۂ ممنوعہ کو شجرۃ الخلد سمجھ بیٹھے۔ اور بھولے سے اپنے پروردگار کی نافرمانی اور خلاف حکم کر بیٹھے۔ پس اس طرح وہ راہ صواب سے ہٹ گئے اور لغزش کھا گئے۔ قدم تو اٹھایا تھا خلود اور دوام کے لیے وہ پھسل کر دوسری طرف جا پڑا جس مقصد کے لیے کھایا تھا وہ پورا نہ ہوا اور بجائے خلود کے اور دوام کے جنت سے اترنا پڑا۔

(یا یہ معنی ہیں)

کہ پس اس شجرۂ ممنوعہ کے کھانے سے ان کی عیش مکدر ہوگئی اور جنت کا عیش و آرام سب ختم ہوگیا۔

(یا یہ معنی ہیں)

کہ پس وہ اس درخت میں سے کھا کر اپنے مقصد میں ناکام ہوگئے ان کا مقصد اس درخت کے کھانے سے یہ تھا کہ ان کو جنت کا خلود اور دائمی قیام حاصل ہو جائے۔ مگر اس درخت کے کھانے سے مقصد پورا نہ ہوا بلکہ جنت سے اترنا پڑا۔

جاننا چاہیے کہ غوٰی کے معنی جو غوایت سے مشتق ہے وہ کلام عرب میں مختلف معانی میں مستعمل ہوا ہے۔

۱۔ غوٰی کے معنی لغت میں گمراہی اور راہِ صواب سے بہک جانے کے بھی آتے ہیں۔

۲۔ اور غوٰی کے معنی عیش کے فاسد اور مکدر ہونے کے بھی آتے ہیں۔

قال ابن الجوزی فی قولہ تعالٰی فغوٰی قولان (احدھما) ضل عن طریق الخلد حیث ارادہ من قبل المعصیۃ والثانی فسد علیہ عیشہ لان معنی الغیّ الفساد کذا فی زاد المسیر صفحہ ۳۲۹ ج ۵ وھکذا فی روح المعانی صفحہ ۲۷۴ ج ۱۶۔

۳۔ اور غوایت کے معنی خیبت اور ناکامی کے بھی آتے ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے۔ ؎

فمن یلق خیرا یحمد الناس امرہ
ومن یغو لا یعدم علی الغی لائما

جو شخص نیک کام کرے تو لوگوں کو اس کی تعریف کرتا ہوا پائے گا۔ اور جو کوئی اپنے مقصد میں ناکام ہو جائے تو ناکامی پر ملامت کرنے والے کو معدوم نہیں پائے گا۔

غرضیکہ لفظ غوایت تین معنوں میں مستعمل ہوتا ہے آیت میں ہر معنی کا مراد لینا صحیح ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور کوئی معنی بھی عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔ اور لفظ غوٰی سے پہلے جو لفظ عصٰی حضرت آدمؑ کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ خود قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت آدمؑ کا یہ فعل سہواً و نسیاناً تھا قصداً اور عمداً نہ تھا۔ کما قال تعالٰی فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ سہواً و نسیاناً بھول کر ایک کام خلاف حکم الٰہی کر بیٹھے۔ معاذ اللہ انہوں نے قصداً حکم الٰہی کی مخالفت نہیں کی۔ لہٰذا حضرت آدمؑ کی طرف عصیان کی نسبت

محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے ورنہ درحقیقت یہ فعل لغزش تھا معصیت نہ تھا کما قال اللہ تعالیٰ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ چونکہ انبیاء کرامؑ کا مقام بہت بلند ہے۔ اس لیے اُن سے ذرا سی بھول چوک پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔[1]

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی مشکل ہے سوا

معصیت کے معنی لغت میں خلاف حکم کسی کام کرنے کے ہیں اور وہ کبھی عمداً اور قصداً ہوتا ہے اور اصل معصیت اور گناہ ایسا ہی فعل ہے جو قصداً ہو اور کبھی عمداً اور قصداً نہیں۔ یہ درحقیقت معصیت اور گناہ نہیں بلکہ غلطی اور لغزش ہے۔ اس کو صورۃً معصیت کہہ دیا جاتا ہے یہاں آیت میں دوسرے معنی مراد ہیں۔

نکتہ ابن قتیبہؒ کہتے ہیں کہ عَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى کہنا تو جائز ہے مگر آدمؑ کو عاصی اور غاوی کہنا جائز نہیں کیونکہ عاصی اور غاوی عرف میں اسی شخص کو کہا جاسکتا ہے کہ جو فعل معصیت کا عادی اور خوگر ہوگیا ہو مثلاً اگر کوئی شخص اپنے کپڑے کو خود ایک بار سی لے تو یہ کہنا تو صحیح ہے کہ خاط فلان ثوبہ فلاں شخص نے اپنا کپڑا سی لیا مگر اس کو خیاط (درزی) کہنا صحیح نہیں۔ جب تک وہ کپڑا سینے کو اپنا پیشہ نہ بنالے۔ اور لوگوں میں اس پیشے کے ساتھ معروف و مشہور نہ ہوجائے اور ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ سے یہ فعل ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ سرزد ہوا اور وہ بھی بھول سے ہوا قصداً و ارادۃً نہیں کیا۔ اور جو شخص ساری عمر میں کوئی ایک کام غلطی اور بھول چوک سے کر گزرے تو اس کو عاصی اور غاوی نہیں کہا جاسکتا۔ عاصی اس وقت کہا جائے گا جب کوئی کام دیدہ و دانستہ حاکم کے حکم کے خلاف کرے اسی طرح حضرت آدمؑ کی نسبت یہ کہنا تو جائز ہے کہ انہوں نے خدا کی ایک نافرمانی کی مگر ان کو نافرمان کہنا کفر ہے۔ حضرت آدمؑ سے جو لغزش ہوئی اور بھول چوک سے جو خطا صادر ہوئی اس کو محض ظاہری صورت کے اعتبار سے معصیت کہا گیا ورنہ درحقیقت وہ معصیت نہ تھی بلکہ درحقیقت وہ زلّت و لغزش تھی جس کے معنی بھول چوک اور غفلت سے قدم پھسل جانے کے ہیں کہ شیطان نے ان کو دھوکہ دے کر ان کا قدم پھسلا دیا جانا چاہتے تھے خلود و دوام کی راہ پر دشمن نے ان کو ایسا دھوکہ دیا کہ قدم دوسری طرف جا پڑا کما قال اللہ تعالیٰ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ نیز حق جل شانہٗ کے اس ارشاد فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى سے مفہوم ہوتا ہے کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی نہی تحریم کے لیے نہ تھی کہ اس درخت سے کھانا قطعاً حرام ہے بلکہ بربنائے شفقت و رحمت تھی کہ دیکھو اس درخت سے کھانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم طرح طرح کے تعب اور مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

بہرحال حضرت آدمؑ کی یہ لغزش معمولی اور حقیر تھی۔ مگر بساط قرب و جوار رحمت میں واقع ہونے کی وجہ

---

[1] قال ابن قتیبة فنحن نقول فی حق آدم عصی و غوی کما قال اللہ تعالیٰ عز وجل ولا نقول آدم عاص وغاو کما نقول الرجل قطع ثوبہ وخاطہ۔ قد قطعہ وخاطہ ولا نقول هذا خیاط حتی یکون معاوداً لذلک الفعل معروفاً بہ۔ کذا فی زاد المسیر ص ۳۲۹ ج ۵ اور تفصیل کے لیے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر ص ۱۲۷ دیکھیے

سے بڑی ہوگئی اور اسی وجہ سے خطاب اور عتاب تمام تر آدم علیہ السلام کو کیا گیا۔ اور حضرت حوّاؑ کو اس میں شریک نہیں فرمایا اس لیے کہ وہ حضرت آدمؑ کے تابع تھیں۔ اور اسی وجہ سے عصیان اور غوایت کی نسبت صرف آدمؑ کی طرف کی گئی اور حضرت حوّاؑ کو اس میں شریک نہیں کیا گیا۔

پھر جب آدمؑ نے بصد ہزار گریہ وزاری اور بصد ہزار ندامت و شرمساری اپنی لغزش سے توبہ اور معذرت کی تو ان کے رب نے ان کو نوازا اور پہلے سے زیادہ ان کو مقبول[۱] اور پسندیدہ بنایا۔ پھر اپنی خاص الخاص رحمت اور عنایت سے ان پر متوجہ ہوا اور کلمات توبہ کی ان کو تلقین فرمائی کما قال اللہ تعالیٰ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ۔ اور ان کی توبہ قبول کی اور ان کو راہ پر لایا یعنی لغزش کی وجہ سے جو قدم راہ سے ہٹا تھا اس کو راہِ ہدایت پر ایسا ثابت اور مستقیم کردیا کہ پھر مدۃ العمر شیطان ان کو کوئی دھوکہ اور فریب نہ دے سکا۔ لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین یعنی مؤمن کامل شیطان کے سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا حضرت آدمؑ کو زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا اس سے پہلے ابلیس سے ان کو واسطہ نہ پڑا تھا۔ ناتجربہ کاری کی بنا پر اور اپنی صاف دلی کی بنا پر اس کے فریب میں آگئے۔ حضرت آدمؑ نے جب یہ دیکھا کہ یہ شخص خدا کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے۔ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ تو ان کو یہ شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا کا نام لیکر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ حضرت آدمؑ کو (کذب) جھوٹ کے معنی تو معلوم تھے مگر انہوں نے اس سے قبل اپنی آنکھ سے کبھی جھوٹ اور جھوٹے کو نہیں دیکھا تھا اس لیے دھوکہ میں آگئے جب معلوم ہوگیا تو توبہ اور معذرت کی۔ اس کی وجہ سے حضرت آدمؑ خدا تعالیٰ کے اور زیادہ مقبول ہوگئے اور ان کی بے مثال گریہ وزاری اور ندامت و شرمساری نے اس بات کو ظاہر کردیا کہ ان کے دل میں کس درجہ حق جل شانہٗ کی محبت اور عظمت سرایت کیے ہوئے ہے۔

الغرض حضرت آدمؑ تو توبہ اور معذرت کی وجہ سے پہلے سے زیادہ مقبول اور محبوب ہوگئے اور شیطان مردود کی امید پر پانی پھر گیا۔ اس مردود نے تو یہ سوچا تھا کہ میری طرح آدمؑ بھی تباہ ہوجائیں مگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ اس کی توقع کے خلاف حضرت آدمؑ کی عجز و زاری اور تذلل اور خاکساری ان کے مزید تقرب کا سبب بن گئی۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں میاں بیوی اکٹھے یہاں سے نیچے اترو بظاہر یہ خطاب خطابِ عتاب تھا مگر درحقیقت خطاب تکمیل و تشریف تھا۔ تاکہ خلافتِ ارضی کا وعدہ پورا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا ہی اس لیے کیا تھا کہ روئے زمین کا ان کو خلیفہ بنایا جائے اس لیے ان کو بہشت سے زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ منصب خلافت پر پہنچیں اور جو لغزش سہواً یا نسیاناً سرزد ہوئی تھی وہ توبہ اور استغفار سے معاف ہوگئی۔ یہاں اِهْبِطَا بصیغۂ تثنیہ آیا ہے اور یہ خطاب حضرت آدمؑ اور حوّاؑ کو ہے اور سورۂ بقرہ و اعراف میں بلفظ جمع یعنی اِهْبِطُوْا

---

[۱] کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔ توبہ بندہ کو اللہ کا محبوب بنا دیتی ہے جس درجہ کی توبہ ہوگی اسی درجہ کی محبوبیت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

آیا ہے اور یہ خطاب آدمؑ وحواؑ اور ابلیس تینوں کو ہے یا خطاب فقط آدمؑ اور حواؑ کو ہے اور صیغہ جمع اس لیے لایا گیا کہ ان دونوں کا وجود ان کی بے شمار ذریت پر مشتمل تھا۔

بہرحال حکم یہ ہوا کہ تم سب مع ابلیس کے جنت سے اترو۔ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ دشمنی کی وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں لوگ اغراض اور معاشی امور میں مختلف ہوں گے۔ اور خوراک اور پوشاک اور مال و دولت اور عزت و وجاہت میں متفاوت ہوں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دوسرے پر حسد کرے گا۔ اور باہم دشمنی ہوگی۔ اندر سے تمہاری شہوات اور نفسانی اغراض تم کو حسد اور عداوت پر آمادہ کریں گی۔ اور باہر سے یہ شیطان تم کو حسد اور عداوت کے داؤ پیچ بتلائے گا۔ اور دنیا میں خوب اُدھم مچے گا۔ اور فتنہ اور فساد برپا ہوگا جس کا علاج سوائے آسمانی ہدایت کے اور حکم خداوندی کی پیروی کے کچھ نہ ہوگا۔ پس ایسی حالت میں جب کہ تم زمین پر ہو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت کا سامان آوے یعنی کتاب اور رسول اور دلائل عقلیہ و نقلیہ تو بصد ہزار شوق و رغبت اور بصد ہزار شکر و امتنان دوڑ کر اس کو لے لینا دنیا کے فتنہ و فساد سے بچنے کی صرف ایک یہی راہ ہے۔ سو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی یعنی رسول کا حکم اور میری نازل کردہ کتاب پر عمل کیا تو وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا اور آخرت میں وہ رنج اور تکلیف نہیں اٹھائے گا اور کسی مشقت میں نہیں پڑے گا۔ اور جس نے میری نصیحت اور ہدایت سے منہ موڑا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خوار ہوا۔ دنیا میں تو اس طرح کہ تحقیق اس کی زندگی تنگ ہوگی۔ راحت اور سکون اور اطمینان سے خالی ہوگی۔ کافر کے دل پر حرص اور ترقی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ دن رات ننانوے کے پھیر میں رہتا ہے اور دولت و عزت و وجاہت کے زوال کے خطرات ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتے ہیں بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ دولت مند جس کو دن رات میں دو تین گھنٹے سونا نصیب ہو جائے جب راحت اور سکون ہی نصیب نہ ہوا تو دولت سے کیا فائدہ ہوا ظاہر میں بیشمار دولت ہے۔ مگر قناعت کی دولت سے دل خالی ہے اور حیرانی اور پریشانی سے لبریز ہے۔ دن رات دفتروں کے چکروں میں اور رشوتوں اور خوشامدوں کی مصیبت میں مبتلا ہے کسی سے جھوٹ بول رہا ہے اور کسی کا جھوٹ سُن رہا ہے کھوپتی اور در بدر پھر رہا ہے لاکھوں چکر لگا چکا ہے۔ مگر ہنوز منزل مقصود دور ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اگر دنیا نہ باشد دردمندیم
دگر باشد بمہرش پائے بندیم
بلائے زیں جہاں آشوب ترنیست
کہ رنج خاطر است ار ہست ورنیست

دنیاوی زندگی میں قلبی سکون اور اطمینان بدون قناعت اور ذکر الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؎

اے قناعت تو نگرم گرداں

کہ وراۓ تو ہیچ نعمت نیست

یہ تو کافر کی دنیاوی زندگی کا حال ہوا اور کافر کی اخروی زندگی کا حال یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم اس کو نابینا اٹھائیں گے۔ یعنی جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اندھا ہوگا۔ اور گونگا اور بہرا بھی ہوگا۔

کما قال اللہ تعالٰی وَ نَحۡشُرُهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡیًا وَّ بُكۡمًا وَّ صُمًّا۔

کافر جب قبر سے اُٹھے گا اس وقت اندھا ہوگا۔ بعد میں اس کا اندھاپن دور کر دیا جائے گا۔ اس وقت وہ کافر یہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دنیا میں بینا تھا۔ اللہ تعالٰے جواب میں فرمائیں گے ہاں دنیا میں تو نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ تیرے پاس ہماری ہدایت کی نشانیاں پہنچیں جو خوب روشن اور واضح تھیں پس تو نے ان کو بھلا دیا۔ اور ان سے منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کر لیں اور باوجود بینائی کے تو ہماری آیات ہدایت اور دلائل قدرت کے دیکھنے سے اندھا بن گیا۔ اور اسی طرح آج تجھ سے تغافل برتا جائے گا۔ یعنی جس طرح تو نے ہماری آیتوں سے اعراض کیا اور ان سے اندھا بنا رہا اور ہم کو بھول گیا۔ اسی طرح ہم آج تیرے ساتھ وہی معاملہ کریں گے۔ جو نہ ہوتے ہوئے اور اندھے بنے ہوئے کے ساتھ ہونا چاہیئے اور جس طرح یہ سزا اس کے جرم کے مطابق دی گئی اسی طرح ہم ہر اس شخص کو اس کے عمل کے مناسب جزا دیں گے۔ جو حد سے گزر گیا اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا۔ تو دنیا میں تو اس کی سزا یہی ہے کہ اس کو معیشت ضنک یعنی تنگ زندگانی میں مبتلا کیا جائے اور عذاب مذکور کے بعد آخرت کا عذاب بہت ہی سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ یعنی دائمی ہے جس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

نکتہ ان آیات میں ذکر خداوندی سے اعراض کرنے والوں کے لیے اوّل دو عقوبتوں کے بعد عذاب آخرت کا ذکر فرمایا اور بتلا دیا کہ وہ عذاب کبھی زائل نہ ہوگا۔ دنیا کی تنگی تو زائل ہو سکتی ہے۔ مگر آخرت کی مصیبت کبھی نہیں مل سکتی اور دوزخ کا عذاب کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

لطائف و معارف

عصمت انبیاءؑ کے مسئلہ کی مفصل تحقیق سورۂ بقرہ کے شروع میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

اب پھر مختصراً چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

۱۔ اہل حق کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرامؑ خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں قصداً و ارادتاً ان سے حق تعالٰے کی نافرمانی ممکن نہیں۔

دلائل سورۃ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکے ہیں۔

۲۔ عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی مداخلت سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہوں اور نفس اور شیطان یہی دونوں چیزیں مادۂ معصیت ہیں اور مادۂ معصیت سے پاک ہونے ہی کا نام عصمت ہے۔

ملائکہ بھی معصوم ہوتے ہیں مگر ان کی عصمت اضطراری ہوتی ہے کہ ان میں شر کا مادہ اور داعیہ ہی نہیں ہوتا بخلاف انبیاء کرامؑ کے کہ ان کی عصمت اختیاری ہوتی ہے اس لیے کہ ان میں بمقتضائے بشریت مادۂ نفسانیت ہوتا ہے مگر حفاظت ربانی اور تائید یزدانی ان کی محافظ اور نگہبان ہوتی ہے کہ مجال نہیں کہ مادۂ معصیت ذرہ برابر ان کو جادۂ اطاعت سے ہٹا سکے یا کوئی ایسی چیز ان سے سرزد ہو سکے جو کہ ان کے دامن عصمت کو آلودہ کر سکے۔ حق جل شانہٗ کی نظر عنایت اور فرشتوں کی محافظت ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہوتی ہے اور ان کا قدم اس احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔

۳۔ انبیاء کرامؑ میں نفوس ہوتے ہیں مگر وہ نفوس قدسیہ ہوتے ہیں اور عصمت و نزاہت میں ملائکہ کے ہم رنگ ہوتے ہیں۔ انبیاء کرامؑ اگرچہ ظاہر میں بشر ہوتے ہیں مگر مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے فرشتوں کے ساتھ متحد ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انبیاء کرامؑ کسی مباح اور جائز امر کا ہوائے نفسانی کی بناء پر ارتکاب نہیں کرتے بلکہ مباح کے اباحت بیان کرنے کے لیے مباح اور امر جائز کا ارتکاب کرتے ہیں جو کہ عین تشریع ہے نبی پر جس طرح فرض کے فرضیت کا بیان کرنا فرض ہے اسی طرح مباح کی اباحت کا بیان کرنا بھی فرض ہے کیونکہ تبلیغ احکام نبی پر فرض ہے۔

بخلاف اولیاء کے کہ وہ بسا اوقات مباحات کو محض اپنی ہوائے نفسانی کی بنا پر بھی کرتے ہیں اس لیے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ معصوم ہیں اور اولیاء محفوظ ہیں۔ ہوائے نفس سے بالکلیہ پاک اور منزہ نہیں بخلاف نبی کے کہ وہ ہوائے نفس سے بالکل پاک اور منزہ ہوتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوْحٰى۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ أَنْ أُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ۔ معاذ اللہ انبیاء کرامؑ ہماری طرح اسیر حرص و شہوت نہیں ہوتے۔ ورنہ خدا تعالیٰ ہم پر ان کی بے چون وچرا اطاعت فرض نہ کرتا۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو خلاصۂ موجودات اور زبدۂ کائنات ہیں ان کو انبیاء کرامؑ کی اقتداء کا حکم نہ دیتا اور یہ ارشاد نہ فرماتا۔ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔

(اطلاع) حضرت آدمؑ کے قصہ کے متعلق سورۃ اعراف کے شروع میں بھی بہت کچھ تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ اس لیے ناظرین کرام سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف دونوں جگہ حضرت آدمؑ کے قصہ کی تفسیر پر نظر ڈال لیں۔

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ

سو کیا سوجھ اُن کو نہ آئی اس سے کہ کتنی کھپا دیں ہم نے پہلے ان سے سنگتیں؟ یہ پھرتے ہیں

فِیْ مَسٰکِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۱۲۸﴾

ان کے گھروں میں اس میں خوب پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔

وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ

اور کبھی نہ ہوئی ایک بات نکل گئی تیرے رب سے تو مقرر ہوتی بھینٹ اور

اَجَلٌ مُّسَمًّی ؕ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ

جو نہ ہوتا وعدہ ٹھہرایا۔ سو تو سہتا رہ جو کہیں اور پڑھتا رہ

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ

خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے

وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

اور کچھ گھڑیوں میں رات کی، پڑھا کر اور دن کی حدوں پر، شاید تو

تَرْضٰی ﴿۱۳۰﴾ وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا

راضی ہوگا۔ اور نہ پسار اپنی آنکھیں اُس چیز پر جو برتنے کو دی ہم نے

بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۬ۙ لِنَفْتِنَهُمْ

ان بھانت بھانت لوگوں کو رونق دنیا کے جیتے۔ ان کے جانچنے کو۔

فِیْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴿۱۳۱﴾ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ

اور تیرے رب کی دی روزی بہتر ہے اور دیر رہنے والی۔ اور حکم کر اپنے گھر والوں کو

بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ

نماز کا۔ اور آپ قائم رہ اس پر، ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی۔ ہم

نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی ﴿۱۳۲﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا یَاْتِیْنَا

روزی دیتے ہیں تجھ کو اور آخر بھلا ہے پرہیزگاری کا۔ اور لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں لے آتا ہم

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ

پاس کوئی نشانی اپنے رب کے؟ کیا پہنچ نہیں چکی ان کو نشانی اگلی کتابوں میں

الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ

کی ۔ اور اگر ہم کھپا دیتے ان کو کسی آفت میں اس سے پہلے،

لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

تو کہتے اے رب کیوں نہ بھیجا ہم تک کسی کو پیغام لے کر، کہ ہم چلتے

اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ

تیرے کلام پر، ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ۔ تو کہہ ہر کوئی

مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ

راہ دیکھتا ہے، سو تم راہ دیکھو آگے جان لوگے کون ہیں سیدھی

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

راہ والے، اور کون سوجھے ہیں راہ ۔

تہدید وتنبیہ اہل غفلت برعدم عبرت

ازہلاک امم سابقہ مع مشاہدۂ آثار ہلاکت دراثنائے سفر تجارت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ... الیٰ.... وَمَنِ اهْتَدٰى.

(ربط) گزشتہ آیات میں غافلین اور معرضین کی عقوبت کا ذکر تھا. کما قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ؕ

اب ان آیات میں غافلین اور معرضین کو تہدید اور تنبیہ کی جاتی ہے کہ کیا تم کو اس بات سے عبرت نہیں ہوئی کہ تم سے پہلے کتنی بستیاں انبیاءؑ سے سرکشی اور اعراض کرنے کی بنا پر تباہ و برباد کی جا چکی ہیں اور تم ملک شام جاتے ہوئے ان کے کھنڈروں پر گزرتے ہو جن کو دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی ہلاکت اور بربادی کی یاد

تازہ ہو جاتی ہے۔ اگر تمہیں عقل ہے تو اس سے عبرت حاصل کرو کہ آیاتِ خداوندی سے اعراض اور غفلت کا اور اس اسراف کا یعنی حد سے گزر جانے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

نیز اس تہدید و تنبیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی بھی مقصود ہے کہ آپ ان معرضین اور غافلین کے اقوال و احوال سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔

چنانچہ فرماتے ہیں پس کیا ان معرضین اور غافلین کو جو اپنے اعراض پر قائم اور مصر ہیں۔ اب تک اس بات نے ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں جیسے قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ وغیرہ جن کے گھروں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ یعنی قریش جب مکہ سے شام کو تجارت کے لیے جاتے ہیں تو اپنے سفر میں جاتے ہوئے قوم ثمود اور قوم عاد کی بستیوں سے گزرتے ہیں اور ان کے اُجڑے کھنڈرات دیکھتے ہیں۔ کیا اس کو دیکھ کر بھی ہدایت نہیں پاتے کہ اپنے کفر اور تمرد سے باز آجائیں۔ بلاشبہ اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں کہ جو خدا اور اس کے رسول سے اعراض کرے اس کا انجام ایسا ہوتا ہے اور اسے نبی یہ لوگ بڑے ہی سخت مجرم ہیں اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب الٰہی اگر فوراً ان کو چمٹ جاتا کلمۂ سابقہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ اتمام حجت کے بعد عذاب نازل کرتے ہیں۔ اور علیٰ ہذا اگر علم الٰہی میں ان کے عذاب کی کوئی میعاد مقرر نہ ہوتی تب بھی ان پر فوراً عذاب آجاتا مطلب یہ ہے ان پر عذاب نازل ہونے سے دو باتیں مانع ہیں ایک تو یہ اللہ تعالیٰ بدون اتمام حجت کے کسی کو عذاب نہیں دیتے اور دوسری بات یہ کہ مجرم قوم کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے اگر اللہ کی طرف سے یہ دو باتیں نہ ہوتیں تو فوراً ناگہانی طور پران پر عذاب آجاتا پس اسے نبی آپ ان مجرمین پر فی الحال عذاب نازل نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ ان کی رنجیدہ باتوں پر صبر کیجئے اور مقرر میعاد اور آخری نتیجہ کا انتظار کیجئے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جو اپنے وقت پر ظاہر ہوگا۔ لہٰذا آپ صبر کیجئے اور لیل و نہار اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہیئے جس میں نماز بھی آگئی۔ طلوع آفتاب سے پہلے۔ یہ نماز فجر ہوئی اور غروب آفتاب سے پہلے یہ نماز عصر ہوئی اور رات کے اوقات میں بھی اللہ کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔ یہ تہجد کی نماز ہوئی اور دن کے اطراف اور جوانب میں بھی اللہ کی حمد و ثنا کیا کرو۔ امید ہے کہ قیامت کے دن آپ اس کے ثواب کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ سے نماز عشاء مراد ہے اور اطراف نہار سے نماز ظہر اور نماز مغرب مراد ہے۔ نماز ظہر اول دن کے طرف آخر میں ہے اور نماز مغرب کا دن کی طرف ہونا ظاہر ہے۔

خلاصۂ کلام کہ آپ دن رات اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیئے اور اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھیئے اور اسے نبی جن چیزوں سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو بہرہ مند کیا ہے ان کی طرف بطریق رغبت و استحسان ہرگز ہرگز اپنی آنکھوں کو دراز نہ کرنا وہ متاع قلیل اور فانی ہے۔ ہم نے ان

کافروں[1] کو دنیاوی زندگی کی رونق اور زیبائش کا سامان دیا ہے جو محض ایک رونق ہے اور چند روزہ آرائش و زیبائش ہے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہم نے ان کو یہ سامان رونق محض آزمانے کے لیے دیا ہے کہ دیکھیں کہ وہ شکر بجالاتے یا ناشکری کرتے ہیں آپ اس فانی اور چند روزہ رونق کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے، اور تیرے پروردگار کا رزق اس فانی اور نمائشی رزق سے کہیں بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کو نبوت و رسالت اور فتوحات عظیمہ سے مشرف کیا اور آخرت کی عزت و کرامت آپ کے لیے ذخیرہ ہے۔ اللہ نے جو نعمت اور کرامت آپ کو عطا کی ہے وہ اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جو اس نے کفار کو دنیا میں دی ہے اور اے نبیؐ ہم نے کافروں کو دنیا میں جو نعمتیں دی ہیں وہ ان کے حق میں نعمت نہیں بلکہ فتنہ اور بلاء ہیں اُن سے ان کی آزمائش مقصود ہے اور اے نبی اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیجئے اور اس طرح اپنے گھر والوں کو آگ سے چھڑا لیجئے کما قال اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا اور خود بھی اس پر قائم اور دائم رہئے۔ حدیث میں ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اس کو (عادت ڈالنے کے لیے) نماز پڑھواؤ ہم تجھ سے کوئی روزی نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم ہی تجھ کو روزی دیتے ہیں۔ یعنی جب تو ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرے گا۔ تو اللہ تجھ کو ایسی جگہ سے روزی دے گا۔ جہاں سے تجھے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں مالک غلاموں سے روزی کماتے ہیں۔ وہ مالک "برحق" بندگی چاہتا ہے اور غلاموں کو روزی آپ دیتا ہے (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ نماز سے خدا کا فائدہ نہیں بلکہ بندوں کا فائدہ ہے کہ نماز کی برکت سے بے غل و غش اور بے خاطر روزی ملتی ہے وہ مولائے برحق تمام عالم کے رزق کا کفیل اور ذمہ دار ہے اور اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ اور نیک انجام اہل تقویٰ کے لیے ہے دنیا اور آخرت کی خوبیاں اور بھلائیاں تقویٰ سے حاصل ہوتی ہیں۔

یہاں تک معرضین اور غافلین کے کچھ اقوال و افعال اور ان کے کچھ احوال کا بیان ہوا۔ اب آگے پھر ان معرضین اور معاندین کے ایک قول کا ذکر فرماتے ہیں۔ وہ یہ ہے اور یہ معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رسول ہمارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے حسب منشاء اپنی نبوت کی کوئی نشانی لے کر کیوں نہیں آتا۔ یعنی جو معجزہ ہم طلب کرتے ہیں وہ معجزہ کیوں نہیں ظاہر کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرماتے ہیں کیا ان لوگوں کے پاس پہلی کتابوں میں کی واضح نشانی اور روشن دلیل نہیں آچکی۔

---

[1] اس ترجمہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا متعنا یا اعطینا مقدر کا مفعول بہ ہے تفصیل کے لیے روح المعانی دیکھیں۔

"صحف اولیٰ" سے توریت اور انجیل اور زبور اور باقی کتب منزلہ مراد ہیں اور ان کتابوں میں آپ کی نبوت کی بشارت موجود ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ تو کیا یہ بات آپ کی نبوت وصداقت کے لیے کافی نشانی نہیں کہ علماء بنی اسرائیل آپ کے چہرہ کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی توریت اور انجیل اور زبور میں خبر دی گئی ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ آپ کی نبوت کے لیے اگلی کتابوں میں آپ کے ظہور کی بشارت کافی ہے جس کے بعد کسی معجزہ کی ضرورت نہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ کیا ان کے پاس قرآن عظیم نہیں پہنچا جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور انبیاء سابقین اور اگلی امتوں کے حال بیان کرتا ہے اور علوم ہدایت پر مشتمل ہے اور عالم کے لیے رحمت اور نعمت ہے جس کی آیتیں دن رات ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ اور اس کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے تو کیا یہ روشن نشانی آپ کی نبوت ورسالت کے اثبات کے لیے کافی نہیں اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور اگر ہم معاندین کو اس قرآن کے نازل کرنے سے پہلے یا اس رسول کے بھیجنے سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو قیامت کے دن یہ کافر یہ کہنے کر لے اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تو ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری ہی آیتوں کا اتباع کر لیتے۔ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اب حیلہ اور بہانے کا وقت بھی ختم ہوا ہم میں سے ہر ایک انجام اور نتیجہ کا منتظر ہے پس تم چندے اسی کا انتظار کرو۔ سو عنقریب یعنی مرنے کے بعد یا قیامت کے دن جان لوگے کہ کون ہیں راہ راست پر چلنے والے اور کون ہے کہ جو منزل مقصود تک پہنچ گیا ہم یا تم واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

آج بتاریخ ۹ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ بروز یکشنبہ بوقت چاشت سورۂ طٰہٰ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔
فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا
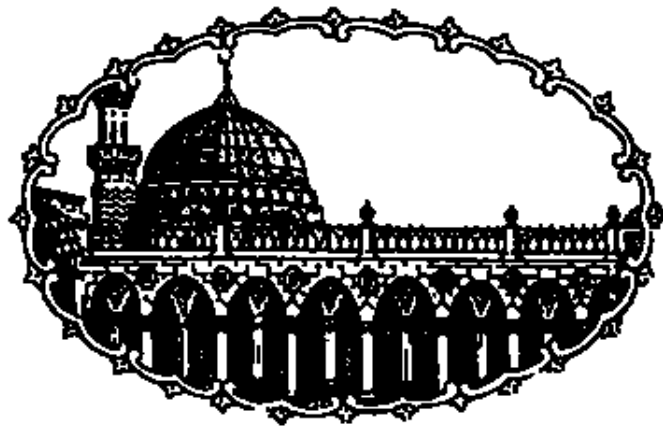
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سُورۃُ الانبیاء

اس سورت کا نام سُورۃُ الانبیاء ہے یہ سورت بالاجماع مکی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس سورت میں سترہ پیغمبروں کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح حق کی تبلیغ کی اور اس کی دعوت دی اور کافروں نے کس طرح ان کو ایذائیں دیں اور انہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر اللہ نے انکو کامیاب فرمایا اور ان کے دشمنوں کا کیا عبرت خیز انجام ہوا اور یہ سورت دلائل توحید اور دلائل رسالت اور دلائل قیامت پر مشتمل ہے جو دین اسلام کے بنیادی اصول ہیں اور انہی مضامین کے اثبات اور تحقیق کے لیے بعض انبیاء سابقین کے واقعات ذکر کیے ہیں اور اس سورت میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

آیاتہا ۱۱۲ — ۲۱ سُوۡرَةُ الۡاَنۡبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ ۷۳ — رکوعاتہا ۷

سورۃ انبیاء مکی ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ

نزدیک آ لگا لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر

مُّعۡرِضُوۡنَ ۝۱ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ

ٹلاتے ہیں۔ کوئی نصیحت نہیں پہنچتی اُن کو ان کے رب سے نئی

اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۝۲ لَاهِيَةً قُلُوۡبُهُمۡ‌ ؕ

مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے۔ کھیل میں پڑے ہیں دل ان کے

وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى ۖ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۖ هَلۡ هٰذَاۤ

اور چھپکے مصلحت کی بے انصافوں نے یہ شخص کون

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ

ہے؟ ایک آدمی ہے تم ہی سا، پھر کیوں پڑتے ہو جادو میں آنکھوں

تُبْصِرُونَ ۝٣ قَالَ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ

دیکھتے۔؟ اس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی۔ یا آسمان میں ہو

وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝٤ بَلْ قَالُوا

یا زمین میں اور وہ ہے سنتا جانتا۔ یہ چھوڑ کر کہتے ہیں

أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ

اڑتے خواب ہیں - نہیں، جھوٹ باندھ لیا ہے - نہیں، شعر کہتا ہے

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝٥ مَا آمَنَتْ

پھر چاہیئے لے آوے ہم پاس کوئی نشانی جیسے پیغام لائے ہیں پہلے۔ نہیں مانا اُن

قَبْلَهُم مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۖ أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝٦

سے پہلے کسی بستی نے جو کھپائی ہم نے اب کوئی یہ مانیں گے۔؟

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۖ

اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے، مگر یہی مردوں کے ہاتھ کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٧ وَ

کو سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے، اگر تم نہیں جانتے - اور

مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا

ایسے بدن نہ بنائے تھے وہ کہ کھانا نہ کھاویں اور نہ تھے

كَانُوا خَالِدِينَ ۝٨ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنجَيْنَاهُمْ

وہ رہ جانے والے۔ پھر سچ کیا ہم نے ان سے وعدہ پھر بچا دیا اُنکو

وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور جس کو ہم نے چاہا اور کھپا دیئے ہاتھ چھوڑنے والے۔ ہم نے اتاری ہے

اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ وَ

تم کو کتاب کہ اس میں تمہارا نام ہے کیا تم کو بُوجھ نہیں۔ اور

كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا

کتنی توڑ ماریں ہم نے بستیاں جو تھی گنہگار۔ اور اٹھا کھڑے

بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا

کیئے انکے پیچھے اور لوگ۔ پھر جب آہٹ پائی ہماری آفت کی

هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝۱۲ ۭ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى

تبھی لگے وہاں سے ایڑ کرنے۔ ایڑ مت کرو اور پھر جاؤ جہاں تم کو

مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝۱۳

عیش ملا تھا اور اپنے گھروں میں شاید کوئی تم کو پوچھے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴

کہنے لگے اے خرابی ہماری! ہم تھے بیشک گناہ گار۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى

پھر یہی رہی ان کی پکار۔ جب تک

جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝۱۵

ڈھیر کر دیئے کاٹ کر بجھے پڑے۔

خبر دادن رب العزت از قرب قیامت برائے تنبیہ اہل غفلت

از محاسبۂ آخرت و تہدید منکرین نبوت و جواب دادن از اعتراضات بر آیات رسالت و آگاہیدن از انجام ظالمین امم سابقہ برائے عبرت و نصیحت

قال اللہ تعالیٰ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ... الی... وَجَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ

(ربط) گزشتہ سورت کے آخر میں ذکر خداوندی سے اعراض کرنے والوں اور آخرت سے غفلت برتنے والوں کی مذمت کا بیان تھا۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ اور اسکے بعد کی آیت وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ میں دنیا کے سامان زیبائش و آرائش پر نظر کرنے کی ممانعت تھی کیونکہ دنیا کی رونق پر نظر کرنا فتنۂ عظیم ہے اور آخرت سے غفلت کا سبب ہے اس لیے ان آیات میں قرب ساعت (یعنی قرب قیامت) کی خبر دیتے ہیں کہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور آخرت کی فکر کریں۔ اور اس کے لیے کچھ تیاری کریں اور انبیاء کی ہدایت پر عمل کریں۔

نیز ان آیات میں منکرین نبوت کو تہدید اور ملامت کرتے ہیں اور ان کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ لوگوں کے لیے حساب کا وقت بہت قریب آلگا ہے یعنی قیامت بہت[عــلہ] قریب آگئی ہے کیونکہ نبی الساعۃ یعنی نبی آخر الزمان مبعوث ہو گئے ہیں جنکا ظہور قیامت کی سب سے پہلی نشانی ہے حدیث میں ہے بعثت انا والساعۃ کھاتین۔ یعنی میں اور قیامت اسی طرح ساتھ بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور آپ نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملایا۔ مطلب یہ تھا کہ میرے اور قیامت کے درمیان اتنا ہی فاصلہ رہے گا جتنا کہ ان دو انگلیوں میں ہے اور وہ ابھی تک غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کی کچھ تیاری نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور اپنے اس اعراض[عــلہ۲] پر قائم ہیں۔ ابو العتاہیہ کا شعر ہے

الناس فی غفلاتہم ⁂ ورحا المنیۃ تطحن۔

عــلہ ترجمہ میں یہ لفظ یعنی "بہت" اس لیے بڑھایا گیا کہ اقترب کے معنی لغت میں زیادہ قریب ہونے کے ہیں کما قال تعالیٰ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ لفظ اقترب میں بہ نسبت قرب کے زیادہ مبالغہ ہے۔

عــلہ۲ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ چونکہ جملہ اسمیہ ہے جو بسا اوقات دوام اور استمرار کے بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا تاکہ دوام اور استمرار کی طرف اشارہ ہو جائے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

(یعنی لوگ اپنی غفلتوں میں پڑے ہوئے ہیں اور حالانکہ موت کی چکی چل رہی ہے اور لوگوں کو پیس رہی ہے۔)

یہ آیت منکرین حشر کے بارے میں ہے مگر اب عام طور پر مسلمان بھی فکر آخرت سے غافل ہیں خاص کر اس جدید تعلیم اور مغربی تمدن نے تو آخرت کے ذکر اور فکر کو ایک مجنونانہ خیال قرار دے دیا ہے اور یہ غفلت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ انکے پاس انکے پروردگار کی طرف سے کوئی جدید اور نئی نصیحت نہیں آتی جو ان کو خواب غفلت سے بیدار کرے مگر وہ اسکو ایسی لاپرواہی کے ساتھ سنتے ہیں گویا کہ کھیل میں لگے ہوئے ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے انکی نصیحت کے لیے ایک آیت کے بعد دوسری آیت آرہی ہے مگر وہ اس سے نصیحت نہیں پکڑتے۔ بہرحال ان کے دل اللہ کی یاد سے اور آخرت کی فکر سے بالکل غافل ہیں۔ ولیکن نبوت ورسالت کے مٹانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور یہ ظالم لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ایسی سرگوشیوں میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی کو خبر نہ ہو ایک دوسرے کے کان میں یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سوائے اسکے کہ تم ہی جیسا ایک معمولی آدمی ہے جو تمہاری طرح کھاتا اور پیتا اور چلتا اور پھرتا رہتا ہے۔ بھلا آدمی اور بشر بھی کہیں نبی اور رسول ہو سکتا ہے۔ ایک مثل کو دوسرے مثل کی طرف رسول بنا کر بھیجنا ترجیح بلا مرجح ہے، پس جب وہ تم جیسا بشر ہے تو تم کس لیے اس کے پاس جاتے ہو۔ اگر خدا کو نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتا اور یہ شخص تم کو جو کرشمے دکھلاتا ہے وہ سب جادو ہے پس کیا تم جادو کے پاس آتے ہو حالانکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ یہ جادو ہے اور یہ شخص تم جیسا آدمی ہے کوئی فرشتہ نہیں۔ اول اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آنکی سرگوشی پر مطلع کیا اور پھر اپنے نبی کو اسکے جواب دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی انکے جواب میں یہ کہا کہ میرا پروردگار آسمان اور زمین کی ہر بات کو خوب جانتا ہے۔ خواہ کیسے ہی چھپا کر کی جائے وہ تو ہر چیز کا سننے والا اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی سرگوشی اور کوئی پوشیدہ بات مخفی نہیں وہ تمہارے مشوروں سے مجھے مطلع کر دیتا ہے اور ان ظالموں نے آپ کو فقط جادوگر کہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ قرآن پراگندہ اور پریشان خوابوں کا مجموعہ ہے یعنی قرآن شریف اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمدؐ نے خواب میں جو خلط ملط باتیں دیکھی ہیں یہ انکا مجموعہ ہے پھر اس پر بھی قائم نہ رہے بلکہ یہ کہنے لگے کہ یہ قرآن تو محمد نے اپنی طرف سے جھوٹ بنا لیا ہے جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں یہ سب اس کے دل کی بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کو اس نے اپنے جی سے بنا لیا ہے۔ پھر خیال آیا کہ محمدؐ نے تو کبھی ساری عمر میں جھوٹ نہیں بولا تو کہنے لگے کہ یہ شخص جھوٹا تو نہیں بلکہ شاعر معلوم ہوتا ہے یہ سب مضامین اس کے شاعرانہ خیالات ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں غرض یہ کہ یہ لوگ حضور پر نور کے بارہ میں حیرت زدہ

حـ یہ لفظ اضغاث اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال تعالیٰ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

تھے کبھی آپؐ کو ساحر کہتے اور کبھی شاعر کہتے اور کبھی مفتری بتلاتے اور کبھی قرآن کو خواب وخیال بتلاتے کما قال تعالیٰ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا - غرض یہ کہ کفار کی یہ رنگ برنگ کی باتیں یا تو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ سب حیرت زدہ ہیں اور حقیقت سے بے خبر ہیں یا اس بات کی دلیل ہیں کہ حق تعالیٰ کو پہچان چکے ہیں مگر سینہ زوری سے اسکو دفع کرنا چاہتے ہیں اس لیے اِدھر اُدھر کی واہی تباہی کر کے حق کو رلانا اور چھپانا چاہتے ہیں پھر آخیر میں یوں کہنے لگے کہ اچھا اگر ایسا نہیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں بلکہ اللہ کے پاس سے رسول ہو کر آیا ہے تو اس شخص کو چاہیئے کہ ہمارے پاس اپنی نبوت اور رسالت کی کوئی ایسی نشانی لے آئے جیسی نشانیوں کے ساتھ پہلے رسول بھیجے گئے تھے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام اونٹنی لائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضا لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے لہٰذا اگر آپؐ بھی اسی قسم کے معجزات ظاہر کردیں گے تو ہم آپؐ کو رسول مان لیں گے اور آپؐ پر ایمان لے آئیں گے مشرکین عرب کا یہ سوال تعنت اور عناد پر مبنی تھا اور ان کی یہ درخواست اس لیے نہیں تھی کہ حسب فرمائش انکو نشانی دکھلا دی جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے کیونکہ اللہ پاک حضور پر نورؐ کو اس قدر نشانات دے چکا تھا کہ وہ انکی ہدایت کے لیے کافی اور وافی تھے۔ انکار کے لیے نئے نئے بہانے نکالتے رہتے تھے یہ ضروری نہیں کہ سارے پیغمبروں کے نشانات ایک ہی قسم کے ہوں۔ اب آگے اللہ تعالیٰ ان کی ان باتوں کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کفار قریش سے پہلے کوئی بستی والے اس قسم کے فرمائشی معجزات کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے اور اس پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہم نے انکو ہلاک کیا کہ منہ مانگے معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے تو کیا مکہ کے یہ ہٹ دھرم ان معجزات کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان کا شبہ تو پھر بھی باقی رہے گا کہ بشر کا رسول ہونا محال ہے اگرچہ وہ کیسی نشانی نہ دکھلا دے یعنی یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں، ان کو خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھلا دی جائیں یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے پس ان کو نشانیاں دکھلانا بے فائدہ ہے اب آگے ان کے اس خیال کو باطل فرماتے ہیں کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے آپؐ سے پہلے کسی کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا مگر جنس بشر سے مردوں کو نبی بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے، کبھی بھی فرشتہ کو رسول بنا کر اور نہ کسی عورت کو نبی بنا کر بھیجا، نبی ہمیشہ مرد ہوئے پس اگر تم نہیں جانتے اور تم کو اس بارہ میں شک ہے تو سابق علماء توریت وانجیل سے دریافت کرلو۔ جن میں ہمیشہ نبی ہوتے رہے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ نے کبھی کسی فرشتہ کو نبی بنا کر نہیں بھیجا جب بھیجا تو بشر ہی کو بھیجا معلوم ہوا کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں بلکہ اللہ کی نعمت ہے کہ تمہاری جنس میں سے رسول بھیجے تاکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے افادہ اور استفادہ میں سہولت ہو۔ ؎

بوئے جنسیت کند جذب صفات

مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ مسلمانوں کی بات پر تو تم کو بھروسہ نہیں تو تم کو چاہیئے کہ علماء اہل کتاب کی طرف رجوع کرو وہ نہ تو اس سے جاہل ہیں اور نہ اسکے منکر ہیں وہ رسولوں کے احوال سے واقف ہیں وہ تم کو

حقیقت حال کی خبر دیں گے اور مشرکین اگرچہ توریت اور انجیل کو نہیں مانتے تھے لیکن انبیاء کا جنس بشر سے ہونا جب نقل متواتر سے اور علماء کی متفقہ شہادت سے ان کے سامنے واضح ہو جائے گا تو عقلاً انکے قبول کرنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ مشرکین مکہ علماء توریت وانجیل کے علم وفضل کے معتقد تھے اور انکی بات پر اعتماد کرتے تھے۔ آئندہ آیات میں پھر اسی شبہ کا دوسرے عنوان سے جواب دیتے ہیں کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے رسولوں کا ایسا جسم نہیں بنایا کہ وہ نہ کھاتے ہوں یعنی وہ فرشتہ نہیں تھے۔ جو کھانے اور پینے سے بے نیاز ہوتے۔ یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے۔ مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ یعنی اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے خلاصۂ جواب یہ ہے کہ گزشتہ رسول آدمی تھے اور کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے نہ تھے یعنی ہم نے پیغمبروں کو ایسا نہیں بنایا کہ انہیں موت ہی نہ آئے جس طرح اور لوگوں کو موت آتی ہے۔ اسی طرح انبیاءؑ کو بھی موت آتی ہے یہ اس بات کا جواب ہے کہ جو کفار آپؐ کی موت کے منتظر تھے۔ نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کسی بشر کے لیے بقاء اور دوام نہیں اور موت سے کسی کو مفر نہیں وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔

خلاصۂ کلام۔ کہ خدا تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب بشر تھے ظاہری اور جسمانی حیثیت سے اگرچہ وہ عام انسانوں کے مشابہ تھے مگر باطنی اور روحانی طور پر وہ فرشتوں سے بھی بالا اور بلند تھے۔ سب آدمی تھے بندوں کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے کوئی ان پر ایمان لایا اور کسی نے انکار اور کفر کیا اور فریقین میں مقابلہ ہوا۔ ابتداء میں کافروں کو غلبہ ہوا۔ پھر چند روز بعد ہم نے پیغمبروں سے نجات اور غلبہ اور فتح کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھلایا۔ پس حسب وعدہ ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات دی یعنی اہل ایمان کو بچایا جنہوں نے انبیاء کی پیروی کی ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم انکو عذاب سے بچالیں گے اور انکے دشمنوں کو ہلاک کر دیں گے سو اس وعدہ کے مطابق ہم نے مؤمنین کو نجات دی اور کفر اور معصیت میں حد سے گزر جانے والوں یعنی کافروں اور مشرکوں کو دنیاوی عذاب سے ہلاک کیا، پس اے قریش مکہ ہوش میں آجاؤ اس قسم کا وعدہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب سے کیا ہوا ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ قریش کو اپنی ایک خاص نعمت پر متنبہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اے قریش مکہ البتہ تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے اور وہ کتاب مستطاب تمکو دین اور دنیا اور معاش اور معاد کی صلاح اور فلاح کی راہیں بتاتی ہے یا یہ معنی ہیں کہ اس میں تمہارے لیے شرف اور بزرگی ہے کہ تمہاری زبان میں اللہ نے کتاب ہدایت نازل کی مگر تم نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور بجائے شکر کے اسکا کفر اور انکار کیا تو کیا تم سمجھتے نہیں کہ اپنے ظلم اور اسراف سے تائب ہو جاؤ اور اس کتاب ہدایت کو سر اور آنکھوں سے لگاؤ جو تمہارے لیے کیمیائے سعادت ہے اور سمجھ جاؤ کہ ظلم اور اسراف یعنی حد سے گزر جانا قہر خداوندی کا سبب ہے تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے کتنی بستیاں جو ظالم اور مسرف تھیں۔ اس ظلم اور اسراف کی سزا

میں ان کو توڑ پھوڑ کر چورا چورا کر دیا اور ایک ایک جزو کو دوسرے سے جدا کر دیا یعنی سب کو ہلاک کر ڈالا۔ اور ان کے بعد دوسری قوم کو آباد کر دیا لہٰذا اگر تم بھی اپنے کفر اور ظلم اور بغض سے باز نہ آئے تو تمہاری بھی یہ گت بنے گی جو علت انکی ہلاکت کی تھی وہ تم میں بھی موجود ہے یعنی وہی ظلم و اسراف اور خدا اب بھی ہلاک کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پس جب ان ظالموں اور حد سے گزرنے والوں نے ہمارے عذاب کو آتے دیکھا تو یہ ظالم فوراً ہی جانوروں کی طرح بے تحاشا اس بستی سے بھاگنے لگے حالانکہ یہ ظالم اور مسرف پہلے انبیاء اور اہل ایمان پر آوازے کسا کرتے تھے جب عذاب الٰہی کو آتے دیکھا تو بھاگنے لگے تو گویا ان کے خیال میں یہ آیا کہ بھاگ کر عذاب الٰہی سے چھوٹ جائیں گے تو اس وقت بطور استہزاء اور بطریق مذاق اور ہنسی ان سے یہ کہا گیا کہ بھاگو نہیں اور اسی عیش و عشرت کی طرف لوٹو جس میں تم مست تھے اور اپنے مکانات اور محلوں کی طرف لوٹو جن میں تم رہتے تھے اور جہاں بیٹھ کر تم اتراتے تھے اور فخر کرتے تھے اور اپنے غلاموں اور خادموں کو حکم دیتے تھے اور غلام حاضر ہو کر کہتے تھے کہ حضور کیا حکم دیتے ہیں اب پھر اسی جگہ واپس چلے جاؤ شاید تم سے تمہارا حال پوچھا جائے یعنی تمہاری خیریت دریافت کی جائے یا حسب سابق تم سے مہمات امور میں کوئی مشورہ پوچھا جائے۔ یہ کہنے والے فرشتے تھے اور یہ پوچھنا بطور استہزاء اور تمسخر تھا کیونکہ پوچھتے تو اس وقت ہیں کہ جب کچھ شان بنی ہوئی ہو۔ بگڑے ہوئے اور خستہ حال کو کون پوچھتا ہے غرض یہ کہ جب فرشتوں نے ان سے یہ کہا کہ مت بھاگو تو اس وقت یہ ظالم یہ کہنے لگے کہ ہائے ہماری خرابی اور کم بختی تو کہاں ہے اس وقت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے بے شک ہم لوگ ظالم اور قصوروار تھے کہ ہم نے رسول کو جھٹلایا اور ان کے قتل اور ایذاء کے درپے ہو گئے ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو اپنے گناہ کا اقرار کیا اور نادم ہوئے مگر اس وقت کی ندامت بے فائدہ تھی تاریخ نکل جانے کے بعد سماعت نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں نے یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ۔ کا نعرہ بلند کیا اور یہ خیال کیا شاید یہ نعرہ ہماری نجات کا سبب بن جائے پس مسلسل انکی یہی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے انکو جڑ سے کٹے ہوئے گھاس کی طرح بجھے ہوئے اور مرجھائے ہوئے کر چھوڑا۔ یعنی سب مر گئے اور ٹھنڈے ہو گئے کہ حس و حرکت نہ رہی اور ان کی آتش ظلم بالکل خاموش ہو گئی اور شعلۂ حیات بجھ گیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ ہے

لہ فوراً۔ یہ لفظ اِذَا هُمْ کا ترجمہ ہے اور بے تحاشا بھاگنا اور دوڑنا یرکضون کا ترجمہ ہے۔ رکض کے معنی لغت میں جانور کے بے تحاشا دوڑنے کے ہیں۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

لہ یہ تمام یا ویلنا کی تفسیر ہے یا حرف ندا ہے اور ویل منادیٰ ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ

کھیلتے ۔ اگر ہم چاہتے کہ بنا لیں کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے

مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ

پاس سے ۔ اگر ہم کو کرنا ہوتا ۔ یوں نہیں ، پر ہم پھینک

بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ

مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اس کا سر پھوڑتا ہے پھر تب وہ نکل

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي

جاتا ہے اور تم کو خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو ۔ اور اسی کا ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

کوئی ہے آسمان و زمین میں اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں بڑائی نہیں

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ

کرتے اسکی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی ۔ یاد کرتے ہیں رات

وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ

اور دن نہیں تھکتے ۔ کیا ٹھہرائے انہوں نے اور صاحب

الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا

زمین میں کے وہ اٹھا کھڑا کریں گے ۔ اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوا

اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

اللہ کے ، دونوں خراب ہوتے سو پاک ہے اللہ تخت کا صاحب ان باتوں سے

يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔـلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔـلُوْنَ ﴿۲۳﴾

جو بناتے ہیں ۔ اس سے پوچھا نہ جاوے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جاوے ۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ

کیا پکڑے ہیں انہوں نے اس سے ورے اور صاحب، تو کہہ لاؤ اپنی سند ۔

هَٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ

یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور مجھ سے پہلوں کی۔ کوئی نہیں، پر وہ بہت لوگ

لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا

نہیں سمجھتے سچی بات، پھر ٹلاتے ہیں ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا

تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اسکو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے، کسی

إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ

کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کرو۔ اور کہتے ہیں رحمٰن نے کر لیا کوئی

وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ

بیٹا۔ وہ اس لائق نہیں لیکن وہ بندے ہیں جنکو عزت دی۔ اس سے بڑھ کر نہیں

بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

بول سکتے۔ اور اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ اس کو معلوم ہے جو ان کے

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ

آگے اور پیچھے اور وہ سفارش نہیں کرتے۔ مگر اس کی جس

ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ

سے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور جو کوئی

يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ

ان میں کہے کہ میری بندگی ہے اس سے ورے سو اس کو ہم بدلہ دیں

جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

دوزخ ۔ یوں ہی ہم بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو ۔

بیان توحید وابطال شرک

قال اللہ تعالیٰ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ... الیٰ ... كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۔

(ربط) ابتداء سورت سے لیکر یہاں تک کا مضمون تحقیق نبوت و رسالت سے متعلق تھا، اب آئندہ آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرماتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرو تاکہ تم کو اللہ کی معرفت حاصل ہو عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں ۔ (یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیات میں کفار کی غفلت اور اعراض اور ان کے لہو لعب کو بیان کیا اب آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ عالم کی پیدائش کھیل تماشہ نہیں بلکہ حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے یہ عالم پیدا کیا گیا ہے کہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ وہ دنیا میں آزاد ہے جو چاہے کرے نہ عذاب ہے اور نہ ثواب ہے اور نہ کوئی دارو گیر اور پکڑ دھکڑ ہے۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى۔ تم کو چاہیئے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کو کھیل اور تماشہ نہ سمجھو بلکہ اس کے عجائب و غرائب میں نظر اور فکر سے کام لو اور گزشتہ بستیوں کو جو ہلاک اور برباد کیا گیا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ انہوں نے دنیا کو کھیل اور تماشہ سمجھا اور جس غرض کے لیے دنیا پیدا کی گئی اس سے غفلت اور اعراض برتا۔ اور آسمان و زمین کے عجائب میں غور و فکر سے اسکے صانع اور خالق کا پتہ نہ لگایا اور انبیاء و رسل نے جب انکو خبردار کیا تو انکی تکذیب کی۔ حق تعالیٰ نے اس تکذیب کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل اور تماشہ کے لیے اور دل بہلانے کے لیے نہیں پیدا کیا۔ گزشتہ بستی والوں کی طرح کوئی نادان یہ گمان نہ کرے کہ یہ سارا عالم کھیل اور تماشا ہے اور انسان دنیا میں کھیل تماشہ کے لیے اور مزے اڑانے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ بہت سے آزاد منشوں کا خیال ہے کہ انسان طبعًا آزاد پیدا ہوا ہے جو اس کا جی چاہے کرے۔ انسان مرنے کے بعد نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد نہ ثواب نہ عقاب ہے سو یہ گمان بالکل غلط ہے بلکہ انسان خدا کا بندہ ہے اور اسکا پیدا کیا ہوا ہے۔ بندہ کا خدا سے آزاد ہو جانا ناممکن اور محال ہے خدا نے بندہ کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ آسمان اور زمین کی عجائب صنعت میں غور و فکر سے اسکے خالق کی معرفت حاصل کرے اور عالم کی اس ظاہری آرائش اور رونق سے دھوکہ نہ کھائے اور خوب سمجھ لے کہ اس عالم کی پیدائش عبث اور بے فائدہ نہیں بلکہ اظہار قدرت کے لیے اور کمال حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

بنگر بچشم فکر کہ از عرش تا فرش ❖ در ہیچ ذرہ نیست کہ سرے عجیب نیست

اور معرفت صانع کے بعد اپنے خالق اور پروردگار کی عبادت اور اطاعت کریں اور یقین کریں کہ یہ دنیا آخرت کے لیے پیدا کی گئی ہے وہاں پہنچ کر بندہ کو ہر نیک و بد کی جزاء و سزا ملتی ہے اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی کافروں کا گمان یہ ہے کہ اس عالم کی پیدائش عبث اور بے فائدہ ہے اور مرنے کے بعد حساب کتاب کچھ نہیں۔ گزشتہ امتیں اسی خیال باطل میں مبتلا تھیں کہ یہ دنیا محض کھیل اور تماشہ ہے اور جزاء و سزا کوئی چیز نہیں۔ اس لیے سب کے سب تہ و بالا کر دیئے گئے تاکہ مجرموں اور منکروں کو اس طرح سزا دی جاتی ہے اور اگر ہم کھیل اور تماشہ بنانے کا ارادہ کرتے جسکے دیکھنے سے آدمی کا دل خوش ہوتا ہے جیسے بیوی اور اولاد تو یہ چیزیں ہم اپنے پاس سے بنا لیتے جو ہماری شان کے لائق ہوتیں کیونکہ ہمارے پاس کی چیزیں جسمانی آلائشوں سے بالکل پاک اور منزہ ہیں جیسے ملائکہ جن کو ہم نے خالص نور سے پیدا کیا ہے اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے تو ہمارے پاس کیا کمی تھی مگر ہم تو اس سے منزہ ہیں۔ ہم کو بیوی بچوں کی کوئی احتیاج نہیں اور نہ یہ چیزیں ہماری شان کے لائق ہیں اس لیے ہم نے اسکو نہیں چاہا اس آیت میں نصاریٰ اور یہود اور مشرکین کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ جو خدا ئے پاک کی طرف پسر اور دختر اور جورو کی نسبت کرتے ہیں اور فرزندیت اور زوجیت کے دونوں قول باہم متلازم ہیں۔ كما قال تعالىٰ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ فرزند بنانا چاہتا تو اپنی مخلوقات میں جس کو چاہتا چھانٹ لیتا مگر بارگاہِ الٰہی اس سے مقدس ہے سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ۔ اور اگر بفرضِ محال ہم بنا ہی لیتے تو وہ ہماری بنائی ہوئی چیز ہوتی اور مخلوق اور حادث ہوتی۔ خدا اور معبود تو نہ ہوتی۔ كما قال تعالىٰ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ غرض یہ آسمان و زمین کے بنانے سے ہمارا مقصود کھیل اور تماشہ نہیں۔ ہماری ذات لہو و لعب سے پاک اور منزہ ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اوپر سے حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں پھر وہ حق اس باطل کا دماغ اور بھیجہ پلپلا کر دیتا ہے۔ پس وہ باطل ناگہاں بے جان ہو جاتا ہے اور اس کا سارا دم ختم ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا کھیل اور تماشہ نہیں بلکہ میدانِ کارزار ہے۔ حق باطل پر حملہ آور ہوتا ہے اور اسکا سر کچل ڈالتا ہے جس سے وہ باطل جانبر نہیں ہوتا اور حق میں دین کی تمام باتیں اور باطل میں کفر و شرک اور معصیت کی تمام باتیں داخل ہیں۔ جن و انس کی پیدائش سے مقصود خالق کی بندگی ہے اور اے باطل پرستو تمہارے لیے کم بختی اور بربادی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم خدا کے اوصاف بیان کرتے ہو۔ یعنی تم لوگ جو خدا تعالیٰ کے لیے بیٹا اور بیٹیاں تجویز کرتے ہو یہ سب تمہارا افتراء ہے اور تمہاری ہلاکت اور بربادی کا سامان ہے۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اللہ ہی کی ملک ہیں۔ اور سب اسکی عبودیت اور بندگی میں لگی

ہوئی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کوئی آدمی یا جن یا فرشتہ وغیرہ وغیرہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسکی مخلوق اور مملوک ہے اور خاص کر جو فرشتے اسکے پاس ہیں اور پروردگار الٰہی کے مقرب ہیں اور جن کو تم پوجتے ہو انکی شان تو یہ ہے کہ وہ ذرہ برابر اسکی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ کبھی اس کی عبادت سے تھکتے ہیں۔ دن رات اسکی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں کبھی سُست نہیں پڑتے یعنی ان کی تسبیح و تقدیس مسلسل اور متواتر ہے بیچ میں وقفہ نہیں کیونکہ تسبیح انکے بمنزلہ سانس کے ہے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو معبود بنانا حماقت ہے اس آیت میں آسمان کی چیزوں کے معبود بنانے کو باطل فرمایا۔ اب آئندہ آیت میں زمین کی چیزوں کو معبود بنانے کا ابطال فرماتے ہیں کیا ان بت پرستوں نے زمین کی چیزوں میں سے یعنی اینٹ اور پتھر میں سے معبود بنالیے ہیں کیا یہ بت مُردوں کو زندہ کرسکتے ہیں یعنی معبود تو وہ ہے کہ جو جلانے اور پیدا کرنے پر قادر ہو اور ایسا تو صرف اللہ ہی ہے لہٰذا بتوں کو معبود ٹھہرانا کمال حماقت ہے کہ ان نادانوں نے سفلیات کو اور ایسی چیزوں کو جو پیدا کرنے پر ذرہ برابر قادر نہیں اُنکو خُدا کا ہمسر ٹھہرلیا اور جب تمہارے یہ خود ساختہ بُت تمہارے اعتقاد میں بھی مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں تو انکو معبود ٹھہرانا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے غرض یہ کہ اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور حماقت بیان فرمائی۔ اب آئندہ آیت میں متعدد معبود ہونے کے بطلان پر ایک دلیل عقلی اور برہان قطعی قائم کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تعدد الٰہ قطعًا باطل ہے اور دلیل یہ ہے کہ اگر آسمان و زمین میں چند خدا انکے مُدبر اور[1] ان میں متصرف ہوتے اور سب کے سب فی الحقیقت صفات الوہیت کے ساتھ باوجہ الکمال والتمام موصوف ہوتے اور کمال قدرت واختیار کے ساتھ اُنکے مُدبر اور ان میں متصرف ہوتے تو بلاشبہ دونوں خراب اور برباد ہو جاتے۔ یعنی[2] عالم کا جو نظام دکھائی دیتا ہے وہ سب درہم برہم ہو جاتا اور طلوع وغروب اور دن اور رات اور گرمی اور سردی اور بادلوں کا برسنا اور زمین سے پیداوار کا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سارا نظام لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین اپنی اپنی جگہ قائم ہیں اور چاند اور سورج اپنے اپنے وقت پر نکلتے اور ڈوبتے ہیں اور دن رات آرہے ہیں اور جارہے ہیں اور آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی حسبِ دستور جاری ہے غرض یہ سارا خانۂ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی وتیرہ پر چل رہا ہے معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف صرف ایک ہی خدا ہے جسکے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں پس اگر اللہ کے سوا آسمان و زمین کی تخلیق اور تدبیر میں اور چند خدا شریک ہوتے تو باہمی اختلاف اور کشمکش کی وجہ سے آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہوجاتا کیونکہ جس وقت حاکم متعدد ہوں تو لامحالہ رایوں

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ فیھما کی ظرفیت باعتبار تدبر اور تصرف کے ہے نہ کہ باعتبار استقرار اور تمکن کے۔ (دیکھو روح المعانی صفحہ ۲۳ ج ۱۷)

[2] کذا فی شرح المسایرة لابن الہمام وحواشیہا صفحہ ۴۵۔ وفی کتاب الانصاف للباقلانی صفحہ ۳۴

میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف پیش آئیگا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نظام مملکت تباہ اور خراب ہوگا۔

اسی طرح اگر عالم کے خالق اور مدبر دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا تمام نظام درہم برہم ہوجاتا ولیکن آسمان وزمین کا قیام اور انکا نظام باحسن وجوہ سب کے سامنے ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ دو الٰہ (دو خدا) کا وجود باطل ہے پس اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے نظم ونسق کو دیکھ کر اسکی وحدانیت کے قائل ہوجائیں۔

عارف جامیؒ فرماتے ہیں۔

گر خُدا بود ے از یکے افزوں ٭ کے بماندے جہاں بدیں قانوں
در فیض وجود بستہ شدے ٭ تار و پود بقا گستہ شُدے
ہمہ عالم عدم شدے باہم ٭ بلکہ بیروں نیامدے زعَدَم
داند آں کش ز عقل باشد بہر ٭ کہ دو شہ را چو جا شود یک شہر
سلک جمعیت از نظام افتد ٭ رخنہ درکار خاص و عام افتد

اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ دو خُدا ایک ہی تدبیر پر بالکلیہ اور بہمہ وجوہ متفق ہوجائیں اور ایک دوسرے خدا کی کسی وقت کسی امر میں ذرہ برابر بھی مخالفت نہ کرے اس لیے کہ جب دو خدا ہونگے اور دونوں مستقل خدا ہوں گے تو لامحالہ ہر ایک کی صفات اور ہر ایک کا علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار بھی دوسرے خُدا کی صفات اور اسکے علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار سے مختلف اور جُدا ہوگا اس لیے کہ صفات، ذوات کے تابع ہوتی ہیں جب ذوات متعدد اور مختلف ہیں تو لامحالہ صفات بھی مختلف ہوں گی۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ ذوات تو مختلف ہوں اور صفات خداوندی چونکہ لازم ذات ہیں اور ازلی اور ابدی اور قدیم ہیں جن میں کسی قسم کے تغیر اور تبدل کا امکان نہیں تو لامحالہ جب دو خدا ہونگے اور انکے علم اور ارادے بھی ضرور مختلف ہونگے اور انکا اختلاف بھی ذاتی ہوگا جس میں تغیر وتبدل کا کوئی امکان نہ ہوگا تو لامحالہ انکے افعال بھی مختلف ہونگے اور نظام عالم بھی مختلف ہوگا ہر جزئی دوسری جزئی سے مختلف ہوگی۔ پس جب ہر خدا کی تدبیر اور اسکا تصرف دوسرے خُدا کی تدبیر اور تصرف سے مختلف ہوگا تو کارخانۂ عالم ضرور درہم برہم ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا جنس خُدا کا موجود ہونا محال ہے یعنی کسی اور خدا کا ہونا محال ہے ———— کہ جس کے ماننے سے یہ محال اور خرابی لازم آتی ہے عقلاً یہ بات محال ہے کہ یہ کہا جائے کہ دو درزیوں میں سے ہر ایک درزی نے بعینہ اس ایک کرتہ کو سیا ہے یا بعینہ ایک ہی طعام کو دو شخصوں میں سے ہر ایک نے بعینہ یہ طعام کھایا ہے۔ دو مؤثر تام القدرۃ اور مستقل الاختیار کے دو مستقل قدرتوں سے ایک ہی کا اثر نمودار ہونا عقلاً محال ہے یہ آیت حق جل شانہٗ کی توحید کی ایک دلیل عقلی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی خُدا ہوتے تو جس طرح مختلف بادشاہوں کے ایوان میں تمانع اور تنازع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی رائے کا نفاذ چاہتا ہے تو اسی طرح اگر آسمان وزمین کے چند خدا ہوتے تو ان چند خداؤں کی خدائی میں بھی ضرور اختلاف اور تزاحم ہوتا۔

اور ہر ایک اپنا ہتھیار اور حکم چلانا چاہتا اس لیے کہ خدائی کے لیے انتہائی کبریائی اور قہر اور غلبہ اور فوقیت لازم ہے جس میں برابری اور ہمسری کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ۔ دو خداؤں میں صلح و اتفاق کا کوئی امکان نہیں۔ دنیا ہی دیکھ لو کہ برابر کے دو مستقل اور با اختیار حاکموں میں تنازع اور تمانع یعنی باہم اختلاف اور تزاحم کا واقع ہونا ایک لازمی امر ہے اور تخالف اور تزاحم کے لیے فساد اور خرابی لازم ہے خاص کر جبکہ ہر ایک صاحبِ قدرت ہو پس اگر خدا تعالیٰ کے سوا چند خدا ہوں جو اس عالم کے کاموں کی تدبیر کریں تو ہر خدا اپنی اپنی رائے اور اختیار کو پورا پورا جاری اور نافذ کرنا چاہے گا اس لیے کہ قدرت کاملہ اور اختیار کاملہ کا ہونا ضروری ہے کہ اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہے نافذ کر سکے اور سب پر قاہر اور غالب رہے اور کسی کو مجال دم زدنی نہ ہو۔

پس چند خداؤں کی موجودگی میں باہم اختلاف اور جنگ کا ہونا لازم ہے اور دو خداؤں کی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب دو خداؤں میں جنگ ہونے لگے اور خدائی میں رسہ کشی ہونے لگے تو لامحالہ آسمان و زمین تباہ و برباد ہو جائیں گے اور اگر ایجاد عالم سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جاتا کہ ایک خدا عالم پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا یہ چاہتا کہ پیدا نہ ہو تو پھر سرے سے عالم پیدا ہی نہ ہوتا عالم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں ٹکراؤ اور رسہ کشی ہوگی تو ایسی صورت میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی اور اگر موجودہ چیز پر دو خدا زور آزمائی کرنے لگیں تو اس کشمکش میں وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آسمان اور زمین تباہ اور برباد ہو جاتے یا سرے سے وجود ہی میں نہ آتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان و زمین دونوں موجود ہیں اور اپنے نظام پر قائم ہیں اور آسمان اور زمین کے نظام میں کوئی فساد اور خلل نظر نہیں آتا آفتاب اور ماہتاب کا طلوع اور غروب اور لیل و نہار کی آمد و رفت اور آسمان سے بارشوں کا برسنا اور زمین سے پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا ابتداء آفرینش عالم سے بدستور ایک ہی طریقے پر جاری ہے مہر ہو اس میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا کہ یہ کارخانۂ عالم ایک ہی خدا کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے کوئی دوسرا خدا نہیں جو تدبیر عالم میں اسکا شریک اور سہیم ہو اور وہ صرف ایک ہے حق جل شانہٗ نے اس آیت میں اثباتِ توحید اور تعدد الٰہ کے ابطال پر جو دلیل ذکر فرمائی ہے وہ دلیل عقلی بھی ہے منطقی پیرایہ میں اس کی تعبیر یہ ہے کہ اثبات مدعیٰ کے لیے ایک صغریٰ چاہیئے اور ایک کبریٰ چاہیئے کہ دونوں مقدموں کے ملانے سے نتیجہ نکل سکے۔ سو اس دلیل کا صغریٰ یہ ہے کہ تعدد الٰہ مستلزم فسادِ عالم ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ فساد عالم منتفی ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ تعدد الٰہ باطل اور منتفی ہے اور جب خدا کا متعدد ہونا باطل ٹھہرا تو خدا کی وحدانیت ثابت ہو گئی۔

اصطلاح علماء میں یہ دلیل "برہان تمانع" کے نام سے مشہور ہے اور تمانع کے معنیٰ تزاحم اور تنازع اور تخالف کے ہیں۔ لہٰذا اس دلیل کو دلیل تزاحم اور دلیل تنازع اور دلیل تخالف بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ

الفاظ تقریباً مترادف ہیں۔ علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس حجت اور برہان کا ذکر ہے وہ اقناعی ہے اور شرط اور جزاء کے درمیان لزوم عادی ہے عقلی اور قطعی نہیں جیسا کہ بولتے ہیں کہ دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں سما سکتے اور دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سما سکتیں اور امام غزالیؒ اور امام رازیؒ اور دیگر حضرات متکلمین کی رائے یہ ہے کہ یہ برہان قطعی ہے حضرات اہل علم اس برہان کے قطعی یا اقناعی ہونے کی تفصیل کے لیے۔

اتحاف شرح احیاء العلوم از صفحہ ۲ جلد ۲ تا صفحہ ۱۲۵ جلد ۲ کی مراجعت کریں۔

حق جل شانہ نے اس دلیل کو اس آیت میں مختصراً اور مجملاً ذکر فرمایا ہے امام فخرالدین رازیؒ اور دیگر حضرات متکلمین نے جو اس دلیل کی تقریر فرمائی ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ آیت کریمہ کے چند الفاظ کے تحت علم اور استدلال کا دریا کیسا موجزن ہے۔

دلیل تمانع کی پہلی تقریر

خداوند عالم ایک ہے کوئی اسکا شریک اور سہیم نہیں اس لیے کہ دو خداؤں کے وجود کا قائل ہونا محال کو مستلزم ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ خود محال ہے لہٰذا دو خداؤں کا وجود قطعاً محال اور ناممکن ہے دلیل کا اصل یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کیے جائیں اور دونوں صفات الوہیت کے ساتھ علی وجہ الکمال موصوف ہوں تو ضروری ہے۔

۱۔ کہ ہر ایک خدا قادر مطلق ہو اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہو اور جملہ مقدورات پر قادر ہو کوئی ذرہ اسکی قدرت سے باہر نہ ہو اور اس کے سوا جو کچھ ہے سب اسکے قبضۂ قدرت میں مسخر اور مقہور نہ ہو بلکہ اس کی قدرت غیر محدود اور غیر متناہی ہو۔

۲۔ اور خدا کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہو۔

۳۔ اور سب سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہو یکتا اور بے مثال اور بے نظیر ہو۔

۴۔ اور غنی مطلق ہو یعنی جمیع ماسوا سے مستغنی اور بے نیاز ہو۔

۵۔ اور عجز اور لاچارگی اور مجبوری کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہو بغیر ان صفات کمالیہ کے خدائی ناممکن اور محال ہے ورنہ پھر بندوں نے کیا قصور کیا کہ وہ خدا نہ بن سکیں۔

پس اول تو یہ صفات الوہیت ہی وحدانیت کی دلیل ہیں اس لیے کہ سب سے اعلیٰ اور بالا اور سب سے برتر ہونا اور اس کی قدرت کا غیر متناہی ہونا اور کسی کا اس سے بڑھ کر نہ ہونا ایک ہی ذات میں منحصر ہے اگر کوئی دوسرا اسکے برابر کا ہوا تو یہ خدا سب سے اعلیٰ اور بالا نہ رہے گا اور جو دوسرا اسکے برابر کا ہوگا تو وہ اس کے قبضۂ قدرت میں مسخر نہ ہوگا تو وہ پہلا خدا قاہر مطلق اور قادر مطلق نہ رہے گا اور اگر بایں ہمہ پھر بھی کوئی تعدد الٰہ یعنی چند خداؤں کے وجود کا قائل ہوتا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اگر آسمان و زمین میں دو یا دو سے زیادہ خدا ہیں تو لامحالہ دونوں اسی شان کے ہوں گے جو خدا کے لیے ضروری ہے ورنہ خدا نہ ہوں گے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے

کہ اس عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق اور اسکی تدبیر اور اسکا انتظام دونوں خداؤں کے کلی اتفاق سے چل رہا ہے یا کبھی کبھی اختلاف بھی پیش آجاتا ہے جو صورت بھی لی جائے محال لازم آئیگا۔ اتفاق کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ عالم۔ دونوں خداؤں کی مجموعی قوتوں اور اجتماعی قدرتوں سے پیدا ہوا ہے یا دوسری صورت اتفاق کی یہ ہے کہ دونوں خداؤں میں سے ہر خدا مستقلاً اس عالم کا خالق اور موجد ہے پس اگر اتفاق کی پہلی صورت لی جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ دونوں خداؤں کے اتفاق سے دونوں کی مجموعی قوتوں سے کارخانۂ عالم کا کام چل رہا ہے تو اس صورت میں یہ محال لازم آئیگا کہ دونوں میں سے کوئی بھی مستقل خدا نہ رہے گا بلکہ دونوں یا تینوں کا مجموعہ مل کر خدا ہوگا علیحدہ علیحدہ کوئی بھی خدا نہ ہوگا بلکہ ایک کمیٹی مل کر خدا بنے گی اس لیے کہ اس صورت کا حاصل تو یہ ہوگا کہ ایک خدا سے کام نہیں چل سکتا تھا، اس لیے دونوں خداؤں نے مل کر عالم کا انتظام کیا پس جب کسی خدا کو بھی تنہا عالم کے انتظام پر قدرت نہ ہوئی بلکہ انتظام کے لیے دوسری قوت اور قدرت کا محتاج ہوا تو معلوم ہوا کہ اسکی قدرت ناقص ہے اور جس کی قدرت ناقص ہو اور انتظام میں دوسری قوت کا محتاج ہو تو وہ خدا نہیں ہو سکتا مثلاً اگر دو قوتیں مل کر کسی پتھر کے لڑھکانے کا سبب بنیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص کی انفرادی قوت اس پتھر کے لڑھکانے کے لیے کافی نہیں بلکہ دونوں کے مجتمع ہونے کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک کی قوت ناتمام اور ناکافی ہوگی اور دوسری قوت کی محتاج ہوگی کہ اسکے ساتھ مل کر پتھر کو لڑھکا سکے۔ تو اگر دو خداؤں میں بھی یہی صورت فرض کی جائے تو لازم آئیگا کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہے اس لیے کہ ہر ایک ناقص ہے اور تنہا ایجاد عالم کے لیے ناکافی ہے بلکہ اس صورت میں دونوں کا مجموعہ مرکب بمنزلہ ایک خدا کے قرار پائیگا تو اس صورت میں خدا کا مرکب ہونا لازم آئیگا اور خدا کا مرکب ہونا محال ہے کیونکہ جو چیز مرکب ہوتی ہے وہ حادث اور ممکن ہوتی ہے اور خدا کا واجب الوجود ہونا عقلاً ضروری ہے۔

اتفاق کی دوسری صورت

اور دو خداؤں میں اتفاق کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہر خدا مستقل خدا ہے اور اپنی ایجاد اور تاثیر میں مستقل ہے اور دونوں یا تینوں خدا کسی ایک ارادہ پر سب متفق ہیں اور دونوں یا تینوں خداؤں کے ارادہ سے یہ عالم وجود میں آیا ہے اور ہر خدا کی قدرت اور تاثیر کو مستقلاً اسکے وجود میں دخل ہے تو یہ صورت بھی محال ہے اس لیے کہ اس صورت میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ ایک متعدد پر دو مستقل قدرتیں طاری اور وارد ہو جائیں اور ایک شئے واحد دو علتین مستقلتین کی معلول بن جائے اور عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک شئی کی دو علتیں تامہ ہوں ایک علت تامہ کے بعد دوسری علت تامہ فالتو ہے اور ایک قدرت کاملہ کے بعد دوسری قدرت کاملہ بیکار ہے ایک متعدد پر کا دو مستقل قادروں سے وقوع اور حصول عقلاً محال ہے اسی طرح سمجھو ایک عالم کی دو علت تامہ اور دو خالق مستقل بالتاثیر نہیں ہو سکتے جب ایک شئی ایک خالق مستقل کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آگئی تو یہ امر محال ہے کہ اب وہی شئی بعینہ دوسرے خالق کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آئے جو شئی ایک خدا کے ارادہ سے وجود میں آگئی اور آچکی تو دوسرا خدا اس کو کیسے موجود کرے گا موجود، کو موجود کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ایجاد تو

معدوم چیز کی ہوتی ہے۔ موجود کی ایجاد تحصیل حاصل ہے جو بلا شبہ محال ہے اور اگر بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ یہ عالم دو یا تین خداؤں کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آیا ہے اور ہر خدا اپنی ایجاد اور تاثیر میں مستقل ہے تو لازم آئے گا کہ عالم دو وجود کے ساتھ موصوف ہو کیونکہ ایجاد کے معنی وجود کے عطا کرنے کے ہیں۔ پس اگر یہ عالم دو خداؤں کی ایجاد سے وجود میں آیا ہے اور ہر خدا نے اپنے پاس سے اسکو وجود عطا کیا ہے تو لامحالہ اس عالم کے پاس دو وجود ہونے چاہئیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں یہ عالم صرف ایک ہی وجود کے ساتھ موصوف اور موجود ہے اور یہ امر یعنی عالم کا ایک وجود کے ساتھ موجود ہونا بدیہی اور مسلم ہے۔ دنیا میں کوئی عاقل عالم کے لیے دو وجود یا تین وجود کا قائل نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اس عالم کو ایک ہی خدا کی طرف سے وجود عطا ہوا ہے اور اسکا موجد یعنی معطی وجود ایک خدا ہے ورنہ اگر اسکو دو خدا کی طرف سے وجود ملتا تو اسکے پاس دو وجود ہوتے مثلاً اگر کسی شخص کو دو آدمی علیحدہ علیحدہ ایک روپیہ دیں تو اس کے پاس دو روپے ہونے چاہئیں۔ عقلاً یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ ایک فقیر کو دو آدمیوں نے علیحدہ علیحدہ روپیہ دیا لیکن وہ دو روپے جب اسکی جیب میں پہنچے تو ایک روپیہ بن گئے۔ اسی طرح اگر اس عالم کے دو خالق اور دو موجد ہوں اور ہر خالق اسکو وجود عطا کرتا تو اس کے پاس دو وجود ہوتے اور یہ عالم دو وجود کے ساتھ موصوف ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز ایک ہی وجود کے ساتھ موصوف ہے اور ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے، دو وجود کے ساتھ موجود نہیں آخر وہ دوسرے خدا کا عطا کردہ وجود کہاں چلا گیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس عالم کو ایک ہی خدا کی طرف سے وجود ملا ہے دو خداؤں کی طرف سے نہیں ملا۔ پس ثابت ہو گیا کہ اس عالم کا خالق اور موجد ایک ہی خدا ہے جس نے اس عالم کو وجود کا یہ خلعت عطا کیا ہے۔

اختلاف کی صورت

اگر دو خداؤں میں تنازع اور تمانع یعنی اختلاف کی صورت فرض کریں کہ ان دو معبودوں میں کبھی کبھی اختلاف بھی ہو جاتا ہے تو لامحالہ اختلاف کی صورت میں دونوں میں مقابلہ ہوگا۔ ایک خدا کچھ چاہے گا اور دوسرا اس کے خلاف چاہے گا۔ ایک خدا کسی شئی کا ہونا چاہے گا اور دوسرا اسکا نہ ہونا چاہے گا تو یہ صورت خدائی میں رسہ کشی اور زور آزمائی کی ہوگی۔ دونوں طرف کے خداؤں میں مقابلہ ہے اور ہر ایک کی قدرت کامل ہے پس جب دو خداؤں میں اختلاف اور مقابلہ ہوگا تو عقلاً تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔

پہلی صورت پہلی صورت یہ ہے کہ مقابلہ میں دونوں برابر ہوں اور دونوں کا چاہا پورا ہو جانے یعنی دونوں خداؤں کی مراد پوری ہو تو اس صورت میں اجتماع نقیضین لازم آئیگا اور یہ محال ہے اس لیے کہ ایک ہی وقت زید کا پیدا ہونا یا نہ پیدا ہونا یا ایک ہی وقت میں زید کا حرکت کرنا یا نہ کرنا پورا ہو جائے یہ تو اجتماع نقیضین ہے جو بالاتفاق عقلاً محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وقت واحد میں زید زندہ بھی ہو جائے اور اسی وقت مر بھی جائے اور ایک ہی وقت میں زید متحرک بھی ہو اور ساکن بھی ہو۔

دوسری صورت

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقابلہ میں ایک خدا کا چاہا تو پورا ہوا۔ اور دوسرے خدا کا چاہا پورا نہ ہوا تو اس صورت میں ایک خدا تو اپنے ارادہ میں غالب آیا اور دوسرا مغلوب ہوا۔ سو جو مغلوب ہوا وہ خدا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو مغلوب ہوا وہ عاجز ہوا۔ اور عاجز خدا اور واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔ خدا وہ ہے کہ جو قاہر اور غالب ہو لہٰذا اگر مقابلہ میں دو خداؤں میں سے ایک خدا کی مراد پوری ہوئی تو وہ تو قادر اور قاہر ہوا اور جس خدا کی مراد پوری نہ ہوئی وہ عاجز اور مغلوب اور مقہور ٹھہرا بہر حال مقابلہ کی اس صورت میں خدا ایک رہا دوسرا خدا نہ رہا۔

تیسری صورت

اور دو خداؤں میں مقابلہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ اختلاف اور تزاحم کی صورت میں کسی خدا کی بھی مراد پوری نہ ہو تو اس صورت میں اول تو ارتفاع نقیضین لازم آئیگا جو باتفاقِ عقلاء محال ہے، دوم یہ کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی خدا نہ رہے گا۔ اس لیے کہ دونوں اپنے ارادوں میں عاجز ہیں پس ثابت ہوا کہ دو یا چند معبود ماننے کی صورت میں محال لازم آتا ہے تو ثابت ہوگیا کہ عالم علوی اور سفلی سب کا خدا ایک ہی ہے اب بحمدہ تعالیٰ ہماری اس تقریر سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آسمان و زمین میں کئی خدا ہوں اور سب باہم متفق ہوں اور کارخانۂ عالم سب کے اتفاق سے چل رہا ہو جیسا کہ جمہوری سلطنتوں میں ایسا ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں نظام عالم میں کوئی فساد لازم نہ آئیگا تو ہماری تقریر سے اس وسوسہ کا جواب ہو گیا الوہیت میں جمہوریت نہیں چلتی الوہیت میں یہ صورت ناممکن اور محال ہے کہ ایک ہی چیز پر دو مستقل اور کامل قدرتیں جمع ہوں اور یہ کہا جائے کہ یہ چیز دو قدرتوں کے مجموعہ سے وجود میں آتی ہے اسکا مطلب تو یہ ہوگا کہ ایک خدا کی انفرادی قدرت اس شئی کے وجود کے لیے کافی نہیں۔ جب تک دونوں قدرتیں جمع نہ ہو جائیں، اس وقت تک یہ شئی موجود نہیں ہو سکتی اور جب کسی شئے کے وجود کے لیے دو خدا کی قدرتوں کا جمع ہونا ضروری ہوا تو اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ ہر خدا کی قدرت الگ الگ ناقص اور ناتمام ہے اور تنہا ایک خدا اس چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں تو پھر دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہا بلکہ دونوں کا مجموعہ مل کر خدا ہوا اور اگر یہ کہو کہ ایک خدا کی قدرت اس چیز کے موجود کرنے کے لیے کافی ہے تو اس صورت میں دوسرے خدا کی قدرت بے کار ہو جانے گی اور دوسرا خدا خدا نہ رہے گا، اس لیے کہ وہ خدا ہی کیا ہوا کہ جس کی قدرت کے بغیر کوئی چیز پیدا ہو سکے، یہ بارگاہ الوہیت ہے کوئی کارخانۂ صنعت و حرفت تو نہیں کہ جو دو آدمیوں کی شرکت سے چل سکے۔

بہر حال اگر دو قادر مطلق کسی ارادہ پر متفق بھی ہو جائیں تو اس اتفاق میں وہ مجبور نہیں اور نہ ان پر یہ امر واجب اور لازم ہے کہ وہ آپس میں ضرور متفق رہیں ورنہ ہر ایک کا عاجز اور مجبور ہونا لازم آئیگا اور کوئی بھی خدا نہ رہے گا۔ ایک خدا پر دوسرے خدا کی موافقت واجب نہیں وہ اگر چاہے تو دوسرے کے خلاف بھی کر سکتا ہے ایک خدا دوسرے خدا کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور نہیں، اگر وہ اس اتفاق پر مجبور ہو جائے تو اسکا فعل اضطراری ہوگا نہ کہ اختیاری حالانکہ قدرت میں اختیار شرط ہے خدا وہ ہے جو قادر مطلق ہو اور کسی امر پر مجبور نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اختلاف کی صورت میں ایک ہی خدا رہ سکتا ہے دوسرا خدا نہیں رہ سکتا اور اگر بالفرض محال تھوڑی دیر کے

لیے یہ مان لیا جلئے کہ عقلاً یہ جائز ہے کہ دو خداؤں میں اختلاف نہ ہو تو لامحالہ اسکی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک خدا دوسرے خدا سے کہے کہ تو وہی ارادہ کر جو میں کرتا ہوں میرے خلاف ارادہ نہ کرنا تو اس صورت میں دوسرا خدا پہلے خدا کی طرف سے مامور ہوگیا اور مامور اور محکوم خدا نہیں ہوسکتا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک خدا دوسرے خدا کے خلاف ارادہ کرنے پر قادر ہی نہ ہو تو یہ عجز اور مجبوری ہے اور عاجز اور مجبور خدا نہیں ہوسکتا۔ یا دونوں خداؤں میں سے کوئی خدا بھی دوسرے کے خلاف ارادہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں دونوں کا عاجز ہونا لازم آئیگا اور دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہے گا (دیکھو کتاب الانصاف علامہ الباقلانی ص۳۴)

برہان تمانع کی دوسری تقریر

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے تمانع کی تقریر اور تعبیر اس طرح فرمائی ہے کہ اگر آسمان و زمین میں چند خدا ہوں تو دو حال سے خالی نہیں کہ وہ یا تو باہم متفق ہونگے یا باہم مختلف ہونگے۔

پہلی صورت

یعنی اگر وہ چند خدا باہم متفق ہوں تو لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز پر متعدد قدرتیں جمع ہو جائیں اور ایک شئے دو قدرتوں سے وجود میں آئے اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ ایک شئی چند مستقل قدرتوں سے وجود میں آئے اور چند کامل اور مستقل مؤثروں کا ایک ہی اثر ہو اس لیے جب ایک مستقل قدرت اس شئے کے وجود کے لیے کافی ہے تو دوسری اور تیسری مستقل قدرت بیکار ہے پس مثلاً اگر دو خدا ہوں اور دونوں کی قدرت مستقل بالتاثیر ہو اور حدوث عالم کے لیے ہر خدا کی قدرت کافی ہو تو پھر یہ کہنا کہ یہ عالم دو خداؤں کی دو مستقل اور کامل قدرتوں سے موجود اور حادث ہوا ہے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ ایک معلول دو مستقل علتوں سے اور ایک مقدور دو مستقل قدرتوں سے وجود میں آیا ہے اور یہ امر بلاشبہ بالکل باطل اور مہمل ہے اس لیے کہ ایک معلول پر دو علتوں کا توارد بالاتفاق عقلاء محال ہے۔ ایک شئے کی دو علت تامہ نہیں ہوسکتیں کیونکہ علت تامہ کے معنی یہ ہیں کہ اسکے پائے جانے کے بعد فوراً بلا کسی انتظار کے معلول وجود میں آجائے پس جب معلول ایک علت تامہ اور قدرت کاملہ سے وجود میں آگیا تو دوسری علت اور قدرت بیکار ہوئی اور جو چیز بیکار ہے وہ علت تامہ نہیں ہوسکتی۔

پس معلوم ہوا کہ حدوث عالم کے لیے ایک خداوند قدیر کا ارادہ کافی ہے اور دوسرے خدا کا ارادہ بیکار ہے اور جو بیکار ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ حضرات اہل علم اگر منطقی پیرایہ میں اسکی تعبیر کرنا چاہیں تو اس طرح کریں کہ خداوند قدوس (یعنی اس کا ارادہ) حدوث عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہیں ہوسکتی پس ثابت ہوا کہ خدا متعدد نہیں ہوسکتے۔

بالفاظ دیگر دلیل کے لیے ایک صغریٰ چاہیئے اور ایک کبریٰ اور پھر نتیجہ صغریٰ تو یہ ہے کہ خداوند قدوس (یعنی اسکا ارادہ) حدوث عالم کی علت تامہ ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ علت تامہ ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا

کہ خدائے برحق ایک ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو خدا باہم مختلف ہوں پس اگر چند خدا ہوں اور ان میں باہم اختلاف ہو تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائیگا (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) اور اگر تخلیق و تکوین عالم سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جائے تو سرے سے عالم کا وجود میں آنا ہی ناممکن ہو جائے اور یہ دونوں باتیں بالکل باطل ہیں نظامِ عالم باحسن وجوہ موجود ہے تو معلوم ہوا کہ تعدد الٰہہ (یعنی چند خداؤں کا وجود) باطل اور محال ہے اور ظاہر ہے کہ جب چند خداؤں میں اختلاف ہوگا تو لامحالہ ایک کا اپنے ارادہ میں عاجز اور ناکام ہونا لازم آئیگا اور عجز اور ناکامی خدائی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام کلام۔ قاضی بیضاوی کی شرح اور تفصیل ہے حضرات اہل علم حاشیۂ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص ۲۴۸ ج ۶ اور حاشیہ ابن التجید اور حاشیہ قونوی علی التفسیر البیضاوی ص ۲۱۲ ج ۵ دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ چند معبودوں کا ہونا عقلاً محال ہے اس لیئے کہ چند معبود اگرچہ واجب الوجود ہونے میں شریک ہونگے لیکن صفات اور افعال کے اعتبار سے لامحالہ ایک دوسرے سے مختلف اور جدا اور ممتاز ہونگے کیونکہ تعدد اور اثنینیت کے لیے باہم تمایز ضروری ہے ورنہ پھر دو، دو نہ رہیں گے بلکہ ایک ہو جائیں گے اور جب چند معبود صفات اور افعال میں ارادہ اور اختیار میں مختلف ہونگے اور اس باہمی تنازع اور تخالف کی وجہ سے یا تو عالم سرے سے وجود ہی میں نہ آئیگا یا اس کا نظام درہم برہم ہو جائیگا کیونکہ دو قادر مطلق کا ہر فعل اور ہر ارادہ میں اور ہر مصنوع اور مخلوق میں بالکل متفق ہونا اور کسی قسم کا دونوں میں اختلاف نہ ہونا عقلاً محال ہے۔ اور دو فرمانروا اور ارکانِ دولت بعض مرتبہ انتظامی امور میں اتفاق کرتے ہیں سو وہ انکا اتفاق۔ اختلاف سے بچنے کے لیے ہوتا ہے اور بدرجہ مجبوری ہوتا ہے کہ وقتی ضرورت انکو اتفاق پر مجبور کر دیتی ہے جس سے ان کا عجز ثابت ہوتا ہے گویا بالفاظ دیگر اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لیے بنا بر مصلحت آپس میں سمجھوتہ کر لیتے ہیں کہ دونوں کی عزت اور آبرو اس اتفاق میں ہے۔ سو یہ امر بارگاہِ الوہیت میں ناممکن اور محال ہے، مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ممبروں میں ایسا اتفاق ممکن ہے مگر دو خداؤں میں ایسا اتفاق بلاشبہ محال ہے کہ ضرورت اور مصلحت کی بنا پر موافقت دونوں کے عاجز اور مضطر ہونے کی دلیل ہے

اور خدا اس سے پاک اور منزہ ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ ارشاد لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے وَ مَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذًا لَذَهَبَ

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ لَفَسَدَتَا میں فساد سے دو معنی مراد ہو سکتے ہیں یا تو فساد سے خراب ہونے اور بگڑنے کے معنی مراد لیے جائیں یا فساد سے عدم وجود کے معنی مراد لیے جائیں یعنی عالم سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا جیسا کہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ والمراد بالفساد البطلان والاضمحلال او عدم التکون (روح المعانی ص ۲۳ جلد ۱۷، وایضاً ص ۲۴ جلد ۱۷)

كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ۔ (سورۂ مؤمنون) ان دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہے اور اسی طرح ایک تیسری آیت اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰى ذِى الۡعَرۡشِ سَبِيۡلًا ۔ کا مضمون بھی تقریباً یہی ہے اس لیے بمناسبت مقام مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ مؤمنون کی آیت میں جس دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مختصراً اسکی بھی تقریر کر دی جائے۔

قال اللہ تعالیٰ وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ۔

یہ سورۂ مؤمنون کی آیت ہے حق جل شانہٗ نے اس آیت میں توحید کی دو دلیلیں بیان فرمائیں (اول) تو یہ وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ ۔ یعنی اگر خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا ہوتا تو لامحالہ ہر خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا ہوتی کیونکہ جب صانع دو ہیں اور الگ الگ ہیں تو انکی صنعت اور کاریگری بھی علیحدہ علیحدہ ہونی چاہیئے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کس خدا کی مخلوق ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے وَ لَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ۔ یعنی اگر کئی خدا ہوتے تو ایک دوسرے پر چڑھائی کر بیٹھتا، کیوں کہ خدائی تو کمالِ کبریائی اور کمالِ علو اور قہر اور غلبہ اور استقلال کو مقتضی ہے، دو خداؤں میں صلح کا کوئی امکان نہیں۔

حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سارا عالم متحد ہے اور ایک دوسرے سے مربوط ہے اور ایک خالق کی مخلوق دوسرے خالق کی مخلوق سے جدا اور ممتاز نہیں کہ دیکھ کر کہا جا سکتا کہ یہ چیز فلانے خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور یہ چیز فلانے خدا کی۔ جیسے کسی چیز پر کارخانہ کی مہر دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ چیز فلانے کارخانہ کی بنی ہوئی ہے۔

پس جب خالق دو ہیں تو انکی مخلوق بھی الگ الگ ہونی چاہیئے جب فاعل دو ہیں تو ان کے مفعول بھی جدا جدا ہونے چاہئیں اور ہر مخلوق پر کوئی علامت اور نشان ہونا چاہیئے جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ فلاں کی مخلوق ہے۔ توحید کی ایک دلیل تو یہ ہوئی اور دوسری دلیل یہ ہے وَ لَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ یعنی جب خدا دو ہوں گے اور دونوں قادر مطلق اور قاہر مطلق ہونگے تو لامحالہ ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے۔ پس جو مقابلہ میں غالب آجائے گا وہی خدا ہو گا اور اگر مقابلہ میں دونوں برابر رہے تو تب تو کوئی بھی خدا نہ رہے گا اس لیے کہ برابر سرابر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک خدا دوسرے خدا کا پورا مقابلہ نہیں کر سکا جو دلیل ہے کمزوری اور لاچاری کی اور کمزوری اور مجبوری اور لاچاری خدائی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ (دیکھو منہاج السنۃ لابن تیمیہؒ صفحہ ۶۸ از جلد ۲ تا صفحہ ۴۳ جلد ۲)

توحید اور اسلام

مذہب اسلام کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اسکی بنیاد دلائل عقلیہ اور فطریہ پر قائم ہے۔ اسلام کے

اصول مسلمہ میں ایک اصل توحید ہے جو اسلام کی اصل اول اور رکن رکین ہے اور دوسری اصل نبوت و رسالت ہے اور تیسری اصل قیامت و آخرت ہے اسلام کے دیگر اصول کی طرح۔ توحید بھی بے شمار دلائل عقلیہ سے ثابت ہے جس میں ذرہ برابر شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

اسلام نے جس قسم کی توحید پیش کی ہے اہل اسلام جس قدر بھی اس پر فخر کریں اور شکر کریں سب بجا اور درست ہے اجمالی طور پر اگرچہ ہر مذہب میں توحید کا اقرار پایا جاتا ہے مگر وہ شرک کی نجاستوں سے آلودہ ہے۔

عیسائی تین خدا مانتے ہیں اس گروہ کے نزدیک خدائی مثلث ہے اور مجوس دو خدا کے قائل ہیں۔ آدھی مخلوق ایک خدا کی اور آدھی ایک خدا کی گویا کہ ہر خدا میں نصفا نصف خدائی کی کمی رہی اور ہندو کم از کم تین خدا کے قائل ہیں۔ برھما۔ بشن۔ مہادیو۔ اوتاروں کی تو کوئی انتہا نہیں جو انکے نزدیک اوصاف خداوندی کے ساتھ موصوف ہیں۔ توحید کامل اسلام نے پیش کی کہ جس طرح خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح اسکی صفات میں بھی کوئی اسکا شریک نہیں۔ قرآن اور حدیث دلائل توحید سے بھرا پڑا ہے منجملہ بے شمار دلائل توحید کے ایک دلیل تمانع بھی ہے جو آیت مذکورہ بالا یعنی لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ میں مذکور ہے اور جس کی تقریر ناظرین کے سامنے آچکی ہے امید ہے کہ ناظرین کو قرآن کی اس برہان کی معقولیت اور قطعیت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اب میں نصاریٰ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین ہیں ایک باپ یعنی خدا تعالیٰ۔ دوسرا بیٹا یعنی مسیح علیہ السلام تیسرا روح القدس اور یہ تینوں آپکے نزدیک غیر مخلوق اور ازلی اور ابدی اور قادر مطلق ہیں (دیکھو دعائے عمیم) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے نزدیک خدائے مجسم ہیں پس مشرق و مغرب کے پادریوں سے میرا سوال یہ ہے) کہ کیا آپ اپنے اس عقیدہ تثلیث پر کوئی عقلی دلیل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ آپ حضرات یہ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ تین ایک میں اور ایک تین میں۔

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اے پادریو! اگر تم دعوائے تثلیث میں سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ قسم ہے خدائے وحدہٗ لاشریک کی کہ ہرگز نہ لاسکتے۔ نہیں لاسکتے۔ نہیں لاسکتے۔ اور علیٰ ہذا اگر ہندوستان کے سارے پنڈت اور بھارت کے سارے پنڈت جمع ہو جائیں تو وہ اپنے عقیدہ پر کوئی عقلی دلیل نہیں لاسکتے۔ یہ مذہب اسلام کا طغرائے امتیاز ہے کہ وہ اپنے مسائل کو عقل اور فطری دلائل سے ثابت کرتا ہے۔

دلیل توحید

توحید کی یہ روشن دلیل جو اس آیت میں ذکر کی گئی اور جو برہان تمانع کے نام سے مشہور ہے وہ ناظرین کرام نے پڑھ لی اب ہم مزید اطمینان اور مزید عرفان کے لیے اور چند دلائل توحید ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

دلیل (۱) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ خداوند ذوالجلال واحد ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، یعنی کوئی اس کے ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں چنانچہ آفتاب کو اس معنی کر واحد کہہ سکتے ہیں کہ وہ روشنی میں یکتا ہے اور جو چیز کسی کمال میں یکتا ہو اس پر واحد کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔

دلیل (۲) اسی طرح جب خدا کو واحد کہا جائے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ وہ صفات کمال اور سمات جلال و جمال میں یکتا ہے کوئی دوسری چیز اسکے ساتھ شریک نہیں

پس اگر اسکا کوئی شریک ہو تو تین احتمال ہیں۔ (۱) یا تو وہ جملہ صفات کمال میں ہر اعتبار سے اور ہر طرح سے اسکا مساوی یعنی اس کے برابر اور ہمسر اور اسکا ہم پلہ ہوگا۔ (۲) یا اس سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا۔ (۳) یا اس سے کم ہوگا اور تینوں باتیں باطل ہیں پہلی شق تو اس لیے باطل ہے کہ جن دو چیزوں پر لفظ دو کا بولا جائے ان کا باہم متغایر ہونا ضروری ہے ورنہ دو کہنا جائز نہ ہوگا کیونکہ تغایر کے لیے باہمی تمایز ضروری ہے۔

پس خدا کا شریک تمام صفات اور سمات میں من کل الوجوہ یعنی ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے خدا کے مماثل اور مساوی اور برابر ہوا تو دونوں میں امتیاز کیسے ہوگا۔ اور بغیر امتیاز کے تغایر ممکن نہیں لہذا دوسرے کو خدا کہنا غلط ہوگا۔ اور جب اثنینیت (دوئی) ختم ہوئی تو وحدت اور وحدانیت لازم آگئی اور دوسری شق اس لیے باطل ہے کہ خدا کا شریک خدا سے اس لیے اعلیٰ نہیں ہو سکتا کہ خدا اسی کو کہا جاتا ہے کہ جو جملہ کمالات میں اپنے کل ماسوا سے فائق اور اعلیٰ اور بالا ہو۔ کسی صفت میں بھی کسی موجود سے بھی کم یا اسکے مساوی نہ ہو پس جسکا نام آپ خدا کا شریک رکھتے ہیں حقیقت میں خدا وہی ہے جسکو آپ خدا بتاتے ہیں وہ خدا نہیں اس لیے کہ اس پر خدا کی تعریف صادق نہیں آتی، دونوں میں جو اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا وہی خدا ہوگا اور جو کمتر اور ناقص ہوگا وہ خدا نہیں ہوگا اور تیسری شق اس لیے باطل ہے کہ جو شریک اس سے کم ہوگا وہ اسکا شریک نہیں کہلا سکتا تو اس صورت میں خدا ایک ہی رہے گا۔ (دیکھو کتاب الاقتصاد للامام الغزالیؒ)

دلیل (۳) امام شہرستانیؒ دلیل تمانع کی تقریر کے بعد فرماتے ہیں۔ نیز اگر دو خدا ہونگے تو لامحالہ دونوں برابر کے ہونگے اور ہر ایک دوسرے سے من کل الوجوہ یعنی ہر اعتبار سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا تو دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ ہوگا اس لیے کہ خدا وہ ہے کہ جو سب سے بے نیاز ہو اور اسکے سوا کوئی بھی اس سے بے نیاز نہ ہو بلکہ سب اسکے محتاج ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔

نیز اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو وہ دونوں یا تو صفات ذاتیہ میں متفق اور متحد ہوں گے یا مختلف ہوں گے اگر متفق ہوئے تو دونوں میں امتیاز اور باہمی فرق کیسے ہوگا اور اگر مختلف ہوئے تو جو خدا صفات کمال کے ساتھ متصف ہوگا تو وہ خدا نہ ہوگا اس لیے کہ جب ایک خدا تو کمال علم اور کمال قدرت کے ساتھ موصوف ہوا تو دوسرا خدا جو اس خدا کے مخالف ہے وہ لامحالہ کمال علم اور کمال قدرت سے عاری ہوگا تو وہ خدا کیسے ہوگا۔

دلیل (۴) نیز ایک خدا کا وجود تو دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے اور دوسرے خدا کا وجود محض فرض ذہنی اور احتمال عقلی کے درجہ میں ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور جو چیز فرض ذہنی کے درجہ میں ہو وہ خدا نہیں ہو سکتی۔ (دیکھو نہایۃ الاقدام از صفہ ۹۰ تا صفہ ۱۰۱)

دلیل (۵) نیز تمام ممکنات وجود سے قبل حالت عدم میں تھیں پس اگر دو خدا اور دو خالق مانے جائیں تو یہ بتلایا جائے کہ کون سے خدا نے اس ممکن کے وجود کو اسکے عدم پر ترجیح دی ایک صانع اور خالق اور ایک واجب الوجود کا وجود ماننا تو لازمی ہے کہ جس نے ممکن کو وجود عطا کیا اب دوسرے خدا واجب الوجود کے اثبات کے لیے کوئی دلیل چاہیئے اس لیے کہ ترجیح بلا مرجح عقلاً محال ہے۔

دلیل (۶) نیز اثبات صانع کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے افعال و آثار قدرت سے استدلال کیا جائے پس اگر دو خدائے برحق ملنے جائیں تو ہر خدا کے لیے علیحدۂ علیحدۂ دلیل چاہیئے کہ یہ کہا جاسکے کہ یہ نشاناتِ قدرت و صنعت فلاں صانع کے وجود کی دلیل ہیں اور یہ نشاناتِ قدرت فلاں صانع کے وجود کی دلیل ہیں۔ (نہایۃ الاقدام صفہ ۹۳)

دلیل (۷) نیز عقلاً یہ امر ممکن نہیں کہ یہ کہا جائے کہ دو خداؤں میں سے بعض چیزوں کو ایک خدا نے پیدا کیا اور بعض چیزوں کو دوسرے خدا نے پیدا کیا کیونکہ اس صورت میں دونوں کا ناقص ہونا لازم آئے گا کہ خدائی دونوں کے درمیان میں نصفا نصف ہے آدھے کا یہ مالک ہے اور آدھے کا دوسرا مالک ہے پوری ملکیت اور پوری مالکیت کسی کو بھی حاصل نہیں اور اگر بالفرض ساری خدائی ایک ہی خدا کو دی جائے تو اسکی ملکیت اور مالکیت میں زیادتی اور اضافہ ہو جائیگا اور ظاہر ہے کہ کمی اور زیادتی مخلوق کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ خدا کی مالکیت تو ازل سے ابد تک کامل ہی رہتی ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی۔

دلیل (۸) نیز اگر ایجاد عالم کے لیے ایک خدا کافی نہیں تو پھر دو اور تین بھی کافی نہیں ہوں گے حسب ضرورت خداؤں میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہاں تک توحید کی آٹھ دلیلیں ہوئیں اور ان کے علاوہ ایک دلیل۔ دلیل تمانع تھی جسکا ذکر آیت مذکورہ میں تھا اور ایک دلیل سورۂ مومنون کی آیت تھی جسکی مختصر تقریر اور تفسیر ہم نے بیان کی یعنی آیت وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اس طرح یہاں تک توحید کی دس دلیلوں کا بیان ہو گیا فتلك عشرة كاملة۔

امام رازی قدس اللہ سرہٗ نے اس آیت یعنی لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا کی تفسیر میں توحید کی چودہ دلیلیں عقلی ذکر کی ہیں اور نقلی دلائل اسکے علاوہ ہیں حضرات اہل علم اصل تفسیر کی مراجعت کریں۔ (تفسیر کبیر صفہ ۱۰۵ ج ۶ صفہ ۱۰۸ ج ۶)

اور اس ناچیز نے اپنی تالیف مسمیٰ بہ علم الکلام میں توحید باری تعالیٰ کی دس عقلی دلیلیں ذکر کی ہیں وہاں دیکھ لی جائیں۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

فائدۂ علمیہ و نحویہ

متعلقہ بہ آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔

بحمدہٖ تعالیٰ برہان توحید کی تقریر ایسی صاف اور واضح کردی گئی کہ جو اہل اسلام کی تسلی اور تشفی کے لیے کافی ہے اب ہم خالص اہل علم کے لیے ایک علمی اور نحوی فائدہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

آیت ہٰذا یعنی لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ۔ میں جو لفظ اِلَّا واقع ہے یہ عام طور پر استثناء کے لیے آتا ہے اور گاہ بگاہ بمعنی غیر بھی آتا ہے جو در حقیقت معنی وصفی کے لیے وضع ہوا ہے۔ سو سیبویہ اور کسائی اور اخفش اور زجاج اور جمہور ائمۂ نحویہ کہتے ہیں کہ کلمہ اِلَّا اس آیت میں استثناء کے لیے نہیں بلکہ بمعنی غیر ہے جو اللہ کی صفت ہے اور اسی وجہ سے لفظ باعتبار اعراب کے مرفوع ہے نہ کہ منصوب کیونکہ یہ صفت ہے مرفوع کی لہٰذا یہ بھی مرفوع ہوگا اگر بجائے لفظ اِلَّا کے لفظ غیر ہوتا تو وہ بلاشبہ مرفوع ہوتا تو لفظ غیر کا اعراب اِلَّا کے بعد والے کلمہ پر جاری ہوا جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

وکل اخ مفارقہ اخوہ ؛ لعمر ابیک الا الفرقدان

یعنی قسم ہے تیرے باپ کی عمر کی۔ ہر بھائی سوائے فرقدین کے اپنے بھائی سے جدا ہونے والا ہے "فرقدان" دو ستاروں کا نام ہے جو قطب کے قریب ہیں، سو اس شعر میں اِلَّا بمعنی غیر ہے جو کل اخ کی صفت ہے جو اسی وجہ سے مرفوع ہے یعنی فرقدان آیا ہے اور اگر استثناء کے لیے ہوتا تو الا الفرقدین منصوب ہوتا۔

اسی طرح آیت میں لفظ اِلَّا اگر استثناء کے لیے ہوتا تو لفظ اللہ منصوب ہوتا مگر آیت میں بجائے نصب کے رفع آیا ہے اور آیت میں لفظ اِلَّا کو استثناء کے لیے لینا اور لفظ اللہ کو منصوب پڑھنا دو وجہ سے ناجائز ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس آیت میں معنوی فساد لازم آتا ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ لَوْ جاءنی القوم الا زیدا لقتلتھم۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر قوم میرے پاس ایسی حالت میں آتی کہ زید ان سے مستثنیٰ ہوتا تو میں ساری قوم کو قتل کر دیتا جس کا بطور مفہوم یہ مطلب ہے کہ اگر زید قوم کے ہمراہ ہوتا تو پھر میں قوم کو قتل نہ کرتا اسی طرح اگر آیت ہٰذا میں لفظ الا استثناء کیلئے ہوتا اور لفظ اللہ منصوب ہوتا تو آیت کے یہ معنی ہوتے کہ اگر آسمان و زمین میں ایسے چند خدا جن سے اللہ مستثنیٰ ہوتا تو دونوں خراب ہو جاتے تو اس سے بطریق مفہوم یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر آسمان و زمین میں ایسے چند خدا ہوتے کہ اللہ بھی انکے ساتھ ہوتا تو آسمان و زمین خراب نہ ہوتے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ استثناء اس حکم کی قید ہوتا ہے جو مستثنیٰ سے متعلق ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ تعدد الٰہ کی

صورت میں فساد عالم کا حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان الٰہ سے مستثنیٰ اور خارج ہو ورنہ نہیں۔ حالانکہ یہ معنی باطل اور غلط ہیں اس لیے کہ تعدد الٰہ کی صورت میں آسمان وزمین کا فساد ہر حال میں لازم ہے خواہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو یا نہ ہو تعدد الٰہ کی صورت میں فساد عالم لازم ہے خواہ اللہ تعالیٰ ان میں داخل ہو یا ان سے خارج یا مستثنیٰ ہو اور اگر لفظ اِلَّا بمعنی غیر لیا جائے تو پھر یہ خرابی لازم آئے گی اور یہ ہوگا کہ اگر اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں چند خدا ہوتے تو آسمان اور زمین دونوں تباہ و برباد ہو جاتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اٰلِھَة نکرہ ہے اور جمع جب نکرہ ہو تو محققین کے نزدیک اس سے استثناء جائز نہیں اس لیے کہ جمع منکر میں ایسا عموم نہیں کہ اگر استثناء نہ ہو تو مستثنیٰ اس میں داخل ہو جائے، یہ فائدۂ علمیہ ہم نے خاص مدرسین تفسیر کے لیے لکھ دیا ہے عام ناظرین کو اس کی ضرورت نہیں۔ حضرات اہل علم حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی صفحہ ۳۴۵ ج ۳ دیکھیں۔

علہ قال اهل النحو فی قوله تعالیٰ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا الا ههنا بمعنی غیر صفة للنکرة قبلها الا انه لما تعذر الاعراب جعل ما استحقته هو الرفع علی ما بعدها و المعنی لو کان یتولاهما ویدبرهما آلهة شتیٰ غیر الواحد الذی فطرهما لفسدتا ولا یجوز ان تکون الاستثناء و انا لو حملناها علی الاستثناء لکان المعنی لو کان فیهما آلهة مستثنیٰ منهم الله لفسدتا وهذا یوجب بطریق المفهوم انه لو کان فیهما آلهة معهم الله لا یحصل الفساد و ذٰلك باطل لانه لو کان فیهما آلهة سواه کان الله معهم او لم یکن معهم فالفساد لازم و لما بطل حملها علی الاستثناء ثبت ما ذکرنا و هو ان المعنی لو کان فی السماء والارض آلهة غیر الله لخربتا و هلك من فیها بوجود التمانع من الآلهة فان کل امر صدر عن اثنین فصاعدا لا یبقی علی نظام واحد و انما تعذر الاستثناء لان الاستثناء قید للحکم المتعلق بالمستثنیٰ منه فیکون الشرط کون الالهة فیهما تعین ان لا تکون معه تعالیٰ فیکون الفساد لازما لکون الآلهة فیهما دونه تعالیٰ الوجه الثانی لتعذر الاستثناء عدم شمول ما قبلها لما بعدها فان ما قبلها جمع منکر والجمع اذا کان نکرة لا یستثنیٰ منه عند جماعة من المحققین اذ لا عموم له بحیث یدخل فیه المستثنیٰ لولا الاستثناء انتهی کلامه ملخصا حاشیة شیخزاده علی تفسیر البیضاوی ص ۳۴۵ ج ۳۔

اور یہی مضمون البحر المحیط لابی حیان ص ۳۰۵ میں ہے جس میں استثناء کے علاوہ بدلیت پر بھی کلام کیا ہے حضرات مدرسین اسکی مراجعت کریں۔

حق جل شانہٗ نے گزشتہ آیت میں توحید کی ایک عقلی اور قطعی دلیل بیان فرمائی۔ اب آئندہ آیت میں اپنی تسبیح و تنزیہ کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ تو شرک کے شائبہ اور واہمہ سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ پس اللہ جو عرش کا مالک ہے وہ ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے جو مشرک اس کی شان میں کہتے ہیں کہ نہ اسکا کوئی شریک ہے اور نہ وہ اولاد رکھتا ہے اسکی عظمت و جلال اور کبریائی کی تو یہ شان ہے کہ اس کے کسی کام کے متعلق بطور باز پرس یا بطور احتجاج سوال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا وہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے وہ جو کرے حق ہے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔ غلام کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مالک سے باز پرس کر سکے اور بندے سب پوچھے جاتے ہیں۔ سب اسکے مخلوق اور مملوک بندے ہیں، قیامت کے دن بندوں سے سوال ہوگا کہ یہ کیوں کیا اور وہ کیوں کیا اور ہر ایک کو اسکے عمل کے مطابق جزاء و سزا ملے گی کیونکہ سب اسکے مملوک اور بندے ہیں سب پر مالک اور آقا کے حکم کی بجا آوری فرض اور لازم ہے اور جس سے سوال اور باز پرس ہو سکے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

قال اللہ تعالیٰ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

پس جب کوئی اسکی عظمت میں شریک نہیں تو پھر الوہیت اور معبودیت میں کون اسکا شریک ہو سکتا ہے کیا خدا کی اس بے مثال عظمت و جلال معلوم کر لینے کے بعد بھی ان لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں جو اسی کی مخلوق ہیں اور اس سے کمتر ہیں۔ یہ انکی صریح غلطی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اگر بالفرض ہوتا تو یہ عالم کبھی کا تباہ اور برباد ہو جاتا اور اسکا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

آپ ان منکرین توحید سے کہہ دیجئے کہ اچھا تم اپنی دلیل لاؤ کہ خدا کے سوا اور بھی خدا ہو سکتے ہیں۔ ہم نے

۱؎ ولا یجوز النصب علی الاستثناء لوجهين احدهما انه فاسد فی المعنی و ذالك انك اذا قلت لوجاءنی القوم الا زیدا لقتلتهم کان معناه ان القتل امتنع لكون زيد مع القوم فلو نصب فی الآیة لکان المعنی فساد السموات والارض امتنع لوجود الله مع الالهة و فی ذلك اثبات الالٰه مع الله و اذا رفعت علی الوصف لا یلزم مثل ذالك لان المعنی لو کان فیهما غیر الله لفسدتا و الوجه الثانی ان الهة هنا نكرة والجمع اذا کان نکرة لم يستثن منه عند جماعة من المحققین لانه لا عموم له بحيث يدخل المستثنى لولا الاستثناء ولا يجوز ان یکون بدلا لان المعنی یصیر الی قولك لو کان فیهما الله لفسدتا الاتری انك لو قلت ما جاءنی قومك الا زیدا علی البدل لكان المعنی جاءنی زید وحده وقیل یمتنع البدل لان ما قبله ایجاب کذا فی البحر المحیط ص ۳۰۶

توحید کو دلیل عقلی سے تو پہلی آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۔ میں ثابت کر دیا رہی دلیل نقلی تو وہ یہ ہے کہ یہی بات یعنی توحید میرے ساتھ والوں کی ہے اور یہی بات ہے مجھ سے پچھلے والوں کی کہ اس رب العرش کے سوا کوئی رب نہیں یعنی قرآن اور توریت اور انجیل اور دیگر صحف انبیاء سب اس پر شاہد ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے کسی کتاب میں اللہ کا شریک ہونا نہیں ملتا ۔ ہر کتاب میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت موجود ہے پھر تم نے حضرت مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا کیسے بنا لیا پھر ان میں اکثر آدمی حق اور باطل میں تمیز نہیں کرتے پس اس لیے وہ حق سے روگرداں اور منہ موڑے ہوتے ہیں اور اے نبیؐ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے آپ سے پہلے دنیا میں کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی بھیجتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔ مطلب یہ کہ توحید تمام شریعتوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور ان نادانوں میں سے بعض نے یہ بھی کہا کہ رحمٰن نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے کوئی کہتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت عزیرؑ خدا تعالٰی کے فرزند ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں سب غلط ہے اللہ اس بات سے پاک اور منزہ ہے بلکہ جنکے حق میں ان کا یہ گمان ہے وہ سب اللہ کے معزز اور محترم بندے ہیں جنکو اللہ نے عزت و کرامت بخشی مسلسل لیل و نہار ان کی عبادت اور سجود و لحظہ انکی تسبیح و تقدیس اسکی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں معاذ اللہ اسکی اولاد نہیں ۔ اور ایک دلیل انکی عبدیت کی یہ ہے کہ وہ آداب عبودیت میں اس درجہ غرق ہیں کہ کسی بات میں اللہ پر سبقت نہیں کرتے یعنی بغیر اسکی اجازت کے کوئی حرف زبان سے نہیں نکالتے اسکے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور وہ اللہ ہی کے حکم سے کام کرتے ہیں پس جب انکی عبدیت اور اطاعت کا یہ حال ہے تو انکو شریک ٹھہرانا بالکل بے سود ہے مطلب یہ ہے کہ کفار اپنے دل سے یہ امید نکال دیں کہ فرشتے انکی شفاعت کریں گے ۔ فرشتے بغیر اذن الٰہی کے ہرگز شفاعت نہیں کر سکتے ، فرشتے کسی قول و فعل میں حکم الٰہی سے سبقت نہیں کرتے ملائکہ میں یہ طاقت نہیں کہ از خود اپنی طرف سے کوئی بات کر سکیں یا اپنے ارادہ سے کوئی فعل کر سکیں کیونکہ وہ جانتے ہیں[1] کہ علم الٰہی انکو محیط ہے ۔ خدا خوب جانتا ہے جو انکے آگے ہے اور انکے پیچھے ہے یعنی خدا تعالٰی کو انکے گزشتہ اور آئندہ کے سب اعمال اور احوال معلوم ہیں ۔ کما فی قولہ تعالٰی وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۔

اور اسی وجہ سے ان کے ادب کی یہ کیفیت ہے کہ وہ کسی کے لیے سفارش نہیں کرتے مگر اس شخص کے لیے کہ جس کے لیے خدا پسند کرے یعنی جو مومن ہو اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قائل ہو اور خدا کی وحدانیت کا مقر ہو ۔ فرشتے دنیا میں بھی اہل ایمان ہی کی شفاعت کرتے ہیں ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور وہ فرشتے ہر وقت خدا کے خوف سے اور اس کے قہر اور جلال سے کانپتے اور تھرتھراتے رہتے ہیں ۔ خدا کی عظمت ہر وقت انکی نظروں کے سامنے ہے اور اگر بالفرض

[1] کما فی روح المعانی حیث قال فلذلک لا یراقبون احوالھم حیث انھم یعلمون ذلک (روح المعانی ص ۳۱ ج ۱۷)

کوئی ان میں یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں۔ مجھ کو پوجو تو ایسے کو ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو ایسی سزا دیا کرتے ہیں یعنی جو خدائی کا دعویٰ کرے اسکی سزا جہنم ہے اور فرشتے اور انبیاء ان باتوں سے پاک اور منزہ ہیں جو مشرکین انکی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں اور ہر لمحہ اس سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اسکے سامنے بول بھی نہیں سکتے پھر کس بنا پر تم نے انکو خدا کی اولاد ٹھہرایا۔ فرشتے اور انبیاءؑ سب خدا کے بندے ہیں۔ معاذ اللہ اسکی اولاد نہیں ۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ

اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے ؟ کہ آسمان اور

وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا

زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھولا ۔ اور بنائی

مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾ وَ

ہم نے پانی سے جس چیز میں جی ہے پھر کیا یقین نہیں کرتے؟ اور

جَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا

رکھے ہم نے زمین میں بوجھ کبھی انکو لیکر جھک پڑے اور رکھیں

فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا

اس میں کشادہ راہیں شاید وہ راہ پاویں ۔ اور بنایا ہم نے

السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا

آسمان کو چھت بچاؤ کی ۔ اور وہ اس کے نمونے

مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ

دھیان میں نہیں لاتے ۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور

وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ

دن اور سورج اور چاند سب ایک ایک گھر میں

يَسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

پھرتے ہیں۔

بیان دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت

قال اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا۔ الیٰ۔ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں تخلیق عالم اور دلیل توحید کا ذکر تھا اور اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے اس عالم کو عبث اور باطل اور بیکار اور بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ انواع واقسام کے صنائع اور بدائع سے مملو پیدا کیا تاکہ نظر کرنے والوں کے لیے تبصرہ اور عبرت پکڑنے والوں کے لیے تذکرہ ہو جائیں اور جس سے بندوں کے امور معاش اور معاد منتظم ہوں اور انکو دیکھ کر انکے خالق اور مدبر کو پہچانیں اور اسکے واحد قہار ہونے پر استدلال کریں اب آئندہ آیات میں کچھ اور دلائل قدرت وحکمت بیان کرتے ہیں جو وجود صانع پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ تمام کائنات اسکے دست قدرت میں مقہور اور مجبور اور مسخر ہیں، عرش سے فرش تک سارا کارخانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے ارادے اور مشیّت سے چل رہا ہے مشرکین کو چاہیئے کہ خدا کی ان نشانیوں میں غور وفکر کریں اور دیکھیں کہ انکی تخلیق وتدبیر میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ پھر عقلاً یہ کیسے روا ہے کہ اسکے ساتھ دوسرے کو پوجا جاوے اور اسکے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیا جائے اس ذیل میں حق تعالیٰ نے چھ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اوّل

کیا ان کافروں نے جو اللہ کی وحدانیت کے منکر ہیں اور غیروں کو اسکی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ چشم بصیرت ونظر عبرت سے یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں سمجھا کہ تحقیق آسمان وزمین ابتداء میں دونوں باہم متصل اور متلاصق تھے یعنی ایک دوسرے سے چپٹے ہوتے اور چپکے ہوئے ایک ہی بند چیز تھے پھر ہم نے انکو کھولا اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا جس سے آسمان الگ ہو گیا اور زمین الگ ہوئی۔ آسمان کو بلند کیا اور زمین کو پست کیا اور ہوا کے ذریعے دونوں میں فصل کر دیا پھر آسمان کو سات اور زمین کو سات کر دیا۔ دونوں کے منہ بند تھے اللہ نے اپنی قدرت سے دونوں کے منہ کھول دیئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے نباتات اگائے اور نہریں اور چشمے جاری کیے ابتداء میں آسمان اور زمین کے منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بندوں کے فائدے کے لیے دونوں کے منہ کھول دیئے۔ آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے

قسم قسم کی غذائیں اور پھل اُگنے لگے اور نہریں اور چشمے جاری ہوگئے کیا کافروں نے خدا تعالیٰ کے اس کرشمۂ قدرت میں غور نہیں کیا کہ کرشمۂ قدرت میں کوئی اسکا شریک اور سہیم نہیں پھر اسکی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہیں۔ آیت کی یہ تفسیر ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے اور اسی کو امام رازیؒ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ۶)

ابو مسلم اصفہانی سے یہ منقول ہے کہ "رتق" سے حالت عدم مراد ہے اور فتق سے حالت ایجاد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا مشرکین کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان و زمین ایک وقت میں معدوم تھے جن میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا پھر ہم نے انکو پیدا کر کے ان میں امتیاز قائم کیا جب سب حالت عدم میں تھے اس وقت ان میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے انکو وجود عطا کر دیا تب ایک چیز دوسری چیز سے متمیز ہوئی (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ جلد ۶ و روح المعانی ص ۳۲ جلد ۱۷)

اب اس قول کی بنار پر آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ کیا ان کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین پہلے معدوم تھے ہم نے اپنی قدرت سے انکو وجود عطا کیا تو جب مشرکین خدا کو خالق اور موجد مانتے ہیں تو پھر اسکے ساتھ دوسروں کو عبادت میں کیوں شریک کرتے ہیں۔

مگر محققین اور جمہور علماء تفسیر کے نزدیک صحیح قول وہی ہے جو ہم نے ابن عباسؓ اور سعید ابن جبیرؒ اور حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے نقل کیا۔

سوال رہا یہ سوال کہ مشرکین نے آسمان و زمین کی رتق اور فتق کو کب دیکھا جس پر انکو ملامت کی گئی اور کہا گیا اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں اور خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں چشم سر سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ چشم بصیرت اور نظر عبرت سے دیکھنا مراد ہے کہ اگر یہ لوگ غور و فکر کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ آسمان و زمین کے منہ پہلے بند تھے بعد میں کھولے گئے کیونکہ بہ دلالت عقل یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام اجسام علویہ اور سفلیہ سب حادث ہیں اور ان کے احوال اور کیفیات بھی سب حادث ہیں۔ آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً قسم قسم کے نباتات کا اگنا یہ بھی حادث ہے ان چیزوں کا حدوث آنکھوں کے مشاہدہ سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر حادث کے لیے کوئی مبدا اور منتہا چاہیئے جس پر تمام اسباب و علل کی انتہا ہوتی ہو اور ہر حادث کی منتہا واجب الوجود ہے جو ان محدثات کا محدث اور موجد ہے (دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازیؒ ص ۱۱۴ جلد ۶ و حاشیہ قونوی علی التفسیر البیضاوی ص ۲۱۷ ج ۵)

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ آسمان و زمین کا جسم متصل ہونا ظاہر ہے اور وقتاً فوقتاً آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً روئیدگی کا ہونا یہ بھی سب کی نظروں کے سامنے ہے اور عقل و فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کسی جسم متصل سے کوئی چیز کبھی کبھی نکلتی دکھائی دے تو دیکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اس جسم متصل

کا منہ اب تک بند تھا جب منہ کھلا تو مشک میں سے یا شکی میں سے پانی نکلنے لگا اور صندوق کا منہ بند تھا۔ جب منہ کھلا تو اس میں سے قسم قسم کے کپڑے نکلنے لگے، یہی حال آسمان اور زمین کا سمجھو، کفار نے اگرچہ آسمان و زمین کے رتق اور فتق کو نہیں دیکھا مگر آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا تو دیکھا ہے اسی کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا خود بخود نہیں بلکہ درپردہ کوئی دست قدرت کارفرما ہے کہ وہ جب اور جتنا اور جس وقت چاہتا ہے اس وقت اتنا ہی پانی آسمان سے برستا ہے اور یہی حال روئیدگی کا ہے بلکہ ہر سال موسم سرما و گرما میں جب بارش کے آنے میں دیر ہوتی ہے تو یہ کافر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ آسمان کا منہ بند ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان کا منہ کھولتا اور بارش برساتا ہے تو زمین کا بھی منہ کھل جاتا ہے اور قسم قسم کا سبزہ اگنے لگتا ہے، ہر سال اس منظر کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر بھی یہ کافر خدا کی قدرت پر ایمان نہیں لاتے۔

قسم دوم

اور کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس رتق اور فتق کے بعد اس جہان کی ہر زندہ چیز ہم نے پانی سے پیدا کی ہر جاندار چیز بلاواسطہ یا بالواسطہ پانی سے پیدا ہوئی اور زندگی اور حیات کے لیے پانی کی محتاج ہے گویا کہ ہر چیز کا مادۂ حیات پانی ہی ہے جیسا کہ دوسری آیات میں ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔ اور وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۔

اور مسند احمد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کل شیئ خلق من ماء ہر شئی پانی سے پیدا ہوئی ہے۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ فرشتے اگرچہ نور سے پیدا ہوئے اور جن نار سے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے لیکن اصل مادۂ حیات سب کا پانی ہے اور کَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا ہوا۔ واللہ اعلم۔

تو کیا یہ لوگ ہماری اس قدرت کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے اور قادر مختار کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

فائدہ گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ آسمان و زمین کے منہ بند تھے اور دونوں ایک چیز تھے، ہم نے آسمان کا منہ کھولا تو اس سے پانی برسا اور زمین کا منہ کھولا تو اس سے نہریں اور چشمے جاری ہوئے اور قسم قسم کے نباتات اُگے اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ نے پانی کے متعلق اپنی قدرت کی نشانی کو بیان کیا کہ ہر جاندار کی اصل پانی ہے اور تمام کرۂ زمین پانی سے گھرا ہوا ہے اور پانی ہی تمام زمین کے اندر بھرا ہوا ہے۔ عرش بھی پانی پر قائم ہے اور زمین بھی پانی پر قائم ہے اس لیے فرمایا کہ ہم نے ہر زندہ

چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

قسم سوم

اور بنائے ہم نے زمین میں محکم اور مضبوط پہاڑ بھاری بوجھ والے جو زمین پر خوب جمے ہوئے ہیں تاکہ زمین لوگوں کو لیکر ہلنے نہ لگے یعنی ہم نے اپنی قدرت سے زمین پر مضبوط پہاڑ قائم کر دیئے تاکہ زمین جم جائے اور ٹھہر جائے اور لوگ اس پر قرار پکڑ سکیں۔ پوری زمین پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، صرف چوتھائی زمین کھلی ہوئی ہے اس ربع مسکون کے باشندے آسمان اور چاند سورج کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

قسم چہارم

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین میں یا پہاڑوں میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ اپنی معاشی ضروریات کیلیے منزل مقصود تک راہ پا سکیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکیں جیسا کہ سورۂ نوح میں ہے لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ یا یہ معنی ہے کہ نظر و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت تک پہنچ سکیں اور ہدایت حاصل کر سکیں۔

قسم پنجم

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین کو اس عالم کے لیے فرش بنایا اور پھر آسمان کو اس زمین پر ایک محفوظ چھت بنایا جو باوجود بے ستون ہونے کے گرنے سے اور خراب ہونے سے محفوظ ہے کما قال تعالیٰ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ وقال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا۔

خدا کی بنائی ہوئی چھت ٹوٹنے اور پھوٹنے اور گرنے سے محفوظ اور شیاطین کے استراق سے بھی محفوظ ہے وہاں تک شیاطین کی رسائی نہیں۔ کما قال تعالیٰ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ۔ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۔ اور یہ مشرکین اس آسمانی چھت کی نشانیوں سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں جیسے شمس و قمر اور کواکب اور نجوم اور انکی حرکات اور ان کے طلوع و غروب میں یہ لوگ نظر نہیں کرتے۔

قسم ششم

اور اسی خدا نے پیدا کیا رات کو اور دن کو تاکہ رات میں سکون اور راحت پاویں اور دن میں روزی کما دیں اور پیدا کیا آفتاب کو جو دن کی نشانی ہے اور پیدا کیا چاند کو جو رات کی نشانی ہے ہر ایک ان میں سے اپنے اپنے فلک میں تیرتے اور سیر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر چیز کا وجود اور اسکی ہیئت اور اسکی حرکت اور سکون سب خدا کی قدرت اور اسکی وحدانیت کی دلیل ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالے نے اس مقام پر اپنی وحدانیت کی چھ دلیلیں ذکر کی ہیں اور ہر دلیل کے تحت صدہا دلیلیں مستور ہیں۔ کفار اگر ذرا غور کریں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت روز روشن کی طرح روشن ہو جائے۔

ایک شبہ اس زمانہ کے ملاحدہ کا اعتقاد یہ ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں بلکہ یہ خلاء بے انتہا ہے جس کی دوری کی کوئی حد نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم کو دوربین سے کچھ نظر نہیں آتا۔

جواب یہ دلیل بالکل مہمل ہے کسی چیز کا دوربین وغیرہ سے نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نیز از روئے نصوص شریعت آسمان۔ زمین سے پانچسو سال کی مسافت پر ہے اور وہ بالکل صاف شفاف جسم ہے موجودہ دوربین میں تو یہ قوت نہیں کہ اتنی دور کی چیز کو دریافت کر سکیں۔ البتہ آسمان کا پانی میں عکس نظر آنا یہ اسکے جسم ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پانی میں عکس جسم ہی کا نظر آسکتا ہے۔ محض ظلمت اور تاریکی کا کوئی عکس نہیں ہوتا اور تمام کتب سماویہ اور تمام انبیاء آسمانوں کے وجود پر متفق ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ خلاء بے انتہا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا غیر متناہی چیز کا وجود عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں اور سطح زمین سے بے انتہا دوری موجود بھی ہے یا نہیں کیا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ جس بُعد اور دوری کو آپ نے اپنے تصور و فکر میں غیر محدود رکھا ہے وہ محدود اور متناہی ہو اور اسکے بعد کوئی جسم صاف شفاف موجود ہو جو آپکو اب تک نظر نہیں آسکا۔ جیسا کہ دوربین کی ایجاد سے پہلے بہت سی چیزیں لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں جو اب نظر آنے لگی ہیں غرض یہ کہ کسی چیز کا کسی وقت کسی کو نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ئِنْ

اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ جینا پھر کیا اگر

مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ

تو مر گیا تو وہ رہ جاویں گے۔ ہر جی کو چکھنی ہے

الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَ

موت اور ہم تم کو جانچتے ہیں، برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو۔ اور

إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۳۵﴾

ہماری طرف پھر آؤ گے۔

بیان فناء عالم و رجوع ہمہ بسوئے خلاق عالم و جواب از شماتت اعداء

بموت سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ .. الی ... وَ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۰

(ربط) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دلائل قدرت کے ذیل میں چھ قسم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ جو تمام دنیوی نعمتوں کی اصل اور جڑ ہیں اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہ دنیا دارِ فنا ہے دار البقاء نہیں یہ پوری دنیا اور اس کی تمام چیزیں فانی ہیں اس دنیا کے عجائب و غرائب اور اسکی آرائش و زیبائش پر مفتون نہ ہو جانا۔ حق تعالیٰ نے ان چیزوں کو آزمائش اور امتحان کے لیے پیدا کیا ہے فنا اور موت ہر چیز کے لیے لازم ہے مرنے کے بعد تمکو خیر و شر کا بدلہ دیا جائیگا کوئی شخص ایسا نہیں کہ جسکو موت نہ آوے۔ ہر شخص کو مرنا ہے اور اپنے خالق کی طرف لوٹنا ہے، اپنے انجام کو سوچ لو۔

شانِ نزول

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار یہ کہتے تھے ـــــــ نَتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ۔ یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

مطلب یہ تھا کہ کفار حضور پر نور کی باتیں سن کر یہ کہتے تھے کہ یہ ساری دھوم دھام اس شخص کے دم تک ہے جب یہ مر جائیں گے تو یہ دھوم دھام سب جاتی رہے گی گویا کہ آپکی موت پر خوش تھے انکی شماتت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی گویا دلائل قدرت بیان کرنے کے بعد روئے سخن مسئلہ نبوت کی طرف پھیر دیا گیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہم نے آپؐ سے پہلے دنیا میں کسی بشر کو ہمیشگی نہیں دی۔ خواہ ولی ہو یا نبی دنیا میں بقاء اور دوام کسی کے لیے نہیں۔ پس اگر تو مر جائے تو کیا یہ لوگ آپکے بعد ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ کافر آپکی موت کے منتظر تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں دوام اور بقاء ہم نے کسی کو بھی نہیں دیا جو پیدا ہوا ہے وہ ضرور مرے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے وقت پر موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ خضر علیہ السلام ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام ہوں قیامت سے پہلے وہ بھی مرنے والے ہیں۔

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود
آنکہ پائندہ باقی است خدا خواہد بود

اور اے لوگو ہم تم کو اس دنیا میں بُرائی اور بھلائی کے ساتھ بطریق امتحان تم کو آزمار ہے ہیں بھلائی سے مراد امیری اور عزت و راحت اور صحت و عافیت اور ہر قسم کا عیش و آرام ہے اور برائی سے مراد سختی اور بیماری اور افلاس ہے برائی اور بھلائی میں پھنسا کر بندوں کے صبر و شکر کا امتحان لیا جاتا ہے اور انجام تم سب کا یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے پاس لوٹائے جاؤگے اور ہر ایک کو اسکے عمل کے مطابق جزا دیں گے۔ لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اس چند روزہ زندگی کی بجائے مرنے کے بعد کی زندگی کی زیادہ فکر کرو۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ

اور جہاں تجھ کو دیکھا منکروں نے اور کام نہیں تجھ سے مگر

اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ

ٹھٹھے میں پکڑنا۔ کیا یہی شخص ہے؟ کہ نام لیتا ہے تمہارے ٹھاکروں کا اور وہ

بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ خُلِقَ

رحمٰن کے نام سے منکر ہیں۔ بنا ہے

الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا

آدمی شتابی کا۔ اب دکھاتا ہوں تم کو اپنے نمونے سو

تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

مجھ سے جلدی مت کرو۔ اور کہتے ہیں کب ہوگا

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ

یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔؟ کبھی جانیں یہ

كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ

منکر اس وقت کو کہ نہ روک سکیں گے اپنے منہ سے آگ اور

لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ

نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔ کوئی نہیں وہ آوے گی

بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا
ان پر بیخبر پھر انکے ہوش کھودے گی پھر نہ سکیں گے اس کو پھیر دیں اور نہ
هُمْ يُنْظَرُونَ ۝٤٠ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ
انکو فرصت ملے گی۔ اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں کتنے رسولوں سے
قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا
تجھ سے پہلے پھر الٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر ان میں سے جس چیز کا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٤١ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ
ٹھٹھا کرتے تھے۔ تو کہہ کون چوکی دیتا ہے تمہاری رات میں اور

النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ
دن میں رحمٰن سے؟ کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے
مُّعْرِضُونَ ۝٤٢ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ
ٹال کرتے ہیں۔ یا اُن کے کوئی ٹھاکر ہیں، کہ انکو بچاتے ہیں ہمارے سوا؟
لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا
وہ اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ انکو ہماری طرف سے
يُصْحَبُونَ ۝٤٣ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى
رفاقت۔ کوئی نہیں پر ہم نے برتوایا انکو اور انکے باپ دادوں کو یہاں
طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ
تک کہ بڑھ پڑا ان پر جینا۔ پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین
نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُونَ ۝٤٤ قُلْ
کو گھٹاتے اسکے کناروں سے؟ اب کیا یہ جیتنے والے ہیں۔ تو کہہ

إِنَّمَآ أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ

میں جو تم کو ڈر سناتا ہوں سو حکم کے موافق، اور سنتے نہیں بہرے پکار کو

إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَئِن مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ

جب کوئی انکو ڈر سناوے۔ اور کبھی پہنچے انکو ایک بھاپ تیرے

عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٤٦﴾

رب کی آفت کی، تو مقرر کہنے لگیں، اے خرابی ہماری! بیشک ہم تھے گناہ گار۔

وَنَضَعُ الْمَوَٰزِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَٰمَةِ فَلَا

اور رکھیں گے ہم ترازویں انصاف کی قیامت کے دن، پھر

تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ

ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ۔ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانے

خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَٰسِبِينَ ﴿٤٧﴾

کے وہ ہم لے آویں گے اور ہم بس ہیں حساب کرنے کو۔

بیان انجام استہزاء و تمسخر بارگاہِ رسالت وتہدید بہ عذاب آخرت

وقال اللہ تعالیٰ وَإِذَا رَءَاكَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا ... الیٰ۔ وَكَفَىٰ بِنَا حَٰسِبِينَ ۔

ربط: گزشتہ آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر شماتت کرنے والوں کا جواب تھا اب ان آیات میں ان لوگوں کے انجام بد کو بیان کرتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسخرہ پن کرتے تھے اور قیامت کا مذاق اڑاتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دفعتاً آجائے گی اور اس وقت ان کو اپنے استہزاء اور تمسخر کا مزہ معلوم ہو جائیگا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور ان عاشقان دنیا اور منکرین آخرت کی حالت یہ ہے کہ یہ کافر جب آپکو دیکھتے ہیں تو بس آپ کو ٹھٹھا اور مذاق ہی بنا لیتے ہیں، یہ بھی ابتلاء الٰہی ہے کہ رسول کو دیکھ کر جو کہ عین رحمت ہے

تمسخر کرتے ہیں اور بعض بعض سے یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی کے ساتھ نام لیتا ہے اور انکو اندھا اور بہرا اور گونگا بتلاتا ہے اپنے فرضی معبودوں کے ساتھ تو ان نادانوں کا یہ حال ہے اور خدود برحق کے ساتھ انکا یہ حال ہے۔ کہ رحمٰن کے نام سے منکر ہیں۔ کفار رحمٰن کے نام سے چڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو سوائے مسیلمہ یمامہ کے کسی کو رحمٰن نہیں جانتے غرض یہ کہ ان نادانوں کا عجیب حال تھا کہ رسول خدا کو دیکھتے تو انکا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ کیا خدا نے اسی شخص کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ شخص تو ہمارے معبودوں کا برائی کے ساتھ نام لیتا ہے ہمیں ڈر ہے کہ اس شخص کی باتیں ہماری قوم کو گمراہ نہ کر دیں۔ اپنے بتوں پر ناز کرتے اور رحمٰن کے نام سے چڑتے ہیں جن کی حالت یہ ہو وہ قابل تمسخر اور استہزاء ہیں نہ کہ رسول برحق اور انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے یعنی یہ عجلت اور جلد بازی اسکی فطرت میں داخل ہے اس لیے وہ ہر بات کو جلد چاہتا ہے اور انجام پر غور نہیں کرتا اس لیے یہ مسخرے عذاب الٰہی میں بھی جلدی ہی چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے جواب میں فرماتے ہیں۔ عنقریب میں تم کو اپنے قہر کی نشانیاں دکھلاؤں گا سو تم جلدی مت کرو۔ مشرکین آنحضرت سے جلدی عذاب مانگتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ اپنے نافرمانوں کو فوراً عذاب میں نہیں پکڑتا بلکہ انکو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ عذاب وقت سے پہلے آتا نہیں اور آنے کے بعد ٹلتا نہیں اور یہ لوگ جب عذاب الٰہی کی دھمکی سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عذاب کا یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم اس عذاب کے وعدے میں سچے ہو اللہ تعالیٰ انکے جواب میں فرماتے ہیں اگر یہ جلد باز کافر اس ہولناک وقت کو جان لیں کہ جب وہ نہ اپنے چہروں سے عذاب کو روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھ کی طرف سے آنے والے عذاب کو دفع کر سکیں گے اور نہ انکو اس وقت کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ سو یہ کافر اگر ایسے عذاب کو جان لیں تو اسکے مانگنے میں جلدی نہ کریں اور نہ یہ کہیں۔ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ لیکن خوب سمجھ لیں کہ اللہ کا قہر اور عذاب ان سے پوشیدہ رکھا گیا ہے انکی فرمائش کے مطابق اطلاع کر کے نازل نہ ہوگا۔ بلکہ اس عذاب اور مصیبت کی ساعت اور وہ قیامت جس کو وہ پوچھتے رہتے ہیں کہ کب آئے گی۔ اچانک ان پر آپہنچے گی۔ اور پھر انکو مبہوت اور حیران بنا دے گی۔ اور انکے ہوش کھو دے گی پھر اس کے دفع کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے اور نہ مہلت دیئے جائیں۔ کیونکہ وقت مہلت کا بھی گزر چکا ہے اور اے نبی آپ ان کے استہزاء اور تمسخر سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں آپ سے پہلے کتنے ہی رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا پس بالآخر ان لوگوں کو جو رسولوں کے ساتھ تمسخر کرتے تھے اس عذاب نے آگھیرا جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ ان کافروں کا یہی حال ہونا ہے پس اے نبی آپ تسلی رکھیے گزشتہ پیغمبروں کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں پر اللہ کا عذاب اچانک آیا پہلے سے انکو وقت نہیں بتلایا گیا۔

ان آیات میں کفار کی عجلت اور جہالت کو بیان کیا کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ناواقف ہیں۔ اب آئندہ آیات میں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت اور کمال رحمت کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ ارحم الراحمین دن رات اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان کافروں سے جو رحمٰن کے

اور اسکی رحمت کے منکر ہیں اور آپ کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں خدا کی عقوبت اور مصیبت اور طرح طرح کی بلاؤں سے تمہاری حفاظت کرتا ہے سوائے رحمٰن کے کوئی نہیں اسی کی رحمت کی بناء پر تم اس کے ناگہانی عذاب سے بچے ہوئے ہو۔ حق تو یہ تھا کہ اس رحمٰن و رحیم کی رحمت کے قائل ہو جاتے مگر اب بھی قائل نہ ہوئے بلکہ اب بھی بدستور اپنے پروردگار کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ شکر گزار بنتے۔ شکر تو کیا کرتے الٹے اسکی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اب آگے ان سے دریافت کرتے ہیں کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور معبود ہیں جو انکو ہمارے عذاب سے بچا لیں گے وہ بیچارے تو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔ دوسرے کی کیسے کر سکتے ہیں اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی انکا ساتھ دے سکتا ہے یعنی انکا کوئی ساتھی نہیں جو مصیبت کے وقت میں انکا ساتھ دے اور اب تک جو لوگ عذاب سے بچے ہوئے ہیں اسکی وجہ یہ نہیں کہ ان کے معبود ان کی حفاظت کر رہے ہیں بلکہ اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ ہم نے انکو اور ان کے آباؤ اجداد کو دنیا سے خوب بہرہ مند کیا اور انکو نعمت اور مہلت دی یہاں تک کہ انکی عمریں دراز ہو گئیں سو وہ مغرور ہو گئے اور سمجھ بیٹھے کہ ہم ہمیشہ اسی عیش و عشرت میں رہیں گے اور یہ نہ سمجھے کہ دنیا کی عیش و عشرت کو دوام اور بقاء نہیں ہے

مغرور مشو کہ دمبدم دست اجل ✽ برہم زند ایں بنا کہ افراشتہ اند

اللہ کی حلیمی اور مہلت سے یہ لوگ دھوکے میں پڑ گئے اور عذاب کا انکار کر بیٹھے۔ کیا انکا گمان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں گے اور شتر بے مہار کی طرح چھٹے پھریں گے اور خدا کی طرف سے کوئی پکڑ نہ ہوگی پس کیا مغرورین دیکھ نہیں رہے کہ ہم زمین کفر کو یعنی دار الحرب کو ہر چہار طرف سے گھٹاتے اور کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔ پس کیا یہ لوگ اس توقع اور گمان میں ہیں کہ یہ اسلام پر غالب آ جائیں گے یعنی دن بدن کافروں کا زور گھٹتا جا رہا ہے اور انکے ملک اور شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ رہے ہیں اور مسلمانوں کا ملک دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے کیا ان لوگوں کو اس بات سے عبرت اور تنبیہ نہیں ہوتی کہ اپنے کفر سے رجوع کریں اور سمجھیں کہ یہ سب غیبی امداد ہے کہ اللہ تعالٰی اپنے بے سرو سامان بندوں کی یعنی اہل ایمان کی غیب سے مدد کر رہا ہے پس جب کفار مسلمانوں کے ساتھ یہ تائید غیبی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو انکو چاہیئے کہ اپنے دل سے اپنے غلبہ کا خیال نکال دیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ دن بدن اسلام پھیلتا جاتا ہے اور مسلمان بڑھتے جاتے ہیں اور کفر گھٹتا جا رہا ہے کیا اس مشاہدہ کے بعد بھی انکا گمان ہے کہ وہ غالب آ جائیں گے۔

پہلی تفسیر پر یہ شبہ وارد ہو سکتا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور مسلمانوں کا غلبہ اور فتوحات وہ جہاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور جہاد مدینہ منورہ میں شروع ہوا اس لیے کہ زمین کا کفار کے قبضہ سے نکل کر تھوڑا تھوڑا مسلمانوں کے ہاتھ میں آنا یہ بات مکہ مکرمہ میں نہ تھی اس لیے بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں سے یہ آیت مکی ہونے سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ جلال الدین سیوطیؒ نے اتقان میں ذکر کیا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ

سورت مکی ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ دن بدن لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور زمین سے کفر کم ہوتا جا رہا ہے اور یہ بات ہجرت اور جہاد سے پہلے ہی ظہور میں آچکی تھی ہجرت سے پہلے مکہ اور مدینہ کے اطراف اور نواحی میں اسلام پھیل چکا تھا۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے مال و دولت کے غرہ میں نہ رہو۔ جزایں نیست کہ میں اللہ کے حکم کے مطابق تم کو عذاب سے ڈراتا ہوں۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ میرا کام تو ڈرانے کا ہے تم اپنے انجام کو سوچ لو لیکن یہ بہرے ڈرانے والے کی پکار کو سنتے نہیں جب کبھی بھی یہ بہرے عذاب الٰہی سے ڈرائے جاتے ہیں یعنی یہ کافر حق کی طرف سے ایسے بہرے ہوگئے کہ کتنا ہی انکو ڈرایا جائے سنتے ہی نہیں بڑے بہادر اور دلیر بنے ہوئے ہیں اور انکی بہادری کا یہ حال ہے کہ اگر انکو تیرے پروردگار کے عذاب کی ایک ادنیٰ سی بھاپ بھی پہنچ جائے اور عذاب کی ذرا سی ہوا بھی لگ جائے تو ضرور بالضرور یہی کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی بلاشبہ ہم ظالم تھے۔ یعنی پہلے تو بڑے بہادر بنے ہوئے تھے اور عذاب کی جلدی مچا رہے تھے مگر جب عذاب کا ذرا سا جھونکا بھی لگے گا تو ساری بہادری ختم ہو جائے گی اور اپنے قصور کا اعتراف کریں گے اور یہ اگرچہ ظالم ہیں مگر ہماری طرف سے ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور عدل و انصاف کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا فیصلہ کریں گے جسکی نیکیاں بدیوں پر غالب ہونگی وہ نجات پائے گا۔ اور جس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہونگی اسے ذلیل وخوار کرکے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔ سو کسی جان پر ذرا برابر ظلم نہیں کیا جائیگا اور اگر کسی کا کوئی عمل نیکی یا بدی رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا۔ اگرچہ وہ پتھر کے اندر ہو یا آسمان و زمین میں ہو تو ہم اسکو وہاں لاکر سب کے سامنے حاضر کر دیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو ہمیں کسی ترازو کی حاجت نہیں ہم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تو یہ فرمایا۔

حاسبونا فدققوا ÷ ثم منوا فاعتقوا
هكذا سمة الملوك ÷ بالمماليك يرفقوا

یعنی انہوں نے ہم سے حساب لیا پس ذرہ ذرہ کا حساب لیا۔ پھر احسان کرکے آزاد کر دیا۔ اسی طرح بادشاہوں کی عادت ایسی ہی ہوتی ہے کہ اپنے غلاموں پر نرمی کیا کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ

اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون کو چکوتی اور

ضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

روشنی اور نصیحت ڈر والوں کو۔ جو ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾
اپنے رب سے بن دیکھے اور وہ قیامت کا خطرہ رکھتے ہیں۔
وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾
اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی، جو ہم نے اتاری۔ سو کیا تم اس کو نہیں مانتے؟

تفصیل احوال انبیاء سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

برائے اثبات توحید و رسالت و قیامت

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر توحید اور رسالت کے متعلق اور پھر منکرین نبوت و آخرت کے دنیاوی اور اخروی عذاب کے متعلق مضامین بیان فرمائے اب انہی مضامین کی تائید کے لیے چند انبیاء سابقین کے احوال کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دس قصے بیان فرمائے۔

(۱) قصۂ موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ .. الی .. اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔
اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے قبل موسیٰ اور ہارون کو ایسی چیز عطا کی جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی اور ایک کو دوسرے سے جدا کرنے والی تھی، مراد اس سے توریت ہے جو حق اور باطل اور حلال و حرام کے فرق کو واضح کرنے والی تھی اور ان کو روشنی عطا کی۔ یعنی ان کو ایک روشن کتاب عطا کی جس سے تاریکیوں میں راستہ نظر آئے اور پرہیزگاروں کے لیے وعظ و نصیحت کی چیز عطا کی۔ یہ تینوں صفتیں توریت کی ہیں جو حق اور باطل کا فیصلہ کرتی تھی۔ اور مشعل ہدایت تھی جس سے دل میں نور پیدا ہوتا تھا اور وعظ و نصیحت تھی، ایسے پرہیزگاروں کے لیے جن کا وصف یہ ہے کہ جو اپنے پروردگار سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اور خاص طور پر وہ قیامت سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اور توریت کے بعد یہ قرآن جو تمہارے پاس ہے یہ بھی ایک عظیم برکت والی نصیحت ہے

جس کو ہم نے مقام عظمت وجلال سے اتارا ہے اور جو انوار و برکات میں تمام کتب سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ سو کیا اے اہل مکہ تم اس مشعل ہدایت سراپا نور و برکت کی نورانیت اور برکت کے منکر ہو۔ اور اسکی نورانیت اور خیر و برکت کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب اللہ نے اتاری ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اس کتاب کو نہیں بنا لیا۔ اس مبارک کتاب کی خیر و برکت اور نورانیت اسکے دل میں پہنچتی ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو اور قیامت سے لرزتا ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ

اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اسکی نیک راہ اور ہم رکھتے ہیں اسکی

عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ

خبر۔ جب کہا اس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو یہ کیا

التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

مورتیں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو؟

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہیں کو پوجتے

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ

بولا مقرر رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے صریح

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ

غلطی میں۔ بولے تو ہم پاس لایا ہے سچی بات یا تو

مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

کھلاڑیاں کرتا ہے۔ بولا نہیں پر رب تمہارا وہی ہے رب آسمان

وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ

اور زمین کا جس نے انکو بنایا، اور میں اسی بات کا

مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ

قائل ہوں۔ اور قسم اللہ کی! میں علاج کرونگا تمہارے بتوں کا

بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا

جب تم جا چکوگے پیٹھ پھیر کر۔ پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا

مگر ایک بڑا انکا کہ شاید اس پاس پھر آویں۔ کہنے لگے

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾

کس نے کیا یہ کام ہمارے ٹھاکروں سے؟ وہ کوئی بے انصاف ہے۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾

وہ بولے ہم نے سنا ہے ایک جوان انکو کچھ کہتا، اسکو پکارتے ہیں ابراہیم۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ

وہ بولے اسکو لے آؤ لوگوں کے سامنے، شاید وہ

يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

دیکھیں۔ بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے ٹھاکروں پر

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا

اے ابراہیم۔ بولا نہیں، پر یہ کیا ان کے اس بڑے نے سو ان

فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى

سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ پھر سوچے اپنی جی میں

اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ

پھر بولے، لوگو! تم ہی بے انصاف ہو۔ پھر

نُكِسُوا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ

اوندھے ہو رہے سر ڈال کر تو تو جانتا ہے جیسا یہ

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

بولتے ہیں۔ بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ سے ورے ایسے کو

لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا

کہ تمہارا کچھ بھلا کرے نہ برا؟ بیزار ہوں میں تم سے اور

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا

جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ کیا تم کو بوجھ نہیں۔؟ بولے

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

اسکو جلاؤ اور مدد کرو اپنے ٹھاکروں کی اگر کچھ کرتے ہو۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَ

ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈک ہو جا اور آرام، ابراہیم پر۔ اور

اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ

چاہنے لگے اسکا برا پھر انہی کو ہم نے ڈالا نقصان میں۔ اور بچا نکالا ہم

وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

نے اُسکو اور لوط کو، اس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا

اور بخشا ہم نے اسکو اسحٰق، اور یعقوب دیا انعام میں اور سب

جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ

کو نیک بخت کیا۔ اور اُن کو کیا ہم نے پیشوا راہ بتاتے

بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ

ہمارے حکم سے اور کہہ بھیجا انکو کرنا نیکیوں کا، اور کھڑی رکھنی

الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝۷۳

نماز اور دینی زکوٰۃ اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے۔

(۲) قصۂ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ ... الیٰ .... وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝

یہ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جو اہل عرب اور اہل کتاب کے مسلم بزرگ ہیں اور ابتداء عمر سے توحید کے دلدادہ اور شرک اور بت پرستی کے دشمن تھے اور حضرت ابراہیمؑ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم کو موسیٰؑ اور ہارونؑ سے پہلے یا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے خاص ہدایت اور خاص صلاحیت عطا کی تھی۔ جو انکی شان کے لائق تھے اور ہم انکی ہدایت اور صلاحیت سے واقف اور باخبر تھے ہم ہی نے انکو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا منبع اور مخزن بنایا تھا یا یہ معنی ہیں کہ ہم نے ابراہیمؑ کو نبی ہونے سے پہلے ہی حق کی معرفت عطاء کردی تھی یا ان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ہم نے انکو خاص اور کامل رشد عطاء کی تھی ہم ان کی صلاحیت اور اہلیت سے باخبر تھے کیونکہ ان کے وجود کی طرح انکی صلاحیت بھی ہماری عطاء کردہ تھی اور اسکا ظہور اس وقت ہوا۔ جبکہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جنکے تم معتکف اور مجاور بنے ہوئے ہو اور جنکی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہو وہ بولے ہم نے اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرنے والا پایا لہذا ہم انکی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ بے شک تم اور تمہارے باپ دادے کھلی گمراہی میں پڑے رہے انکا یہ عمل کسی حجت اور برہان کی بناء پر نہ تھا بلکہ محض انکے نفس کی خواہش تھی اور ایسی کھلی گمراہی تھی جو کسی عاقل پر مخفی نہیں رہ سکتی وہ تعجب سے بولے کیا تو حقیقت میں کوئی حق بات لے کر آیا ہے یا تو دل لگی کرنے والوں میں سے ہے ہمارے ساتھ دل لگی کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بلکہ تم کھیل اور دل لگی کر رہے ہو۔ حق اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اس بات پر تمام ملائکہ اور تمام مخلوق الٰہی شاہد اور گواہ ہے اور میں بھی منجملہ شاہدوں کے ایک شاہد ہوں اور میں اس امر واضح پر دلیل اور برہان بھی قائم کر سکتا ہوں اور میں اسکو خوب جانتا ہوں اور اس پر یقین رکھتا ہوں اور آہستہ سے کہا کہ خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی خوب گت بناؤں گا۔ جب تم پشت پھیر کر ان بتوں کے پاس سے کہیں چلے جاؤ گے۔ یعنی جب تم عید میں چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کا علاج کروں گا یعنی تمہارے بتوں کو توڑ ڈالوں گا

جس سے انکا عاجز اور درماندہ ہونا تمہارے مشاہدہ میں آجائے گا پس جب وہ لوگ اپنی عید میں جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام مرض کا عذر کر کے پیچھے رہ گئے اور کہا کہ میں بیمار ہوں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اگر بتماشائے عید طلبند ۞ خلیل وار بدیشاں بگو کہ بیمارم

جب وہ چلے گئے تو ابراہیم علیہ السلام ان کے بت خانہ میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک بڑا بُت رکھا ہوا ہے اور اسکے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے بت ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے بطور استہزاء ان سے خطاب کیا اَلَا تَاْكُلُوْنَ تم کھاتے کیوں نہیں۔ بعد ازاں کہا مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ تم کو کیا ہوا کہ بولتے نہیں بعد ازاں ایک تبر سے انکو توڑنا شروع کر دیا کما قال تعالیٰ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ۔ اور سوائے ایک بُت کے جو سب سے بڑا تھا سب کو توڑ ڈالا اور کلہاڑا اس بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کر دیا ابراہیمؑ نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے مگر انکے بڑے بت کو نہ توڑا اور کلہاڑا اسکی گردن میں لٹکا دیا۔ شاید وہ مشرکین اپنے اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں جیسا کہ انکا طریقہ ہے کہ وہ مشکلات میں بتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے پوچھیں کہ ان چھوٹے بتوں کو کس نے توڑا۔ ابراہیم علیہ السلام کی غرض انکو الزام دینا تھا کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے وہ ایسے عاجز اور لاچار ہیں کہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے اور اس بڑے بُت نے بھی چھوٹے بتوں کی کوئی مدد نہ کی اور عجب نہیں کہ بڑے بُت کی گردن میں کلہاڑا لٹکانے سے اشارہ اس طرف ہو کہ اس منظر کو دیکھ کر لوگ خیال کریں کہ اس بڑے بُت کو غیرت آئی کہ میرے ساتھ ان چھوٹے بتوں کی کیوں پرستش کی جاتی ہے اس لیے غیرت کی بناء پر اس نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ۔ میں الیہ کی ضمیر كَبِيْرًا لَّهُمْ (یعنی بڑے بت) کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید عید سے واپسی کے بعد اس بڑے بُت کی طرف رجوع کریں۔ جس طرح کہ وہ حل مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس منظر کو دیکھ کر اس سے یہ کہیں کہ ان بتوں کو کیا ہوا کہ سب کے سب ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں اور تجھے کیا ہوا کہ تو صحیح سالم ویسا ہی ہے اور یہ کیسا تیشہ ہے جو تیری گردن میں لٹکا ہوا ہے یہ دیکھ کر جان لیں گے کہ یہ بُت کسی بھلائی اور برائی کے مالک نہیں یہ تو ایسے عاجز ہیں کہ اپنے سے بھی ضرر کو دفع نہیں کر سکتے۔ یہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید وہ لوگ واپسی کے بعد ابراہیمؑ کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ وہ بتوں کی عداوت میں مشہور تھے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید وہ اپنے بتوں کی عاجزی اور لاچاری اور انکی ذلت و خواری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رجوع کریں۔ غرض یہ کہ اس بحث و مناظرہ میں دو طریقے اختیار کیے ایک قولی اور ایک فعلی۔ اول زبان سے انکے بتوں کی بے بسی ثابت کی۔ جب وہ اس سے قائل نہ ہوئے تو زبانی حجت سے گزر کر فعل سے بتوں کی بے بسی ثابت کی کہ وہ اپنی حفاظت اور مدافعت سے بھی عاجز ہیں اس طرح قول اور فعل دونوں طریق سے ان

پر حجت قائم کردی۔

پس جب وہ لوگ اپنی عید سے واپس آئے اور بُت خانے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا بولے کس نے ایسا کیا ہمارے بتوں کے ساتھ وہ شخص جس نے ایسا کام کیا بے شک وہ ظلم کرنے والوں میں سے ہے۔ بعض نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو سنا ہے کہ وہ انکا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتا رہتا ہے اسکا نام ابراہیمؑ بتلایا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس نے کیا ہے یہ کام اس کے سوا کون کرسکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب مشرکین سے گفتگو کی تھی تو اسی وقت انکی زبان سے یہ لفظ نکلا تھا۔ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ الخ یعنی میں تمہارے ساتھ ایک چال چلوں گا تو جس شخص نے یہ لفظ حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے سنا تھا اس نے یہ کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ کام اس نوجوان کا ہے کہ بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا تھا۔ جب یہ خبر نمرود اور اس کے ارکان دولت کو پہنچی تو بولے کہ پھر تو اسکو لے آؤ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تاکہ لوگ گواہی دیں کہ بتوں کو توڑنے والا یہی شخص ہے یا یہ معنی ہیں کہ اسکو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ اس کو دیکھیں حضرت ابراہیمؑ بھی یہی چاہتے تھے کہ مجمع میں اس پر گفتگو ہو تاکہ ان لوگوں کی جہالت اور بے عقلی ظاہر ہو کہ جو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیمؑ حاضر کیے گئے اس وقت ان لوگوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے، ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں کہا بلکہ اس کام کو ان کے اس بڑے نے کیا ہے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور تیشہ (کلہاڑا) اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے ہے جو توڑنے کا آلہ ہے۔ شاید اس کو اس بات پر غصہ اور غیرت آئی ہو کہ تم اس بڑے کے ساتھ اور اس کے سامنے ان چھوٹوں کو کیوں پوجتے ہو اس لیے اس نے انکو توڑ دیا۔ کیا جب اس بڑے بت کا معبود ہونا ممکن ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ کام بھی اس نے ہی کیا ہو اور اگر تمہیں یہ شبہ ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے سو تم ان چھوٹے بتوں ہی سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں یہ خود ہی بتلادیں گے کہ یہ کام کس نے کیا ہے، تمہارے اعتقاد میں جب یہ بُت تمہاری حاجت روائی کرسکتے ہیں تو لامحالہ تمہارے سوال کا جواب بھی دے سکیں گے۔ حضرت خلیل اللہؑ کی مراد یہ تھی کہ جو اس درجہ عاجز ہے کہ بولنے پر بھی قادر نہیں تو اس کو معبود بنانا حماقت ہے۔ کیونکہ جو بولنے سے بھی عاجز ہے اور جس مکان میں یہ واقعہ پیش آیا اس کے علم سے بھی قاصر ہے تو وہ معبود کیونکر ہوسکتا ہے۔ بتوں کو توڑنے والے بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ تھے لیکن بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا۔ کہہ کر توڑنے کا حوالہ بڑے بُت پر جو کیا تو وہ بطور مجاز (حقیقت) نہ تھا بلکہ بطور استہزاء و تمسخر تھا۔ جس سے مقصود انکی تحمیق و تجہیل تھی کیونکہ صورت حال ایسی تھی کہ یہ فعل (بتوں کا توڑنا) حضرت خلیل اللہؑ اور بڑے بُت کے درمیان دائر تھا جس میں سے ایک بلاشبہ عاجز تھا یعنی بُت اور ایک بلاشبہ قادر تھا یعنی حضرت ابراہیمؑ اور عقلاء کے نزدیک یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ جو فعل عاجز اور قادر کے درمیان دائر ہو یعنی ایک تو اس فعل پر قادر ہو اور دوسرا اس فعل سے عاجز ہو تو قادر کو چھوڑ کر عاجز کی طرف اس فعل کی نسبت کی جائے تو یہ عاجز کے ساتھ تمسخر اور استہزاء ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین تھا کہ احتمال کے درجہ میں بھی کافروں کو یہ خیال نہیں آئیگا کہ اس بڑے بُت نے ان چھوٹے بتوں کو توڑ کر کلہاڑا اپنی گردن پر لٹکا لیا ہے۔ محض استہزاء کے طور

ان سے یہ کہا ہے، یہ ایسا ہے جیسے کسی اعجاز رقم یعنی خوشنما تحریر کی کتابت کی نسبت کسی جاہل اور اَن پڑھ کی طرف کر دی جائے اور اس ان پڑھ سے کہا جائے کہ "یہ اعجاز رقم کتابت آپ ہی نے فرمائی ہے" تو بلاشبہ یہ اس جاہل کے ساتھ استہزاء ہوگا اور یہ مطلب ہرگز ہرگز نہ ہوگا کہ فی الحقیقت اس کندۂ ناتراش نے یہ خوشنما تحریر لکھی ہے بلکہ یہ ایک قسم کا طنز ہوگا اگر کسی جاہل کو یہ کہا جائے کہ تو بڑا عالم ہے تو کسی عاقل کے نزدیک یہ جھوٹ شمار نہ ہوگا غرض یہ کہ اس قول بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود کسی واقعہ کی خبر دینا ـــــ نہ تھا کہ اس کو کذب کہا جاسکے بلکہ بطور کنایہ انکی تحمیق و تجہیل مقصود تھی، دیکھو تفسیر کبیر صـ ۱۲۹ جـ ۶ و حاشیۂ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی صـ ۱۶۱ اور حضرات اہل علم اس مقام حاشیۂ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی صـ ۳۵۵ جلد ۴ ضرور دیکھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ میں نے بت نہیں توڑے یا میں نہیں جانتا کہ کس نے یہ بت توڑے حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کے توڑنے اور پھوڑنے کے متعلق صراحتاً نہ اقرار کیا اور نہ انکار بلکہ ایسی بات کہی جس سے خود ظاہر ہوگیا کہ توڑنے والا کون ہے جیسے ایک کوٹھری میں فقط ایک شخص بیٹھا ہے اس نے زید کو پکارا زید نے متوجہ ہو کر وہاں آکر پوچھا کہ اس کوٹھری میں سے مجھے کس نے پکارا۔ اس نے جواب دیا کہ دیوار نے تو صاف مطلب یہ ہے کہ میں نے پکارا، اس لیے کہ اس کوٹھری میں میرے سوا کوئی پکارنے والا نہیں اور دیوار پکار نہیں سکتی تو مطلب یہ ہوگا کہ میں نے پکارا ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام بطور اخبار نہ تھا بلکہ بطریق تعریض و توریہ انکے الزام اور تحمیق و تجہیل کے لیے تھا اور اس کے بعد کا جملہ فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔ اسی تجہیل کی تتمیم و تکمیل کے لیے تھا کہ یہ بت اگر بول سکتے ہیں تو یہ کام بھی کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا بولنا تو محال ہے تو معلوم ہوا کہ انکا یہ کام کرنا بھی محال ہے اور تم ہی نادان ہو کہ ایسی ذات کو معبود بنائے ہوئے ہو کہ جو بولنے پر بھی قادر نہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا یعنی توڑنے کو بڑے بت کی طرف نسبت کرنا بطور تعلیق بالمحال تھا جس سے مقصود انکی تبکیت اور توبیخ اور تنبیہ تھی معاذ اللہ یہ کسی واقعہ کی خبر نہ تھی جو کذب (جھوٹ) میں داخل ہو سکے اور بعض احادیث میں جو اس پر کذب کا اطلاق آتا ہے تو وہ محض ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے اور مقصود محض الزام اور اتمام حجت ہے۔ (دیکھو تفسیر بیضاوی و حاشیۂ شیخ زادہ صـ ۳۵۵ جلد ۴)

علامہ نسفیؒ اس آیت کی تفسیر میں کیا خوب فرماتے ہیں فان من لا یدفع عن نفسہ الفاس ـــــ کیف یدفع عن عابدیہ البأس۔ (تحقیق جو ذات اپنے سر سے کلہاڑے کو دفع نہ کر سکے وہ اپنے پرستاروں کی بلا اور مصیبت کو کیسے دفع کر سکتی ہے) غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب لاجواب سن کر سب خاموش رہ گئے۔ تب انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور جہالت اور حماقت پر متنبہ ہو کر شرمندہ ہوئے پھر آپس میں بولے کہ بیشک تم ہی ظالم ہو تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ ایک عاجز کو اپنا معبود بنایا ابتداء میں مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو ظالم بتلایا تھا جب ذرا ہوش آیا تو خود اپنے کو ظالم بتلایا

اور جبراً و قہراً حق انکی زبان پر جاری ہو گیا اور سمجھ گئے کہ بتوں کی عبادت کرنا ظلم ہے اور ان کا توڑنا ظلم نہیں پھر وہ خجالت اور ندامت سے سرنگوں ہو گئے یعنی شرمندگی سے سر جھکا لیے اور حیرت میں پڑ گئے اور بولے اے ابراہیم تو تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں پھر ہم ان سے کس طرح پوچھیں اور تو ہم سے کیوں کہتا ہے کہ ان سے پوچھو۔ اس طرح سے خود اپنی حیرت کا اقرار کر لیا۔ پس جب حضرت ابراہیمؑ کی اس حجت اور اس جواب سے لاجواب ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا پھر اس اقرار اور اعتراف کے بعد بھی تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو کہ اگر تم اسکی عبادت کرو تو وہ تمکو نفع نہ پہنچا سکے اور اگر تم اسکی عبادت نہ کرو تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے ایسی بیکار چیزوں کی کیوں پرستش کرتے ہو۔ تف ہے تم پر اور اس چیز پر جسکو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یعنی تم اور تمہارے معبود سب ذلیل اور حقیر ہیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے جو اتنا بھی سمجھ سکو کہ ایسی عاجز اور لاچار چیز کو معبود بنانا صریح حماقت اور جہالت ہے جو چیز توڑی اور پھوڑی جا سکتی ہے وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے انکی جہالت اور حماقت سے گھبرا کر انکو تف کہا کہ میں ایسے بے وقوفوں سے بری اور بیزار ہوں کہ جو باوجود حق واضح ہو جانے کے اور عذر قطع ہو جانے کے بھی اپنی جہالت پر جمے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس تقریر دلپذیر کا جب کوئی جواب نہ بن آیا تو بمقتضائے اس قول کے۔

چو حجت نماند جفا جوئے را　　　بپیر خاش بر ہم کشد روئے را

تو پرخاش اور بیکار و آزار پر اتر آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ اسکو آگ میں جلا دو جو سب سے زیادہ ہولناک عذاب اور سزا ہے اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر کچھ کر سکتے ہو یعنی اپنے معبودوں کی مدد کی صرف یہ صورت ہے کہ اسے آگ میں جلا دو بغیر اسکے ناممکن ہے جب تک یہ زندہ رہے گا برابر تمہارے معبودوں کو برا کہتا رہے گا۔ اور انکی بے حرمتی کرتا رہے گا۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام لوگوں کو آتش دوزخ سے ڈراتے تھے اس لیے نمرود نے یہ رائے دی کہ اس شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ جب نمرود اور اسکی قوم نے ابراہیم علیہ السلام کے جلانے پر اتفاق کر لیا اور ایک ہولناک آگ کا سامان کر کے ابراہیمؑ کو اس آگ میں ڈال دیا اس وقت ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس سے کوئی تکلیف نہ ہو چنانچہ ایسا ہی ہو گیا اور ان کا مقصود تو حاصل نہ ہوا بلکہ اسکے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مزید حقانیت ظاہر ہو گئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ برداً کے ساتھ سلاماً کا لفظ نہ فرماتے تو وہ آگ اس قدر ٹھنڈی ہو جاتی کہ ابراہیم علیہ السلام اسکی برودت سے مر جاتے یا ٹھٹھر جاتے اور اگر علیٰ ابراہیم (علیہ السلام) کا لفظ نہ فرماتے تو دنیا کی ساری آگیں ٹھنڈی ہو جاتیں، مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیمؑ کے حق میں ٹھنڈی ہو جا مگر تیری برودت ایسی معتدل اور خوشگوار ہو کہ ابراہیمؑ کی راحت کا سبب بنے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے ایسا ہی ہو گیا اور کعب احبارؓ سے منقول ہے کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کے صرف بند جلائے اور اسکے سوا کوئی ایذا نہیں پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے

آگ کی روشنی باقی رکھی اور اسکی حرارت کو مبدل بہ برودت کر دیا جیسے دوزخ کے مہتمم اور منتظم فرشتہ کو دوزخ کی حرارت محسوس نہیں ہوتی۔ اور شتر مرغ گرم لوہے کا ٹکڑا نگل جاتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور سمندل ایک جانور ہے جو آگ میں رہتا ہے اور آگ ہی اسکی زندگی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آگ کو اپنے خلیلؑ کے لیے برد و سلام بنا دیا (دیکھو تفسیر غرائب القرآن ص ۳۵ جلد ۱۷ برحاشیہ ابن جریر اور دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۳۱ ج ۶)

اور ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فریب اور مکر کرنا چاہا اور انکو جلانا چاہا پس ہم نے انہی کو ہر زیاں کار سے زیادہ تر زیاں کار کر دیا کہ انکی ساری سعی بیکار گئی اور سب خسارہ اٹھانے والوں سے بڑھ کر انکو خسارہ اٹھانے والا کر دیا اس طرح آگ کا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں برد و سلام ہو جانا ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہوا جو ان کے لیے موجب صد عزت و کرامت اور سبب صد رفعت ہوا اور کافروں کے لیے موجب صد ذلت و اہانت ہوا۔ اور معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا سبب عادی کے اپنی قدرت و اختیار سے اپنے کسی برگزیدہ بندہ کی تائید و تقویت کے لیے کوئی ایسا امر ظاہر فرماتے کہ سارا عالم اسکے مثل لانے سے اور اسکے مقابلہ سے عاجز ہو۔ من جانب اللہ یہ تو حضرت ابراہیمؑ کی عزت و کرامت کا سامان ہوا کہ آگ انکے حق میں گلزار بن گئی اور نمرود کی ذلت اور اہانت کا یہ سامان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی قوم پر ایک نہایت حقیر جانور مچھر کو مسلط کیا کہ نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جو کسی تدبیر سے نہ نکل سکا یہاں تک کہ نمرود اسی میں ہلاک ہو گیا اور مچھروں نے کافروں کے گوشت کھائے اور انکے خون چوس لیے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۰۵ ج ۱۱)

ذکر ہجرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام

اور بعد ازاں ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور ان کے برادر زادہ لوط علیہ السلام کو کافروں سے نجات دی اور ان سے بچا کر اس زمین کی طرف پہنچا دیا جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے مراد اس ارض مبارکہ سے زمین شام ہے۔ ابراہیم علیہ السلام عراق میں رہتے تھے جہاں نمرود رہتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمائی اور انکے ساتھ اور چند آدمیوں نے

ف قال الامام القرطبی قولہ تعالیٰ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا ای اراد نمرود و اصحابہ ان یمکروا بہ جعلناھم الاخسرین فی اعمالھم ورددنا مکرھم علیھم بتسلیط اضعف خلقنا قال ابن عباسؓ سلط اللہ علیھم اضعف خلقہ البعوض فما برح نمرود حتی رای عظام اصحابہ وخیلہ تلوح اکلت لحومھم وشربت دماءھم ووقعت واحدۃ فی منخرہ فلم تزل تأکل الی ان وصلت دماغہ وکان اکرم الناس علیہ الذی یضرب راسہ بمرزبۃ من حدید فاقام بھذا نحوا من اربعمائۃ (تفسیر قرطبی ص ۳۰۵ ج ۱۱)

بھی ہجرت کی جوان پر ایمان لے آئے تھے جن میں حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے جو ساری قوم کے خلاف ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ۔ اور آپؑ کی بی بی سارہ بھی آپؑ کے ہمراہ تھیں۔ اول جاکر حران میں ٹھہرے پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے مصر چلے گئے پھر وہاں سے شام آئے اور فلسطین کے علاقہ میں اقامت اختیار کی۔ اور لوط علیہ السلام نے مؤتفکہ میں رہنا اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ نے انکو اس علاقہ کا نبی بنا دیا۔ غرض یہ کہ ان حضرات نے بحکم الٰہی ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی اور پھر ہجرت کے بعد ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو انکی درخواست کے مطابق بیٹا اسحاقؑ دیا اور یعقوبؑ پوتا بطور نفل اور زیادہ دیا یعنی پوتا بغیر درخواست کے بے مانگے دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کل عمر ایک سو سینتالیس برس کی ہوئی۔ اول اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے میں اسحاقؑ بیٹا عطا کیا اور پھر اسحاقؑ کا بیٹا یعقوبؑ پیدا ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں پوتے کو بھی دیکھا اور پوتے کو نافلہ فرمایا اس لیے کہ نافلہ کے معنی زیادہ کے ہیں۔ پوتا چونکہ بیٹے پر زیادہ ہے اس لیے اسکو نافلہ کہا یا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے سوال صرف فرزند کا کیا تھا۔ سو اللہ نے انکی دعا قبول کی اور ان کو اسحاقؑ فرزند عطا کیا اور یعقوبؑ بغیر سوال کے زیادہ ملے۔ اس لیے انکو نافلہ سے تعبیر کیا اور ان سب کو یعنی باپ اور بیٹے پوتے سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے انکو مخلوق کے لیے پیشوا بنایا کہ وہ لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق راہ بتائیں اور ہم نے انکی طرف نیک کاموں کے کرنے کی عموماً اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی خصوصاً وحی بھیجی۔ نیک کاموں میں نماز اور زکوٰۃ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ عبادات بدنیہ میں نماز سب سے افضل ہے اور عبادات مالیہ میں زکوٰۃ سب سے افضل ہے اور یہ سب خالص ہماری عبادت کرنے والے اور ہمارے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتے تھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر طرح طرح سے احسان فرمائے۔ اوّل تو یہ کہ بچپن ہی سے ان کو رشد و ہدایت سے نوازا۔ دوم یہ کہ ظالم و جابر کے مقابلہ میں انکو غلبہ عطا کیا۔ سوم یہ کہ انکو بابرکت زمین کی طرف ہجرت کرائی۔ چہارم یہ کہ انکو اولاد صالح عطا کی۔ پنجم یہ کہ اولاد کو بھی مقتدا اور پیشوا سے عالم بنایا۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

لطائف و معارف

۱۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو انکا رشد پہلے ہی سے دیدیا تھا، یعنی صغر سنی میں انکو حق کی معرفت اور الہامِ حجت عطا کردی تھی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام اگرچہ نبوت سے پہلے نبی نہیں ہوتے مگر صاحب الہام و معرفت ضرور ہوتے تھے۔

۲۔ مشرکین نے جب اپنی عید سے واپس آکر دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں تو ابراہیمؑ سے پوچھا کیا یہ کام تو نے کیا ہے تو ابراہیمؑ نے جواب دیا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعہ کے متعلق صحیح بخاری وغیرہ میں ایک حدیث آئی ہے اس کا مطلب سمجھ لینا چاہیئے وہ حدیث یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے سوائے تین مرتبہ کے کبھی جھوٹ نہیں بولا ایک تو اس وقت کہ جب ان کی قوم نے ضیافت

کیا کہ ان بتوں کو کس نے توڑا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ یعنی انکے بڑے نے توڑا، دوسرے اس وقت جبکہ انکی قوم نے انکو اپنے ساتھ عید میں چلنے کو کہا تو انہوں نے کہا۔ اِنِّيْ سَقِيْمٌ یعنی میں بیمار ہوں، تیسرے اس وقت کہ جب مصر کے ایک ظالم بادشاہ نے انکی بی بی سارہؑ کو گرفتار کیا تو انہوں نے یہ کہا هٰذِهٖ اُخْتِيْ یہ میری بہن ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بظاہر جھوٹ بولنا مذکور ہوا حالانکہ حضرات انبیاء کرام تو قطعی طور پر معصوم ہوتے ہیں اسی خیال کی بنا پر بعض لوگوں نے اس حدیث کی صحت سے انکار کر دیا مگر یہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور حدیث کی بے شمار معتبر اور مستند کتابوں میں اسانید صحیحہ اور جیدہ سے مذکور ہے جس کی صحت میں آج تک کسی امام حدیث نے کلام نہیں کیا اور نہ کلام کی گنجائش ہے۔

بلکہ اس حدیث میں کذب (جھوٹ) سے تعریض اور کنایہ مراد ہے یعنی ایسی ذو معنی بات کہنا کہ جو حقیقت اور واقع کے اعتبار سے تو صحیح ہو اور واقع کے مطابق ہو اور ظاہری معنی اور سرسری مطلب کے لحاظ سے سننے والا ایسے معنی سمجھے کہ اس کی سمجھ کے اعتبار سے خلاف واقع ہوں، حضرات انبیاء کی زبان مبارک سے جو کلمہ نکلتا ہے وہ فی الحقیقت ہرگز ہرگز خلاف واقع نہیں ہوتا البتہ مخاطب اور سامع کے فہم اور ادراک کے لحاظ سے کبھی خلاف واقع ہوتا ہے توریہ کے معنی اخفاء یعنی چھپانے کے ہیں، متکلم نے کسی مصلحت کی بنا پر حقیقت حال کے چھپانے کے لیے ایسا لفظ بولا جسکے متعدد پہلو تھے، سامع اپنے قصور فہم کی وجہ سے اسکو پوری طرح نہ سمجھ سکا۔ سامع کی نظر اس کلام کے ظاہری پہلو پر گئی اور متکلم کی نظر اسکے خفی اور پوشیدہ پہلو پر تھی سو یہ توریہ ہے جھوٹ نہیں چونکہ حضرات انبیاء کرام کا مرتبہ بہت بلند ہے اس لیے یہ امر بھی انکی شان بلند کے مناسب نہیں کہ انکے کلام میں کوئی پہلو خلاف توقع نکل سکے۔ توریہ اور کنایہ اگرچہ بربنائے مصلحت و ضرورت جائز ہے مگر درجۂ رخصت میں، مقام عزیمت یہ ہے کہ بلا کسی توریہ اور کنایہ کے امر حق کو صراحۃً واضح کیا جائے اور کھول کر صاف صاف بیان کیا جائے کما قال اللہ تعالیٰ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مقام پر چونکہ بجائے عزیمت کے رخصت کی طرف تنزل فرمایا۔ سو یہ تنزل انکے مقام جلیل سے کئی درجہ نازل تھا اس لیے قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام شفاعت سے پہلو تہی فرمائیں گے اور اپنے ان کنائی الفاظ کو ذریعۂ معذرت بنائیں گے۔

ان تین باتوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی بات بھی خلاف واقع نہ تھی البتہ ایک دینی اور شرعی ضرورت کی بنا پر تعریض اور کنایہ کے باب سے تھی مگر انکی شان رفیع اور مقام بلند کے لحاظ سے ایسی تعریض بھی ان جیسی جلیل القدر ہستی کے حق میں کذب کا حکم رکھتی ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین عقلاً و شرعاً یہ امر مسلم ہے کہ تعریض اور توریہ کذب نہیں اور وہ فی حد ذاتہٖ جائز ہے نہ عصمت کے منافی ہے اور نہ نبوت کے منافی ہے۔ بعض مرتبہ خود حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اس کی اجازت دی ہے۔ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔

دوم یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ تینوں باتیں محض دینی مصلحت کے لیے اور خالص اللہ کے لیے تھیں حضرت ابراہیمؑ کا یہ کہنا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ اور اِنِّيْ سَقِيْمٌ کہنا یہ دو باتیں کہ جن میں ذرہ برابر بھی اپنا ذاتی نفع نہیں۔ البتہ تیسری بات ھٰذِهٖ اختی یہ میری بہن ہے اس میں من وجہ حضرت ابراہیمؑ کا اپنا ذاتی نفع بھی تھا مگر ہر جگہ دینی مصلحت مد نظر تھی۔ اس وجہ سے حدیث میں ہے کل ذٰلك فی ذات اللہ اپنی ذاتی غرض اور دنیوی مصلحت مد نظر نہ تھی جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ ما منہا کذبۃ الا ماحل بہا عن دین اللہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کا ہر کذب (تعریض) محض اللہ کے دین کی حمایت اور مدافعت کے لیے تھا اپنے ذاتی فائدہ اور غرض کے لیے نہ تھا۔

سوم یہ کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ کلمات تعریض اور الفاظ توریہ ایسی شدت اور مصیبت کے وقت میں دینی ضرورت کے لیے استعمال فرمائے کہ ایسی حالت میں صریح کذب کا استعمال فقط جائز ہی نہیں رہتا بلکہ بسا اوقات واجب ہو جاتا ہے ظالم کے ظلم دفع کرنے کے لیے صریح کذب بھی جائز ہے اور کنایہ اور توریہ اور تعریض کے جواز میں تو کسی کو کلام نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ سب درست تھے مگر باایں ہمہ انکے مقام بلند نے اسکو بھی محسوس فرمایا اور دل میں بھی محجوب ہوئے اس لیے قیامت کے دن جو لوگ آپؑ کے پاس شفاعت کی درخواست لیکر جائیں گے تو ان تین باتوں کو شفاعت سے عذر کے لیے ذکر فرمائیں گے۔

حضرت حق جل شانہٗ کا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى کے جواب میں یہ فرمانا۔ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ یہی حضرت ابراہیمؑ کے علو شان کی دلیل ہے کہ ان کے اس سوال کو عدم ایمان سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح ابراہیمؑ کے ان تعریض اور کنائی الفاظ پر کذب کا اطلاق انکے علو شان کی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جن احادیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان تین باتوں میں کذب کی نسبت کی گئی ہے سو یہ اطلاق محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اور لم یکذب الا فی ثلاث میں الا استثناء منقطع کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیمؑ تو صدیق معظم اور صدق مجسم تھے انکی زبان سے کبھی کوئی کذب نکلا ہی نہیں۔ مگر ساری عمر میں تین باتیں انکی زبان سے ایسی نکلیں کہ مخاطب نے سن کر ان سے جو سمجھا وہ خلاف واقع تھا۔ مخاطب کے اعتبار سے ان الفاظ کی صورت جھوٹ کی سی تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(۳) وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی حجت اور برہان سے جب لاجواب ہو گئے تو جھنجھلا کر یہ طے کیا کہ ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے سو انہوں نے ایک بلند اور بند مکان میں بے شمار ایندھن جمع کیا اور اس پر تیل چھڑک کر اس میں آگ لگا دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گردن میں طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعے ان کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار آپکا دوست آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ اسکی مدد کریں خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ میرا دوست ہے اگر تم سے کوئی مدد چاہے

تو میری طرف سے اجازت ہے کہ وہ اسکی مدد کرے، چنانچہ جبرئیلؑ امین انکے پاس پہنچے اور پوچھا کہ تم کو کچھ حاجت ہے فرمایا کہ تمہاری تو مجھے حاجت نہیں اور اللہ کو میرے حال کا علم ہے وہ میرے لیے کافی ہے وہ میرا رب ہے میرے سوال سے پہلے میرا حال جانتا ہے وہ میرے لیے کافی ہے اور اسکا میرے حال کو جاننا میرے سوال کرنے سے کافی ہے اور حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھا۔ اللہ کے حکم سے تمام آگ اسی وقت برد وسلام بن گئی اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدن سے بندھن اور طوق اور بیڑیاں اور ہتھکڑی تو جلادی مگر ابراہیمؑ کے جسم کو آنچ تک نہ پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ سات دن تک ابراہیم علیہ السلام اسی آگ کے مقام میں رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہے کہ جیسا عیش مجھے اس آگ میں نصیب ہوا ایسا عیش عمر بھر میں کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ایک فرشتہ انکی تسلی کے لیے انکے پاس آبیٹھا اور جبرئیلؑ جنت سے حریر کا ایک قمیص اور ایک فرش لائے اس قمیص کو ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا اور اس فرش کو بچھا دیا اور انکے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور کہا اے ابراہیمؑ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ آگ میرے دوستوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

پھر نمرود نے اپنے محل پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کو جھانکا تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک گلزار اور سبزہ زار میں بیٹھے ہیں۔ اور آتش کدہ ان کے لیے گلستان اور بوستان بنا ہوا ہے اور ان کے پاس ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور ان کے چاروں طرف وہ آگ لکڑیوں کے انبار کو جلا رہی ہے اور ابراہیم علیہ السلام درمیان میں نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ کیا تم اس آگ سے باہر نکل سکتے ہو جواب دیا کہ ہاں اور کھڑے ہوگئے اور آگ میں چلنے لگے حتیٰ کہ اس سے باہر نکل آئے اور نمرود اور اسکے ارکان دولت نے حضرت ابراہیمؑ کا استقبال کیا اور یہ کہا کہ اے ابراہیمؑ تیرا سحر (جادو) بہت ہی عجیب ہے جو آگ پر بھی چل گیا۔ نمرود یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس شخص کا مقابلہ ممکن نہیں اور ابراہیم علیہ السلام کا پیچھا چھوڑ دیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کامیاب فرمایا اور دشمنوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنایا اور ادھر نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جس نے اس کو ہلاک کیا۔

بقدر ضرورت مختصراً ہم نے یہ قصہ ذکر کردیا باقی آثار کی تفصیل اگر درکار ہے تو تفسیر درمنثور صفحہ ۳۲۱ ج ۴ اور تفسیر روح المعانی صفحہ ۶۱ ج ۱۷۔ اور البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۱۴۵ ج ۱۔ اور تفسیر روح البیان صفحہ ۴۷۸ ج ۵ دیکھیں۔

ان میں سے بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہیں مگر قرآن وحدیث کے معارض نہیں، اس لیے حسب ارشاد نبویؐ حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ان پر انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ اس طرح آگ کا برد و سلام ہو جانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا اور یہ امر کوئی محال نہیں۔ تمام کائنات عالم حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے اندرونی طور پر ان پر حکم نافذ کرتا ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو جس طرح ہمارے اعضاء ہمارے احکام سے سرتابی نہیں کرسکتے۔ باطنی طور پر نفس ناطقہ اعضاء کو جو حکم دیتا ہے اسکے مطابق اعضاء حرکت کرتے ہیں۔ اسی طرح بسائط اور مرکبات اللہ کے اندرونی حکم سے سرتابی نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے معدہ کے اندر ایک خاص حرارت اور آتشی مادہ رکھا ہے جو کھانے کو ہضم کرتا ہے اور اسکو پکاتا ہے اور گلا دیتا ہے آگ

پر پکی ہوئی چیز بھی ویسی نہیں گلتی۔ اور معدہ اس چیز کو ایسا گلا دیتا ہے کہ اسکا نام ونشان بھی نہیں رہتا جیسا کہ بول و براز سے ظاہر ہے۔ انسان گوشت روٹی وغیرہ کھاتا ہے مگر یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ یہ فضلہ کس چیز کا ہے۔ معدہ میں پہنچ کر غذا کی صورت نوعیہ اور صورتِ شخصیہ سب ختم ہو جاتی ہے اور معدہ کی حرارت بلا کی حرارت ہے گوشت تو کیا ریت اور کنکر بھی وہاں جا کر پس جاتے ہیں، جیسا کہ پرندوں کے پیچال سے ظاہر ہے جن کی غذا کنکر وغیرہ ہے غرض یہ کہ معدہ میں اس بلا کی حرارت ہے کہ سخت سے سخت غذا کو گلا کر باریک کر کے نکالتی ہے مگر انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو نہیں جلاتی، معدہ کی حرارت عجیب الخلقت حرارت ہے کہ کسی چیز کو جلاتی ہے اور کسی چیز کو نہیں۔ پس جس خالق آتش نے معدہ کی آگ کو بدن کی انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو جلانے سے روک دیا اسی خالق نے آتش نمرود کو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے سے روک دیا۔ بہر حال آگ اللہ کی مخلوق ہے اور اسی کے حکم کے تابع ہے جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے اس کو جلاتی ہے اور جس کی حفاظت کا حکم ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتی ہے جیسا کہ آتش معدہ میں آپ نے اسکا مشاہدہ کر لیا۔

حکایت

عارف رومیؒ نے مثنوی میں ایک حکایت نقل کی جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بُت پرست بادشاہ تھا لوگوں کو بُت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ اس نے ایک آگ جلائی اور اس کے پاس ایک بُت رکھا اور کہا کہ جو اس بُت کو سجدہ کریگا وہ آگ سے نجات پائیگا اسی اثنا میں ایک بچہ والی عورت لائی گئی اور اس سے کہا گیا اس بُت کو سجدہ کر۔ وہ عورت مؤمنہ تھی اس نے بُت کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا وہ اس سے چھین کر آگ میں ڈال دیا گیا کہ شاید عورت اپنے بچے کی جان بچانے کے لیے بُت کو سجدہ کرے پھر بھی اس نے سجدہ نہ کیا اور بچہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ ماں بیتاب ہو گئی۔ یکایک اس آگ میں سے بچہ نے آواز دی اے ماں تم بھی یہاں آ جاؤ یہ تو عشرت کدہ ہے یہاں تو خدا کی رحمت جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اندر آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسرار کا جلوہ دیکھو۔ جنہوں نے نمرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کے پھول پائے تھے میں تجھے حقِ مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر آ جا یہاں تو شہنشاہِ حقیقی کا خوانِ کرم بچھا ہوا ہے۔ اور اے مسلمانو! تم سب اندر آ جاؤ اور پروا نہ کرو جس طرح ہو اس آگ میں کود پڑو اور ماں اپنے بچہ کا یہ کلام سن کر فوراً آگ میں کود پڑی اور آگ میں کودنے کے بعد اس عورت نے بھی چلا چلا کر یہی کہنا شروع کیا کہ اے مسلمانو تم بھی اسی باغ میں آ جاؤ یہ سنتے ہی لوگ ذوق و شوق کے ساتھ آگ میں کودنے لگے۔ نوبت باینجا رسید کہ جو سپاہی پہرہ پر مقرر تھے، وہ لوگوں کو منع کرنے لگے، بادشاہ یہ منظر دیکھ کر پشیمان ہوا اور حیران رہ گیا اور وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو آگ سے ڈرا کر ایمان سے برگشتہ کرے لیکن تقدیرِ الٰہی نے اسکی تدبیر کو بالکل الٹ دیا یہ دیکھ کر بادشاہ کو جوش آ گیا اور آگ سے خطاب اور عتاب شروع کیا۔

چنانچہ عارف رومی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں۔

عتاب کردن جہود آتش را کہ چرا نمی سوزی و جواب او

کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب

رو بآتش کرد شہ کاے تند خو ٭ آں جہاں سوز طبیعی خوت کو

بادشاہ غیظ و غضب میں بھرا ہوا آگ سے مخاطب ہو کر بولا اے تند خو تیری طبیعی عادت اور مزاجی خاصیت یعنی جلانے والی خصلت کہاں چلی گئی۔

چوں نمی سوزی چہ شد خاصیت ٭ یا ز بخت ما دگر شد نیست

تو جلاتی کیوں نہیں۔ تیری طبیعی خاصیت کہاں چلی گئی یا ہماری بدبختی سے تیری نیت یعنی تیری حقیقت اور اصل ماہیت ہی بدل گئی ہے اور کیا تو آگ نہ رہی۔

می نہ بخشائی تو بر آتش پرست ٭ آنکہ نہ پرستد ترا او چوں برست

اے آگ تو تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی۔ پس جو شخص تیری پرستش نہیں کرتا وہ تیرے جلانے سے کیونکر بچ گیا۔

ہرگز ای آتش تو صابر نیستی ٭ چوں نسوزی چیست قادر نیستی

اے آگ تو کسی حال میں بھی صابر نہیں کہ جلانے سے صبر کرے پھر کیا وجہ ہے کہ تو نہیں جلاتی۔ کیا تو جلانے پر قادر نہیں رہی۔

چشم بند است اے عجب یا ہوش بند ٭ چوں نسوزاند چنیں شعلہ بلند

اے آگ بڑے تعجب کی بات ہے اور عجیب قصہ ہے یہ کیا نظر بندی ہے یا ہوش بندی ہے کہ اتنا بلند شعلہ جلاتا کیوں نہیں۔

جادوئے کردت کسے یا سیمیاست ٭ یا خلاف طبع تو از بخت ماست

اے آگ کیا تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے یا کوئی طلسم اور شعبدہ ہے یا ہماری بدقسمتی سے تیرے مقتضائے طبیعت کے خلاف یہ کام ہو رہا ہے۔

جواب دادن آتش بادشاہ جہود را بامر بادشاہ حقیقی

بادشاہ حقیقی (حق تعالیٰ) کے حکم سے بادشاہ مجازی کو آگ کا جواب دینا

گفت آتش من ہانم آتشم ٭ اندر آتا بہ بینی تابشم

آگ نے (بحکم خداوندی) جواب دیا کہ میں وہی آگ ہوں۔ میری حقیقت اور ماہیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ تو اندر آتا کہ تجھ کو میری تپش نظر آئے اور میری حرارت کا مزہ چکھے۔

طبع من دیگر نگشت و عنصرم ٭ تیغ حقم ہم بدستوری بُرم

میری طبیعت اور میری اصل نہیں بدلی۔ میں حق کی تلوار ہوں اسکی اجازت سے کاٹتی ہوں جس طرح تلوار اپنے چلنے اور کاٹنے میں مستقل نہیں بلکہ شمشیر زن کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہے اسی طرح میں جلانے میں مستقل نہیں کہ بلا حق تعالیٰ کی اجازت کے کسی کو جلا سکوں۔

بر در خرگہ سگان ترکمان ٭ چاپلوسی کردہ پیش میہمان

تم نے دیکھا ہوگا کہ ترکمان کے دروازہ پر کتا بیٹھا رہتا ہے جب کوئی مہمان آتا ہے تو وہ کتا مہمان کے آگے خوشامد کرنے لگتا ہے اور دُم ہلانے لگتا ہے۔

در بخرگہ بگذرد بیگانہ او ٭ حملہ بیند از سگاں شیرانہ او

اور اگر کتا خیمہ کے پاس سے کوئی بیگانہ آدمی گزرتا ہوا دیکھتا ہے تو شیر کی طرح اس پر حملہ کرتا ہے۔

من ز سگ کم نیستم در بندگی ٭ کم ز ترکی نیست حق در زندگی

آگ نے کہا کہ میں بندگی اور فرمانبرداری میں کتے سے کم نہیں اور خداوند حیّ و قیوم زندہ ہونے میں ترکی سے کم نہیں۔ دُور تک اسی طرح سلسلۂ کلام چلاگیا ہے حاصل یہ ہے کہ تمام اسباب اور مسببات بالذات اور بالطبع کسی چیز میں موثر نہیں اسباب کے سببیت اور اشیاء کی خاصیت سب اسکے حکم کے تابع ہے۔

لیکن سبب راآں سبب آورد پیش ٭ بے سبب کے شد سبب ہرگز ز خویش

ایں سبب راآں سبب عامل کند ٭ باز گاہے بے بر و عاطل کند

یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ ان اسباب ظاہرہ کو اسی نے سبب بنایا ہے کوئی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا وہ قادر مطلق ہے جس نے سبب بنایا ہے وہ جب چاہتا ہے سبب کو کارگر بناتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو بے اثر اور بیکار بنا دیتا ہے جس طرح ان اسباب حادثہ کا وجود اسکے اختیار میں ہے اسی طرح ان اسباب کی تاثیر اور انکی خاصیتیں بھی اسکے اختیار میں ہیں۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لیے مثنوی مولانا روم صـ دفتر اوّل دیکھیں۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند ٭ با من و تو مردہ با حق زندہ

حق جل شانہٗ کے اس قول یٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ سے خطاب فرمایا کہ تو ابراہیمؑ کے حق میں برد اور سلام ہوجا۔ اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَ یٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ اور داؤد علیہ السلام کے قصہ میں پہاڑوں کو اور پرندوں کو حکم دیا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَ الطَّیْرَ معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں زندہ ہیں اللہ کے حکم کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور اسی پر چلتی ہیں آخر موسیٰ علیہ السلام کا عصا ایک لکڑی ہی تو تھا۔ مگر ہر لکڑی میں یہ خاصیت نہیں کہ وہ اژدہا بن کر سانپوں کو نگل جائے اگر بالفرض والتقدیر عصاء موسیٰ اب کہیں سے مل جائے

اور بالفرض والتقدیر کسی طرح یہ بھی معلوم ہو جاتے کہ یہ وہی عصا ہے تب بھی وہ آثار نمودار نہ ہوں گے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے تھے۔ لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ طبیعت اور فطرت اور مادہ اور نیچر کے چکر میں نہ پڑے خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اسکو بے چون وچرا مان لے، تم کتنے ہی بڑے فلسفی اور سائنسدان ہو جاؤ۔ پوری حقیقت اور پوری ماہیت تمہیں ایک چیز کی بھی معلوم نہیں۔ کچھ ظاہری چیزوں کی شُد بُد ہو گئی ہے جس نے تمکو مغرور بنا دیا ہے۔ اللہ تم پر رحم کرے۔

جواب دیگر

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آگ کا طبعی خاصہ جلانے کا ہے تو کیا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم کی حفاظت کے لیے کوئی ایسا سامان پیدا کر دیں کہ آگ اثر نہ کر سکے جیسے آج کل ایسی چیزیں ایجاد ہوئیں کہ وہ جسم کو آگ کے شعلوں سے محفوظ رکھ سکتی ہیں جنکو فائر پروف کہا جاتا ہے تو کیا خدا کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے خلیل کے جسم کی حفاظت کے لیے کوئی سامان پیدا کر دے۔ محمد بن اسحاقؒ راوی ہیں کہ جب ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے تو جبرئیل امینؑ جنت سے حریر کا ایک قمیص اور ایک فرش لے کر آئے اس قمیص کو تو ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا اور اس فرش کو ان کے نیچے بچھا دیا (دیکھو روح المعانی ص ۶۳۔ ج ۱۷) تو کیا یہ ممکن نہیں کہ جنت کا یہ حریری قمیص اور حریری فرش اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ رکھنے کے لیے فائر پروف کا کام دے سکے۔

(۵) ایک کرامت

یہ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا معجزہ تھا بعض مرتبہ حق جل شانہ کسی مقبول بندہ کو اپنے نبی کے معجزہ کا کوئی نمونہ عطا فرما دیتے ہیں۔ جو اس کی کرامت ہوتی ہے اور وہ کرامت جو ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے وہ کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے معجزہ سے کمتر اور فروتر ہوتی ہے۔ علماء اور اولیاء چونکہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اس لیے اتباع شریعت کی برکت سے نبی کے طفیل میں بحق وراثت کبھی کبھی کوئی کرامت عطا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ خطیبؒ نے فوائد میں لکھا ہے کہ جو واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اسی قسم کا ایک واقعہ (بطور نمونہ) ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض متبعین یعنی بعض صحابہ کے ساتھ پیش آیا اور وہ حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ ہیں کہ اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو ابو مسلمؓ کو بلایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں آپ نے فرمایا میں نہیں سنتا یعنی میں نہیں گواہی دیتا۔ اس پر اسود عنسی نے حکم دیا کہ آگ جلائی جائے چنانچہ آگ جلائی گئی اور اس میں ابو مسلم کو ڈال دیا گیا۔ پھر اسکو خبر دی گئی کہ وہ اس میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ سُن کر اسود عنسی خوف زدہ ہو گیا وہ آگ آپ پر برد وسلام بنا دی گئی۔ پھر ابو مسلمؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ آئے اور ابو بکرؓ خلیفہ تھے۔ جب مدینہ پہنچ کر صدیق اکبرؓ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو اس وقت وہاں ابو بکرؓ کے پہلو میں عمرؓ بھی بیٹھے تھے۔ ابو مسلمؓ کو دیکھ کر فاروق اعظمؓ کھڑے ہو گئے اور مرحبا کہہ کر انکو اپنے اور ابو بکرؓ کے درمیان بٹھلایا اور کہا کہ الحمد للہ کہ جس نے موت سے پہلے محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ایسا شخص دکھلا دیا جس کے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا جو ابراہیم خلیل اللہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔

****

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ
اور لوط کو دیا ہم نے حکم اور سمجھ، اور بچا نکالا اس کو اس شہر سے

الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ
جو کرتے تھے گندے کام۔ وہ تھے لوگ بُرے

فٰسِقِيْنَ ۝ ۷۴ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ
بے حکم۔ اور اس کو لے لیا ہم نے اپنی مہر میں۔ وہ ہے

الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۷۵ ع
نیک بختوں میں۔

(۲) قصہ حضرت لوط علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ... الیٰ ... اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

یہ تیسرا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اللہ کے عباد صالحین اور عابدین میں سے تھے اور لوط کو ہم نے علم و حکمت عطا کیا یعنی انکو نبوت عطا کی۔ اور ہم نے انکو اس بستی سے نجات دی۔ جہاں کے باشندے نہایت خبیث اور گندے کام کرتے تھے وہ بستی سدوم تھی جن افعال خبیثہ اور شنیعہ کے یہ لوگ عادی تھے ان میں سب سے زیادہ گندہ فعل لواطت تھا اور اسکے علاوہ اور بھی بُرے افعال کے خوگر تھے مثلاً رہزنی اور کبوتر بازی اور گانا بجانا اور شراب خوری اور ڈاڑھی کٹانا اور مونچھیں بڑھانا اور سیٹی بجانا اور تالیاں بجانا اور ریشمی کپڑے پہننا وغیرہ وغیرہ کچھ شک نہیں کہ وہ بڑے ہی بدذات اور بدکار تھے

علہ فقد اخرج اسحاق بن بشر والخطیب وابن عساکر عن الحسن (مرسلا) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر خصال عملتها قوم لوط بها اهلكوا اتیان الرجال بعضهم بعضها۔ ورمیهم بالجلاهق والخذف ولعبهم بالحمام وضرب الدفوف وشرب الخمور وقص اللحیة وطول الشارب والصفر والتصفیق ولباس الحریر وتزیدها امتی بخصلة اتیان النساء بعضهن بعضا۔ (روح المعانی ص ۶۶ ج ۱۷)

حدود اطاعت سے باہر ہو چکے تھے اور ہم نے لوط کو ان بدذاتوں سے نکال کر اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک وہ بڑے نیک بختوں میں تھا اس لیے ہم نے اس کو فاسقین میں سے نکال کر صالحین میں داخل کر لیا۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ

اور نوح کو جب اس نے پکارا اس سے پہلے پھر سن لی ہم نے اس

فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۷۶﴾

کی پکار اور بچا دیا اس کو اور اسکے گھر کو بڑی گھبراہٹ سے۔

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ

اور مدد کی اس کی ان لوگوں پر جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۷۷﴾

وہ تھے بڑے لوگ، پھر ڈبا دیا ہم نے ان سب کو۔

۴۔ قصہ حضرت نوح علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ ..... الی ..... فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

چوتھا قصہ نوح علیہ السلام کا بیان فرماتے ہیں اور اے نبی نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجیے جبکہ انہوں نے ان انبیاء سے پہلے اپنے پروردگار کو فریاد کے لیے پکارا اور اللہ سے دعا کی ـــــ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ اے پروردگار میں مغلوب اور عاجز ہوں تو میرا بدلہ لے لے۔ اور روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا باقی نہ چھوڑ۔ پس ہم نے انکی دعا قبول کی اور اسکو اور اس کے کنبہ والوں کو ڈوبنے کی بڑی مصیبت سے نجات دی اور ہم نے اس کی اس قوم کے مقابلہ میں مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ بلاشبہ وہ بہت ہی بڑے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ کوئی نہیں بچا۔ طوفان کے عام اور خاص ہونے کی بحث سورۂ ہود میں گزر چکی۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ

اور داؤد اور سلیمان کو، جب لگے فیصلہ کرنے کھیتی کا جھگڑا جب روند

فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

گئیں اسکو رات میں بکریاں ایک لوگوں کی اور روبرو تھا ہمارے انکا فیصلہ۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۚ وَّ

پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو۔ اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ۔ اور

سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا

تابع کیے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ، پڑھا کرتے تھے اور اڑتے جانور۔ اور ہم

فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ

نے یہ کیا تھا۔ اور اس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا پہناوا، کہ بچاؤ ہو تم کو

مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ

تمہاری لڑائی سے۔ سو کچھ تم شکر کرتے ہو۔ اور سلیمان کے

الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

تابع کی باؤ جھپکے کی، چلتی اس کے حکم سے، زمین کی طرف جہاں

بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ

برکت دی ہم نے۔ اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے۔ اور تابع

الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا

کیے گئے شیطان، جو غوطہ لگاتے اسکے واسطے، اور کچھ کام بناتے اس

دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

کے سوا۔ اور ہم تھے ان کو تھام رہے۔

(۵) قصۂ داؤد و سلیمان علیہما السلام

قال اللہ تعالیٰ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ۔ الیٰ.. وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝

یہ پانچواں قصہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ہے جو ابراہیمؑ کی نسل میں سے ہیں اور باوجود بادشاہت اور فرمانروائی کے خدا پرست تھے اور غایت درجہ کے عادل اور منصف تھے۔ امیری اور فقیری اور شاہی اور درویشی دونوں کے جامع تھے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت کا نمونہ تھی داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نبی تھے اور اللہ کے خلیفہ تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ نبی نہ تھے مگر اعلیٰ درجہ کے ولی تھے اور خاتم الانبیاء کے خلیفہ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کیجئے جبکہ وہ دونوں، ایک کھیتی کے مقدمہ میں فیصلہ کر رہے تھے۔ جبکہ رات کے وقت اس کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں چر گئی تھیں اور ہم انکے فیصلہ کے وقت موجود تھے، ہمارے روبرو یہ فیصلہ ہوا۔ صورت یہ ہوئی کہ ایک شخص کی بکریوں نے ایک شخص کا کھیت بالکل چر لیا۔ فریقین اپنا مقدمہ لیکر فیصلہ کرانے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے۔ کھیت والے نے کہا کہ اس شخص کی بکریاں رات کو میرا سارا کھیت چر گئیں اور اس میں نال تک نہ چھوڑی، حضرت داؤد علیہ السلام نے حال سن کر حساب کیا تو معلوم ہوا کہ کل بکریوں کی قیمت کھیت کی قیمت کے برابر ہے لہذا آپ نے حکم دیا کہ یہ بکریاں سب کھیت والے کو دے دی جائیں کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی: وہ یہ فیصلہ سن کر وہاں سے چل دیئے۔ حضرت سلیمانؑ کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو یہ کہا کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو یہ فیصلہ نہ کرتا۔ میں دوسری طرح فیصلہ کرتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میرے نزدیک فیصلہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ بکریاں تو کھیت والے کو دے دی جائیں کہ وہ انکے دودھ اور نسل سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی اور تردد کریں یہاں تک کہ جب سال آئندہ اسکا کھیت پھر اس حالت پر آجائے کہ جس دن وہ کھایا گیا تھا تو بکریوں والا اسکا کھیت اسکے حوالے کر دے اور اپنی بکریاں اس سے واپس لے لے۔ اس میں دونوں کا فائدہ ہے نقصان کسی کا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو اس فیصلے کو بہت پسند کیا اور اپنے فیصلہ سے رجوع فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس ہم نے فیصلہ کا یہ طریقہ سلیمانؑ کو سمجھا دیا کہ جو دونوں فریق کے حق میں مفید ہو گیا اور ہر ایک کو یعنی باپ اور بیٹے کو ہم نے علم و حکمت عطا کیا ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا دونوں فیصلے حق تھے دونوں کا مقصد یہ تھا کہ اس نقصان کا تاوان اور ضمان دلایا جائے۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل کر کے کھیت والے کی ملک کر دیں اور سلیمان علیہ السلام نے کسی کی ملک زائل نہیں کی بلکہ بکریوں کے منفعت سے اسکے نقصان کی تلافی کر دی کہ اتنی مدت تک بکریوں کی منفعت کھیت والے کے لیے حلال کر دی جب تک وہ کھیت اپنی اصلی حالت پر نہ آجائے کھیت والا بکریوں کے چر جانے کی وجہ سے اپنے کھیت کی منفعت سے محروم ہو گیا تھا۔ اسکی تلافی کے لیے ایک مدت تک بکریاں اسکے حوالہ کر دی گئیں کہ اس سے منتفع ہوتا رہے بدون

اس کے کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل ہو نقصان کی تلافی منفعت سے فرمادی۔

حضرت داؤدؑ نے بکریاں کھیت والے کو دینے کا فیصلہ اس لیے فرمایا کہ ان کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ جو چوری کرے تو اس کو غلام بنالیا جائے" اسی کے مطابق یہ حکم دیا۔ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۔ اور سلیمان علیہ السلام نے دوسرا فیصلہ کیا۔ جس میں دونوں کا نقصان نہ ہو حضرت داؤدؑ کا یہ فیصلہ ظاہری قیاس کے مطابق تھا کہ رات کا وقت تھا بکریوں کی حفاظت اور ان کو بند رکھنا بکریوں کے مالک کا ذمہ تھا اگر وہ بکریوں کی پوری نگرانی رکھتا تو بکریاں باہر نکل کر کسی کا کھیت خراب نہ کرتیں پس جب بکریوں کے مالک نے بکریوں کی نگہداشت میں کوتاہی کی اور اس کوتاہی کی وجہ سے دوسرے کا کھیت خراب ہوا۔ تو داؤد علیہ السلام نے اس نقصان کے ضمان اور تاوان میں بکریاں کھیت والے کو دے دیں اور کھیت والے کو ان بکریوں کا مالک بنا دیا۔ کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی اس قسم کے فیصلہ کو اصطلاح فقہاء میں قیاس جلی کہتے ہیں اور سلیمان علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا اس میں ملکیت ہر ایک کی بحالہٖ برقرار رکھی۔ کھیتی کے نقصان کی تلافی بکریوں کے منافع سے کردی اس قسم کے قیاس کو اصطلاح فقہاء میں استحسان کہتے ہیں۔ پس جس طرح حضرت داؤدؑ نے سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ سن کر اپنے فیصلہ سے رجوع کیا اسی طرح فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ قیاس جلی کے مقابلہ میں قیاس استحسان کی طرف رجوع کرنا اولیٰ اور احسن ہے فیصلے دونوں ہی حق تھے مگر سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا وہ ایک قسم کی صلح تھی اور فریقین اس پر راضی تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے علم و حکمت کی تعریف کی اور اس مسئلہ اور اس فیصلہ میں سلیمان علیہ السلام کی خاص طور پر مدح فرمائی کہ ہم نے انکو اس مسئلہ میں اپنی خاص تفہیم غیبی سے نوازا۔ سلیمان علیہ السلام اس وقت کمسن تھے۔ دس گیارہ سال کی عمر تھی۔ بوڑھے باپ کی موجودگی میں کمسن لڑکے کی زبان سے ایسے علم کا ظاہر ہونا وہ درحقیقت منجانب اللہ باپ کے لیے بشارت تھی کہ یہ سمجھدار بیٹا جب تمہارے بعد تمہارا خلیفہ اور جانشین ہوگا تو ایسے فیصلے کرے گا۔

زکریا علیہ السلام کو یہی خوف تھا کہ میرے بعد نہ معلوم جانشین کیسا ہوگا اس لیے دعا مانگی وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ اور عجب نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا یہ حکیمانہ فیصلہ باپ کی فیض صحبت اور انکے نور نبوت اور نور خلافت کا عکس اور پرتو ہو لخت جگر باپ کا جزء ہوتا ہے اور جزء کل کے مغایر نہیں ہوتا۔ پہلا فیصلہ کل کی زبان سے صادر ہوا۔ اور دوسرا فیصلہ جزء کی زبان سے ظاہر ہوا۔ بظاہر صورت مختلف ہے مگر حقیقت ایک ہے۔

ذکر بعض معجزات و کرامات حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام

حق جل شانہ نے ان آیات میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو علم و حکمت کے عطا کرنے کا ذکر فرمایا۔

اور یہ نعمت اور کرامت دونوں میں مشترک تھی اب آئندہ آیات میں ان بعض معجزات اور کرامات خاصہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان دو پیغمبروں کو عطا کیے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے علم و حکمت کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ بھی داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا تھا کہ وہ بھی انکے ساتھ آواز سے تسبیح کرتے تھے داؤد علیہ السلام بے انتہا خوش آواز تھے اور یہ خوش آوازی بھی انکا ایک معجزہ تھا۔ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو ان کے ساتھ شجر اور حجر اور پہاڑ اور پرند سب آواز کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے اور یہ ان کا معجزہ تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی ہم ہی یہ کام کرنے والے تھے پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر اور تسبیح یہ سب ہمارا ہی کام ہے ہماری قدرت کے اعتبار سے کوئی عجیب چیز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اور وہی اسکا فاعل ہے اللہ اپنے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر پیدا کر دیتا ہے اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے ایک قسم کا لباس یعنی زرہ بنانے کی صنعت سکھلائی تاکہ وہ لباس لڑائی میں تمہارا بچاؤ اور حفاظت کر سکے اور اسکی وجہ سے تم دشمن کی زد اور اس کے وار سے محفوظ رہ سکو۔

داؤد علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ کو حلقہ اور کڑیوں کے ساتھ بنایا۔ خدا تعالیٰ نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا۔ بغیر آگ کے لوہا انکے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اور وہ اس سے زرہ بنا لیا کرتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ۔ داؤد علیہ السلام سے پہلے زرہ تختیوں کی شکل میں ہوتی تھی، حلقے اور کڑیاں اس میں نہ تھیں تسبیح جبال وطیر کی طرح یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا پس کیا تم اس نعمت کا شکر کرو گے۔ اسی طرح زرہ سازی کی یہ صنعت اللہ کی نعمت ہے اور پھر اسکے نبی کا فیض ہے جو آج تک جاری ہے۔ تم کو چاہیئے کہ اس کا شکر کرو۔ اب آگے سلیمان علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے زور سے چلنے والی ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا کہ وہ انکے حکم کے مطابق اس زمین کی طرف جاتی تھی جہاں ہم نے برکت رکھی تھی یعنی ملک شام کی طرف اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ان کے تابع تھی۔ زور سے چلنے کا حکم دیتے تو زور سے چلتی اور تیز ہو جاتی اور نرم چلنے کا حکم دیتے تو نرم ہو جاتی وہ ہوا سلیمان علیہ السلام کو اور ان کے اصحاب کو یمن سے شام اور شام سے یمن پہنچا دیتی جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ اور برکت والی زمین سے سرزمین شام مراد ہے اور یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے اگر بندہ اپنی طاقت سے ہوائی جہاز بنا سکتا ہے تو کیا خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے مقبول بندہ کے لیے اس کے تخت ہی کو ہوائی جہاز بنا دے اور بلا سبب ظاہری کے ہوا کو اس کے لیے مسخر کر دے کہ اس کے حکم کے تابع ہو جائے اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں یعنی ہم کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس نعمت و کرامت کے اہل ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اس نعمت و کرامت کے ملنے کے بعد مغرور نہ ہونگے بلکہ انکی تواضع اور فروتنی میں اور اضافہ ہوگا۔

غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ایک معجزہ یعنی معجزہ تسخیر ہوا۔ ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں انکے دوسرے معجزہ یعنی تسخیر جن کے معجزہ کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے جنات کی جماعت میں سے سلیمانؑ کے

لیے ان شیاطین کو مسخر کر دیا کہ جو اُن کے واسطے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور اسکی تہ میں سے جواہرات نکال کر لاتے ہیں اور اس غواصی کے علاوہ اور بھی ان کے بہت سے کام کرتے ہیں اور کاموں سے مراد نفیس نفیس عمارتیں بنانا اور عجیب عجیب صنعتوں کا ایجاد کرنا یہ سب کام جنات کیا کرتے تھے۔ اور ہم انکے نگہبان اور نگران تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے باہر ہو سکے نہ کوئی مطالبہ تھا اور نہ کوئی پڑتال تھی اور نہ کسی کی تنخواہ تھی۔ ملک کے تمام کارخانے انہی جنات اور شیاطین کی محنت اور خدمت سے چل رہے تھے حکم سلیمانؑ کا چل رہا تھا اور یہ سب کے سب انکے فرمانبردار غلام تھے اور بلا تنخواہ کے کام کر رہے تھے یہ خدا تعالیٰ کی عطا فرمودہ شخصی بادشاہت تھی کوئی جمہوری اور قومی حکومت نہ تھی۔ سارے ملک میں سلیمان علیہ السلام کی آمریت تھی۔ تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖۤ۔ لیکن سلیمان علیہ السلام کی یہ آمریت خداوند احکم الحاکمین کی شہنشاہی کا آئینہ تھی۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت لکڑی کا تھا اور اس کے گرد ایک تختہ تھا جس پر ضروری اشیاء رکھی جاتی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ دیگر ارکان دولت بھی بیٹھتے اور ضروری سامان مثلاً گھوڑے اور خیمے اور فرش بھی جس قدر چاہتے ساتھ رکھ لیتے اور پرندے اوپر سے آکر سایہ کر لیتے اور ہوا کو حکم ہوتا کہ چلے جدھر چاہتے وہاں لیکر رواں ہو جاتی اور جہاں چاہتے وہاں اترتے کما قال تعالیٰ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ اور فرمایا غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ۔ یہ معجزہ تو تسخیر ہوا کا تھا اور دوسرا معجزہ شیاطین کا کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین اور جنات کو سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں مسخر اور مقہور کر دیا تھا جس سے وہ چاہتے کام لیتے۔ نہ کوئی بھاگ سکتا تھا اور نہ سرکشی کر سکتا تھا۔ کما قال تعالیٰ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۱ ج ۳)

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ
اور ایوب کو جس وقت پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو پڑی ہے تکلیف اور

اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا
تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا۔ پھر ہم نے سن لی اس کی پکار اور اٹھا دی

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ
جو اس پر تھی تکلیف اور دیئے اسکو اسکے گھر والے اور انکے برابر ساتھ

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾
انکے اپنے پاس کی مہر سے اور نصیحت بندگی والوں کو۔

(۶) قصۂ ایوب علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝

یہ چھٹا قصہ ایوب علیہ السلام کا ہے جو طرح طرح کی مصائب سے آزمائے گئے اور بے مثال صبر فرمایا ان کا صبر خود ایک مستقل معجزہ تھا حضرت ایوب علیہ السلام بڑے خوشحال پیغمبر تھے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے آسودہ کر رکھا تھا۔ باغ اور کھیت اور مویشی اور مال و دولت اور اولاد صالح اور مرضی کے مطابق عورت وغیرہ وغیرہ دے رکھی تھیں۔ اس خوشحالی میں وہ خدا کے شکر گزار بندے تھے پھر خدا تعالیٰ نے انکو مصیبت سے آزمانا چاہا۔ مال اور اولاد اور باغ اور کھیت سب فنا ہو گئے اولاد مر گئی اور دوست آشنا سب الگ ہو گئے۔ صرف ایک بیوی رفیق رہ گئی اور اخیر میں وہ بھی کچھ گھبرا سی گئی مگر ایوب علیہ السلام جس طرح نعمت میں خدا کے شکر گزار رہے اسی طرح وہ بلا میں بھی صابر رہے نہ زبان سے کوئی حرف شکایت اور نہ دل میں شکایت کا کوئی خطرہ گزرا جب بیماری حد سے گزر گئی تب اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ نے انکی دعا قبول کی۔ اور انکو صحت اور عافیت عطا کی۔ اور جو اولاد دب کر مر گئی تھی اسکو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطا کر دی اور اپنے فضل سے انکی پھر وہی خوشحالی کی حالت کر دی بلکہ اس سے بہتر۔

اب ان آیات میں ایوب علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ صابروں اور شاکروں کے لیے عبرت ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہمارے صابر بندہ ایوب کا قصہ ذکر کرو جبکہ انکو اللہ کی طرف سے جان اور مال اور اولاد میں ہر طرف سے بلا پہنچی، حتیٰ کہ جسم کا کوئی حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہ رہا۔ بقول بعض اٹھارہ برس اسی تکلیف میں گزارے اور حیا و شرم کے مارے حق تعالیٰ سے اپنی عافیت اور تندرستی کی دعا بھی نہ کی کہ سالہا سال حق تعالیٰ کی نعمتوں میں گزارے ہیں جب تک اتنی مدت تک اسکی بلاؤں پر صبر نہ کر لوں اس وقت تک کس منہ سے مانگوں حتیٰ کہ اگر بدن کے زخم سے کسی وقت کوئی کیڑا گر جاتا تو اس کو اٹھا کر پھر اسی جگہ رکھ دیتے اور کہتے کہ یہ میرے پروردگار کی بھیجی ہوئی بلا ہے اے بلا تو میرے بدن کو اچھی طرح کھا۔ یہ کمال رضا و بالقضاء اور صبر بر بلاء ہے کہ یہ تکلیف انتہا کو پہنچی ہوئی ہے مگر حال یہ ہے کہ "ایلام دوست بہ از انعام دوست" بالآخر ایوب نے اپنے رب کو پکارا اور یہ دعا کی کہ اے پروردگار تحقیق مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے جو تیری شان ارحم الراحمین کا اقتضاء ہو وہ کر گزر ایوب علیہ السلام اپنا سوال تو پیش کر دیا لیکن درخواست کو ظاہر نہ کیا۔ حق تعالیٰ کی غایت رحمت کا ذکر کیا اور اپنی عاجزی اور لاچاری ظاہر کی اور خاموش ہو گئے مطلب یہ تھا کہ میں تیری بارگاہ رحمت میں کیا عرض کروں۔ عرض کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں اور یہ میری بیماری اور لاچاری آپ کے سامنے ہے جو چاہیں کریں میں آپ کا بندہ ہوں لیکن آپکی رحمت کا محتاج ہوں

پس انکا یہ کہنا تھا کہ ہم نے انکی دعا قبول کی سو جو تکلیف اور بیماری انکو لاحق تھی وہ یک لخت ہم نے دور کر دی اور ہم نے انکو بعینہٖ انکے اہل و عیال عطا کر دیئے یعنی ان کو زندہ کر دیا اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ دے دیئے، یعنی جو اولاد مر گئی تھی اسکو ہم نے زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اسکے بعد پیدا کر دی جو گزشتہ اولاد کے برابر تھی، ایوب علیہ السلام نے جب اپنے رب کو پکارا تو دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور آواز آئی سامنے ایوبؑ اپنا پاؤں زمین پر مار ایک چشمہ نمودار ہوا۔ اس سے ایوب علیہ السلام نے غسل کیا۔ اس سے انکی تمام بیماری یک لخت جاتی رہی اور خوبصورت بدن نکل آیا۔ بیوی یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ایوب علیہ السلام نے کہا میں وہی ایوبؑ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا۔ اور مجھ پر میرا مال اور اہل و عیال سب واپس کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم نے ایوب کے ساتھ کیا وہ اپنی خاص رحمت اور مہربانی سے کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ارحم الراحمین کی رحمت اور عنایت ایسی ہوتی ہے اور تاکہ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت اور عبرت ہو کہ صبر ایسا ہوتا ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ صبر اور شکر میں حضرت ایوب علیہ السلام کی اقتداء کریں۔

اس واقعہ میں ایوب علیہ السلام کو چار ابتلاء پیش آئے (۱) مال جاتا رہا (۲) اولاد مر گئی (۳) بدن بیماری سے پھٹ گیا (۴) سوائے بیوی کے سب نے چھوڑ دیا اور شماتت کرنے لگے کہ ایوبؑ نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی سخت ملی ہے۔ ایوب علیہ السلام نے اس ابتلاء اور بلاء پر صبر کیا۔ اول تو دعا پر بھی راضی نہ تھے حیا اور شرم کی وجہ سے صحت کی دعا بھی نہ کرتے تھے بالآخر بیوی کے اصرار سے اپنی صحت کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول کی۔ اللہ تعالیٰ نے صحت اور تندرستی بھی عطا کی اور جو اولاد مر گئی تھی اسکو دوبارہ زندہ کر دیا چونکہ جو اولاد کہ کٹھی ہی دب کر مر گئی بظاہر وہ موت اجل نہ تھی۔ بلکہ موت ابتلاء و آزمائش تھی اس لیے ان بنی اسرائیل کی طرح دوبارہ زندہ کر دی گئی جنکو طاعون سے بھاگنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پہلے کی طرح مال و دولت بھی عطا کر دیا جس قدر مال انکا جاتا رہا تھا اسی قدر اللہ نے پھر انکو دے دیا بلکہ اس سے زائد۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایوب علیہ السلام ایک دن غسل فرما رہے تھے کہ اوپر سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں۔ ایوب علیہ السلام انکو اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب کیا میں نے تجھ کو اس چیز سے غنی نہیں کیا کہ جس کو تو دیکھتا ہے۔ عرض کیا کیوں نہیں لیکن تیری برکت سے غناء نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ میرا سونے کی ٹڈیوں کی طرف رغبت کرنا دنیاوی غنا حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ سونے کی ٹڈیاں تیری طرف سے بلا سبب ظاہری کے برس رہی ہیں اور یہ تیری طرف سے بلاشبہ برکت ہیں اور بندہ کتنا ہی مالدار ہو جائے مگر خدا کی برکت سے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ سے طلب زیادت قناعت کے منافی نہیں البتہ غیر اللہ سے سوال قناعت کے منافی ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ
اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذو الکفل کو۔ یہ سب ہیں

الصّٰبِرِيْنَ ۝۸۵ۚۖ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ
سہارنے والے۔ اور لے لیا ہم نے ان کو اپنی مہر میں۔ وہ ہیں

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۸۶
نیک بختوں میں۔

(۷) قصہ حضرت اسمٰعیل و ادریس و ذو الکفل علیہم السلام

قال اللہ تعالیٰ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ... الیٰ .... اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا قصہ بیان فرمایا۔ اب یہ ساتواں قصہ ان تین حضرات کا ہے جو اپنے زمانہ میں صبر اور تحمل میں بے مثال تھے اس قصہ سے اور گزشتہ قصہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلی مقصود ہے اور اے نبی اسمٰعیل اور ادریس اور ذو الکفل علیہم السلام کا ذکر کیجئے۔ ان میں سے ہر ایک صابرین میں سے تھا اور ہم نے ان کو اپنی خاص الخاص رحمت میں داخل کر لیا تھا اور یہ لوگ بلاشبہ صلاح میں کامل تھے انکی صلاحیت میں کسی قسم کا نقص اور کدورت کا شائبہ نہ تھا۔

ان تینوں پیغمبروں نے بڑی بڑی تکالیف اور آزمائشوں پر صبر کیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام نے ذبح کی تکلیف پر صبر کیا اور خدا کے لیے جان دینے پر راضی ہو گئے اور ابتداءً جو مکہ میں قیام کیا۔ اس میں بھی بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ اور ادریس علیہ السلام کی عبادت کا قصہ سورۂ مریم میں گزر چکا ہے کہ وہ ترک طعام و شراب کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے اور ذو الکفل علیہ السلام بقول اکثر محققین نبی تھے اور ظاہر قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے اور انکو ذو الکفل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوم میں عدل و انصاف کے کفیل تھے اور دن میں روزہ رکھنے اور شب میں تہجد کے کفیل تھے اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے فقیروں اور مسکینوں کی پرورش کی کفالت اپنے ذمہ لی تھی۔ (واللہ اعلم)

بہرحال جمہور علماء کے نزدیک ذو الکفل علیہ السلام نبی صالح تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی نہ تھے۔ بلکہ ایک مرد صالح تھے علماء محققین کے نزدیک پہلا ہی قول صحیح ہے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ

اور مچھلی والے کو، جب چلا گیا غصہ سے لڑکر، پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ

نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ

سکیں گے پھر پکارا ان اندھیروں میں، کہ کوئی حاکم نہیں سوا تیرے

سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ

پھر سن لی ہم نے اسکی پکار، اور بچا دیا اس گھٹنے سے۔ اور یوں ہی ہم

نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

(۸) قصۂ یونس علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا.. الیٰ .. وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۝

یہ آٹھواں قصہ یونس علیہ السلام کا ہے جنکو ذوالنون کہا جاتا ہے۔ نون کے معنی مچھلی کے ہیں کیونکہ مچھلی نے ان کو لقمہ کر لیا تھا اس لیے انکا لقب ذوالنون ہوا یعنی مچھلی والے۔ وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چلے گئے تھے، جب دیکھا کہ قوم کفر اور سرکشی پر تلی ہوئی ہے تو یونس علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا اس لیے ناخوش ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور یہ ایک قسم کی ہجرت تھی کہ کافروں کے ایمان سے ناامید ہوئے تو ناراض ہو کر انکے درمیان سے نکل گئے اور انکا یہ غصہ اپنی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ خدائے عزوجل کی نافرمانی کی وجہ سے تھا اور یہ غصہ اگرچہ حق اور درست تھا، مگر چونکہ ان کا بستی سے نکل جانا بدون حکم الٰہی کے تھا اس لیے ان پر عتاب آیا کہ انکو چاہیئے تھا کہ اس بارہ میں وحی اور حکم الٰہی کا انتظار کرتے اس طرح سے گھبرا کر ایک دم سے نکل کھڑا ہونا انکی شایان شان نہ تھا بمقتضائے بشریت گھبرا کر نکل گئے یہ انکی اجتہادی خطا تھی جو امت کے حق میں معاف ہے جب یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اور اپنی خطا کا اعتراف کیا تو

مچھلی کو حکم ہوا کہ کنارہ پر آکر اگل دے۔ اس نے کنارہ پر آکر اگل دیا صحیح سالم پھر اپنی سابق بستی کی طرف واپس آگئے جس سے ناراض ہو کر نکلے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بیان کیجئے آپ ان سے مچھلی والے نبی کا قصہ جب کہ وہ اپنی قوم سے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناخوش اور غضب ناک ہو کر بستی سے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یونس بن متی علیہ السلام کو شہر نینوی کے لوگوں کی طرف بھیجا جو موصل کے شہروں میں سے ایک شہر ہے، یونس علیہ السلام نے انکو اللہ کی طرف دعوت دی اور سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا اور اپنے کفر پر اڑے رہے۔ یونس علیہ السلام غصہ میں آکر ان کے درمیان سے نکل گئے اور اس نکلنے میں وحی خداوندی اور حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور ان سے یہ وعدہ کر کے چلے گئے کہ تین دن کے بعد تم پہ عذاب آئے گا۔ نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ جب آثار عذاب کے شروع ہوتے تو گھبرا کر سب بستی سے باہر چلے گئے اور گریہ زاری کی۔ اور سچے دل سے توبہ کی۔ عذاب ٹل گیا۔ بعدازاں حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ ادھر یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر بحر روم پر پہنچے اور ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے۔ پس وہ کشتی روانہ ہوئی یکایک سمندر کی موجوں نے کشتی کو گھیرا۔ سب کو غرق کا خوف لاحق ہوا۔ کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے اس آدمی کے تعین کے لیے قرعہ اندازی ہوئی اور دو تین مرتبہ ہوئی ہر مرتبہ قرعہ حضرت یونس کے نام پر نکلتا رہا۔ کما قال تعالیٰ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ۔ یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں جو اپنے آقائے برحق کے بغیر اجازت کے بستی سے نکل آیا یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام خود دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک بڑی مچھلی نے آپ کا لقمہ بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ہمارے اس بندہ کی اپنے پیٹ میں حفاظت کرنا۔ یہ بندہ تیری روزی اور تیرا رزق نہیں بلکہ تیرے پیٹ کو ہم نے چند روز کے لیے اس کا قید خانہ یا حفاظت خانہ یا عبادت خانہ بنایا ہے۔ فقط چند روز کے لیے انکو نظر بند کرنا مقصود ہے اس کے گوشت و پوست میں سے کھانے کی تجھ کو اجازت نہیں ہمارا بندہ بغیر ہمارے حکم کے اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکل گیا ہے اگرچہ اسکا یہ غصہ ہماری ہی وجہ سے ہے لیکن اس کو چاہیئے تھا کہ ہمارے حکم کا انتظار کرتا۔ بہرحال یونس علیہ السلام انکو چھوڑ کر نکل گئے اور ہماری رحمت اور ہمارے لطف و عنایت کی بنا پر یہ گمان کیا کہ ہم ان پر سختی اور دارو گیر نہیں کریں گے، ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور ضحاکؒ اور قتادہؒ اور حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اس آیت میں لَنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ کے معنی لن نضیق علیہ کے ہیں یعنی یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم انکو تنگی اور آزمائش میں نہیں ڈالیں گے اور ان پر کوئی سختی نہیں کریں گے معاذ اللہ یہ معنی نہیں کہ یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ ان پر قادر نہ ہوگا اور یہی قول جمہور مفسرین کا ہے اور اسی کو امام ابن جریرؒ نے اختیار فرمایا۔

یونس علیہ السلام کا یہ گمان اللہ کی رحمت اور عنایت کی بنا پر بطور ناز تھا جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے لطف و کرم کی بنا پر بطور ناز کوئی کام بغیر حکم کے بھی کر گزرتا ہے اور قَدَرَ بمعنی ضَيَّقَ لغت عرب میں اور قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (ای یوسع و یضیق)۔ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ (یعنی ضیق)۔
اور بعض مفسرین نے لَنْ نَّقْدِرَ کو قدرت سے مشتق مانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان کے پکڑنے پر قادر نہ ہوں گے۔ اس تفسیر پر اشکال یہ ہے کہ ایسا عقیدہ اور گمان تو ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کا نبی یہ گمان کرے جواب یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے حقیقتہً یہ گمان نہیں کیا تھا کہ خدا تعالیٰ انکے پکڑنے پر قادر نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا اس طرح بلا انتظار وحی کے نکل کر چلا جانا گویا اس شخص کے حال کے مشابہ ہے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ گویا اب ہم اس کو دوبارہ پکڑ کر واپس نہیں لا سکیں گے۔ چونکہ یونس علیہ السلام حق تعالیٰ کے پیغمبر تھے انکی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ اس طرح چلے جائیں اس لیے بطور شکوہٴ محبت حق تعالیٰ نے اپنے محبانہ عتاب کو ان لفظوں کے ساتھ تعبیر کیا تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوشیار ہو جائیں۔

پس جب خدا کے حکم سے انکو ایک مچھلی نگل گئی اور وہ اس کے شکم کی تاریکیوں میں گھر گئے تو یونس علیہ السلام نے ان تاریکیوں میں اللہ کو اس طرح پکارا۔ اے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو پناہ دے سکے تو ہر عیب سے پاک ہے میں بے شک تیرے قصور والوں میں سے ہوں کہ بغیر تیرے حکم کے اپنی قوم سے نکل گیا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس غم سے انکو نجات دی۔ چنانچہ مچھلی نے سمندر کے کنارہ پر آکر انکو اُگل دیا۔ اور اللہ کی امانت صحیح سالم واپس کردی۔ یونس علیہ السلام صحیح سالم اپنی سابق بستی کی طرف واپس آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے اور بعض کہتے ہیں کہ سات روز رہے اور حضرت یونس علیہ السلام کا شکم ماہی سے نکلنا ایسا ہوا جیسا کہ معصوم بچہ شکم مادر سے صحیح سالم نکلتا ہے اور جس طرح شکم مادر بچہ کی تربیت گاہ اور حفاظت گاہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ شکم ماہی بحکم الٰہی یونس علیہ السلام کی حفاظت گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ یونس علیہ السلام جب شکم ماہی سے نکلے تو گویا ایسے تھے کہ جیسا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو وہ فطرتاً معصوم اور گناہوں کے دھبوں سے بھی پاک و صاف ہوتا ہے اور جس طرح ہم نے یونس علیہ السلام کو اس غم سے نجات دی اسی طرح ہم ایمان والوں کو غم سے نجات دیتے ہیں کہ جو مومن بندہ اپنی کرب اور تکلیف میں ہماری طرف رجوع کرے اور ہم سے استغاثہ کرے ہم سکو یوں ہی نجات دیتے ہیں۔ جیسے ہم نے یونس علیہ السلام کو غم سے نجات دی۔ حدیث میں ہے کہ جو بندہ پریشانی کے وقت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکو پریشانی سے نجات دیتا ہے۔

فائدہ (۱) حضرت یونس علیہ السلام کا اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ فرمانا اور اپنی طرف ظلم کی نسبت کرنا ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ اور ظلم کے معنی نقصان اور کمی کے ہیں جس کے مراتب اور درجات میں ایک ظلم عظیم ہوتا ہے اور ایک ظلم ذرہ برابر بھی ہوتا ہے۔

فائدہ (۲) اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مجھ کو یونس بن متیٰ پر فضیلت نہ دو سو اسکی مراد یہ ہے کہ ایسی

فضیلت نہ ہو کر جوان کی تنقیص کا باعث بنے کیونکہ انکے حق میں التقام حوت کا جو واقعہ پیش آیا وہ ظاہر میں اگرچہ عتاب تھا مگر درحقیقت وہ معراج نزولی تھی۔ مچھلی کے پیٹ میں اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور جلال کا ان کو مشاہدہ کرا دیا لیکن یہ مشاہدہ باطنی تھا اور برنگ تنبیہ و عتاب تھا اور شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشاہدہ ہوا وہ مشاہدہ دیدار پُرانوار ظاہری طور پر تھا اور مکالمۂ الٰہی کے ساتھ مقرون تھا۔ اور قرب کا اعلیٰ ترین مقام تھا۔ اور واقعہ معراج از اول تا آخر معراج عروجی تھا جس سے مقصود اعزاز و اکرام تھا وہ مقام سید الانبیاء والمرسلین اور اکرم الاولین والآخرین کے لیے مخصوص تھا وہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔

وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ

اور زکریا نے جب پکارا اپنے رب کو اے رب! نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا، اور

أَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا

تو ہے سب سے بہتر وارث۔ پھر ہم نے سن لی اسکی پکار اور بخشا اس

لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

کو یحییٰ، اور چنگی کر دی، اس کی عورت۔ وہ لوگ

يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ

دوڑتے تھے بھلائیوں پر، اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے

وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾

اور تھے ہمارے آگے دبے۔

(۹) قصۂ زکریا علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ ..... الیٰ ..... وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ٥

ربط: ان آیات میں نواں قصہ حضرت زکریا اور یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر عاطر کی تشفی مقصود ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی زکریا علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجیے

جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو تنہا یعنی لاوارث اور بے اولاد نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے یعنی ظاہری وارث سب فنا ہوجائیں گے صرف ایک تو ہی باقی رہے گا۔ پس ہم نے انکی دعا قبول کی اور انکو یحییٰ بیٹا بخشا اور انکی بی بی کی جو کہ بانجھ تھیں انکی اصلاح کردی یعنی انکے بانجھ پن کو دور کر کے بچہ جننے کے قابل بنا دیا۔ یا یہ معنی ہیں کہ انکی بیوی کی بدخلقی کو خوش خلقی سے بدل دیا۔ کہا جاتا ہے کہ انکی بیوی بدزبان تھیں مفصل قصہ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

یہ تمام انبیاء جنکا اس سورت میں ذکر ہوا نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید وبیم اور خوف ورجاء در رغبت اور خوف سے ہم کو پکارتے تھے اور ہمارے سامنے نیازمندی اور عاجزی کرنے والے تھے۔ پس جس کو اللہ کی رحمت میں داخل ہونے کی طمع ہو تو اس کو چاہیئے کہ رغبت اور رہبت کے ساتھ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرے نیازمندی کو اختیار کرے ناز کو چھوڑ دے۔

وَالَّتِيٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

اور وہ عورت جس نے قید میں رکھی اپنی شہوت پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور کیا اس کو اور اسکے بیٹے کو نمونہ جہان والوں کو۔

(۱۰) قصۂ حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام

قال اللہ تعالیٰ وَالَّتِيٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ... الی ... وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

یہ دسواں قصہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کا ہے جس پر انبیاءؑ کے قصوں کو ختم فرمایا اور اس سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ مذکور ہوا۔ ان دونوں قصوں میں غایت درجہ مناسبت ہے کہ وہاں بوڑھے مرد اور بوڑھی اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونے کا ذکر ہے اور یہاں کنواری سے بغیر شوہر کے لڑکا پیدا ہونے کا ذکر ہے جو اس سے زیادہ عجیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی اس عورت کا واقعہ ذکر کیجیے جس نے اپنی ناموس کی پوری اور کامل طور پر حفاظت کی تو ہم نے اس عورت کے گریبان میں جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے اپنی ایک خاص روح پھونک دی جس سے اسکو بغیر شوہر ہی کے حمل رہ گیا اور اس حمل سے خدا کا ایک برگزیدہ نبی جناب مسیح علیہ السلام پیدا ہوا اور ہم نے مریم کو اور اسکے بیٹے عیسیٰؑ کو جہان والوں کے لیے اپنے کمال قدرت کی ایک نشانی بنایا جس سے سب

عقل والوں کو معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ بغیر باپ کے صرف عورت کے بطن سے لڑکا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مفصل قصہ سورۂ مریم اور سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿۹۲﴾

یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر، اور میں ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو۔

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿۹۳﴾ فَمَن

اور ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا لوگوں نے آپس میں اپنا کام۔ سب ہمارے پاس پھر آویں گے۔ سو جو کوئی

يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ

کرے نیک کام، اور وہ یقین رکھتا ہو سو اکارت نہ کریں گے

لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿۹۴﴾

اسکی دوڑ اور ہم اس کو لکھتے ہیں۔

بیان اجماع انبیاء کرام بر توحید خداوند انام

قال اللہ تعالیٰ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ..... الیٰ ..... وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ۝

(ربط) یہاں تک حضرات انبیاء کرامؑ کے قصص کا بیان ہوا۔ چونکہ یہ سب حضرات توحید کے داعی تھے اس لیے اخیر میں بطور نتیجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام توحید پر متفق رہے اس بارہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ توحید کے بارہ میں اختلاف نہ کرو اور صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرو چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطبین یہی توحید تمہاری ملت ہے درآنحالیکہ وہ ملت واحدہ ہے جس پر تمام انبیاء گزرے اس میں کسی کا کچھ اختلاف نہیں توحید پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ لوگوں کو چاہیے تھا کہ سب طریقۂ توحید پر چلتے جو تمام انبیاء کا طریقہ ہے لیکن یہود و نصاریٰ اپنے دین کے بارہ میں متفرق و مختلف ہو گئے اور انہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگے اور آخرت سے منہ موڑ کر دنیا کی زندگی پر بھروسہ کر بیٹھے۔ سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں ہم انکو ان کے اعمال کی سزا دیں گے پس جو شخص نیک عمل کرے بشرطیکہ وہ

ایمان اور یقین رکھتا ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جاتے گی بلکہ اس کی سعی مشکور ہو گی اور البتہ تحقیق ہم اس کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں۔ ہمارے حکم سے کراماً کاتبین اس کے اعمال کو صحیفۂ اعمال میں ثبت کرتے ہیں۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا

اور مقرر ہو رہا ہے ہر بستی پر جس کو ہم نے کھپا دیا کہ وہ نہیں

يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ

پھرتے۔ یہاں تک کہ جب کھول دیں یاجوج و

مَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ

ماجوج کو اور وہ ہر اونچان (اونچی جگہ) سے پھیلتے آویں۔ اور

اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ

نزدیک پہنچے سچا وعدہ پھر تبھی اوپر لگ رہیں منکروں کی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

آنکھیں۔ اے خرابی ہماری! ہم بے خبر رہے اس سے

بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

نہیں پر ہم تھے گناہ گار۔ تم اور جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا

اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ

جھونکنا ہے دوزخ میں تم کو اس پر پہنچنا ہے۔ اگر ہوتے

هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

یہ لوگ ٹھاکر نہ پہنچتے اس پر اور سارے اس میں پڑے رہیں گے۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ

اُن کو وہاں چلّانا ہے اور وہ اس میں بات نہیں سنتے۔ جن کو

الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا

آگے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی۔ وہ اس سے دور

مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ

رہیں گے۔ نہیں سنتے اس کی آہٹ۔ اور وہ اپنے جی

مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ

کے مزوں میں سدا رہیں۔ نہ غم ہوگا ان کو اس

الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ

بڑی گھبراہٹ میں اور لینے آویں گے انکو فرشتے آج دن تمہارا ہے جس کا

كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ

تم سے وعدہ تھا۔ جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے لپیٹتے

السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا

ہیں طومار میں کاغذ۔ جیسا سرے سے بنایا پہلی بار، پھر اس کو دہرائینگے

عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

وعدہ ضرور ہو چکا ہے ہم پر، ہم کو کرنا۔

بیان قرب قیامت و خروج یاجوج ماجوج و فناءِ عالم و بیان ذلت و خواری اہلِ غفلت و بیان عزت و کرامت اہلِ سعادت

قال اللہ تعالیٰ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ... الیٰ ... اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۔

(ربط، گزشتہ آیات میں توحید اور رسالت کا بیان تھا اب آگے معاد اور

قرب[1] قیامت کو بیان کرتے ہیں کہ اس دنیا کا ایک وقت معین ہے اس کے بعد فنا کردی جائیگی اور اس فنا کی ابتدائی علامت خروج یاجوج وماجوج ہے اس کے بعد وہ وعدہ بہت قریب آلگے گا۔ منجملہ علامات قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا ہے۔ دجال کے قتل ہوجانے کے بعد یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ فی الحال یہ لوگ اس وقت اس آہنی دیوار کے پیچھے محصور ہیں جس کو ذوالقرنین نے بنایا تھا کہ مخلوق خدا ان کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ قیامت کے قریب وہ دیوار اور درہ کھل جائیگا اور یہ مفسد قوم وہاں سے ٹڈی دل کی طرح نکل پڑے گی اور ہر طرف پھیل جائے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ۔ اور اس وقت قیامت کا سچا وعدہ قریب آپہنچے گا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ہمراہ لیکر کوہ طور پر پناہ لیں گے۔ باقی لوگ اپنے طور پر کسی قلعہ یا مکان میں محفوظ ہوجائیں گے بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب باری میں یاجوج ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے انکی گردنوں میں ایک طاعونی گلٹی پیدا کردے گا جس سے سب کے سب ایک دم مرجائیں گے۔

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں اس خوف ودہشت کو بیان کیا ہے جو قیامت کے قریب پیش آئے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جس بستی والوں کو ہم نے عذاب یا موت کے ذریعے ہلاک کردیا تو اس بستی والوں کے لیے یہ بات محال اور ناممکن ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہوکر ہماری طرف نہ لوٹیں یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ مرنے والے ہماری طرف نہ لوٹیں اور ہمارے حضور میں حساب وکتاب کے لیے حاضر نہ ہوں کفار کا یہ خیال کہ مر کر خاک میں مل جائیں گے اور نیست ونابود ہوجائیں گے سو ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے ایک روز ضرور ہماری طرف واپس لائے جائیں گے۔ اور قیامت قائم ہوگی اور ان کا حساب وکتاب ہوگا پس یہ جملہ درحقیقت گزشتہ جملہ کُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ وَاِنَّا لَهٗ کٰتِبُوْنَ کے مضمون کی تاکید ہے جس سے منکرین حشر اور منکرین قیامت اور منکرین رجوع الی اللہ کا رد مقصود ہے۔

آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ میں لا زائدہ ہے اور رجوع[2] سے رجوع بجانب دنیا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ہلاک ہوچکے اور مرچکے انکا تدارک مافات اور اپنے اعمال کی درستی کے لیے دنیا میں دوبارہ واپس آنا ناممکن اور محال ہے ایک مرتبہ جب دنیا سے رخصت ہوگئے تو اس دار العمل سے چلے جانے کے بعد دوبارہ

---

[1] اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اس بارہ میں صریح وہی لفظ ہے جو شروع سورت میں تھا۔ [2] حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے ترجمہ میں اسی قول کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وحمال است چیزیکہ کردیم اورا آنکہ باز گردد۔ یعنی بسوئے دنیا۔ ۱۲ فتح الرحمان۔

اس دار العمل کی طرف رجوع ممکن نہیں کہ دوبارہ واپس آکر پھر ایمان لاسکیں اور عمل صالح کرسکیں اور اس طرح اپنی برائیوں کا کفارہ کرسکیں تو یہ بات محال اور ناممکن ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَآ اِلٰٓی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ اس قول کی بنا پر لَا یَرْجِعُوْنَ میں حرف لا زائد ہے اور پہلے قول کی بنا پر حرف لا اصلی ہے زائد نہیں۔ البتہ اگر مرنے کے بعد کسی نبی کی دعا سے کوئی مردہ زندہ ہوجائے تو یہ محال نہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ۔ کی تفسیر میں بنی اسرائیل کے دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ گزرا اور پارۂ سوم کے شروع میں حضرت ارمیاہؑ یا حضرت عزیرؑ کا سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ گزر چکا ہے۔

بہرحال کسی مردہ کی قدرت اور اختیار میں یہ نہیں کہ وہ مرکر دوبارہ دنیا میں واپس آسکے لیکن حق تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں کہ وہ کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر کسی مردہ کو دوبارہ زندہ کرسکے جس خدا نے اس کو پہلی مرتبہ دنیا میں زندگی عطا کی وہ اگر چاہے تو اس مُردہ کو پھر دوبارہ زندہ کرسکتا ہے۔

تیسرا قول

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس کو ہم نے کفر اور گمراہی میں مبتلا کرکے ہلاک کردیا اور کفر کی مہر اس کے دل پر لگادی اس کا اپنے کفر سے لوٹنا محال اور ناممکن ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہلاکت اور فناء کے بعد دونوں باتیں ناممکن اور محال ہیں مرنے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنا بھی ممکن نہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ لوٹ کر ہمارے پاس نہ آئیں اب آگے اس کی انتہا بتلاتے ہیں کہ رجوع الی الدنیا یا عدم رجوع الی الخالق ان پر کب تک حرام اور ممنوع رہے گا یعنی جب تک اس کا وقت نہ آجائے اور وہ وقت قیامت اور اس کی علامتوں کا ظہور ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ ہالکین (ہلاک ہونے والے) برابر اپنی ہلاکت اور بربادی اور فناء پر مستمر رہیں گے اور اسی کفر و شرک کی حالت پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ جب علامات قیامت کا ظہور شروع ہوجائے اور یاجوج و ماجوج کو کھول دیئے جائیں یعنی وہ دیوار ذوالقرنین جس کے پیچھے اس وقت یاجوج و ماجوج بند ہیں وہ ٹوٹ جائے اور یاجوج و ماجوج کی بندش کھل جائے جو قیامت کی شروع نشانیوں میں سے ہے اور پھر وہ یاجوج و ماجوج اپنی کثرت کی وجہ سے ٹڈی دل کی طرح ہر بلندی سے دوڑتے چلے آویں اور ہر طرف پھیل جاویں اور بلاد کو روند ڈالیں اور جس پر گزریں اس کو تباہ کردیں جب یہ وقت موعود آجائے گا اس وقت یہ لوگ ہماری طرف واپس آئیں گے اور ہماری طرف رجوع (واپسی) کا وقت یاجوج و ماجوج کے خروج کے بعد شروع ہوگا جو قیامت کی نشانی ہے مطلب یہ ہے کہ ہلاکت اور فناء کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تب یہ لوگ ہماری طرف رجوع کریں گے اور دنیا کی طرف لوٹنے کا امکان بالکلیہ ختم ہوجائے گا اور علامات قیامت کے مشاہدہ کے بعد

علہ اس کلام سے حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ میں جو لفظ حتیٰ مذکور ہے اس کی غایت اور نہایت بیان کرنے کے لیے یہ سطریں لکھی ہیں تاکہ اہل علم معلوم کریں کہ حتیٰ کس چیز کی غایت ہے یعنی حرمت رجوع کی غایت ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

کفر اور شرک سے رجوع (لوٹنا) یعنی اس سے توبہ کرنا بھی ممکن نہ رہے گا۔

اور خروج یاجوج و ماجوج کے بعد قیامت اور رجوع اور بعث کا سچا وعدہ قریب آجائے گا یعنی خروج یاجوج و ماجوج کے بعد قیامت قریب آجائیگی۔ اس کے بعد قیامت کے قائم ہونے میں کچھ دیر نہ ہوگی چنانچہ حذیفہؓ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص خروج یاجوج و ماجوج کے بعد کوئی بچھیرا پالے گا تو اس پر سوار نہ ہو سکے گا کہ قیامت آجائے گی۔ پس ناگاہ اس وقت قصہ یہ ہوگا کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے کافروں کی نگاہیں کھلی کی کھلی اور پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور حسرت سے یہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی اور بربادی کہ ہم دنیا میں اس قیامت سے اور خدا کی طرف رجوع سے اور حساب و کتاب کے لیے حضوری سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم غافل اور بے خبر نہ تھے اس لیے کہ انبیاءؑ اور ان کے وارثوں نے ہم کو بار بار قیامت سے ڈرا دیا تھا اور خواب غفلت سے ہم کو جگا دیا تھا اور اوّل روز سے ہی ہم کو اس ہولناک واقعہ سے واقف کر دیا تھا۔ لہٰذا ہمارا قیامت کو جھٹلانا غفلت اور بے خبری کی بنا پر نہ تھا بلکہ عناد اور تکبر کی بنا پر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم بلاشبہ ظالم تھے جان بوجھ کر ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا انبیاءؑ نے تو ہم کو بیدار اور ہوشیار کر دیا تھا ہم نے خود ہی دیدہ و دانستہ حق کی تکذیب کی۔ غرض یہ کہ جو لوگ اللہ کی طرف رجوع کے قائل نہ تھے وہ قیامت کو دیکھ کر رجوع اور بعث کے قائل ہو جائیں گے مگر اس وقت کا قائل ہونا اور مجبور ہو کر اپنے ظلم اور جرم کا اقرار کرنا انکو سودمند نہ ہوگا اس لیے کہ اب فیصلہ کا وقت سر پہ آپہنچا یہ کام تو دنیا میں کرنے کا تھا اور وہ اب ختم ہو چکی اور وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ مشرکین مع اپنے معبودوں کے جہنم کا ایندھن بنا دیئے جائیں گے اور اہل ایمان مورد اعزاز و اکرام اور محل احسان و انعام ہوں گے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مشرکو! تحقیق تمہارا انفصال یہ ہے کہ تم اور تمہارے معبود جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہیں تم دونوں فریق عابد اور معبود جہنم کے لیے حاضر ہونے والے اور اس میں داخل ہونے والے ہیں اگر یہ بُت اور یہ معبود واقعی میں خدا ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور یہ ذلت اور خواری انکو لاحق نہ ہوتی کہ جہنم کا ایندھن بنتے بُت تو بہرحال پتھر ہیں وہ تو ایندھن بنانے کے لائق ہیں لیکن جو پتھروں کو پوجتا ہو وہ پتھر سے بھی زیادہ پتھر ہے وہ اسی قابل ہے کہ پتھر کے ساتھ اس کو بھی دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے۔ جاننا چاہیئے کہ بتوں کا جہنم میں جانا اس لیے نہیں کہ انکو عذاب دیا جائے بلکہ اس لیے ہوگا کہ مشرکین پر حجت تامّ ہو جائے کہ یہ بُت لائق معبودیت نہیں ورنہ آگ میں کیوں جھونکے جاتے اور اس قدر عاجز ہیں کہ آگ میں سے نکل بھی نہیں سکتے۔

اور ہر واحد یعنی عابد اور معبود دونوں ہی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے کبھی اس سے نکلنا نہ ہوگا اور ان مشرکین کے لیے جہنم میں چیخنا اور چلانا اور لمبا سانس ہوگا جس سے دم نکلنے لگتا ہے اور وہاں شور و غل کی وجہ سے کچھ نہیں سن سکیں گے۔ یا اس وجہ سے کہ وہاں جاکر بہرے ہو جائیں گے جیسے دنیا میں حق کے سننے سے بہرے تھے، یہ تو اہل شقاوت کا حال ہوا۔ اب آگے اہل سعادت کا ذکر کرتے ہیں۔ تحقیق جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی یعنی سعادت ازلی سابق اور مقدر ہو چکی ہے اور جنت کا حکم ان کے لیے صادر ہو چکا ہے وہ جہنم سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ جہنم کی آہٹ اور آواز کو بھی نہیں سنیں گے یعنی جہنم میں کافروں کے اجسام جو جلائے جائیں گے ان کے جلنے اور چلانے کی آواز بھی ان کے کان میں نہیں آوے گی کیونکہ وہ آواز مکروہ ہوگی اور جس عیش کو ان کا جی چاہے گا اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ تو اہل سعادت کی نعمت اور راحت اور لذت کا بیان ہوا۔ اب آگے یہ بتلاتے

ملے اشارہ اس طرف ہے کہ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ میں هِيَ کی ضمیر قصہ ہے۔ ۱۲

ہیں کہ وہ ہر قسم کی پریشانی اور گھبراہٹ سے امن اور محفوظ ہوں گے ان کو قیامت کے دن بڑی گھبراہٹ بھی غم میں نہیں ڈالے گی اور جب ان سعداء کو فزع اکبر (سخت گھبراہٹ) سے غم اور پریشانی نہ ہوگی تو اور چیزوں سے بدرجہ اولیٰ پریشانی نہ ہوگی۔ جس دن تمام عالم حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہوگا اس دن یہ اہل سعادت فزع اکبر سے محفوظ ہوں گے۔ اور قبروں سے نکلتے اور اٹھتے وقت فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان کو بشارت اور مبارکباد دیں گے اور کہیں گے کہ یہ تمہارا وہ دن ہے۔ جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا کہ تم کو دار آخرت میں یہ نعمتیں اور کرامتیں ملیں گی سو یہ دن وہی دن ہے جس میں تمہارے پروردگار نے تم سے لقار کا وعدہ کیا تھا یہ روز وصال ہے جس کے بعد فراق نہیں یہ کشف نقاب کا دن ہے جس کے بعد نہ کوئی حجاب ہے اور نہ کوئی عتاب ہے۔

نیک مرداں رانعیم اندر نعیم ❋ عشقبازاں را لقا اندر لقاء
حصۂ آنہا وصال حور عین ❋ بہرۂ اینہا جمال کبریاء

اب اس کے بعد قیامت کے دن آسمانوں کے فنا ہونے کا ذکر فرماتے ہیں یاد کرو اس دن کو کہ جب ہم نفخۂ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکنے کے وقت آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے طومار میں مختلف کاغذ لپیٹ دیتے ہیں طومار عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دفتر اور لمبے کاغذ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح دستاویز کا لمبا کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ کر رکھ دیں گے اس سے تم ہماری قدرت اور عظمت کا اندازہ لگالو۔ جس طرح ہم نے اول بار مخلوق کو بلا کسی اصل اور مادہ کے پیدا کیا اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کردیں گے ہم نے دوبارہ پیدا کرنے کا وعدہ اپنے ذمہ لیا ہوا ہے ہم اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ اللہ نے اپنے نیک بندوں سے جو ثواب کا وعدہ کیا ہے وہ بہت پختہ وعدہ ہے اور اس وعدہ کی پہلی علامت نبی آخر الزمان کا ظہور اور اس کی بعثت ہے سو وہ ظاہر ہو چکی جیسا کہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ میں اسکا ذکر ہوا اس لیے اب آئندہ آیات میں نبی آخر الزمان کی امت کے ظہور اور غلبہ کی بشارت دیتے ہیں یعنی آئندہ آیت وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ میں اسی کا ذکر ہے۔

لطائف و معارف

(۱) آیت مذکورہ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ۔ کی تفسیر میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے تباہ و برباد کردیا موت کے ذریعہ یا عذاب کے ذریعہ اس کو ہلاک کردیا تو یہ ناممکن ہے کہ وہ حساب و کتاب کے لیے محشر کی طرف رجوع نہ کریں اس آیت سے منکرین حشر کا رد کرنا مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حشر و نشر کوئی چیز نہیں مرنے کے بعد آدمی زمین میں مل کر خاک ہو جاتا ہے اور نیست و نابود ہو جاتا ہے اس قول کی بنا پر حرف لا آیت میں اصلی ہے زائد نہیں اور رجوع سے محشر کی طرف رجوع کرنا مراد ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے کفر و شرک سے ہلاک کردیا اور ان کی گمراہی کا قطعی حکم کردیا ان کا کفر سے اسلام کی طرف لوٹنا ناممکن اور محال ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ رجوع سے رجوع الی الدنیا مراد ہے اور حرف لَا آیت میں زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ ان کا لوٹ کر آنا ناممکن ہے۔

مرزائے قادیان کا ایک استدلال مرزائے قادیان اور اس کے متبعین اپنی مطلب براری اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے سرسری طور پر اس تیسرے قول کو ذکر کرتے ہیں۔ مرزائے قادیان نے اوّل تو یہ دعوے کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے رفع اور نزول کے بارہ میں جو آیات اور احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں ان میں طرح طرح سے تحریف کی۔ اور اس میں بڑا زور لگایا لیکن مرزا صاحب بڑے ہوشیار اور عیّار تھے۔ اب ان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ احتمال رہ جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ انکو دوبارہ زندہ کرکے آسمان سے زمین پر بھیج دے تو مرزا صاحب کی مسیحیت ختم ہو جائے اس لیے یہ دعویٰ کیا کہ مرنے کے بعد کسی کا زندہ ہونا ناممکن اور محال ہے اور اس آیت وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ سے استدلال کیا کہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آنا ناممکن ہے چنانچہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۶۵ میں لکھتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہو گیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ آ نہیں سکتا کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا اور قرآن کریم اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ کہہ کر ہمیشہ کے لیے ان کو رخصت کرتا ہے۔ انتہیٰ

جواب مرزائے قادیان کا یہ استدلال کرنا کہ مردہ کا دوبارہ زندہ ہونا قطعاً غلط ہے ہم نے بتلادیا کہ اس آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں اگر آیت میں رجوع سے رجوع الی اللہ مراد لیا جائے جیسا کہ پہلے قول میں ذکر ہوا تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جن بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان کے لیے یہ بات حرام اور ممنوع ہے کہ وہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے ہماری طرف نہ لوٹیں ہم ان کے اعمال لکھ رہے ہیں اگر وہ مر بھی جائیں تو ہماری طرف انکا لوٹنا اور ہماری حضوری میں حاضر ہونا ضروری ہے اس روز ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور آیت کے یہ معنی۔ آیت کے بقیہ الفاظ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ۔ کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہیں پس اگر آیت کے یہ معنی لیے جائیں تو مرزا قادیان کے دعوے کے ساتھ اس آیت کا کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ اس آیت میں محشر کی طرف رجوع کرنے کا بیان ہے مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ رجوع کا کوئی بیان نہیں اور اگر آیت میں رجوع سے دنیا کی طرف رجوع اور دوبارہ آنا مراد لیا جائے تب بھی مرزا صاحب کے لیے ذرہ برابر مفید نہیں اس لیے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بے بس اور عاجز ہے یہ بات اس کی قدرت میں نہیں کہ مرنے کے بعد خود زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آسکے تاکہ اپنی گزشتہ برائیوں کا کفارہ کر سکے اور زمانہ ماضی کی تقصیرات کی تلافی کر سکے۔ یہ بات آدمی کی قدرت میں نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ مطلب یہ ہے کہ خود بخود زندہ ہو کر اپنے اہل و عیال کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔

معاذ اللہ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر خدا بھی کسی کو زندہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم میں متعدد مواضع میں اسی دار دنیا میں مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا مذکور ہے اس سلسلہ میں ذیل میں چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

پہلا واقعہ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں ہے۔ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ

عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کیونکر زندہ کریں گے تاکہ مجھ کو عین الیقین حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ چار پرندوں کے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھ دو۔ وہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آویں گے۔ چنانچہ چاروں پرندوں کی بوٹیاں پہاڑوں پر رکھی گئیں اور حضرت ابراہیمؑ کے پکارنے پر وہ زندہ ہو کر آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور چاروں مردہ پرندوں کا زندہ ہونا ان کو دکھلایا۔ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ الخ فاء تفریعیہ کے ساتھ آیا ہے جو رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی پر متفرع ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور ان کو حکم ہوا کہ چار پرندے ذبح کریں اور پھر ان کے دوبارہ زندہ ہونے کا مشاہدہ کرلیں مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ نہ کوئی پرندہ زندہ ہوا اور نہ حضرت خلیل اللہؑ کی کوئی دعا قبول ہوئی بلکہ دعا پر ان کو یہ حکم ہوا کہ مسمریزم کے ذریعہ پرندوں کو اپنی طرف کھینچ لو تو معلوم ہو جائے گا کہ مُردے اس طرح زندہ ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب کے قول کی بنا پر حضرت ابراہیمؑ عتاب کے مستحق تھے کہ تم نے یہ دعا کیسے مانگی۔ مردوں کا دنیا میں دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں۔

دوسرا واقعہ اور اسی طرح قرآن کریم میں حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دی اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ سو سال اسی حالت میں پڑے رہے اور ان کا کھانا اور پینا بغیر کسی تغیر کے سب اسی طرح ان کے پاس رکھا رہا سو سال کے بعد وہ زندہ ہوئے اور ان کا گدھا جو مر چکا تھا اس کی بوسیدہ ہڈیاں اپنی حالت پر دھری تھیں وہ بھی ان کے روبرو زندہ ہوا۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنی مردہ سواری کا زندہ ہونا دیکھ لیا اور کرشمۂ قدرت کا مشاہدہ کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ غرض یہ کہ حضرت عزیرؑ سو سال کے بعد زندہ کیے گئے اور لوگوں کے لیے خدا کی قدرت کی نشانی بنے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ۔ تفسیر درمنثور میں حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ اور کعبؒ اور حسنؒ اور وھبؒ سے مروی ہے کہ عزیر علیہ السلام حقیقۃً مر گئے تھے اور ملک الموت نے ان کی روح قبض کی تھی اور سو سال کے بعد انکی آنکھوں میں جان آئی جس سے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھ رہے تھے بعد ازاں وہ گدھا جو ان کے سامنے مردہ پڑا تھا وہ ان کے روبرو زندہ کیا گیا۔ بعض دیدہ دلیر مرزائی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سارا واقعہ خواب و خیال تھا خواب میں ایسا دیکھا تھا اور سورۂ بقرہ میں پہلی امت کا واقعہ مذکور ہے کہ کئی ہزار شخص موت کے ڈر سے اپنے وطن سے بھاگ نکلے ایک منزل پر پہنچ کر بحکم الٰہی سب مر گئے۔ پھر سات دن بعد پیغمبرؑ کی دعا سے زندہ ہو گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ۔

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونیکے واقعات منکرین حشر کی تردید کے لیے ذکر فرمائے ہیں۔ تاکہ معلوم کریں کہ مردوں کو زندہ کرنا خدا تعالٰی کی قدرت سے خارج نہیں اور یقین کریں کہ خدا نے جو قیامت قائم ہونے کی خبر دی ہے وہ حق ہے خدا تعالٰی قادر مطلق ہے جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے کسی کو موت دے اور بندے عاجز اور بے بس ہیں۔ بندوں میں یہ طاقت نہیں کہ مرنے کے بعد وہ خود لوٹ کر دنیا میں دوبارہ آسکیں۔ البتہ خداوند ذوالجلال جس کو دوبارہ دنیا میں لانا چاہیں تو لاسکتے ہیں اور خداوند تعالٰی کے نزدیک قیامت کے وقت اور قیامت سے پہلے کسی کو زندہ کرنا یکساں ہے لہٰذا تم احیاء موتٰی کو محال سمجھ کر قیامت کا انکار نہ کرو ہم ہر طرح سے قادر ہیں نہ کوئی زندہ ہماری قدرت سے خارج ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مردہ۔ ہم جس زندہ کو مردہ کردیں تو وہ ازخود زندہ نہیں ہوسکتا اور جس مردہ کو زندہ کرنا چاہیں تو اس کی مجال نہیں کہ ہمارے ارادہ اور مشیت سے سرتابی کرسکے۔ مرنے کے بعد بندہ ازخود دنیا کی طرف دوبارہ نہیں لوٹ سکتا البتہ اگر خدا تعالٰی چاہے تو وہ مردہ کو دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا سکتا ہے۔

حق تعالٰی نے قرآن کریم میں چند مردوں کے زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ خدا تعالٰی قادر مطلق ہے اور یہ امر جس کی خدا تعالٰی نے خبر دی ہے وہ اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ ان سب سے اپنی قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ جو چیز تمہیں محال دکھائی دیتی ہے ہم نے اپنی قدرت سے واقع کردیا مگر مرزا اور مرزائی احیاء موتٰی کو محال سمجھتے ہیں اور جن آیات میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کا حال مذکور ہے طرح طرح سے ان کی تاویلیں کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ جن آیات میں موت کا لفظ آیا ہے اسکے معنی بیہوشی یا نیند کے ہیں اور احیاء کے معنی جگانے اور ہوش میں لانیکے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ مسمریزی عمل تھا۔ سبحان اللہ۔ کیا خوب تاویل ہے کیا کوئی ادنیٰ عقل والا یہ کہہ سکتا ہے کہ حق جل شانہٗ نے سورۂ بقرہ میں جن ہزاروں لوگوں کے گھر سے بھاگ جانے اور مرجانے کا اور پھر ان کے زندہ ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ کیا وہ نیند اور بیہوشی سے بھاگے تھے جنکو اللہ تعالٰی نے اول سلادیا اور پھر ان کو جگادیا اور اللہ تعالٰی نے ان پر بڑا ہی فضل فرمایا کہ ان کو نیند سے جگا دیا معلوم نہیں کہ نیند ایسی کیا مصیبت کی چیز تھی جس کے ڈر سے ہزاروں آدمی گھر بار چھوڑ کر بھاگ اٹھے پھر اللہ تعالٰی نے ان کو جگا دیا یا بیہوش کرنے کے بعد ان کو ہوش دے دیا اور کیا عزیر علیہ السلام کا واقعہ بھی خواب ہی کا واقعہ تھا کہ وہ سو سال تک پڑے سوتے رہے اور ان کے پاس انکی سواری کا گدھا بھی سوتا رہا۔ اللہ نے سو سال کے بعد دونوں کو خواب سے بیدار کیا۔

تیسرا واقعہ

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے احیاء اموات کے معجزہ کو کئی جگہ بیان فرمایا اور ان کے احیاء اموات کے واقعات احادیث سے بھی ثابت ہیں مگر مرزا صاحب کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے کوئی واقعہ صحیح نہیں حضرت عیسٰی علیہ السلام نے حقیقتاً کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا وہ دراصل قریب الموت آدمی تھے۔ مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لیے ان میں گرمی پہنچا دیتے تھے۔ اور وہ حرکت کرنے لگتے تھے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ عیسٰی علیہ السلام ایک معمولی جادوگر تھے جو مسمریزم میں مشاق تھے اور قریب الموت بیماروں کو مسمریزم سے حرکت دے دیتے تھے جس سے دنیا کو دھوکہ دینا مقصود تھا کہ لوگ یہ دیکھ کر ان کے معتقد ہو جائیں کہ یہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور طرفہ یہ کہ خدا تعالٰی نے بھی ان کے مسمریزی عمل کو بطور مدح اور منقبت قرآن میں بیان کیا اور ان کے معجزات میں اسکا ذکر کیا اور ایسے الفاظ میں اس کو بیان کیا کہ لوگ سمجھیں کہ احیاء اموات حضرت عیسٰیؑ

کا معجزہ تھا اور باذن اللہ کہہ کر اور اسکو حکم کر دیا کہ یہ سب ہمارے حکم سے تھا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فی الواقع کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا بلکہ یہ سب مسمریزمی عمل تھا جو میرے نزدیک قابل نفرت ہے اگر میرے نزدیک یہ عمل قابل نفرت نہ ہوتا تو میں ان اعجوبہ نمائیوں میں مسیح بن مریم سے کم نہ رہتا۔ سب کو معلوم ہے کہ مسمریزم کا عمل سو برس سے ایجاد ہوا ہے مگر مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء اموات کا ذکر ہے وہ سب مسمریزمی تحریک تھی۔

اے مسلمانو! جس خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتیٰ کا معجزہ عطا کیا کہ وہ خدا کے حکم سے مُردے زندہ کرتے تھے تو کیا اس خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ زندہ کر کے پھر دنیا میں بھیج دے اور مرزا صاحب دیکھتے ہی رہ جائیں۔

اے مسلمانو! کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بیباکانہ تحریف ہو سکتی ہے کیا اس قسم کی بیباکی صریح آیات قرآنیہ کا انکار نہیں مرزا صاحب کو مسیح موعود بننے کا بہت شوق تھا لیکن اس کے لوازم اور آثار سے بالکل عاری اور خالی تھے اس لیے مرزا صاحب کو ڈر ہوا کہ دعوائے مسیحیت کے ساتھ احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ و ابرص کا معجزہ بھی چاہیئے اس لیے سرے سے حضرت عیسیٰ کے احیاء موتیٰ کے معجزہ کا انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ کوئی معجزہ نہ تھا بلکہ مسمریزمی عمل تھا اور میں اسے قابل نفرت سمجھتا ہوں اس طرح اپنی جان بچائی۔

چوتھا واقعہ ایک واقعہ احیائے موتیٰ کا قرآن کریم میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص مارا گیا جس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ تم ایک گائے ذبح کر کے اسکا ایک ٹکڑا اس مردہ پر مارو تو وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتلا دیا۔

یہ واقعہ سورۂ بقرہ کی اس آیت وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا الخ میں مذکور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا حال ظاہر فرمایا اور اسی وجہ سے اس قصہ کے ختم پر یہ فرمایا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ یہ نہ تو قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا اور نہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور بوٹی لگانے سے کوئی مردہ زندہ نہیں ہوا تھا بلکہ ایک معمولی بات تھی کہ مسمریزم کے عمل سے مردہ کو حرکت ہو گئی تھی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ پس اگر یہ معمولی حرکت تھی تو قاتل کا نام کیسے معلوم ہوا اور کس نے بتلایا اور یہ مسمریزم کس نے سکھایا تھا کیا موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کو بلا کر مسمریزم کا طریقہ سمجھا دیا تھا یہ تو قاتل کے معلوم کرنے کا بڑا عمدہ طریقہ ہے جس سے پولیس کو قاتل کے گرفتار کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے مرزا صاحب اگر یہ نسخہ گورنمنٹ برطانیہ کو بتا دیتے تو بڑا انعام ملتا۔

پانچواں واقعہ اور موسیٰ علیہ السلام ہی کے ایک دوسرے قصہ میں ہے۔ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ یعنی

یاد کرو اے بنی اسرائیل جب تمہارے بڑوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ ہم تیری بات کا ہرگز یقین نہ کریں گے جب تک کھلم کھلا ظاہری طور پر اپنی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھ لیں اس پر بجلی نے تم کو آپکڑا اور ہلاک کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مرے پیچھے ہم نے تم کو دوبارہ زندہ کیا شاید کہ تم شکر کرو کہ اللہ نے تم کو دوبارہ زندگی بخشی اور تفسیر درمنثور میں ہے کہ وہ ستر آدمی تھے جنکو موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ کوہ طور پر کلام الٰہی سننے کے لیے لے گئے تھے وہ سب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے۔

چھٹا واقعہ ایوب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور نہایت خوشحال تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا پیش آیا کہ مال و دولت سب جاتا رہا اور اولاد دب کر مر گئی اور خود طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوئے بالآخر جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انکو صحت اور عافیت عطا کی اور مری ہوئی اولاد کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ کما قال تعالیٰ وَاٰتَیْنٰہُ اَھْلَہٗ وَ مِثْلَھُمْ مَّعَھُمْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ جو اولاد ان کی مر گئی تھی بعینہٖ وہ دوبارہ زندہ کر دی گئی، امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعینہٖ زندہ کر دیئے گئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۲۶ ج ۱۱)

کیا مرزا صاحب کے نزدیک یہ سارا مسمریزم تھا اور کیا اس زمانہ میں مسمریزم موجود اور شائع تھا جس کو لوگ استعمال کرتے تھے سب کو معلوم ہے کہ اب سے سو سال پہلے مسمریزم کا کہیں وجود ہی نہ تھا غرض یہ کہ مرزا اور مرزائیوں نے قرآن کریم کو ایک کھلونا بنا رکھا ہے جو زبان پر آیا وہ کہہ دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کے زندہ ہونے کو مسمریزمی قوت بتلا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات قرآن کریم میں مذکور ہیں انکو بھی مسمریزمی عمل قرار دے دیا اور یہ امر سب کو معلوم ہے کہ عمل مسمریزم یقینی طور پر سحر ہے تو مرزا صاحب کی تاویلوں کا مطلب یہ کہ انبیاءؑ اولو العزم سب ساحر اور جادوگر تھے مسمریزم کے عمل سے لوگوں کو عجائبات دکھلا کر مسخر کر لیتے تھے تو اس لحاظ سے مسمریزم کا عمل کرنے والوں کو انبیاء کہنا بھی جائز ہونا چاہیئے مرزا صاحب کے نزدیک احیاء موتیٰ وغیرہ جیسے معجزات کو ماننا تو حشر کا نہ خیال ہے اور مسمریزم جیسے اعمال سحر کو ماننا یہ موحدانہ خیال ہے مرزا صاحب کو نبوت کا دعویٰ ہے اور معجزات کا ظہور ان سے محال ہے اس لیے وہ انبیاء کے معجزات کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور انکی توہین کے درپے ہیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چند واقعات کا ذکر فرمایا کہ جن میں مُردوں کا دوبارہ دنیا میں زندہ کرنا ذکر فرمایا جس سے مقصود اظہار قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح قیامت کے روز مُردوں کے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ پس اگر مرزا اور مرزائیوں کے نزدیک اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین کی طرح احیاء موتیٰ عقلاً محال اور ناممکن ہے تو پھر قیامت کا بھی کھل کر انکار کر دیں کیونکہ قیامت نام ہی احیاء موتیٰ کا ہے جو تاویل احیاء اموات کی ان آیات میں کی ہے۔ وہی تاویل قیامت کی آیات میں بھی ہو سکتی ہے حالانکہ قرآن کریم میں یُحْیِ الْمَوْتٰی اور اَحْیَاھُمْ۔ وغیرہ وغیرہ اس قسم کے الفاظ صراحۃً مذکور ہیں اور ان آیات کے علاوہ متعدد احادیث سے بطور معجزہ احیاء اموات ثابت ہے تفصیل کے لیے زرقانی شرح مواہب اور نسیم الریاض شرح شفائے عیاض دیکھیں۔

بلکہ بطریق کرامت اولیاء اللہ سے بھی احیاء اموات ثابت ہے مگر یہ روایتیں تاریخی ہیں اور کتب معتبرہ میں مذکور ہیں لہذا ان کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا بہر حال مرزا سے قادیان کے تکذیب اور تردید کے لیے کافی اور وافی ہیں اور مرزا اور مرزائی اس بارہ میں ایک حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہؓ نے شہید ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھ کو پھر دنیا میں رجوع کی اجازت ہو تاکہ دنیا میں جا کر دوبارہ تیری راہ میں جہاد و قتال کروں اور پھر تیری راہ میں مارا جاؤں اور شہادت حاصل کروں اس پر ارشاد ہوا۔ انی قضیت انھم لا یرجعون اور ایک روایت میں ہے قد سبق القول منی انھم لا یرجعون یعنی میں پہلے یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ مرنے کے بعد لوگ دوبارہ دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔

جواب یہ ہے کہ اس کا مطلب وہی ہے کہ جو پہلے بیان کر چکے کہ اگر کوئی شخص دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرے کہ دنیا میں دوبارہ آکر اعمال صالحہ کر سکوں اور درجات عالیہ کے حصول کا سامان کر سکوں تو یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ بارگاہِ خداوندی کا عام قانون اور عام قاعدہ یہی ہے اسی بناء پر حضرت عبداللہؓ کی درخواست منظور نہ ہوئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کو یہ قدرت بھی نہیں کہ وہ بطور خرق عادت کسی مردہ کو زندہ کر سکے، خاص کر جب کہ خدا نے خود اپنے کلام میں خبر دے دی ہے کہ ہم نے بہت سے مردوں کو دنیا میں دوبارہ زندہ کیا تاکہ منکرین حشر کو معلوم ہو جائے کہ اسی طرح خدائے تعالیٰ قیامت میں مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

مرزائیوں سے ایک سوال

بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ مرنے کے بعد ان کا دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آنا محال اور ناممکن ہے تو سوال یہ ہے کہ آپ کو حضرت عیسیٰؑ کی موت اور حیات سے کیا بحث مرزا صاحب اپنی مسیحیت کے مدعی ہیں ان کو چاہیئے کہ اپنی مسیحیت کو دلائل سے ثابت کریں کسی نبی کے وفات پا جانے سے مرزا صاحب کی یا کسی اور کی مسیحیت یا نبوت کیسے ثابت ہو سکتی ہے یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مرزا صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سنہ ۱۳ھ میں نہیں کہ یہ کہا جا سکے کہ حضرت عیسیٰؑ کے مرتے ہی مرزا صاحب ان کے خلیفہ اور جانشین ہو گئے بلکہ اس سے اٹھارہ سو سال پہلے ہو چکی ہے تو اب مرزا صاحب بتلائیں کہ وہ کس دلیل سے حضرت مسیحؑ کے خلیفہ اور جانشین بنے اور یہ بتلائیں کہ یہ امر کس دلیل سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یا وفات کے اٹھارہ سو سال بعد قادیان میں ان کا خلیفہ اور جانشین پیدا ہوگا اور یہ بتلائیں کہ عیسیٰؑ کے مرنے کے بعد دوسرے عیسیٰ کے نکلنے تک اس قدر مدت کیوں درکار ہے ان تمام باتوں کو دلائل سے ثابت کریں اور میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ ساری امت مرزائیہ مر بھی جائے تب بھی ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکتی غرض یہ کہ جب مرزا صاحب مدعی عیسویت ہیں تو اپنے دعوائے عیسویت کو مع شرائط اور لوازم کے ثابت کرنا ان کے ذمہ ہے ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم حیات عیسیٰؑ کے مسئلہ پر گفتگو کریں۔ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ آپ اپنی عیسویت کے دلائل

پیش کریں۔

"عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند" (ط۔)

(۲)

حَتّٰىٓ اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۔

یاجوج وماجوج کے کھلنے سے اس دیوار ذوالقرنین کا کھلنا مراد ہے جس کے پیچھے وہ بند ہیں یاجوج و ماجوج کا خروج حضرت عیسیٰؑ کے نزول اور دجال کے قتل کے بعد ہوگا اور یاجوج و ماجوج نسل آدمؑ سے دو قومیں ہیں جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں یہ لوگ یافث بن نوحؑ کی نسل سے ہیں اور یافث بن نوحؑ ترک کے جد اعلیٰ ہیں اور ترک انہی میں کی ایک شاخ ہیں جو سد ذوالقرنین کے پیچھے متروک یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے اس لیے انکو ترک کہتے ہیں تفصیل سورۂ کہف کے اخیر میں ذوالقرنین کے قصہ میں گزر چکی ہے اور خروج یاجوج و ماجوج کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے جن میں چار حدیثیں بہت مفصل ہیں جنکو حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہاں دیکھ لی جائیں۔

خلاصہ انکا یہ ہے کہ اول شام اور عراق کے درمیان سے دجال خروج کرے گا اور فتنہ برپا کرے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو اپنے نیزہ سے ماریں گے بعد ازاں دیوار ذوالقرنین کے ٹوٹ جانے سے یاجوج و ماجوج نکل پڑیں گے اور کثرت کی وجہ سے ہر طرف پھیل جائیں گے چشموں اور نہروں کا پانی پی جائیں گے لوگ اپنے مکانات اور قلعوں اور تہہ خانوں میں محصور ہو جائیں گے اور اپنے مواشی کو بھی ساتھ لے جائیں گے جب بظاہر کوئی آدمی باہر نظر نہ آئے گا تو یاجوج و ماجوج میں سے کوئی کہنے والا کہے گا کہ زمین والوں سے تو ہم نے فراغت پائی اب آسمان والے رہ گئے ایک آدمی اپنا تیر آسمان کی طرف چلائے گا۔ اللہ کی طرف سے ان کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے وہ تیر اوپر سے خون میں ڈوبا ہوا واپس آئے گا۔ وہ سمجھیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کا بھی کام تمام کردیا اس طرح سے یاجوج و ماجوج ہر طرف پھیل جائیں گے اور لوگوں میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ پر وحی نازل ہوگی کہ آپ میرے بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں ایک طاعونی کیڑا پیدا کردیں گے جس سے وہ سب ایک ہی رات میں مر جائیں گے اور انکی عفونت اور بدبو کی وجہ سے زمین پر کھڑا ہونا مشکل ہو جائے گا تو عیسیٰ علیہ السلام اور انکے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسے پرندے نازل کرے گا جنکی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح لمبی ہوں گی وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں خدا تعالیٰ چاہے لے جا کر پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک عظیم اور عام بارش نازل کرے گا جو چالیس دن تک برابر برستی رہے گی اس بارش سے زمین دھل جائیگی اور کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کی کوئی حد نہ رہے گی اور جانور اس قدر فربہ ہو جائیں گے کہ ایک بکری کا دودھ ایک خاندان کے لیے کافی ہوگا بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خانہ کعبہ کا حج کریں گے اور حج اور عمرہ کے بعد مدینہ منورہ جائیں گے اور وہیں انتقال فرمائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں مدفون ہونگے بعد ازاں کچھ عرصہ تک لوگ

اسی فراخی اور خوش حالی میں ہونگے کہ اللہ تعالے ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جس سے ہر ایک مومن بندہ کی روح قبض ہو جائے گی اور زمین پر صرف بدکار لوگ رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح عورتوں سے کھلم کھلا جفتی کریں گے اور یہ لوگ بدترین خلائق ہوں گے باوجودیکہ صورت انسانی ہوگی مگر گدھوں کی طرح بے عقل اور بے حیا اور بے شرم ہونگے اور انہی پر قیامت قائم ہو گی۔

(۳)

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔

اس آیت میں وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ۔ میں صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ خطاب بت پرستوں ہی سے ہے لیکن اگر کلمہ ما کو عام رکھا جائے تو پھر اس میں شرط عدم المانع کی قید معتبر ہوگی یعنی عابدوں کے ساتھ معبودوں کے جہنم کا ایندھن ہونے کا حکم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بشرطیکہ ان فرضی معبودوں میں کوئی امر مانع دخول نار سے نہ ہو۔ جیسے انبیاءؑ اور ملائکہ اور حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیرؑ جن کو بہت سے لوگوں نے معبود ٹھہرا لیا ہے ان حضرات کی مقبولیت اور وجاہت اس امر سے مانع ہے کہ وہ اس حکم میں شریک ہوں جیسا کہ آئندہ آیت إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ۔ میں اس کی تصریح فرما دی اور بتلا دیا کہ خدا کے وہ مقبول اور برگزیدہ بندے جو سعادت ازلی سے بہرہ یاب ہو چکے ہیں اگرچہ کافروں نے ان کو معبود بنا لیا وہ اس حکم میں داخل نہیں شیاطین اور اصنام اپنے عابدین کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور خدا کے یہ مقبول بندے جہنم سے بہت دور رہیں گے کیونکہ یہ حضرات لوگوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کا حکم دیتے تھے اور کفر اور شرک سے نہایت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے یہ حضرات تو کفر اور شرک سے بری اور بیزار اور اس سے منع کرنیوالے تھے، انکو دوزخ سے کیا واسطہ ان کے لیے تو وہم و گمان سے بڑھ کر نعمتیں اور کرامتیں ہوں گی۔ بالفرض اگر کوئی انبیاء اور ملائکہ کو معبود بنا بھی لے تو ان کے معبود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ حضرات اپنے عابدوں کے ساتھ ہرگز جہنم میں نہیں جائیں گے ان کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی سے سعادت اور عزت اور کرامت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔

الغرض مشرکین کے اصل معبود تو شیاطین ہیں جنکے اغوا سے انہوں نے کفر اور شرک کیا وہ اپنے عابدین کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور عذاب میں مبتلا ہونگے۔

اور بت اور پتھر کی مورتیں تو بے قصور ہیں۔ ان پر جہنم کا عذاب نہیں بلکہ وہ بحکم خداوندی کافروں کے لیے عذاب ہوں گے اور یہ بت اور پتھر کافروں کو عذاب دینے کے لیے جہنم میں ڈالے جائیں گے تاکہ کافروں پر غم اور حسرت کا اضافہ ہو کہ ان کی پرستش کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئے شجر اور حجر لکڑی اور پتھر پر نہ کوئی عذاب ہے اور نہ کوئی ثواب ان کا جہنم میں ڈالا جانا کافروں کی توبیخ اور تبکیت کے لیے ہوگا جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ چاند اور سورج کو بھی لپیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا چاند اور سورج کا جہنم میں ڈالا جانا بطور عذاب کے نہ ہوگا بلکہ چاند اور سورج کے پرستاروں کی تحقیر و تذلیل کے لیے ہو گا۔

(۴)

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ

جس دن ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے۔

اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِينِهٖ ۔ اس آیت میں جو قَبْضَتُهٗ مٹھی، اور یمین کا ذکر آیا ہے سو فرقہ مجسمہ اور مشبہ کے نزدیک اس سے عضو معروف مراد ہے اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں قبضہ اور یمین سے عضو اور جارحہ کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسمانیت اور مشابہت سے پاک اور منزہ ہے بلکہ اس سے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ یہ اجسام عظیمہ یعنی آسمان و زمین اللہ کے سامنے ایسے حقیر اور صغیر ہیں جیسے ہماری مٹھی میں کوئی چیز ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ایک معمولی اور حقیر ہوگی۔

(۵)

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ

علماء محققین کے نزدیک سجل کے معنی صحیفہ اور طومار کے ہیں اور اسی معنی کو امام ابن جریرؒ نے اختیار کیا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجل ایک فرشتہ ہے جو نامہ ہائے اعمال پر مقرر ہے جب کوئی بندہ مر جاتا ہے تو اسکا نامۂ اعمال سجل کے پاس آجاتا ہے اور وہ اس کو تہ کر کے قیامت کے لیے رکھ لیتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجل ایک کاتب وحی کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی کتابت کیا کرتا تھا مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں اس بارہ میں جو روایتیں آئی ہیں وہ موضوع ہیں یا قریب بہ موضوع ہیں نیز تشبیہ سے مقصود تفہیم ہوتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے کہ جب کسی معروف شے کے ساتھ تشبیہ دی جائے جسے عام طور پر لوگ جانتے ہوں اور صحابہ کرامؓ میں کوئی شخص سجل کے نام سے معروف و مشہور نہ تھا۔ کاتبین وحی سب کے سب معروف و مشہور تھے ان میں سے کسی کا بھی نام سجل نہ تھا اور نہ کسی فرشتہ کا نام سجل ہونا ثابت ہے لہٰذا صحیح قول یہ ہے کہ سجل سے صحیفہ اور طومار کے معنی مراد ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ وغیرہم سے منقول ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ

ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین

الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ ﴿۱۰۵﴾

پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔

بشارتِ وراثت زمین برائے عباد صالحین

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت یعنی اِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى ۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

ملنے والوں کو اخروی بشارت (خوشخبری) کا ذکر تھا اب اس آیت میں ایک عظیم دنیوی بشارت کا ذکر فرماتے ہیں یعنی بادشاہت اور وراثت زمین کی خوشخبری کا ذکر ہے کہ ہم عنقریب دنیا میں اپنے نیک بندوں کو یعنی صحابہ کرامؓ کو زمین کا وارث بنائیں گے اور زمین کی حکومت اور سلطنت اور زمین پر غلبہ اور اقتدار اعلیٰ ان کو عطا کریں گے جس سے اشارہ خلافت راشدہ کی طرف ہے اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس بشارت (خوشخبری) کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں اور ہماری بارگاہ سے صحابہ کے لیے وراثت زمین کا حکم جاری ہو چکا ہے اور یہ ہمارا ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے کہ جس کی رجسٹری ہو چکی ہے اور تمام انبیاء کے صحیفوں میں اسکا اندراج ہو چکا ہے کہ عنقریب قیصر و کسریٰ کی سلطنت صحابہ کرامؓ کے قبضہ میں آئے گی۔ پھر اس بشارت کے بعد یہ فرمایا اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ یعنی اس خوشخبری میں عبادت گزاروں کے لیے ایک عجیب اطلاع ہے جس سے مقصود اتمام حجت ہے کہ اہل اعراض اور اہل غفلت پر اللہ کی حجت پوری ہو گئی کہ نبی آخر الزماںؐ مبعوث ہو نگے اور یہ کتاب ہدایت نازل کر دی گئی جو کافی اور شافی ہے اور اللہ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس نبی آخر الزماںؑ کے صحابہ زمین شام اور زمین ایران کے وارث ہونگے اور زمین پر غالب ہونگے۔

پھر اخیر میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی ہم نے نبی آخر الزماںؐ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ کے اتباع کی برکت سے دینی اور دنیوی دونوں قسم کی نعمتیں اور سعادتیں ملیں گی اور جس گروہ کو یہ دونوں قسم کی نعمتیں اور دونوں قسم کی سعادتیں ملیں گی وہ عباد و صالحین کے لقب سے ملقب ہونگے۔ اور جب وجاہت اور بادشاہت دونوں ایک کمبل اور ایک گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اسی کا نام خلافت راشدہ ہے اور جب فرمانروائے سلطنت خدا کا نیک بندہ اور ولی بھی ہو تو وہ خلیفۂ راشد ہے جو ظاہر کے اعتبار سے امیر سلطنت اور باطن کے اعتبار سے شیخ طریقت ہے۔

(ربط دیگر) گزشتہ آیت كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَیْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ میں یہ فرمایا تھا کہ پہلی بار کی طرح دوبارہ مخلوق کو پیدا کرنے کا وعدہ ہمارے ذمہ ہے اب آئندہ آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ وعدۂ قیامت کی علامتوں کا ظہور شروع ہو گیا کہ نبی آخر الزماںؑ مبعوث ہو گئے اور آخری امت بھی ظاہر ہو گئی پس سمجھ لو کہ قیامت قریب ہو گئی لہذا غفلت اور اعراض سے باز آجاؤ اور اس نبی آخر الزماںؑ سے ہمارا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس کے صحابہ زمین پر غالب ہونگے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے توریت کے بعد یا لوح محفوظ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں یا انبیاء سابقین کے صحیفوں اور نوشتوں میں لکھ دیا ہے کہ معمورۂ زمین کے یا سرزمین شام اور ایران کے وارث میرے خاص نیک بندے ہونگے یعنی زمین کے بادشاہ اور فرمانروا ہونگے اور باوجود بادشاہت اور سلطنت کے صلاح اور تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہونگے اس آیت میں جس وراثت ارضیہ کی بشارت دی گئی اس سے خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جس کو بصیغۂ خبر بیان کیا گیا اور یہ بتلا دیا کہ یہ پیشین گوئی ایسی قطعی اور حتمی ہے کہ اس کو خدائی قبالہ اور دستاویز سمجھو کہ جس کی تمام انبیاء کے صحیفوں میں رجسٹری ہو چکی ہے اور سب جگہ اسکا اندراج ہو چکا ہے جس میں شک اور شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور یہ بشارت اور یہ خوشخبری قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے منجملہ ان کے ایک آیت استخلاف ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ۔ اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۔ بھی اسی مضمون کی دوسری تعبیر ہے۔

زبور اس آیت میں زبور سے یا تو حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب مراد لی جائے یا آسمانی صحیفے اور نوشتے مراد لیے جائیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء و صالحین پر اتارے کیونکہ لفظ زبور کے معنی از روئے لغت نوشتہ یعنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں آیت میں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔

ذکر ذکر کے معنی لغت میں نصیحت کے ہیں اور اس جگہ ذکر سے توریت کے معنی مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ذکر سے لوح محفوظ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ توریت کے بعد ہم نے زبور میں یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے۔

الارض (زمین) ارض کے معنی زمین کے ہیں اس بارہ میں مفسرین کے چار قول ہیں۔ (قول اول) یہ کہ زمین سے ملک شام کی زمین مراد ہے۔ (قول دوم) یہ کہ زمین سے روم اور ایران کی زمین مراد ہے۔ (قول سوم) یہ کہ ارض سے معمورۂ ارض مراد ہے (قول چہارم) یہ کہ زمین سے جنت کی زمین مراد ہے۔

صحیح اور راجح قول۔ قول اول اور قول دوم ہے اور تیسرے قول کا مراد لینا بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ شام اور ایران کی زمینیں فتح ہونگی اور دنیا کی جو دو بڑی سلطنتیں ہیں یعنی ایران اور روم وہ اسلام کے زیر نگین آئیں گی اور تمام معمورۂ ارض پر اسلام کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگا اور قول چہارم نہایت بعید ہے۔ اور سیاق و سباق کے خلاف ہے بہرحال آیت میں زمین سے دنیا کی زمین مراد ہے اور یہ تمام زمینیں یعنی شام اور ایران کی زمین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مفتوح ہوئیں لہٰذا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان دونوں حضرات کی خلافت خدا کے اس وعدہ کے مطابق تھی اور وہ اور ان کے رفقاء بلاشبہ عباد صالحین تھے۔

بہرصورت آیت میں اسلام کے ظہور اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے اور مخالفین کے لیے تہدید ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ اسلام مٹ جائیگا اور اگر آیت میں "الارض" سے ارض مقدسہ مراد ہو تو اہل کتاب کو تہدید ہوگی کہ تمہارا قبلہ عنقریب مسلمانوں کے زیر نگین آئیگا اور وہ اس کے مالک اور وارث ہونگے اور عنقریب قیصر روم کی سلطنت ملک شام سے ختم ہو جائے گی اور مسلمان اس پر قابض ہو جائیں گے۔

اور یہ زمینیں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں جو انکی حسن تدبیر سے فتح ہوئیں معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین بلاشبہ عباد صالحین کا مصداق تھے۔ جن کی خلافت قرآن سے پہلے توریت اور زبور میں لکھی جا چکی تھی۔

چنانچہ یہ مضمون اب بھی موجودہ بائبل کے زبور ۳۷ میں مذکور ہے چند آیتیں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

۹۔ لیکن جن کو خداوند کی آس ہے ملک کے وارث ہونگے۔

۱۱۔ جو حلیم ہیں ملک کے وارث ہونگے جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہونگے۔ دیکھو مجموعہ بائبل

ص ۵۲۸ از زبور۔
اور توریت میں بھی اس زمین کی وراثت کی تصریح موجود ہے چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ ورس ۸ میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے یہ وعدہ فرمایا کہ میں تجھ کو اور تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک دوں گا۔ (الخ) کنعان کے ملک سے زمین شام مراد ہے دیکھو باب ۱۷ از اول تا آخر جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سراپا نور کی بشارت پر مشتمل ہے۔

شیعہ کیا کہتے ہیں

اس آیت کی تفسیر میں علماء شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نزول عیسٰی بن مریمؑ اور ظہور مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ماقبل میں حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ کا قصہ مذکور ہے اور قیامت کا بھی ذکر ہے اس لیے ارض سے تمام دنیا کی زمین مراد ہے جس پر امام مہدیؑ کے زمانہ میں قبضہ ہوگا۔

اہلسنت والجماعت کہتے ہیں

کہ یہ قول قطعاً صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس آیت سے مقصود صحابہ کو خوشخبری سنانا ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کو ایسی چیز کی خوشخبری سنانا ــــ جس کا ظہور قیامت کے قریب ہو اور اس چیز میں سے انکو کچھ نہ ملے۔ یہ خوشخبری نہیں بلکہ ایک قسم کا مذاق ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے۔ نیز اس آیت میں جو لفظ عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ کا مذکور ہے جس کے لفظی معنی نیک بندوں کے ہیں اس سے باجماع مفسرین صحابہ کرامؓ مراد ہیں جو اس بشارت کے اولین مصداق ہیں جنکے ہاتھوں پر شام اور ایران فتح ہوا اور حسب وعدۂ الٰہی وہ اس کی زمینوں کے وارث ہوئے اور تمام معمورۂ ارض پر ان کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوا۔

بہر حال اس آیت میں خلافت راشدہ کی بشارت اور خوشخبری دی گئی ہے اس لیے کہ کلام کی ابتداء وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ سے ہوئی اور خلافت راشدہ کی بشارت پر کلام کی انتہاء ہوئی اور یہ بشارت اور یہ خوشخبری قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ اس دینی اور دنیوی سعادت کا تذکرہ اور ظہور گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی ہو چکا تھا جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزرا کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں اپنی امت کے لیے یہ دعا کی وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً تو بارگاہ الٰہی سے یہ جواب ملا کہ اس انعام دنیوی اور اخروی کا ظہور نبی آخر الزمانؐ کے پیروؤں کے لیے لکھا جا چکا ہے۔ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۔۔ الیٰ قولہ ۔۔۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ تفصیل کے لیے سورۂ اعراف کو دیکھیں۔

نیز اس آیت میں یعنی وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ میں جس وعدہ کا ذکر فرمایا ہے یہی وعدہ آیت استخلاف یعنی آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ میں صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ نور کی تفسیر میں آئے گا۔

اور علیٰ ہذا سورۂ فتح کی آیت ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ

فِي الْاِنْجِيْلِ۔ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔
اور بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں واضح الفاظ کے ساتھ صحابہ کرام کے لیے یہ بشارت مذکور ہے کہ تم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ اور ان کو باہم تقسیم کرو گے اور ان کو خدا کی راہ میں خرچ کرو گے۔
(اطلاع) اس بارہ میں جو تاریخی روایات اور واقعات منقول ہیں وہ شمار سے باہر ہیں اگر انکی تفصیل درکار ہو تو ازالۃ الخفاء مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی مراجعت کریں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہٗ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت یعنی وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار زمین کے کیوں مالک ہوئے اس لیے کہ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ نہیں بلکہ محض ایک قضیہ مطلقہ عامہ ہے کہ ایک زمانہ میں خدا کے نیک بندے زمین کے وارث ہونگے۔
یہ نہیں کہا گیا کہ زمین کے وارث ہمیشہ نیک بندے ہی ہوا کریں گے اور کافر کبھی وارث نہ ہوں گے اور اطلاق کے صدق کے لیے ایک مرتبہ کا وقوع کافی ہے چنانچہ بحمد اللہ حضرات صحابہؓ روئے زمین کے مالک بن چکے ہیں زمانۂ عروج اسلام میں کوئی سلطنت مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتی تھی اور اگر آیت میں زمین سے جنت کی زمین مراد ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں اس لیے کہ ظاہر ہے کہ جنت کی زمین کے وارث نیک بندے ہی ہو سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم۔ کذا فی النعم المرغوبہ ص۲۳ وعظ ۴۹ از سلسلۂ تبلیغ)
یہ ناچیز کہتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں سے غلبہ و فتح اور نصرت کا وعدہ کیا گیا ہر جگہ ایمان اور عمل صالح کی قید اور شرط مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور اس آیت میں عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔ کا لفظ مذکور ہے اور آئندہ سورت یعنی سورۂ حج میں آنے والی آیت میں کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ میں اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ کے شرائط اور قیود مذکور ہیں اور آئندہ سورۂ نور میں جو آیت استخلاف آنے والی ہے اس میں بھی ایمان اور عمل صالح کی قید مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس سلطنت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اہل ایمان اور صالحین سے فرمایا ہے۔
اب اس زمانہ میں اسلامی سلطنتوں پر جو زوال اور اختلال کے بادل منڈلا رہے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ارکان دولت محض زبان سے رعایا کے خوف سے اسلام کا نام لے لیتے ہیں ورنہ در پردہ ایمان اور عمل صالح سے کورے ہیں۔ محض نام کے مسلمان ہیں اور اندرونی طور پر دشمنانِ اسلام کے نمک خوار اور حاشیہ بردار بنے ہوئے ہیں اور ظاہری طور پر دشمنانِ اسلام کے

ہر رنگ بنے ہوئے ہیں کھانا اور پہننا اور اٹھنا اور بیٹھنا اور بولنا اور لکھنا پڑھنا سب انگریزی وغیرہ وغیرہ۔ اسلام اور مسلمانوں سے ان لوگوں کو کوئی ہمدردی نہیں اس قسم کے نام کے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضیہ اور زمین کی وراثت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ بحمد اللہ تعالیٰ آج بھی روئے زمین پر مسلمانوں کی بہت سی سلطنتیں ہیں اور مال و دولت سے مالا مال ہیں مگر اسلام کے رنگ سے خالی ہیں اگر خلفائے راشدین کے طریقہ پر چلیں تو پھر وہی عروج حاصل ہو سکتا ہے اللہ کا وعدہ اپنی جگہ پر برحق اور صدق ہے سارا قصور ہمارا ہی ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ اے بندو تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اِنَّ فِیۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ

اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں ایک لوگ بندگی والے۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا

اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلۡ اِنَّمَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ

سو مہر کر کر جہان کے لوگوں پر۔ تو کہہ مجھ کو تو حکم یہی آتا ہے کہ صاحب تمہارا

اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنۡ

ایک صاحب ہے پھر ہو تم حکم برداری کرتے۔ پھر اگر

تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُكُمۡ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَاِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ

منہ موڑیں تو تو کہہ میں نے خبر کر دی تم کو دونوں طرف برابر اور میں نہیں جانتا نزدیک

اَمۡ بَعِیۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ

ہے یا دور ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے۔ وہ رب جانتا ہے پکار کی بات اور

الۡقَوۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنۡ اَدۡرِیۡ لَعَلَّهٗ

جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ اور میں نہیں جانتا شاید اس میں

فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُم

تم کو جانچنا ہے اور برتوانا (فائدہ پہنچانا) ایک وقت تک ۔ رسول نے کہا اے رب! فیصلہ کر

بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١١٢﴾

انصاف کا۔ اور رب ہمارا رحمٰن ہے، اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو تم بتاتے ہو۔

خاتمۂ سورت بر اتمام حجت

بہ تنزیل کتاب ہدایت وبعثت رسولِ رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ... الیٰ ... وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔

(ربط) یہ سورت کا خاتمہ ہے جس میں یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لیے یہ قرآن نازل کیا اور ایسے نبی کو تمہارے لیے مبعوث کیا جو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے جس کے اتباع کی برکت سے تم کو دینی اور دنیوی نعمت اور سعادت اور زمین کی وراثت اور بادشاہت میسر آئی۔ اللہ نے تم پر حجت پوری کر دی۔ نبی کے ذمہ صرف تبلیغ ہے سو وہ آپ کر چکے اب رہ گیا کہ قیامت اور حساب وکتاب کا وقت کب آئے گا جس کے متعلق یہ اہل غفلت اور معترضین آپ سے سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ وعدۂ حساب وکتاب قریب ہے یا بعید ہے، خدا ہی اس کو خوب جانتا ہے میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ شاید عذاب کی تاخیر تمہارے لیے آزمائش اور چند روزہ تمتع اور مہلت ہو۔ (واللہ اعلم)

شروع سورت میں بھی قرب قیامت اور حساب آخرت کا ذکر تھا اور سورت کے اخیر میں بھی یہی مضمون ذکر فرمایا اور اسی مضمون پر سورت کو ختم فرمایا۔ اس طرح خاتمۂ سورت کو ابتداء سورت کے ساتھ غایت درجہ مناسبت ہو گئی۔

چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اس قرآن میں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے جو وعدہ اور وعید اور حکمت وموعظت پر مشتمل ہے۔ عبادت گزاروں کے لیے کفایت ہے کہ اس کے ذریعہ دینی اور دنیوی سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور یہ قرآن سالکانِ آخرت کے لیے کافی اور شافی زادِ راہ ہے جو منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے کافی ہے عابدین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا مقصود زندگی ہی بندگی اور اطاعت ہے۔

اور جس طرح ہم نے اس قرآن کو ہدایت اور رحمت کے لیے نازل کیا ہے اسی طرح اے نبی ہم نے جو تجھ کو بھیجا ہے تو دنیا جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ نے خدا کا راستہ بتلایا اور حلال اور حرام کی تفصیل کی اور اخلاق کاملہ اور آدابِ فاضلہ کی تعلیم کی اور آپ کے اتباع کی برکت سے آپ کی امت کو وراثتِ زمین اور فرمانروائی کا پروانہ ملا اور آپ کی برکت سے خسف اور مسخ اور قذف کا عذاب استیصال اٹھا لیا گیا۔ جو گزشتہ امتوں پر دنیا میں نازل ہوا اور اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے

انما انا رحمة مهداة یعنی جزایں نیست کہ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدیۂ رحمت ہوں اور قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ اور خاص کر گناہ گاران امت کے لیے آپکی شفاعت یہ بھی اس رحمت عامہ کا ایک فرد ہے۔

نظم

عاصیان پر گنہ در دامن آخر فرمان
دست در دامان تو دانند وجان در آستین
ناامید از مغفرت با نصرتت نتوان شدن
چوں توئی در ہر دو عالم رحمت للعالمین

اے نبی آپ ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ میری طرف تو بس یہی وحی نازل کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے میری بعثت کا مقصد اول بھی توحید ہے۔

پس کیا تم اس کا حکم مانتے ہو یعنی توحید اور اخلاص کی جو وحی میری طرف آتی ہو اس کو مانو پھر اگر وہ اس کے ماننے سے منہ موڑیں تو کہہ دیجیے کہ میں نے تم کو صاف طور پر خبردار کر دیا ہے کہ اس کے جاننے میں ہم اور تم سب برابر ہو گئے۔ واضح طور پر سب کو اس کی اطلاع دے دی گئی۔

اور میں نہیں جانتا کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے اسکا وقوع قریب ہے یا کچھ دور ہے اور وعدہ سے قیامت اور حشر کا وعدہ مراد ہے یا اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا وعدہ مراد ہے۔

بیشک اللہ خوب جانتا ہے آشکارا بات کو۔ اور اس بات کو بھی خوب جانتا ہے جو تم سینوں میں چھپاتے ہو اسکو تمہارا چھپا اور کھلا حال سب معلوم ہے۔

اور میں نہیں جانتا شاید اس وعدہ کی تاخیر تمہارے لیے آزمائش ہو اور شاید تمہارے لیے ایک وقت معین تک مہلت ہو کہ ممکن ہے کہ تم اس مہلت سے کچھ فائدہ اٹھالو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فوراً نہیں پکڑا۔ بہرحال اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس تاخیر میں کیا مصلحت ہے بعد ازاں رسول نے بحکم خداوندی یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے اور میرے جھٹلانے والوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیجیے یعنی حق کو باطل پر اور صادق کو کاذب پر فتح اور غلبہ دیکر فیصلہ کر دیجیے جیسا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء کی یہ دعا نقل کی ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے آپکی یہ دعا قبول فرمائی چنانچہ حق تعالیٰ نے بدر کے دن فیصلہ کر دیا اور ہمارا پروردگار بڑا مہربان ہے جس سے مدد چاہی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلے میں جو تم کہتے ہو جیسا کہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا یا وہ کہتے تھے کہ اسلام تو عنقریب ختم ہو جائیگا اور کبھی کہتے کہ یہ شخص تو ساحر ہے یا شاعر ہے یا مجنون ہے۔ کفار کی اس قسم کی باتوں کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور اپنی رحمت اور عنایت سے آپ کو غلبہ عطا فرمایا۔

مراد خویشتن زدرگاہ بادشاہی خواہ ❁ کہ ہیچ کس نشود ناامید زاں درگاہ

الحمد للہ آج بوقت نماز صبح ۱۰ ذی الحجۃ الحرام یوم یکشنبہ سنہ ۱۳۹۰ھ سورۂ انبیاء کی تفسیر سے فراغت پائی۔

فللہ الحمد اولا و آخرا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ الحج

سورۂ حج مدنی ہے مدینہ میں نازل ہوئی مگر چار آیتیں مکی ہیں وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ سے لے کر عَذَابُ یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ تک چونکہ اس سورت میں حج کے احکام کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہ سورت الحج کے نام سے مشہور ہوئی اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے مگر چھ آیتیں ھٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّہِمۡ سے صِرَاطِ الۡحَمِیۡدِ تک مدنی ہیں اور امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مختلط ہے بعض آیتیں اس کی مکی ہیں اور بعض مدنی ہیں اور یہی قول صحیح اور راجح ہے۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد و ترمذی میں عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ حج کو دوسری سورتوں پر اس لیے فضیلت دی گئی کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں۔

صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے یہی منقول ہے کہ اس سورت میں دو سجدے ہیں اور عبداللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض صحابہ اس طرف گئے ہیں کہ اس سورت میں صرف ایک ہی سجدہ ہے یعنی صرف پہلا سجدہ اور امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ اور علماء کوفہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ اس سورت میں ایک سجدہ ہے صرف پہلا سجدہ۔ تفصیل کے لیے شرح بخاری اور ہدایہ دیکھیں۔

اٰیَاتُہَا ۷۸ ۲۲ سُوۡرَۃُ الۡحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۳ رُکُوۡعَاتُہَا ۱۰

سورۂ حج مدنی ہے اس کی اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے بڑا رحم والا۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ

لوگو! ڈرو اپنے رب سے۔ بیشک بھونچال قیامت کا ایک بڑی

شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱﴾ یَوۡمَ تَرَوۡنَہَا تَذۡہَلُ کُلُّ مُرۡضِعَۃٍ

چیز ہے۔ جس دن اس کو دیکھو گے، بھول جاوے گی ہر دودھ پلانے والی

عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ

اپنے پلائے کو اور ڈال دے گی ہر پیٹ والی اپنا پیٹ اور

تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ

تو دیکھے لوگوں پر نشہ اور ان پر نشہ نہیں پر آفت

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾

اللہ کی سخت ہے۔

آغاز سورت بحکم تقویٰ کہ آں بہترین زاد آخرت است وتخویف از زلزلۂ قیامت کہ ذکر آں غفلت است

قال اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ... الیٰ ... وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۔

(ربط) پہلی سورت یعنی سورۃ الانبیاء کا آغاز بھی قیامت کے حساب وکتاب سے ہوا تھا۔ اس سورت کا آغاز بھی قیامت کے ہولناک زلزلہ سے فرمایا اور سب سے پہلے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس لیے کہ تقویٰ بہترین توشۂ آخرت ہے کما قال تعالیٰ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى نیز تقویٰ تمام انبیاء کرام کی متفقہ وصیت ہے کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ۔

اور چونکہ تقویٰ اور خوف خداوندی پر سب سے زیادہ برانگیختہ کرنے والی چیز قیامت کے ہولناک احوال اور اہوال ہیں۔ اس لیے سورت کا آغاز قیامت کے احوال اور اہوال سے فرمایا اور سب سے پہلے اپنے سے ڈرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد قیامت کے ہولناک واقعات کا بیان شروع کیا کہ اس دن ایک سخت زلزلہ آئیگا تاکہ اس سے حفاظت کی تیاری کرو اور جان لو کہ سخت وقت میں انسان کو تقویٰ ہی کام دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو[1] اور اس کی نافرمانی سے بچو مبادا اس کی ناشکری میں مبتلا ہو کر اس کے قہر کے مستحق بنو۔ بے شک قیامت کا بھونچال بڑی سخت چیز ہے۔ جس سے دنیا میں تہلکہ اور کہرام مچ جائے گا عجیب وغریب حادثہ ہوگا جس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں اور ایسی ہلچل ہوگی کہ جس سے بڑھ کر کوئی ہلچل نہیں اور جس کے ادراک سے عقلیں قاصر ہیں۔ زلزلہ کے معنی لغت میں

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ تقویٰ کے دو معنی ہیں۔ (۱) ڈرنے کے اور (۲) بچنے کے۔ آیت میں ہر معنی کا مراد لینا درست ہے۔

شدید اور ہولناک حرکت کے ہیں جو زَلّ کی تضعیف ہے اور زَلّ کے معنی قدم پھسل جانے کے ہیں جس روز تم اس زلزلہ کو دیکھو گے
تو اس روز یہ حال ہوگا کہ ہول کے مارے ہر دودھ پلانے والی اپنے اس بچہ سے غافل ہو جائیگی جس کو وہ دودھ پلا رہی ہے
اس سے بڑھ کر کیا آفت اور مصیبت ہوگی کہ ماں اپنے شیر خوار بچہ کو بھول جائے اور شدت ہول کی وجہ سے ہر حمل والی عورت
حمل کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اپنے حمل کو ڈال دے گی یعنی ڈر کے مارے حمل ساقط ہو جائیگا اور دیکھے گا تو اس
دن لوگوں کو کمال دہشت کی وجہ سے نشہ میں مست ہوا ہوا حالانکہ حقیقت میں وہ نشہ والے نہ ہوں گے ولیکن اللہ کا عذاب
سخت ہے اسکی ہول اور دہشت کی وجہ سے مست اور مدہوش نظر آئیں گے لیکن حقیقت میں وہ مست نہ ہونگے انکی بدحواسی
کو دیکھنے والا یہ خیال کریگا کہ یہ نشہ پیے ہوئے ہیں مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ زلزلہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے وہ
کب ہوگا۔

زلزلۂ مذکورہ میں مفسرین کے اقوال

قول اول — یہ زلزلہ دنیا میں ہوگا اور یہ زلزلہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب ظہور ہوگا اور اس کے بعد آفتاب مغرب سے طلوع کریگا یعنی قیامت قائم ہونے سے پہلے زمین زلزلہ میں لائی جائیگی کما قال اللہ تعالیٰ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۔ وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ الآیة۔ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا۔ اور اس قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کوئی مرضعہ ہوگی اور نہ کوئی حاملہ ہوگی معلوم ہوا کہ یہ واقعہ دنیا سے متعلق اور یہ زلزلہ اخیر عمر دنیا میں روز قیامت سے پہلے ہوگا اور زلزلہ کی اضافت قیامت کی طرف اس لیے ہے کہ اس کے قریب ہوگا جیسے اشراط الساعۃ کہتے ہیں۔

قول دوم — یہ زلزلہ قیامت کے دن نفخۂ اولیٰ کے ساتھ ہوگا جس دن صور پھونکا جائیگا اس دن زمین کانپ اٹھے گی اور جیسے کشتی موجوں میں ہلنے لگتی ہے اس طرح زمین ہلنے لگے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ۔

قول سوم — یہ زلزلہ اس وقت ہوگا کہ جب لوگ نفخۂ ثانیہ کے بعد اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر کی طرف روانہ ہوں گے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن جریر طبریؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس بارہ میں چند احادیث ذکر کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ قیام قیامت اور قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آیت قرآنی میں اس زلزلہ کے وقت کی کوئی تصریح نہیں۔ لہٰذا نظم قرآنی میں سب کی گنجائش

؎ اشارہ اس طرف ہے کہ عَمَّآ اَرْضَعَتْ میں ما موصولہ ہے بمعنی الذی یا بمعنی مَنْ جس سے مراد بچہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عَمَّآ اَرْضَعَتْ میں لفظ ما مصدریہ ہو یعنی عن ارضاعہا۔ ۱۲

موجود ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر)

قول چہارم یہ ہے کہ آیت میں زلزلہ سے روز قیامت کے اہوال اور دہشت ناک احوال مراد ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا اور حدیث میں ہے۔ اللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲ ج ۱۲)

پس اگر اس آیت میں قیام قیامت سے پہلے دنیا میں زمین کا زلزلہ مراد ہو تو یہ آیت اپنی حقیقت پر محمول ہوگی کہ جس وقت یہ زلزلہ آئیگا تو اس وقت حقیقتاً ایسا ہوگا کہ حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جائے گا اور دودھ پلانے والی دودھ پلانے سے غافل ہو جائے گی۔

اور اگر عین قیام قیامت کے وقت یا قیام قیامت کے بعد کا زلزلہ مراد ہو تو دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ حقیقۃً ایسا ہی ہوگا کہ جو عورتیں دودھ پلانے کی حالت میں مری ہیں یا حمل کی حالت میں مری ہیں وہ قیامت کے دن اس حالت میں زندہ کی جائیں گی اور بچہ کو دودھ پلاتی ہوئی قبروں سے اٹھیں گی اور قیامت کے دن انکی یہ حالت ہوگی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کلام کو تمثیل اور تصویر پر محمول کیا جائے کہ اگر حاملہ عورتیں اس حالت کو دیکھیں تو ان کے حمل گر جائیں مقصود اس روز کی ہول و دہشت کی تصویر بیان کرنا ہے حقیقی معنی مراد نہیں اور مقصود یہ ہے کہ روز قیامت سخت ہولناک ہے تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ اس دن کی شدت سے محفوظ رہو اور اس بارہ میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن میں روز قیامت کے اہوال اور احوال کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ (یعنی غزوۂ بنی المصطلق میں تھے) کہ اثناء سفر میں رات کے وقت یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ. تا وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ آپ نے صحابہ کو جمع کر کے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ صحابہؓ ان کو سن کر اس قدر روئے کہ اس رات سے زیادہ کبھی نہیں روئے تھے اور ایسے غمگین اور متفکر ہوئے کہ نہ کھانا پکایا اور نہ خیمے لگائے اور نہ سواریاں باندھیں۔ جب صحابہ آپکے گرد جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پکارے گا تو آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے پروردگار حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرا پروردگار تجھ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا لشکر نکال جو دوزخ کی طرف بھیجے جائیں گے۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار اسکی مقدار اور اندازہ کیا ہے اور اس لشکر کی تعداد کتنی ہے حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے اس وقت حاملہ عورتوں کے حمل گر پڑیں گے اور بچے بڈھے ہو جائیں گے اور لوگ نشہ میں معلوم ہونگے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہونگے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا یہ سن کر صحابہؓ کے چہرے غم کے مارے متغیر ہو گئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ایک ہم سے کون کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم کو یاجوج و ماجوج سے وہ نسبت ہے جو ایک کو نوسو ننانوے سے ہے اور تمہاری نسبت پہلی امتوں کے ساتھ ایسی ہے جیسے سفید بیل کے جسم میں سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل کے جسم میں سفید بال ہو اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں میں چہارم حصہ ہوگے یہ سن کر ہم نے خوشی سے تکبیر کہی۔ پھر حضورؐ نے فرمایا بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں میں ایک تہائی ہوگے۔ ہم نے خوشی سے تکبیر کہی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنتیوں میں نصف ہوگے۔ ہم نے تکبیر کہی۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے اور امام ترمذیؒ نے کتاب التفسیر میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو تفسیر

ابن کثیر ص ۲۴۳ ج ۳ -

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ زلزلہ قیامت کے دن ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ دونوں آیتیں غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی میں نازل ہوئیں معلوم ہوا کہ یہ آیتیں مدنی ہیں -

△△△△△

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ

اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے اللہ کی بات میں بن خبر

عِلْمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝٣ كُتِبَ

اور ساتھ پکڑتا ہے ہر شیطان بے حکم کا۔ جس کی قسمت

عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ

میں لکھا ہے، کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو سو وہ اس کو بہکاوے اور

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝٤ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ

لے جاوے عذاب میں دوزخ کے۔ لوگو! اگر تم کو دھوکہ (شک) ہے جی

رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ

بوند سے پھر پھٹکی سے پھر بوٹی سے نقشہ

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي

بنی اور بن نقشہ بنی اس واسطے کہ تم کو کھول سناویں اور ٹھہرا

الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

رکھتے ہیں ہم پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک ٹھہرے ہوئے وعدے تک پھر تم کو نکالتے

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى

ہیں لڑکا پھر جب تک کہ پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں پورا بھر لیا اور کوئی تم میں

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

پھر چلایا نکمی عمر تک، تا سمجھ نہ

مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً

کے پیچھے کچھ سمجھنے لگے۔ اور تو دیکھتا ہے زمین میں دبی پڑی

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ

پھر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری اور اگائیں ہر

مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

بھانت بھانت رونق کی چیزیں۔ یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے تحقیق

وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور وہ جلاتا ہے مُردے اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ

اور یہ کہ قیامت آنی ہے اس میں دھوکا نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھادے گا

مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

قبر میں پڑوں کو اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ

اللہ کی بات میں بن خبر اور بن سوجھ اور بن کتاب

مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

چمکتی۔ اپنی کروٹ موڑ کر کہ بہکاوے اللہ کی راہ سے۔

لَهٗ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اس کو دنیا میں رسوائی ہے اور چکھاویں گے ہم اس کو قیامت کے دن جلن کی مار۔ یہ اس پر ہے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ اور یہ کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔

اثبات حشر و نشر و ابطال شبہات مجادلین و منکرین قیامت

قال اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ الیٰ۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں تقویٰ کی تاکید اور قیامت کے بعض احوال اور اہوال کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں جو قیامت کے منکر ہیں اور قیامت اور قرآن کے بارہ میں جہالت سے بغیر علم اور بغیر دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں۔ بعد ازاں حشر اور نشر کا اثبات اور منکرین قیامت کے شبہات کا ابطال فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے بارہ میں یعنی اس کی شان میں اور اس کی قدرت میں بدون کسی علم کے جھگڑتے ہیں یہ نضر بن حارث کا حال ہے کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کبھی کتاب الٰہی کے بارہ میں کہتا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ کہ یہ قرآن تو اگلوں کا افسانہ ہے اور کبھی توحید کے بارہ میں جھگڑتا اور کہتا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کبھی اللہ کی قدرت کے بارہ میں جھگڑتا اور کہتا کہ جب انسان مر کر اور گل سڑ کر مٹی ہو گیا تو پھر کیسے زندہ ہوگا اور ایسے شخص کے پاس دلیل کوئی نہیں صرف شیطان سرکش کی پیروی کرتا ہے۔ شیطان اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور بے دلیل اس کو مان لیتا ہے اور انبیاءؑ دلائل عقلیہ و براہین قطعیہ بیان کرتے ہیں تو ان میں بے دلیل جھگڑا لگاتا ہے اور شیطان کی پیروی کرتا ہے جس کی نسبت قضائے الٰہی میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو شخص شیطان کو دوست بنائے گا تو شیطان اس کو ضرور گمراہ کرے گا۔ اور عذاب دوزخ کی راہ پر اسکو لگا دے گا۔ غرض یہ کہ اس نادان کا گمان یہ تھا کہ قیامت اور حشر و نشر سب محال ہے اس لیے آئندہ آیات میں اثبات معاد کی دو دلیلیں بیان فرماتے ہیں۔

دلیل اوّل

اے لوگو اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں تم شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہو اور دوبارہ زندہ

ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے ہو تو حق تعالیٰ کی دلیل قدرت میں ذرا غور کر لو اور پہلے اپنے حال پر نظر کرو۔ تحقیق ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہاری اصل خلقت مٹی سے ہے اس لیے کہ آدم علیہ السلام جو سب کی اصل ہیں وہ مٹی سے پیدا ہوئے پھر پیدائش آدمؑ کے بعد جب سلسلۂ توالد و تناسل جاری ہوا تو مرتبۂ دوم میں ہم نے تم کو نطفہ سے۔ پھر مرتبۂ سوم میں جمے ہوئے خون سے۔ پھر مرتبۂ چہارم میں ایسے پارۂ گوشت سے کہ کبھی اسکی پوری صورت بن جاتی ہے جس میں کوئی عیب اور نقصان نہیں رہتا اور کبھی پوری صورت نہیں بنتی جو ایام پورا ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے۔ پس ہم نے تم کو اس ترتیب و تدریج کے ساتھ پیدا کیا تاکہ ہم تم پر اپنی کمال قدرت ظاہر کریں کہ تم پہلی بار کی خلقت سے دوسری بار کی خلقت کو سمجھ سکو۔ کہ جو چیز پہلی بار تغیر اور تکون کو قبول کر سکتی ہے وہ دوسری بار بھی اسے قبول کر سکتی ہے اور جان لو کہ یہ سب قادر مطلق کی صنعت اور کاریگری ہے کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں۔ اور پھر ایک مدت مقررہ تک جس کو چاہتے ہیں رحم مادر میں ٹھہرائے رکھتے ہیں اسکو وقت سے پہلے گرنے نہیں دیتے اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے اس کو گرا دیتے ہیں پھر اس مدت معینہ کے بعد تم کو بچہ بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالتے ہیں۔ پھر ہم تم کو پالتے ہیں تاکہ تم اپنی کمال قدرت کو پہنچ جاؤ یعنی جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض وہ ہے جو بڑا ہونے سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی تم میں سے نکمی عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ جاننے پہچاننے کے بعد انجان اور بے خبر بن جائے یعنی ہوش و حواس میں فتور آ جائے اور جیسا بچپن میں قلیل العلم اور قلیل الفہم تھا ویسا ہی پھر ہو جائے اور جاننے کے بعد کچھ نہ جانے پس جو خدا ایک انسان پر اس قدر مختلف حالتیں طاری کر سکتا ہے اور اخیر میں انتہاء کے بعد پھر ابتداء کی طرف لوٹا سکتا ہے تو کیا وہ گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

یہ بعث بعد الموت کی ایک دلیل ہوئی اب آئندہ آیت میں دوسری دلیل بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ اور تر و تازہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

دوسری دلیل

اور اگر ان منکرین قیامت کا یہ گمان ہے کہ انسان کی پیدائش میں جس قدر تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ سب شکم مادر میں ہیں شکم قبر میں یہ تغیرات اور انقلابات نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو مردہ کی طرح خشک اور بے رونق دیکھتا ہے کہ عرصہ تک بجھی ہوئی آگ کی طرح خشک پڑی رہتی ہے جس میں سبزہ کا کہیں نام و نشان نہیں ہوتا۔ اس طرح قبر میں مردہ بھی خشک پڑا رہتا ہے پھر جب کچھ عرصہ بعد ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو اس خشک زمین کی قوت نامیہ جوش میں آ جاتی ہے اور سبزہ سے لہلہانے لگتی ہے اور پھولنے لگتی ہے۔ اور ولادت حمل کی طرح خروج نباتات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں گویا کہ زمانۂ ولادت قریب آ گیا ہے اور پھر باذن الٰہی ہر قسم کے تر و تازہ اور خوشنما چیز اگاتی ہے جس طرح بطن مادر سے ایک خوشنما بچہ نمودار ہوتا ہے پس جو خدا اس طرح مردہ زمین کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے پھر اسی حال پر لے آئے جس پر وہ پہلے تھا کیا یہ تخم شجر نطفہ کے مشابہ نہیں کہ جب یہ تخم زمین میں ڈال دیا جاتا ہے تو گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر بعد چندے خوشنما ہو کر زمین سے نکل آتا ہے جس طرح نطفہ سے

بچہ پیدا ہونے کے لیے ایک وقت مقرر ہے اسی طرح تخم ریزی کے بعد روئیدگی کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔

یہاں تک دونوں دلیلیں ختم ہوئیں اب آئندہ آیت میں ان دونوں دلیلوں کا نتیجہ ذکر فرماتے ہیں۔ اور وہ پانچ باتیں ہیں۔

(اول) یہ سب جو ابتداء خلقت انسان سے احیاء زمین تک ہوا۔ اسکی وجہ اور سبب یہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ جو ہے وہی حق ہے یعنی خدائے برحق وہ ہے کہ جس کی قدرت کاملہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

(دوم) اور یہ کہ تحقیق وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے جیسا کہ نطفہ کو اور مردہ زمین کو زندہ کرنا، تمہاری نظروں کے سامنے ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ موت اور حیات اسکے قبضۂ قدرت میں ہے۔

(سوم) اور یہ کہ وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے اسکی قدرت مردہ زمین کے ساتھ مخصوص نہیں وہ تمام ممکنات پر قادر ہے۔

(چہارم) اور یہ کہ بلاشبہ قیامت آنیوالی ہے یعنی اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے جس میں کچھ شک نہیں۔

(پنجم) اور یہ کہ اللہ تعالٰی ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں مدفون ہیں اور اس دوبارہ زندہ ہونیکا نام بعث بعد الموت ہے غرض یہ کہ ان دلائل سے بخوبی یہ ثابت ہو گیا کہ قیامت کا آنا حق ہے ضرور آئیگی اس کے آنے میں ذرا شک نہیں اور باوجود ان دلائل واضحہ کے لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہے کہ جو اللہ کی قدرت قاہرہ اور حکومت باہرہ میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتا ہے یعنی بعضے ایسے کج فہم اور ضدی اور عنادی ہیں کہ ان واضح اور روشن دلائل سننے کے بعد بھی اللہ کی باتوں میں جھگڑتے ہیں۔ نہ انکے پاس علم اور عقل ہے اور نہ کوئی ہدایت اور عقلی دلیل ہے اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے کہ جو آسمانی کتاب سے پیش کر سکے اور اس کج رو اور بے عقل کی حالت یہ ہے کہ متکبر اور مغرور ہے اپنی گردن اور شانہ کو موڑ کر جھگڑتا ہے جیسا کہ متکبروں کا طریقہ ہے کہ شانہ اور گردن کو موڑ کر گفتگو کیا کرتے ہیں اور غرض اس کی یہ ہے کہ اس قسم کی بے سروپا باتوں سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے۔ جیسے خود گمراہ ہے اسی طرح دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ دنیا کی ذلت و خواری اس کے تکبر اور غرور کی سزا ہے کیونکہ اس کا اکبر ہم اور مبلغ علم یہی دنیا تھی اس لیے اس دنیا میں اسکو ذلیل کیا اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اور اس وقت ہم اس سے یہ کہیں گے کہ یہ عذاب تیرے ان اعمال کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اس وجہ سے کہ اللہ بندوں پر بالکل ظلم کرنے والا نہیں۔ بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتے اور مغرور اور متکبر مجرم کو بغیر سزا دیئے نہیں چھوڑتے یہ آیت بھی نضر بن حارث کے بارہ میں ہے۔ بدر کے دن وہ مارا گیا اور کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ یہ دنیا کی رسوائی تھی اور آخرت کی رسوائی اس کے علاوہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ

اور بعضا شخص ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر

فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ٕاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ

پھر اگر مل گئی اسکو بھلائی چین پکڑا اس پر اور اگر

اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ٕانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ

مل گئی اسکو جانچ (آزمائش) پھر گیا الٹا اپنے منہ پر۔ گنوائی

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا

الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ

صریح۔ پکارتا ہے اللہ کے سوا ایسی چیز کہ اسکا

وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫

برا نہیں کرتی اور ایسی کہ اسکا بھلا نہیں کرتی۔ یہی ہے دور پڑنا بھول کر۔

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ

پکارے جاتا ہے البتہ جسکا ضرر پہلے پہنچے نفع سے۔ بیشک برا

الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

دوست ہے اور برا رفیق۔

مذمت مذبذبین و مترددین دربارۂ دین متین

قال اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ... الیٰ .... وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں منکرین اور مجادلین کی مذمت تھی۔ جو کھلم کھلا اور صریح طور پر قیامت کے منکر تھے۔ اب ان آیات میں مذبذبین اور مترددین کی مذمت بیان کرتے ہیں جو محض دنیاوی طمع پر اسلام لے آئے ہیں مگر ان کے دل میں ابھی تک تردد باقی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ آتے اور اسلام لے آتے پس اگر انہیں وہاں مال اور اولاد کی ترقی معلوم ہوتی تو کہتے دین اسلام اچھا دین ہے اور اگر کچھ اس کے خلاف ہوتا تو کہتے کہ اسلام کچھ اچھا دین

نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں متزلزل اور مذبذب لوگوں کا حال بیان کیا کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت دونوں میں زیاں میں ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک حقانیت کا معیار دنیاوی منفعت ہے پس جو اسلام محض دنیوی منفعت پر مبنی ہو وہ اسلام شریعت میں معتبر نہیں اس لیے آئندہ آیات میں اہل شک اور اہل نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کرتا ہے کہ گویا ایک کنارہ پر کھڑا ہے یعنی دل جما کر اللہ کی عبادت نہیں کرتا۔ شک اور تردد میں پڑا ہوا ہے۔ اللہ کے وعدہ اور وعید کا اس کو یقین نہیں سو اگر اس کو کوئی دنیاوی بھلائی پہنچ گئی۔ جیسے صحت اور مالداری تو اس خیر اور بھلائی کی وجہ سے اس کو دین پر کچھ اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کوئی دنیاوی تکلیف پہنچ گئی جیسے بیماری اور تنگدستی۔ تو پھر الٹا اپنے منہ پر پلٹ جاتا ہے، یعنی دین اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کا انجام یہ ہے کہ اس نے دنیا بھی گنوائی اور آخرت بھی گنوائی۔ یہی تو کھلا ہوا خسارہ اور نقصان ہے کہ دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا۔ دنیا کا خسارہ تو یہ ہوا کہ مراد کو نہ پہنچا اور آخرت کا خسارہ یہ ہوا کہ سارے اعمال نیست و نابود ہو گئے یہ اس شخص کی حماقت ہے کہ اس نے دین اسلام کو دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا۔ دنیا کا نفع و نقصان ہر حال میں انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے باطل کے اتباع سے دنیا کے نقصان سے محفوظ نہیں ہو جاتا۔ یہ مرتد یا مشرک اللہ کے سوا ایسے معبود کو پکارتا یا پوجتا ہے کہ اگر وہ اس کو نہ پوجے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اگر اس کی عبادت کرے تو اس کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔ یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے جو راہ حق سے بہت دور ہے ایک عاقل بالغ آدمی کا ایسی چیز سے روزی اور مدد مانگنا کہ جو نہ سن سکے اور نہ بول سکے پرلے درجے کی بیوقوفی ہے۔ یہ نادان ایسی چیز کو پکارتا ہے جس کا نقصان بہ نسبت اس کے خیالی نفع کے بہت زیادہ قریب ہے۔ آخرت کا ضرر تو بعد میں ہو گا۔ بت پرستی کا جو ضرر پیش آیا وہ اس کے سامنے ہے کہ ایک بے جان چیز کے پوجنے کی وجہ سے دنیا میں احمق اور نادان ٹھہرا اور البتہ تحقیق ایسا کارساز بھی بہت برا اور ایسا رفیق بھی بہت برا۔ جو کسی کام نہ آوے۔ "مولیٰ" سے مراد بت ہے جس کو وہ اللہ کے سوا پکارتا ہے اور "عشیر" سے اسکا دوست اور یار و مددگار مراد ہے جو شب و روز اس کے ساتھ خلط ملط رکھتا ہے اور اس کو کفر و شرک پر آمادہ کرتا ہے خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ آئندہ آیت میں اس کا ذکر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیں
الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا
بھلائیاں باغوں میں بہتی نیچے اُن کے نہریں۔
الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾
اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَ

جس کو یہ خیال ہو کہ ہرگز مدد نہ کریگا اسکو اللہ دنیا میں اور

الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ

آخرت میں تو تانے ایک رسی آسمان کو پھر کاٹ دے

فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

اب دیکھے کچھ گیا اس کی تدبیر سے اس کے جی کا غصہ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ

اور یوں اتارا ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سوجھ

مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

دیتا ہے جس کو چاہے۔

بیان فلاح اہلِ ایمان وخیبت وخسران دشمنان بدسگالان

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا .... الیٰ .... وَاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جو ایمان اور اسلام میں متذبذب اور متزلزل تھے اب ان آیات میں ان ایمانداروں کا حال ذکر کرتے ہیں جو ایمان پر جمے ہوئے ہیں اور اعمال صالحہ پر ثابت قدم ہیں۔ حق جل شانہٗ نے ان آیات میں اول تو ایسے مؤمنین مخلصین کی فلاح اور کامیابی کا ذکر کیا اور اس کے بعد دشمنانِ اسلام کی ناکامی اور نامرادی کو بیان کیا کہ ان مجادلین فی الدین اور ان منافقین کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ کی دنیا اور آخرت میں کوئی مدد نہیں کرے گا اور چند روز میں دین اسلام ختم ہو جائیگا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ گمان غلط ہے، ان کے دل میں اسلام کا غیظ وغضب بھرا ہوا ہے وہ جتنی چاہیں تدبیریں کرلیں مگر خوب سمجھ لیں کہ ان کا مقصد کبھی پورا نہ ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ایسے باغوں میں داخل کریگا کہ جن کے مکانوں اور درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے دوستوں کو عزت اور کرامت اور فتح ونصرت سے نوازتا ہے اور مرتدین ومنافقین کو ذلیل وخوار کرتا ہے جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا وآخرت میں مدد

نہیں کریگا یعنی دنیا میں اسکو دشمنوں کے مقابلہ میں غلبہ نہیں دیگا اور آخرت میں اس کے درجے بلند نہیں کریگا تو جس شخص کا یہ خیال ہو تو اس کو چاہیئے کہ ایک رسی کے ذریعے آسمان تک پہنچ جائے پھر وہاں پہنچ کر آپ کی مدد کو قطع کردے اگر وہ اس پر قادر ہے کیونکہ آسمانی مدد کو روکنا بغیر آسمان پر پہنچے ہوئے ممکن نہیں لہذا اس کو چاہیئے کہ کسی ذریعہ سے آسمان پر چڑھے اور وہاں پہنچ کر آپ کی نصرت اور مدد کو قطع کردے کیونکہ دنیاوی وسائل تو آپ کے پاس موجود نہیں۔ آپکو جو نصرت پہنچ رہی ہے وہ آسمان ہی سے پہنچ رہی ہے تو اگر اس سے یہ ممکن ہے اور یہ اس پر قادر ہے تو آسمان پر جاکر اس کو قطع کر دے پھر دیکھے کہ اس کی یہ تدبیر اس کے سینہ کے غیظ و غضب کو دور کرتی ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ غیظ و غضب سے جو چاہے تدبیر کر لو مگر کوئی حیلہ اور تدبیر آسمانی مدد کو نہیں روک سکتی۔ پس جب یہ امر ناممکن ہے تو پھر اس غیظ و غضب سے کیا فائدہ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِلَى السَّمَآءِ میں سے لفظ سماء سے آسمان کے معنی مراد نہیں بلکہ چھت کے معنی مراد ہیں۔ کلام عرب میں سماء کا اطلاق چھت پر بھی آتا ہے۔ کل ما علا فھو سماء۔ جو شئے تیرے اوپر ہے وہ تیرا آسمان ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور غلبہ کی وجہ سے غصہ اور غیظ و غضب ہے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے گھر کی چھت میں ایک رسی باندھ لے پھر اس رسی میں پھندا لگا کر اپنا گلا گھونٹ لے اور رسی کو توڑ دے یہاں تک کہ مر جائے پھر دیکھے کہ اس تدبیر سے اس کا غصہ فرو ہوتا ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فتح و نصرت پر غصہ آتا ہو اس کو چاہیئے کہ غصہ کے مارے اپنا گلا گھونٹ لے یہاں تک کہ مر جائے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد کرنے والا ہے اسکا غصہ اسکو کوئی نفع نہیں دے گا اور اپنا گلا گھونٹنے کا نام لیکر اس لیے کہا کہ حاسد کی آخری تدبیر یہی ہے کہ وہ غصہ میں آکر اپنا گلا گھونٹ لے اور اس تعبیر میں آپ کے حاسدوں کے ساتھ استہزاء اور تمسخر مقصود ہے کہ تم خواہ کتنا ہی غصہ کرو۔ مگر تم سوائے گلا گھونٹنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے جو چاہے کرو۔ تمہارا مقصد کسی حال میں پورا نہ ہوگا کما قال اللہ تعالیٰ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ۔

اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے لیکن حضرت شاہ عبدالقادر نے اس آیت کی دوسری طرح تفسیر فرمائی جو نہایت لطیف ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس آیت کو وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ کے ساتھ مربوط اور متعلق قرار دیکر فرمایا کہ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ۔ میں ضمیر مفعول مَنْ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی مصائب اور تکالیف سے گھبرا کر اللہ سے امید قطع کر کے اس کی بندگی چھوڑ دے اور چھوٹی چیزوں کو پوجنے لگے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اونچی لٹکتی رسی سے لٹک رہا ہے اگر اوپر چڑھ نہیں سکتا تو یہ توقع تو ہے کہ اگر رسی کوئی اوپر کو کھینچے تو یہ اوپر چڑھ جائے لیکن جب رسی ہی توڑ دی تو پھر کیا توقع رہی گویا کہ آسمان سے بلندی اور بارگاہ خداوندی کی طرف اشارہ ہے اور رسی پکڑنے سے اللہ سے امید رکھنا مراد ہے اور رسی قطع کر دینے سے خدا کی رحمت سے ناامید ہو جانا مراد ہے۔ لہذا انسان کو چاہیئے کہ ایک کنارہ پر کھڑا ہو کر عبادت کرنے والا بنے؛ اور دنیاوی پریشانیوں سے گھبرا کر خدا سے امید کی رسی کو نہ کاٹ ڈالے اور خدا وند آسمان سے امید قطع کر کے غیر اللہ کی پوجا نہ کرے۔

اور ایسا ہی اتارا ہم نے یہ قرآن واضح اور روشن آیتیں جن میں کوئی خفا اور ابہام نہیں جو شخص ان میں غور کرے اس پر صاف صاف حق واضح ہو جائے اور حقیقت یہ ہے کہ تحقیق اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے، مطلب یہ ہے کہ دلائل خواہ کتنے ہی واضح اور روشن کیوں نہ ہوں مگر ہدایت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے جسے وہ سمجھ دے وہی سمجھتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا

جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں

وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ

اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور جو

أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ

شرک کرتے ہیں اللہ فیصلہ کریگا ان میں قیامت کے دن

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ

اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ

يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَ

کو سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَ

ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت

الدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور جانور اور بہت آدمی ۔ اور بہت ہیں کہ ان پر ٹھہر

الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ۚ

چکا عذاب ۔ اور جس کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی نہیں عزت دینے والا

پیچھے

إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿١٨﴾ هَٰذَانِ خَصْمَانِ

اللہ کرتا ہے جو چاہے یہ دو مدعی ہیں

اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ

جھگڑے ہیں اپنے رب پر سو جو منکر ہوئے ان کے واسطے

ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ

بیونتے (کاٹے) ہیں کپڑے آگ کے۔ ڈالتے ہیں ان کے سر پر جلتا

الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾

پانی۔ نچڑتا ہے اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے۔ اور کھال

وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن

بھی۔ اور ان کے واسطے ہتھوڑیاں ہیں لوہے کی۔ جس بار چاہا کہ نکل

يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا

پڑیں اس سے گھٹنے کے مارے۔ پھر ڈال دیئے اندر۔ اور چکھتے رہو

عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا

جلن کی مار۔ اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اور کیں بھلائیاں باغوں میں، بہتی ان کے نیچے نہریں۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَ

گہنا پہناویں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے اور موتی: اور

لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ

ان کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی۔ اور راہ پائی انہوں نے ستھری

الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوٓا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾

بات کی - اور راہ پائی اس خوبیوں سراہے کی راہ -

بیان فیصلۂ اختلافِ مِلَل و اُمَم در روزِ قیامت

قال اللہ تعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا .... الی ..... إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کا دینِ اسلام اور اہلِ ایمان کے ساتھ اختلاف کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ دین کے بارہ میں لوگ مختلف ہیں۔ ہر شخص اپنے کو حق اور ہدایت پر بتلاتا ہے اس اختلاف کا عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اس دن اہلِ حق کو عزت اور کرامت حاصل ہوگی اور اہلِ باطل کو ذلت اور اہانت ملے گی اور اس دن معلوم ہو جائیگا کہ عزت و ذلت کی مالک کون ذات ہے کہ جس کو تمام آسمان اور زمین کی چیزیں آفتاب و ماہتاب اور شجر و حجر سب سجدہ کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ (۱) قرآن کریم کی آیات بینات پر ایمان لائے اور دین اسلام میں داخل ہوئے یعنی مسلمان ہوئے اور جو لوگ (۲) یہودی ہوئے اور (۳) ستارہ پرست لوگ جو کواکب اور نجوم کی تاثیر کے معتقد ہیں اور تغیرات عالم کو انہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نصاریٰ (۴) اور مجوس (۵) یعنی آتش پرست جو آگ کو پوجتے ہیں اور دو خدا مانتے ہیں۔ خالق خیر کو یزدان کہتے ہیں اور خالق شر کو اہرمن کہتے ہیں اور وہ لوگ (۶) جو مشرک ہیں یعنی بت پرست ہیں۔ کل چھ اہلِ ادیان ہیں ان میں سے صرف ایک دین والے یعنی مسلمان جن کا مذہب اسلام ہے وہ حق پر ہیں اور ان کا دین اللہ کا دین ہے اور باقی پانچوں باطل پر ہیں اور انکا دین شیطان کا دین ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی طور پر فیصلہ کر دے گا کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل کر دے گا اور کافروں کو دوزخ میں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے اس سے کسی کا عمل مخفی نہیں۔ سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

عام طور پر دنیا میں چھ فریق ہیں (۱) اہلِ ایمان جن کو الَّذِينَ آمَنُوا سے تعبیر کیا (دوم) یہود (سوم) نصاریٰ۔ (چہارم) مجوسی یعنی آتش پرست (پنجم) مشرکین یعنی بت پرست۔ یہ سب مشہور ہیں۔ (ششم) صابئین۔ ان کے بارہ میں اختلاف ہے کہ اس فرقہ کا کیا مذہب ہے۔

صابئین کے بارے میں تین قول

پہلا قول | امام شہرستانی ملل و نحل میں فرماتے ہیں کہ یہ کواکب پرستوں کا گروہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں تھا کواکب اور نجوم کی تعظیم ان کا مذہب تھا بعض یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کی تدبیر انہی کواکب کے سپرد ہے اور بعض سرے سے قادر مختار کے منکر تھے اور تغیرات عالم کو انہی کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کی اصلاح

اور ہدایت کے لیے ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ فرقہ صابئین نہ کسی ملت اور مذہب کا قائل تھا اور نہ پیغمبر اور پیغمبری کا قائل تھا اس فرقہ کے مقابل فرقہ کا نام حنفاء تھا جو ابراہیم حنیف کے ماننے والے تھے

دوسرا قول صابئین ایک قوم ہے جو فرشتوں کو پوجتی ہے اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتی ہے اور زبور پڑھتی ہے اور صابئین اہل کتاب میں کا ایک فرقہ ہے۔

تیسرا قول صابئین ایک قوم ہے جو مجوس اور نصاریٰ کے درمیان ہے اور ان کا کوئی دین نہیں اور نہ ان کی کوئی شریعت ہے اور نہ کسی ملت کی جانب منسوب ہیں اور نہ کسی پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہی مختلف اقوال کی بناء پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے یا ناجائز۔ جن فقہاء کے نزدیک صابئین اہل کتاب میں کا کوئی فرقہ ہے تو ان کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور جن فقہاء کے نزدیک یہ بے دین فرقہ ہے ان کے نزدیک انکا ذبیحہ حلال نہیں اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ چھ دین ہیں جن میں سے پانچ دین شیطان کے ہیں اور ایک دین رحمان کا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ادیان مختلفہ کا فیصلہ فرمائیں گے اہل ایمان اور اہل اسلام کو جنت میں داخل کریں گے۔ اور ان کے سوا سب کافروں کو خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مجوسی یا صابی یا مشرک سب کو جہنم میں داخل کریں گے اور یہ فیصلہ علم کی بناء پر ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر قول و فعل پر شہید ہے کوئی شئے اس سے غائب نہیں اور ان چھ فرقوں کے علاوہ ایک ساتواں فرقہ اور بھی ہے جو فرقہ دہریہ کے نام سے مشہور ہے کہ جو خدا کا منکر ہے۔ اور حوادث عالم کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہے دنیا کا گمراہ ترین فرقہ یہی ہے اسکا ذکر سورۂ جاثیہ کی اس آیت میں آیا ہے وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ۔ اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم کو بیان فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں اپنی کمال قدرت اور کمال عظمت اور کمال حکومت و سلطنت کو بیان کرتے ہیں کہ کوئی شئے اس کے احاطۂ تسخیر اور دائرۂ سلطنت سے خارج نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی اور عقل کی آنکھ سے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی ہر ایک اپنی اپنی حالت کے مطابق اللہ کو سجدہ کرتا ہے، ایک سجدہ تو یہ ہے کہ جس میں زمین و آسمان سب شامل ہیں وہ یہ کہ تکوینی طور پر اللہ کی قدرت کے سامنے بے بس ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں اور اس عام سجدہ کے علاوہ ایک اور سجدہ ہے جو ہر چیز کا الگ الگ اور جدا جدا ہے وہ یہ کہ جس چیز کو جس کام کیلئے بنا دیا وہ اسی کام میں لگی ہوئی ہے۔ سب اس کے حکم کے تبع اور فرمانبردار ہیں لیکن بہت سے لوگوں نے اسکے سجدہ سے اعراض اور انحراف کیا۔ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ قضاء و قدر میں ان پر عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے اللہ کا ارادہ انکو ذلیل کرنے کا ہے اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ عزت اور ذلت کا مالک ہے جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ زمین کو یہ حق نہیں کہ حق تعالیٰ سے سوال کر سکے کہ میں نے کیا قصور کیا جو مجھ کو پست

بنایا اور آسمان نے کیا خدمت انجام دی کہ اس کے صلہ میں اس کو بلندی عطاء ہوئی۔

مسئلہ یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق اور اہل باطل کے فیصلہ کا ذکر فرمایا اور تفصیل کے ساتھ اہل باطل کی انواع واقسام کو بیان فرمایا لیکن یہ تمام فرقے جن کا اوپر کی آیت میں ذکر ہوا حق اور باطل ہونے کی حیثیت سے دو فریق ہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں یہ دونوں یعنی مومن اور کافر اور اہل اطاعت اور اہل معصیت دو جھگڑنے والے فریق ہیں۔ ایک فریق مسلمانوں کا ہے اور دوسرا فریق کافروں کا ہے جس میں یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین سب داخل ہیں اس لیے کہ یہ اقسام کفر ملت واحدہ ہیں۔ ہدایت ربانی اور کتاب آسمانی کے نہ قبول کرنے میں سب شریک ہیں اور ایک ہیں۔ غرض یہ کہ یہ دو (۲) فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارہ میں جھگڑا کیا۔ مسلمانوں نے اللہ کے دین کو قبول کیا اور باقی پانچ مذکورہ فرقوں نے یعنی یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین نے دین اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور باہم جنگ وجدال اور قتل وقتال کا سلسلہ شروع ہوا جس کا آغاز معرکۂ بدر سے ہوا۔ چنانچہ بدر کے میدان میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہم، عتبہ اور شیبہ اور ربیعہ کے مقابلہ پر نکلے۔ اللہ نے مسلمانوں کو عزت دی اور کافروں کو ذلیل کیا۔ اب آگے دونوں فریق کے اخروی انجام کو بتلاتے ہیں۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا سو اول تو ان کے لیے ان کے جثہ کے مطابق آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے یعنی حقیقتاً آگ کا لباس ہوگا جو ان کی مصیبت کا سامان اور ان متکبرین کی ذلت کا نشان ہوگا اور دوم ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائیگا جس سے ان کے پیٹوں کی انتڑیاں اور بدن کی کھالیں پگھل جائیں گی اور پھر ان کو ویسا ہی کر دیا جائیگا جیسے پہلے تھے۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ۔ اور سوم ان کے مارنے کے لیے لوہے کے بڑے بھاری گرز ہوں گے جو ان کے سروں پر مارے جائیں گے اور کبھی اس مصیبت سے ان کو نجات نہ ہوگی، چنانچہ جب کبھی شدت غم کی وجہ سے اس آگ سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور فرشتے ان سے کہیں گے کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ایک فریق مخاصم یعنی فریق کفار کا حال بیان فرمایا اب آئندہ آیات میں دوسرے فریق مخاصم یعنی فریق مومنین کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخرت میں غایت درجہ ناز ونعمت اور عیش وعشرت میں ہوں گے اس آیت میں اہل ایمان کی چار نعمتوں کا ذکر فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) تحقیق اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا ان بندوں کو جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور نیک کام کیے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں ان کو سونے کے اور موتیوں کے کنگن پہناتے جائیں گے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جنت میں مومن کو تین قسم کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک کنگن سونے کا اور ایک چاندی کا اور ایک موتی کا۔ سونے اور موتی کے کنگن کا ذکر تو اس آیت میں ہے اور چاندی کے کنگن کا دوسری آیت میں ہے۔ وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ۔ اور ان کا لباس وہاں ریشمین ہوگا۔ اہل جہنم کے ثیاب النار کے مقابلہ میں ان کا لباس حریری ہوگا۔ عَلِيَهُمْ

ثِيَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور ان کو دنیا میں پاکیزہ قول کی طرف ہدایت کی گئی اور خدائے ستودہ کے راستے کی طرف انکو ہدایت کی گئی۔ پاکیزہ قول سے کلمۂ توحید یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے اور صراط حمید سے صراط مستقیم اور دین اسلام مراد ہے اس کے صلہ میں آج انکو یہ نعمتیں اور کرامتیں مل رہی ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پاکیزہ قول سے جنت میں اللہ کی حمد و ثناء اور اس کی تسبیح و تقدیس کرنا مراد ہے اور صراط حمید سے طریق جنت مراد ہے اور سیاق کلام کا اقتضاء یہ ہے کہ گزشتہ آیات کی طرح ان دونوں آیتوں میں اخروی ہدایت مراد لی جائے کہ اہل جنت جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا۔ اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے اور ان کو سلام کریں گے وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی

اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ

راہ سے اور ادب والی مسجد سے جو ہم نے بنائی

لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ

سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اسمیں لگا رہنے والا اور باہر کا۔

وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ

اور جو اس میں چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھاویں گے ایک

عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ

دکھ کی مار۔ اور جب ٹھیک کر دیا ہم نے ابراہیم کو ٹھکانا اس

الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ

گھر کا کہ شریک نہ کر میرے ساتھ کسی کو اور پاک رکھ میرا گھر

لِلطَّآئِفِيۡنَ وَ الۡقَآئِمِيۡنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنۡ

طواف کرنیوالوں کے لیے اور کھڑے رہنے والوں کے لیے اور رکوع و سجدہ والوں کے لیے۔ اور پکار دے

فِى النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

لوگوں میں حج کے واسطے کہ آویں تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دُبلے دُبلے

يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ

اونٹوں پر چلے آتے راہوں دور سے۔ کہ پہنچیں اپنے بھلے کی جگہوں

لَهُمۡ وَيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِىۡۤ اَيَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰى

پر اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں ذبح پر

مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ‌ۚ فَكُلُوۡا مِنۡهَا

چوپایوں مواشی کے جو اس نے دیئے ہیں ان کو، سو کھاؤ اس

وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِيۡرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لۡيَقۡضُوۡا تَفَثَهُمۡ

میں سے اور کھلاؤ بُرے حال محتاج کو۔ پھر چاہیئے نبیڑیں اپنا میل کچیل

وَلۡيُوۡفُوۡا نُذُوۡرَهُمۡ وَلۡيَطَّوَّفُوۡا بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۲۹﴾

اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔

ذٰلِكَ ق وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ

یہ سن چکے اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کے ادب کی سو وہ بہتر ہے اسکو

عِنۡدَ رَبِّهٖ‌ ط وَاُحِلَّتۡ لَـكُمُ الۡاَنۡعَامُ اِلَّا مَا يُتۡلٰى

اپنے رب کے پاس۔ اور حلال ہیں تم کو چوپائے مگر جو تم کو سناتے

عَلَيۡكُمۡ‌ فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا

ہیں سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچتے رہو جھوٹی بات سے

قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَ

ایک اللہ کی طرف کے ہوکر نہ اس کیساتھ ساجھی بناکر اور

مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ

جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھر اچکتے

الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

ہیں اسکو اڑتے جانور، یا لے ڈالا اس کو باؤ نے کسی دور مکان میں۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى

یہ سن چکے! اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا۔ سو وہ دل کی

الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

پرہیزگاری سے ہے۔ تم کو چوپاؤں میں فائدے ہیں ایک ٹھہرے وعدے تک۔

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

پھر ان کو پہنچنا اس قدیم گھر تک۔ اور ہر فرقے کو ہم نے

جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

ٹھہرا دی ہے قربانی کہ یاد کریں نام اللہ کا، ذبح پر

مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ

چوپایوں کے جو ان کو دیئے۔ سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی

اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ لا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

کے حکم میں رہو۔ اور خوشی سنا عاجزی کرنیوالوں کو۔ وہ کہ جب نام لیجئے اللہ کا

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ

ڈر جاویں ان کے دل، اور سہنے والے جو ان پر پڑے اور

وَالْمُقِيمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

کھڑی رکھنے والے نماز کے ۔ اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں ۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ

اور کعبے کے چڑھانے کے اونٹ، ٹھہرائے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی اللہ کے

فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

نام کی۔ تمہارا اسمیں بھلا ہے۔ سو پڑھو ان پر نام اللہ کا قطار باندھ کر ۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا

پھر جب گر پڑے ان کی کروٹ تو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ

الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ

صبر سے بیٹھے کو اور بیقراری کرتے کو اسی طرح تمہارے بس میں دیتے ہم نے وہ جانور، شاید

تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا

تم احسان مانو۔ اللہ کو نہیں پہنچتے اُن کے گوشت اور نہ لہو، لیکن

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا

اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب ۔ اسی طرح ان کو بس میں دیا

لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ

تمہارے کو اللہ کی بڑائی پڑھو اس پر کہ تم کو راہ سمجھائی اور خوشی

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

سُنا احسان کرنیوالوں کو۔ اللہ دشمنوں کو ہٹا دیگا ایمان والوں سے ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع

اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی دغا باز ناشکر ۔

مذمت کفار لئام بر مزاحمت اہل اسلام و زیارت مسجد حرام

و بیان بعض احکام متعلقۂ آں مقام واجب الاحترام

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ۔ الیٰ ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوۡرٍ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں فریق کفار کی خصومت اور جدال اور اضلال کا ذکر تھا کہ کفار مکہ اہل اسلام کی عداوت اور خصومت پر تلے ہوئے ہیں اب ان آیات میں انکی دوسری قسم کی خصومت اور جدال کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکتے ہیں اور ان کو حج اور عمرہ کے ارکان ادا نہیں کرنے دیتے، حالانکہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ اس بیت حرام یعنی خانہ کعبہ کے اولیاء یعنی متولی ہم ہیں کما قال تعالیٰ اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ ۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ کافر اور مشرک تو کبھی بھی اسکے متولی نہ تھے اسکے اولیاء یعنی متولی تو فقط متقی لوگ ہیں پس اس مناسبت سے آئندہ آیات میں مسجد حرام کا ذکر فرماتے ہیں اور اس مقدس مقام کی فضیلت اور ان ایام کی برکت اور حج اور عمرہ اور قربانی کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں کہ یہ مقدس عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر چلی آرہی ہے مگر کفار قریش اس عبادت میں مانع اور مزاحم ہیں اور اپنے افعال شرکیہ سے باز نہیں آتے حالانکہ خانہ کعبہ کی بنیاد ہی خالص توحید پر رکھی گئی ہے کہ اس گھر میں خالص اللہ کی عبادت کی جائے اور رسوم شرکیہ سے اس گھر کو پاک رکھا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ اسلام اور اہل اسلام کی عداوت اور خصومت پر اس درجہ تلے ہوئے ہیں کہ وہ فقط اپنے کفر اور شرک اور اپنی گمراہی پر قانع نہیں بلکہ شدت اختصام اور جذبۂ انتقام کی بناء پر اہل اسلام کی ہدایت میں مزاحم بنے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے یعنی دین اسلام اور طریق حق سے اور مسجد حرام کی زیارت اور حاضری سے روکتے ہیں کہ اس مسجد میں جا کر کوئی خالص اللہ کی عبادت نہ کر سکے اور اس مسجد کی صفت یہ ہے کہ ہم نے سب لوگوں کے لیے اس کو قبلہ اور معبد بنایا ہے کہ اس میں مقیم یعنی مکہ کا متوطن اور باشندہ اور باہر سے آنیوالا برابر ہے مقیم اور مسافر اور شہری اور پردیسی سب کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں ہر ایک وہاں جا کر عبادت کر سکتا ہے کسی کو روکنے کا حق حاصل نہیں اس میں سب کا حق مساوی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسجد حرام کے بارہ میں شہری اور بیرونی کو برابر قرار دیا ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس چیز میں مساوات اور برابری مراد ہے۔

ف اس کلام میں اشارہ اس طرف ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کی خبر محذوف ہے اور جملہ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ خبر محذوف پر معطوف ہے اس آیت کے اعراب میں کلام بہت طویل ہے حضرات مدرسین البحر المحیط اور حواشی بیضاوی اور روح المعانی ج ۲۵ ص ۱۷ کی مراجعت کریں واللہ اعلم۔

سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ میں اقوال

قول اوّل امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عبادت اور مناسک حج کی ادائیگی میں برابری مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسجد حرام کی حاضری اور وہاں آکر عبادت کرنے میں شہری اور بیرونی سب برابر ہیں کسی شہری کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی بیرونی کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روک سکے۔

قول دوم اور ابن عباسؓ اور صحابہؓ و تابعینؒ کی ایک جماعت یہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے تمام مکہ اور سرزمین حرم مراد ہے کیونکہ حدیبیہ کے دن مشرکین مکہ نے آپکو اور آپ کے صحابہ کو حرم میں داخل ہونے سے روکا تھا اور سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ۔ میں مساوات سے مکہ میں قیام اور سکونت اور نزول کے بارہ میں مساوات اور برابری مراد ہے مکہ کی زمینوں اور مکانات میں مقیم لوگوں کا اور باہر سے آنے والوں کا سب کا حق یکساں ہے۔ اور ان حضرات کے نزدیک مکہ کی زمین کسی کی ملک نہیں اور وہاں کے مکانات کا کرایا لینا جائز نہیں اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی ایک دلیل تو یہ آیت ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہؒ کی سند سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا پس اس کی اراضی کی بیع اور اس کا ثمن کھانا حرام کیا اور تیسری دلیل وہ ہے کہ جو علقمہ تابعیؒ سے مرسلا مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابوبکرؓ نے وفات پائی اور عمرؓ نے وفات پائی اور نہیں پکارا جاتا تھا مکہ کی زمینوں کو مگر سوائب جس کو جہاں ضرورت ہوتی تھی وہ ٹھہر جاتا تھا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور سوائب کے معنی وقف عام اور غیر مملوک کے ہیں اور ایک روایت میں عثمان غنیؓ کا نام اور زیادہ ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی مکہ کی زمینیں سوائب کے نام سے پکاری جاتی تھیں کوئی اپنی ملک کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صـ۳۲ جـ۱۲ و تفسیر ابن کثیر صـ۲۱۴ جـ۳)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اراضی مکہ وہاں کے باشندوں کی ملک ہیں ان کو بیع و شراء کا اور اپنے مکانات کا کرایہ پر دینا جائز ہے اور اس پر چند حجتیں قائم فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے حق میں فرمایا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ (اپنے گھروں سے نکالے گئے) اس آیت میں گھروں کی اضافت انکی طرف فرمائی معلوم ہوا کہ گھر ان کے مملوک تھے۔

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہوا وہ امن سے ہے اور جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ بھی امن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ گھر اس کی ملک ہے۔

(۳) صحیحین میں اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کل کو مکہ میں اپنے مکان میں اتریں گے آپ نے فرمایا کیا عقیلؓ نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے اور بات یہ تھی کہ جب ابوطالب کا

انتقال ہوا تو عقیل اس وقت کفر پر تھے اور حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ اسلام پر تھے تو ابو طالب کی میراث عقیل کو پہنچی کیونکہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ میراث اسی چیز میں جاری ہوتی ہے جس کا میت مالک ہو۔

(۴) حضرت عمرؓ نے مکہ میں قید خانہ کے لیے ایک مکان خرید فرمایا اور صحابہؓ نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ غیر مالک ہی مالک سے خرید کرتا ہے تاکہ مالک بن جائے۔

لیکن ان دلائل کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیار کی نسبت سے یہ لازم نہیں کہ یہ اضافت ملک ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اضافت باعتبار سکونت اور عمارت کے ہو کہ وہ عمارت تو بہرحال ان ہی کی ملک تھی ۔ علاوہ ازیں زمانہ اسلام سے پہلے لوگ ان مکانات کو اپنی املاک جانتے تھے اور امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانوں کا کرایہ جائز ہے۔ ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ بیوت مکہ کی عمارت فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ولیکن زمین بمعیت عمارت کا فروخت کرنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ زمین کے فروخت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت میں یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانات کا کرایہ جائز ہے اور کتب فتاویٰ میں یہ بھی آیا ہے کہ اب فتویٰ اسی قول پر ہے۔ دیکھو روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۱۷ اور تفصیل کے لیے ہدایہ کی کتاب الکراہیۃ دیکھیں اور مزید تفصیل کے لیے شروح ہدایہ اور شروح بخاری دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ مسجد حرام کی یہ شان ہے اور اس درجہ اس کا احترام واجب ہے اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے تو جو شخص مسجد حرام میں ظلم اور زیادتی کے ساتھ کج روی اور راہ حق سے عدول اور انحراف کا ارادہ بھی کرے تو ایسے ظالم کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ "الحاد" سے دین سے عدول اور انحراف اور مسجد حرام کی بے حرمتی مراد ہے اور ظلم کے معنی زیادتی اور ستمگاری کے ہیں یہاں بظلم سے عمداً اور قصداً اور دیدہ دانستہ حرم میں الحاد کا ارادہ کرنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حرم محترم میں الحاد اور بے دینی کا ارادہ سخت ترین اور شدید ترین جرم ہے جو اس پاک مقام میں الحاد کا ارادہ کرے اگرچہ اس کو نہ کرے تو اس پر دردناک عذاب ہو گا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ حرم محترم میں گناہ کا ارادہ کرنے سے بھی آدمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا ارتکاب نہ کرے اور حدود حرم سے باہر جب تک گناہ کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک محض ارادہ اور خیال پر وہ عذاب کا مستحق نہیں ہوتا۔

ان آیات میں مسجد حرام سے روکنے کو ظلم قرار دیا اور حرام میں الحاد و بے دینی کے ارادہ پر وعید فرمائی اب آئندہ آیات میں اس مقام محترم میں ظلم عظیم یعنی شرک کرنے پر وعید اور تہدید فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اس محترم مقام کی ابتداء اور بنیاد ہی توحید اور خالص اللہ کی عبادت سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے خانہ کعبہ کی جگہ کو ابراہیم کے لیے ٹھکانا بنا دیا اور خانہ کعبہ بنانے کے لیے جگہ معین اور مقرر کردی اور بذریعہ وحی کے ہم نے ابراہیم کو یہ حکم دیا کہ عبادت کے لیے اس جگہ کعبہ بناؤ اور یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے اس گھر کو کفر اور شرک کی نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لیے اور نماز میں کھڑے ہونے والوں کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے

والوں کے لیے اور ہم نے ابراہیم کو یہ بھی حکم دیا کہ لوگوں میں حج کے لیے پکار دو کہ اللہ کا گھر تیار ہو گیا اور اس کا حج فرض ہے ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز لوگوں کو کیسے پہنچے گی۔ حکم ہوا کہ تمہارے ذمہ صرف پکار دینا ہے۔ پہنچانا ہمارا کام ہے چنانچہ ابراہیم جبل ابو قبیس پر کھڑے ہوئے اور پکارا اے لوگو! تمہارے پروردگار نے ایک گھر بنایا ہے اور تم پر اس کی زیارت فرض کی ہے حضرت ابراہیم کی یہ آواز تمام اقطار زمین تک پہنچ گئی اور قیامت تک پیدا ہونے والوں نے اس آواز کو سنا جس کے مقدر میں اللہ نے حج لکھ دیا تھا اس نے لبیک کہا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے لوگو! تم پر اللہ نے اپنے گھر کا حج فرض کیا ہے پس تمہارے اس اعلان کے بعد لوگ آئیں گے تیرے پاس پیادہ اور بعضے سوار ہو کر دبلے دبلے اور کمزور اونٹوں پر۔ چلی آئیں گی یہ سواریاں ہر دور دراز راہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کے لیے مکہ جانا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا ہے اور ان کی زیارت کرنا ہے اور وہ لوگ اس لیے آئیں گے تاکہ اپنے دینی اور دنیاوی فائدوں پر حاضر ہوں اور وہاں پہنچ کر دنیا و آخرت کے منافع حاصل کریں، دنیا کی تجارت بھی کریں اور آخرت کی بھی تجارت کریں اور منافع حاصل کریں اور اس لیے آویں تاکہ مقررہ دنوں میں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں یعنی اونٹ اور گائے اور بکری اور بھیڑ پر ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں ایام معلومات سے بعض مفسرینؒ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ مراد ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ ایام نحر یعنی ایام قربانی مراد ہیں۔ دسویں اور گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ مراد ہے۔ کفار بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے اللہ نے حکم دیا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لو پھر اس قربانی کے گوشت سے تم خود بھی کھاؤ اور عاجز اور درماندہ فقیر کو بھی اس میں سے کھلاؤ۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت سے کچھ کھانا اور کھلانا مستحب ہے واجب نہیں اور علیٰ ہذا یہ بھی ضروری نہیں کہ اس میں سے فقیر ہی کو کھلائے بلکہ غنی کو بھی کھلانا جائز ہے پھر قربانی کے بعد اپنے بدن کا میل کچیل دور کریں یعنی احرام کھول ڈالیں اور سر کے بال منڈوائیں اور ناخن ترشوائیں اور بغلوں کے بال صاف کرائیں اور مونچھیں کترائیں اس کے لیے دسویں ذی الحجہ مقرر ہے ہدی ذبح کرنے کے بعد ان میلوں کو دور کریں اور احرام سے باہر ہو جائیں اور اپنی نذریں پوری کریں اللہ کے لیے جو منتیں مانی ہوں وہ پوری کریں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نذور سے مناسک حج اور واجبات حج مراد ہے جب سے احرام شروع ہوا تھا اور لبیک اللہم لبیک کہا تھا اس وقت سے بالوں کا کٹوانا اور ناخنوں کا ترشوانا ممنوع ہو گیا تھا۔ اس مدت میں بدن پر میل کچیل چڑھ گیا تھا۔ جب دسویں تاریخ ذی الحجہ کو قربانی کر کے احرام ختم ہوا تو حکم ہوا کہ اب حجامت بنواؤ اور بدن کا میل کچیل دور کرو۔ اور غسل کرو اور خوشبو لگاؤ اور اپنی منتیں پوری کرو اور پھر قربانی کے بعد انہی ایام معلومات میں اس قدیم گھر کا یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں اس طواف کو طواف زیارت اور طواف افاضہ بھی کہتے ہیں جو فرض ہے اور رمی جمار اور قربانی اور حلق کے بعد دسویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔

فائدہ (۱) جاننا چاہیئے کہ طواف تین ہیں۔ اول طواف قدوم جب آدمی مکہ میں داخل ہو کر طواف کرے وہ طواف قدوم ہے۔ دوم طواف زیارت جس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اس آیت میں جس طواف کا حکم مذکور ہے وہ یہی طواف زیارت ہے جو دسویں تاریخ ذی الحجہ کو رمی جمار اور سر منڈوانے کے بعد ہوتا ہے اور یہ طواف فرض ہے۔ سوم طواف وداع ہے جو مکہ سے رخصت ہوتے وقت کیا جائے یہ طواف واجب ہے

فائدہ (۲) اس آیت میں خانہ کعبہ کو بیت عتیق کہا گیا۔ عتیق کے معنی قدیم کے بھی آتے ہیں اور آزاد کے بھی آتے ہیں پس بعض کہتے ہیں کہ اس کو بیت عتیق اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظالموں کے ہاتھوں سے آزاد رکھا ہے کوئی جبار اس پر غالب نہیں آیا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا معبد ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا یہ وجہ قرآن کریم کی اس آیت اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ ۔ سے ماخوذ ہے۔

یہ حکم تو تم سن چکے اور ادائے مناسک اور احترام کعبہ کے متعلق بات پوری ہوئی اور اب دیگر احکام کے متعلق دوسری بات سنو کہ جو شخص اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم اور ادب اور احترام کو ملحوظ رکھے اور ان کی بے حرمتی نہ کرے تو یہ تعظیم اور ادب اس کے پروردگار کے یہاں اس کے لیے بہتر ہے یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم اور قابل ادب قرار دیا ہے۔ ان کے ادب اور تعظیم کو ملحوظ رکھنا بڑی خوبی کی بات ہے اور اس کا انجام بہت خوب ہے۔

حُرُمٰتِ اللّٰهِ کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ کے نزدیک قابل احترام اور قابل تعظیم ہیں جو بظاہر تمام احکام الہیہ کو شامل ہے مگر اس مقام پر خصوصیت سے مسجد حرام اور قربانی اور صفا اور مروہ اور منا اور عرفات اس قسم کے مناسک حج اور شعائر اسلام مراد ہیں کہ ان کی تعظیم اور احترام کو ملحوظ رکھے اور جس طرح حق تعالیٰ نے ان کے لئے میں حکم دیا ہے اسی طرح انکو بجا لائے۔

اور اے مسلمانو! تمہارے کھانے کے لیے حالت احرام میں اور بلد حرام میں چوپائے اونٹ۔ گائے، بکری، بھیڑ حلال کر دیئے گئے سوائے ان چیزوں کے جن کی حرمت تم کو دیگر آیات قرآنیہ میں پڑھ کر سنائی جاتی ہے جیسے سورۂ مائدہ اور سورۂ انعام میں ان محرمات کا ذکر ہے سو وہ چیزیں تمہارے لیے کسی حال میں حلال نہیں جیسے مردار اور دم مسفوح اور خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا، یہ چیزیں قطعاً حرام ہیں پس تم بتوں کی گندگی سے بچو یعنی بتوں کی بندگی اور ان کے نام پر ذبح کرنے کو چھوڑ دو۔ یہ سب گندے افعال ہیں اور تلبیہ میں لبیک اللّٰھم لبیک کے ساتھ الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک کہنے سے بھی بچو۔ یہ گندہ قول ہے اور جھوٹی بات سے احتراز کرو خدا کا شریک قرار دینا اور جھوٹی گواہی دونوں برابر ہیں۔ شرک بھی تو آخر ایک قسم کا جھوٹ ہے اور زجاج وغیرہ سے منقول ہے کہ قول زور سے مشرکین کا یہ قول مراد ہے۔ ھذا حلال و ھذا حرام کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے۔ یہ سب اللہ پر افترا اور جھوٹ باندھنا ہے۔ پس اے مسلمانو! تم بتوں کی پلیدی سے اور جھوٹ بولنے سے احتراز کرو۔ سب سے ہٹ کر اور بچ کر خدا کی طرف جھک جانے والے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے والے ہو جاؤ۔ اخلاص اور توحید آدمی کو نجات دیتا ہے اور کفر اور شرک آدمی کو ہلاک کر کے چھوڑتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ ایسا ہو گیا کہ گویا آسمان سے گر پڑا۔ پھر پرند اس کو اچک لے گئے یا ہوا نے اس کو کسی دور دراز مکان میں لے جا کر پھینک دیا۔ تو ایسا شخص کبھی سلامت

لے یہ کلمہ ذٰلک کا ترجمہ ہے یہ لفظ دو کلاموں میں فصل کے لیے بولا جاتا ہے یا ایک ہی کلام کے دو طرفوں میں فصل کرنے کے لیے لایا جاتا ہے اور اسی طرح کبھی لفظ ذٰلک کے بجائے لفظ ہذا لایا جاتا ہے (روح المعانی ص ۱۳۴ ج ۱۷)

نہیں رہ سکتا اور اس قدر بلندی سے گرنے کے بعد زندہ نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح جس نے شرک کیا وہ آسمان توحید کی بلندی سے شرک کی پستی کی طرف گرا اور مردار خوار پرندوں کی طرح نفسانی خواہشوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا وسوسۂ شیطانی کی تند اور تیز ہوا نے اسکو لے جاکر کسی وادیٔ ضلالت میں پھینک دیا جس سے اس کی تمام ہڈیاں اور پسلیاں الگ الگ ہوگئیں۔ حاصل کلام یہ کہ شرک کرنے والا اس طرح ہلاک ہوتا ہے کہ پھر نجات کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ (دیکھو تفسیر کبیر صـ۱۸۲ جـ۶)

یہ بات تو ختم ہوئی اب دوسری بات سنو اور وہ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی یادگاروں یعنی اس کے دین کی نشانیوں، علامتوں اور اس کی نامزد چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس میں شک نہیں کہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیزگاری سے پیدا ہوتی ہے قلب میں جس درجہ کا تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی عظمت ہوگی اسی درجہ کی تعظیم اس سے سرزد ہوگی۔ تقویٰ اور فجور کا اصل منشا اور منبع قلوب ہیں اور اعضاء ظاہری ان کے آثار کے مظہر ہیں۔ اندر کا اثر ان اعضاء پر ظاہر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک نہیں بلکہ تقویٰ کی علامت ہے اور آثار توحید میں سے ہے اس لیے کہ عاشق کی شان یہ ہے کہ جو چیز اسکے محبوب کی طرف منسوب ہو یا اس کی نامزد ہو یا اس کے دین کی نشانی ہو۔ دل و جان سے اس کی تعظیم کرے

شعائر جمع شعیرۃ یا شعارۃ کی ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اس جگہ شعائر اللہ سے مناسک حج اور قربانی کے جانور مراد ہیں جیسا کہ آئندہ آیت سے مفہوم ہوتا ہے اور تمہارے لیے ان جانوروں میں جن کو تم نے اللہ کے لیے نامزد کر دیا ہے جیسے قربانی کے جانور۔ ان میں تمہارے لیے ایک وقت مقررہ تک بہت سے فائدے ہیں کہ بحالت ضرورت یا بحالت اضطرار ان پر سواری کرنا بھی جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی کے جانور پر بحالت ضرورت سواری جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اضطرار اور غایت درجہ کی مجبوری کی حالت میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ (تفصیل کے لیے شرح ہدایہ اور شرح بخاری دیکھیں) البتہ قربانی کے بعد ان کے گوشت اور کھال سے نفع اٹھانا جائز ہے۔

پھر ان ہدایا یعنی قربانی کے جانوروں کی حلال ہونے کی جگہ قدیم گھر کے قریب ہے یعنی منیٰ اور حدود حرم کے اندر اس کو خدا کے نام پر ذبح کیا جاتے۔ حدود حرم سے باہر ذبح جائز نہیں باقی مسائل جو ان آیات سے ماخوذ ہیں وہ کتب فقہ میں دیکھے جائیں۔

اور آپ سے پہلے بھی ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ اور مکان معین اور مقرر کیا تھا تاکہ ان چوپایوں پر جو ہم نے ان کو دیئے ہیں۔ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں اللہ کے نام پر قربانی کرنے کا حکم تمام شریعتوں میں رہا ہے کہ ذبح کرتے وقت اس خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا نام لیں جس نے یہ نعمت عطا کی۔ خدا کے سوا کسی کے نام پر ذبح کرنا اور اس کی نذر و نیاز کرنا یہ ہر ملت میں شرک رہا ہے پس سمجھ لو کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی خدا ہے۔ سو تم اپنے آپ کو اسی ایک خدا کے حوالہ اور سپرد کر دو اور خاص اسی کی اطاعت کرو اور اسی کی اطاعت پر جمے رہو۔ اور اسے نبی خوشخبری

سنا دیجیے۔ اللہ کے سامنے پست[1] ہونے والوں اور اسکے احکام کے سامنے گردن جھکانے والوں کو اور اس کے سامنے خجل اور شرمندہ ہونے والوں کو اور بندگی میں عاجزی اور فروتنی کرنے والوں کو جن کے دل خدا کی عظمت سے اس درجہ لبریز ہیں کہ جب انکے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور دوسری صفت ان کی یہ ہے کہ وہ مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں یعنی مصیبت کے وقت انکے قدم استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آتا اور تیسری صفت ان کی یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھنے والے ہیں۔ نماز انکی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور چوتھی صفت ان کی یہ ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی مال کا کچھ حصہ ہمارے نام پر قربان کرتے ہیں تاکہ اللہ کا تقرب حاصل ہو۔

اور قرب الٰہی کے حصول کا قریب ترین ذریعہ ایام حج میں جانور کی قربانی ہے اس لیے کہ ہم نے قربانی کے جانوروں کو یعنی اونٹ اور گائے کو اور اسی طرح بھیڑ بکری کو تمہارے لیے اللہ کے دین کی نشانیوں اور علامتوں میں سے بنا دیا ہے۔ جن کے ذبح کرنے میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے ان دنوں میں خدا کے لیے قربانی اور اس کے لیے خون بہانے سے بہتر اور بڑھ کر کوئی عمل نہیں پس تم کو ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لو۔ خدا کے سوا اور کسی کا نام نہ لو۔ درانحالیکہ وہ قطار باندھے کھڑے ہوں یا یہ معنی ہوں کہ وہ اپنے تین پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اونٹ اسی طرح ذبح کیے جاتے ہیں اور یہی سنت ہے پس تم ان جانوروں کو اس طرح خالص اللہ کا نام لیکر اللہ کے لیے قربان کرو پھر جب انکے پہلو زمین پر گر جائیں اور انکی جان نکل جائے اور ٹھنڈے ہو جائیں تو تم خود بھی اس میں سے کھاؤ اور قناعت کرنے والے فقیر کو جو سوال نہیں کرتا اور سوال کرنے والے کو جو اپنی خواہش لیکر تمہارے سامنے آئے اس کو بھی اس میں سے کھلاؤ اور کھلانے سے گوشت دینا مراد ہے "قانع" سے وہ درویش مراد ہے جو صبر و قناعت کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا ہے اور سوال نہیں کرتا اور "معتر" سے وہ محتاج مراد ہے جو تمہارے سامنے آئے اور ادب کے ساتھ تم سے سوال کرے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ "قانع" وہ ہے کہ جو تیری طرف جھکے اور سوال کرے اور "معتر" وہ ہے کہ جو چاپلوسی کے ساتھ تیرے سامنے آئے اور سوال نہ کرے بعض کہتے ہیں کہ قانع سے طامع مراد ہے کہ جو طمع کرے اور معترہ ہے کہ جو قربانی کے وقت موجود ہو خواہ تونگر ہو یا فقیر ہو، مطلب یہ ہے کہ مبارک گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور دوستوں اور فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ اور یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ اگر سب صدقہ کر دے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر سب اپنے ہی لیے رکھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تہائی صدقہ کر دے اور تہائی اقارب اور احباب کو ہدیہ کر دے اور تہائی اپنے لیے رکھ لے۔ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اتنے عظیم الجثہ بڑے بڑے جانور تمہارے قبضہ میں کر دیئے کہ تم انکو پکڑتے اور باندھتے ہو اور اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو تاکہ تم ہمارا احسان مانو اور شکر کرو مگر تم بجائے شکر کے شرک اور ناشکری کرنے لگے۔ تم کو چاہیئے کہ جس طرح یہ جانور تمہارے سامنے گردن جھکائے ہوتے ہیں اسی طرح تم بھی خدا کے سامنے گردن ڈال دو۔ ان جانوروں کو جو اللہ کا عطیہ

---

[1] مُخبِت کے معنی اصل میں پست زمین کے ہیں اور مخبت اس کو کہتے ہیں کہ جو پستی میں جائے ــ مخبتین کے اصل معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہم نے یہ ترجمہ کیا (واللہ اعلم)

ہیں انکو خالص اللہ کے نام پر ذبح کرو، کسی غیر کا نام اس میں شریک نہ کرو اور قربانی میں مشرکوں کا طریقہ نہ اختیار کرو عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں جو قربانی کرتے تھے تو اسکا خون بتوں پر چھڑکتے تھے اور کعبہ کی دیواروں پر بھی ملتے تھے، اس کے بارہ میں آئندہ آیت میں نازل ہوا کہ ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو قربانی کے گوشت اور ان کے خون لیکن پہنچتا ہے اس کو تمہارے دل کا تقویٰ اور ادب کہ تم نے کس جذبۂ محبت و اخلاص سے ایک قیمتی چیز خالص اس کے نام پر قربان کی اور شرک سے بچے پس تمہارا یہ اخلاص اور یہ تقویٰ یعنی شرک سے پرہیزگاری اور جذبۂ جاں نثاری قبولیت کا سبب بنا اور پھر جب تم نے اس گوشت کو محتاجوں کی حاجت رفع کرنے کے لیے محض خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کیا تو بارگاہ خداوندی میں تمہاری یہ چیز قبول ہوئی ورنہ اس کی ذات والا صفات اس سے بالا اور برتر ہے کہ اس کی بارگاہ میں جانوروں کا گوشت اور خون پہنچے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس بات پر اللہ کی عظمت اور اللہ کی کبریائی کو بیان کرو کہ تم کو اس نے اپنے قرب اور رضا کے حصول کے لیے قربانی کی ہدایت اور توفیق دی اور جہالت اور جاہلیت کے مشرکانہ رسموں سے تم کو آگاہ کیا اور اسے نبی ان اخلاص سے قربانی کرنے والوں کو ہمارے قرب و رضا اور قبولیت کی بشارت سنا دیجئے اور بتلا دیجئے کہ خدا کی طرف جو چیز پہنچتی ہے وہ تمہارا تقویٰ اور اخلاص ہے اور اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ پر ختم فرمایا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ احسان یعنی اخلاص اور صدق نیت تمام اعمال صالحہ کی روح ہے۔

تتمۂ کلام سابق (یعنی اہل ایمان کی طرف سے مدافعت)

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ دفع کرے گا اہل ایمان سے کافروں کے شر اور ضرر کو اور ان کے فتنوں کو کہ عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ کفار اہل اسلام کو مسجد حرام سے نہیں روک سکیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے کسی دغاباز کفر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے یعنی جو لوگ کفر و شرک کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ دغابازی کرتے ہیں اور طرح طرح سے انکو ستاتے ہیں اور مسجد حرام کی زیارت سے انکو روکتے ہیں یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں محبوب نہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کے لیے بطور پیشین گوئی ایک تسلی آمیز وعدہ ہے اور کفار کے لیے وعید ہے اس لیے کہ اس آیت میں اہل ایمان کی حمایت اور دشمنوں کی مدافعت کی خبر دی جا رہی ہے یہ کلام شروع کلام کا تتمہ ہے آغاز کلام اس آیت سے ہوا تھا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی کفار قریش مسلمانوں کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے ہیں اب آخر میں اہل اسلام کو تسلی فرماتے ہیں کہ تم ان احکام مذکورہ کو سن کر یہ خیال نہ کرنا کہ ہمیشہ غلبہ انہی کفار مانعین کا رہے گا۔ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ مسلمان بے خوف و خطر حج وعمرہ کیا کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مسلمانوں کے راستے سے ہٹا دے گا اے مسلمانو! تم فی الحال کافروں کے غلبہ سے یہ نہ سمجھنا کہ یہ کفار اللہ کے نزدیک محبوب ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک مبغوض اور معتوب ہیں کیونکہ سراپا کفر اور خیانت ہیں، ایسے کیسے محبوب ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ان کو مہلت دے رکھی ہے گھبراؤ نہیں عنقریب راستہ بالکل صاف ہو جائے گا اور اللہ اہل اسلام کی مدد کریگا اور انکو کافروں پر غلبہ عطا فرمائیگا جیسا کہ اسکا وعدہ

ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ پس یہ آیت غلبۂ اسلام کی بشارت ہے اور گزشتہ آیت وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ۔ کا تتمہ اور تکملہ ہے واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ

حکم ہوا ان کو جن سے لوگ لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴿۳۹﴾

اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ

وہ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور کچھ

حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ

دعویٰ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ

النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ

لوگوں کو، ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور

بِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ

عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ

اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ

کا بہت اور اللہ مقرر مدد کریگا اس کو جو مدد کریگا اس کی

اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی

بیشک اللہ زبردست ہے زور والا۔ وہ کہ اگر ہم ان کو مقدور دیں ملک

الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

میں، کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ

بھلے کام کا اور منع کریں برے سے اور اللہ کے اختیار ہے

الْاُمُوْرِ ۝۴۱

آخر ہر کام کا۔

اجازت جہاد و وعدۂ نصرت و تمکین بر اعدائے دین

قال اللہ تعالیٰ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ..... الیٰ ..... وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں اس بات کا ذکر تھا کہ کفار مسلمانوں کو ایک اللہ کی عبادت پر مارتے تھے اور طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے یہاں تک کہ کفار نے مکہ سے مسلمانوں کو نکال دیا مسلمان کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آکر کافروں سے لڑنے کی اجازت مانگتے تھے کہ ہم بھی انکا مقابلہ کریں اور ان سے لڑیں اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی۔ اور صبر اور توکل کا حکم دیتے تھے، یہاں تک کہ باطنی جہاد کی منزلیں طے ہوگئیں اور نفوس ایسے پاک اور مقدس ہوگئے کہ ہمرنگ ملائکہ ہوگئے اور ادھر کفار نابہنجار کی ستم رانی انتہا کو پہنچ گئی تب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی۔ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ۔ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کفار کی مضرت کو دور کرے گا اور کافروں کے شر کو مسلمانوں سے دفع کریگا اور یہ بات جہاد سے حاصل ہوتی ہے اس لیے اجازت دی جاتی ہے کہ خدا کے شکر گزار بندے خدا کے کفر کرنے والوں اور خیانت اور دغابازی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے کھڑے ہوجائیں۔ سب سے پہلی آیت[1] جو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت کے بارہ میں نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے۔ اجازت دی گئی مسلمانوں کو جن کے ساتھ مشرکین قتال کرتے ہیں کہ کافروں سے جہاد و قتال کریں اور یہ جہاد و قتال کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں کافروں نے ان پر ظلم کیا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ ان بے سروسامان مظلومین کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد کی اجازت اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ مظلوم ہیں اور مظلوم کو ظالم کے ظلم کا مقابلہ تمام مذاہب میں نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب اور لازم ہے اور حق کو باطل کی سرکوبی کا ہر وقت حق حاصل ہے حتیٰ کہ اگر حق مصلحت سمجھے قبل اسکے کہ باطل سر اٹھائے۔ سر اٹھانے سے پہلے ہی اسکا سر کچل دیا جائے تو یہ بھی عین حق ہے اور کمال تدبر و دانائی ہے اور انتظار میں رہنا کہ جب باطل مجھ پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کرونگا تو یہ کم عقلی ہے اور مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے اور تعداد میں بھی بہت قلیل تھے۔ اس

---

[1] حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور عروہ بن زبیرؒ اور زید بن اسلمؒ اور مقاتل بن حیانؒ اور قتادہؒ وغیرہم سے منقول ہے کہ یہ پہلی آیت ہے کہ جو جہاد کے بارہ میں نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۵ ج ۳)

لیے انکی تسلی کے لیے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم جہاد و قتال کی اجازت سے گھبرانا نہیں وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر قادر ہے اگرچہ تمہاری تعداد قلیل ہے مگر تم اپنی قلت اور دشمن کی قوت اور کثرت پر نظر نہ کرو۔ ہماری قدرت پر نظر رکھو۔ یہ کلام مسلمانوں کے لیے عجیب عنوان سے فتح کی بشارت ہے اور کافروں کے لیے تہدید ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ بادشاہ کمال مہربانی کی حالت میں اپنے وفاداروں سے یہ کہے کہ کیا ہم تمہارے سرفراز کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور غصہ کی حالت میں باغیوں سے یہ کہے کہ کیا ہم تمہارے تباہ اور برباد کرنے پر قادر نہیں۔ یہ مختصر سا کلام صریح وعدہ اور وعید سے بدرجہا زیادہ بلیغ ہے۔ والكناية ابلغ من التصريح۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ کون لوگ تھے جن کو کافروں سے جہاد و قتال کی اجازت دی گئی اور ان کی فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا سو یہ لوگ وہ مؤمنین صادقین تھے کہ جو بدون کسی وجہ کے ناحق اور بلاقصور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ کوئی کام ان سے ایسا سرزد نہیں ہوا تھا کہ جو ان کے نکالنے کا سبب بنتا مگر محض اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے انکو انکے گھروں سے نکالا گیا اس عنوان میں کافروں کے ساتھ عجیب تہکم اور استہزاء ہے کہ یہ لوگ عجیب نادان ہیں کہ اول تو مسلمانوں کو انکے گھروں سے بغیر کسی قصور کے اور دوسرا یہ کہ توحید کو کہ جو تعظیم و توقیر کا سبب تھی اسکو جرم اور گناہ قرار دیکر موحدین کے ساتھ مجرمین کا سا معاملہ کیا اور ان کے اخراج کے درپے ہوئے۔ مسلمانوں کا اگر کوئی جرم اور گناہ تھا تو صرف یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ایک اللہ ہے مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے نزدیک توحید ایسا بڑا گناہ تھا کہ جس کی بناء پر مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ کما قال الله تعالى يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ - وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ - هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ - وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا - حالانکہ توحید خداوندی عقلاً اخراج کا سبب نہیں ہو سکتی۔ خدا پرستی جرم نہیں البتہ بت پرستی اور صلیب پرستی عقلاً بھی جرم ہے پس یہ پہلی آیت ہے کہ جو جہاد کی اجازت کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اور اللہ نے جو نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا کہ مہاجرین اور انصار کو قیصر و کسریٰ کے تخت کا مالک بنا دیا اور اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ میں مہاجرین کے محب صادق ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں نے ہماری محبت میں اپنے گھروں سے نکلنا اور اپنے خویش و اقارب سے جدا ہونا گوارا کیا مگر ہمارے دین کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جاننا چاہیے کہ اس وعدہ میں اگرچہ تمام صحابہ کرام شریک ہیں مگر آیت کا سیاق و سباق بتلا رہا ہے کہ اس آیت میں نصرت اور تمکین فی الارض کا جو وعدہ ہے وہ اولاً مہاجرین اولین سے ہے اس لیے کہ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ کا مصداق مہاجرین اولین ہیں اور اسی وجہ سے حدیث میں ہے۔ الائمة بعدى من قريش یعنی میرے بعد میرے خلیفہ مہاجرین میں سے ہونگے۔ اس لیے کہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ کی ضمیر اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ کی طرف راجع ہے جس کا مصداق بلا کسی شبہ کے مہاجرین ہیں۔ اب آئندہ آیت میں اجازت جہاد کا دوسرا سبب بیان فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ شریروں اور بدکاروں کو ایمانداروں اور نیک کاروں کے ذریعہ دفع نہ کرتا اور ان کے شر اور فساد کو نہ دور کرتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا اور راہبوں کے بہت سے خلوت خانے اور نصاریٰ کے کلیسے اور یہود کے کنیسے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے سب منہدم اور مسمار کر دیئے جاتے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت جہاد کا دوسرا سبب بیان فرمایا یعنی جس طرح مظلوم کے لیے ظالم کے ظلم کی مدافعت اجازت جہاد کا سبب بنی۔ اسی طرح اجازت جہاد کا

ایک سبب ایک دینی مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ اللہ کی حکمت اس امر کی مقتضی ہے کہ ہر زمانہ میں دین حق انبیاء کرام اور ان کے نائبوں کے ہاتھ غالب ہوتا رہے۔ اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو تمام کارخانۂ ملت ومذہب درہم برہم ہوجاتا حتیٰ کہ ہر مذہب کے عبادت خانے اور درویشوں کے خلوت خانے ویران ہوجاتے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت اور مشروعیت کا سبب بیان فرمایا اور مجاہدین سے نصرت کا وعدہ فرمایا اب آئندہ آیات میں شرائط نصرت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کریگا یعنی خدا کی طرف سے مدد جب آتی ہے کہ جب وہ شخص بھی دین کی مدد کا ارادہ کرے اور دل وجان سے کمر ہمت کلمۃ اللہ کے بلند کرنے کے لیے باندھ لے۔ بغیر اس کے وعدۂ نصرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تم کو فتح ونصرت دیگا اور تمہارے قدم جمادیگا اور فرمایا اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت اور عزت والا ہے دم کے دم میں جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل وخوار کرے۔ خدا جس کی مدد کرے کامظفر ومنصور ہے اور خدا جس کی مدد نہ کرے وہ ذلیل وخوار ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ یعنی اگر خدا تمہاری مدد نہ کرے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ یعنی بارگاہ خداوندی میں یہ فیصلہ ہوچکا ہے کہ مرسلین مظفر ومنصور ہوں گے اور خدا کا لشکر غالب ہوگا حق جل شانہٗ نے اس آیت میں قسم کھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے جس فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا اور دنیا نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مہاجرین وانصار جو بے سروسامان اور فقیر اور درویش تھے ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں سے بڑی شان وشوکت والی سلطنتوں پر حملہ آور ہوتے اور ان پر فتحیاب ہوئے۔ صحابہ کرام حسب ارشاد خداوندی وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ خدا تعالیٰ کا لشکر تھے، باوجود بے سروسامانی ساز وسامان والوں کے لشکر پر غالب آگئے اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ بے سروسامان درویش فتح اور غلبہ کے بعد جب بر سر حکومت اور بر سر اقتدار آجائیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا تو فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان بے سروسامانوں کو جو چند روز پہلے اپنے گھروں سے نکالے گئے تھے۔ زمین میں تمکین یعنی حکومت اور اقتدار عطا کریں تو یہ وہ لوگ ہیں کہ قوت اور غلبہ اور حکومت اور اقتدار ملنے کے بعد بھی ہم سے غافل نہ ہوں گے بلکہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے یعنی بذات خود نیک ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے کہ دوسروں کو ہر بھلے کام کا حکم دیں گے اور ہر بری بات سے انکو منع کریں گے اور اللہ ہی کے لیے ہے یعنی اسی کے ہاتھ میں ہے ہر کام کا انجام وہ سوائے اس کے کسی کو معلوم نہیں کہ امت محمدیہ کے حکمران کب تک ان صفات مذکورہ کے ساتھ متصف رہیں گے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

فائدہ اس آیت کو آیت تمکین کہتے ہیں جس میں صحابہ کرامؓ اور درویشانِ اسلام سے تمکین فی الارض کا وعدہ فرمایا۔ اس آیت میں خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جس کی حقیقت ایسی تمکین فی الارض ہے جس کے ساتھ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہو یعنی حکومت کے ساتھ ولایت بھی ہو۔ حق جل شانہٗ نے اس آیت میں جو اہلِ تمکین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی عنقریب انکو روئے زمین کی حکومت اور سلطنت عطا ہوگی اور یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد دین کے قائم کرنے والے ہونگے پس یہ آیت خلفائے اربعہ کی خلافت کی صحت اور حقانیت کی دلیل ہے کہ چاروں مہاجرین اولین میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے بموجب انکو زمین کی تمکین عطا فرمائی اور وہ چاروں ان صفات مذکورہ کے ساتھ علی وجہ الکمال موصوف تھے یہ آیت چاروں خلیفہ کی خلافت کے حق ہونے کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر انسان کی کیا خوبی ہے کہ فرمانروا ہو اوران چاروں صفتوں کا جامع ہو بادشاہ بھی ہو اور ولی بھی ہو امیر سلطنت بھی ہو اور شیخ طریقت بھی ہو۔ امیری اور فقیری ایک کمبل میں جمع ہوں جاننا چاہئے کہ خلافت راشدہ کے دو جز ہیں ایک تمکین فی الارض یعنی حکومت اور سلطنت اور دوسرا اقامتِ دین یعنی قانونِ شریعت کا اجراء اور نفاذ جو انبیاء کرامؑ کی بعثت اور اسلامی حکومت کا اولین مقصد ہے۔ اصل مقصود دین ہے اور حکومت اسکی خادم ہے اس لیے حق تعالیٰ نے تمکین فی الارض کے بعد جو اصحابِ تمکین کے اوصاف بیان کیے ان میں پہلا وصف یہ بیان فرمایا۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ۔ اس جملہ میں تمام شعائر اسلامیہ کے قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس کے بعد اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ میں تمام علوم دینیہ کے احیاء کی طرف اشارہ ہے اور نَہَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ میں کافروں سے جہاد اور جزیہ لینے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ کفر سے بڑھ کر کوئی منکر اور کوئی بدتر شئے نہیں اور مسلمانوں پر حدود اور تعزیرات قائم کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد خود بھی احکام شریعت کے پابند ہونگے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ دوسروں کو بھی شریعت کا پابند بنائیں گے اور اخیر میں وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انجام کی خبر اللہ ہی کو ہے تم کو خبر نہیں کہ اس جہاد کا کیا اثر ہوگا اور کیسے عجیب وغریب ثمرات و برکات اس پر مرتب ہوں گے نیز اشارہ اس طرف بھی ہے کہ درمیانی احوال اور وقتی شکست پر نظر نہ کرنا۔ انجام پر نظر رکھنا۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَکَذٰلِکَ تَکُوْنُ الْعَاقِبَۃُ لِلرُّسُلِ۔ جیسے مریض کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں مگر انجام اس کا صحت ہے۔ بہرحال یہ تمکین فی الارض اللہ کا وعدہ ہے جو عرش سے نازل ہوا ہے لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس خدائی وعدہ کو کوئی غصب کرے اللہ تعالیٰ نے اس کے ایفاء کو اپنے ذمہ لیا ہے جو خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ وعدۂ خداوندی میں نہ مخالفت کا امکان ہے اور نہ مخاصمت کا اور نہ تسلط اور تغلب کا اور نہ غصب کا اور نہ خیانت کا۔

نکتہ سورۂ حج کی اس آیت کو آیت تمکین کہتے ہیں اور سورۂ نور کی آیت یعنی وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْاَرْضِ۔ اس کو آیت استخلاف کہتے ہیں مقصود دونوں کا ایک ہے اگرچہ عبارت مختلف ہے۔ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْاَرْضِ اور اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰہُمْ اور لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمْ دِیْنَہُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَہُمْ اور اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَہَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ

سب کا مفہوم ایک ہے اور وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا اور اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ ــــ ۔ کا مفہوم ایک ہے۔ ایک مضمون کو مختلف عبارتوں سے اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ ایک عبارت دوسری عبارت کا مضمون نص اور محکم ہو جائے۔ غرض یہ کہ دونوں آیتیں حقیقت میں ایک ہیں اور عبارت میں مختلف ہیں اور دونوں خلفائے راشدین کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے یہ ناممکن ہے کہ اللہ وعدہ کرے اور پورا نہ کرے فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اور نہ کسی جبار و قہار میں یہ طاقت ہے کہ خدا کے وعدہ کو پورا نہ ہونے دے یا اسے اپنے لیے غصب کرے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مہاجرین اولین کو تمکین دین عطا فرمائیں گے اور ان کے ہاتھوں پر دین حق قائم ہوگا۔ آیت میں اگرچہ ان اشخاص کے ناموں کی تصریح نہ تھی لیکن جب خلفائے راشدین کے ہاتھوں سے تمکین دین اور اعلاء کلمۃ اللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ظہور ہوگیا تو حقیقت سے پردہ اٹھ گیا اور سب نے جان لیا بلکہ دیکھ لیا کہ وہ شخص کون کون ہیں کہ جن کے ہاتھ پہ اللہ نے ان وعدوں کے ظہور کو مقدر فرمایا تھا جب استخلاف فی الارض اور تمکین فی الارض کا قرعہ خلفائے راشدین کے نام پر نکلا تو متعین ہوگیا کہ آیت میں یہی اشخاص مراد ہیں۔ جیسے واقعۂ خیبر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ اور رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے، لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کون اس دولت اور عزت سے سرفراز ہوگا۔ جب دوسرے دن حضرت علیؓ کو جھنڈا عنایت ہوا تو سب کو معلوم ہوگیا کہ وہ مرد موصوف حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں اسی طرح ان آیات کے نزول کے وقت لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کن اشخاص کے سروں پر استخلاف اور تمکین فی الارض کا تاج رکھا جائیگا اور کارپردازان قضاء و قدر اس تمکین دین میں کس کے معین اور مددگار ہوں گے۔ پس جب تمکین دین کا ظہور خلفاء کے ہاتھ پر ہوا تو متعین ہوگیا کہ اللہ کے علم میں یہی اشخاص مراد تھے۔ (ازالۃ الخفاء)

وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ

اور اگر تجھ کو جھٹلاویں تو ان سے پہلے جھٹلا چکے ہیں

قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ

نوح کی قوم اور عاد اور ثمود۔ اور ابراہیم کی قوم

وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿٤٣﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَكُذِّبَ

اور لوط کی قوم۔ اور مدین کے لوگ اور موسیٰؑ

مُوْسٰی فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَیْفَ

کو جھٹلایا پھر میں نے ڈھیل دی منکروں کو پھر انکو پکڑا۔ تو کیسے

كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ

ہوا میرا انکار؟ سو کتنی بستیاں ہم نے کھپا دیں اور وہ

هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ

گناہ گار تھیں اب وہ ڈھے پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور

بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿٤٥﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا

کتنے کنوئیں نکمے پڑے اور کتنے محل گچ گیری کے۔ کیا پھرے نہیں ملک

فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ

میں، جو ان کو دل ہوتے جن سے بوجھتے۔ یا

اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ

کان ہوتے جن سے سنتے؟ سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں

وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾ وَ

ہوتیں پر اندھے ہوتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں۔ اور

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ

تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾

اور ایک دن تیرے رب کے ہاں ہزار برس کے برابر ہے جو

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ

تم گنتے ہو اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گناہ گار تھیں

ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آنا ہے۔ تو کہہ لوگو! میں

النَّاسُ إِنَّمَآ أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِينَ

تو ڈر سنانا دینے والا ہوں تم کو کھول کر ۔ سو جو

اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَّ

یقین لائے اور کیں بھلائیاں ان کے گناہ بخشنے ہیں اور

رِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِيٓ اٰيٰتِنَا

روزی عزت کی ۔ اور جو دوڑے ہماری آیتوں کو

مُعٰجِزِينَ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ﴿٥١﴾

ہرانے ۔ وہ ہیں لوگ دوزخ کے ۔

تسلیۂ رسالت مآب و تہدید کفار بر استعجال عذاب و وعدۂ مغفرت و رزق کریم برائے اہل طاعت و وعید عذاب جحیم برائے اہل معصیت

قال اللہ تعالیٰ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ ... الی ... أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ‌‌‌

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کے جدال و قتال اور ان کی ایذا رسانی کی بنا پر مسلمانوں کو جہاد و قتال کی اجازت دی گئی اب ان آیات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ ان کفار کی مخالفت اور تکذیب اور عداوت سے ملول نہ ہوں ہمیشہ سے عام انبیاء کی تکذیب ہوتی چلی آئی ہے اور کافروں نے اسکا نتیجہ دیکھ لیا اور یہ کافر ملک شام کو جاتے ہوئے راستہ میں ان مقامات سے گزرتے ہیں جہاں ان پر عذاب نازل ہوا تھا پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے کیا انکی آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں اور اس درجہ دلیر ہوگئے ہیں کہ جلدی عذاب کی خواہش کرتے ہیں اور آپ سے مجادلہ اور مخاصمہ کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والا ہوں ۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ تو اللہ کے اختیار میں ہے ۔ عذاب ضرور آئیگا مگر اپنے وقت پر آئیگا جس کا علم اللہ ہی کو ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر یہ کفار آپکی تکذیب کریں اور اپنی موجودہ قوت و کثرت کے گھمنڈ میں یہ کہیں کہ آپ جو ان فقراء مہاجرین کو تمکین فی الارض کی خبر دے رہے ہیں یہ سب جھوٹ اور غلط ہے اور ناممکن اور محال ہے اور محض ایک خواب و خیال ہے تو آپ انکی تکذیب کی پروا نہ کریں اور ان سرداران مکہ سے پہلے قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی اور قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی اور قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی اور قوم ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کی اور قوم لوط

نے لوط علیہ السلام کی اور اصحاب مدین نے شعیب علیہ السلام کی اور موسیٰ علیہ السلام جیسے صاحب معجزات کی بھی تکذیب کی گئی پھر میں نے ان منکروں کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ مہلت دی پھر جب حد سے گزر گئے اور حجت ان پر پوری ہو گئی تو میں نے ان کو عذاب میں پکڑا، پس دیکھ لو کہ میری گرفت کیسی سخت ہوئی کہ کوئی نکل نہ سکا اور کس طرح رسوا ہوئے۔ نکیر کے معنی انکار کے ہیں پس یا تو نکیر سے عذاب منکر یعنی عذاب شدید مراد ہے جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكْرًا کہ شدت اور سختی کی وجہ سے اس عذاب کو منکر کہا گیا کہ وہ عذاب ایسا تھا کہ جس کو کوئی جانتا اور پہچانتا ہی نہ تھا۔ یا نکیر کے معنی الٹ دینے اور بدل دینے کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکی حیات کو موت سے اور انکی آبادی کو بربادی سے بدل دیا اور جس حالت پر تھے اس کو بری حالت سے متغیر اور تبدیل کر دیا۔ پس آیت میں نکیر سے بایں معنی انکار مراد ہے اور یہ معنی نہیں کہ زبان سے انکار کر دیا الغرض کفار خدا تعالیٰ کی چند روزہ مہلت سے غرہ میں پڑ گئے بالآخر گرفتار ہو کر سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اسکو پکڑتا ہے تو وہ چھوٹ نہیں سکتا اور پھر آپ نے یہ آیت وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔ تلاوت فرمائی۔

سو جان لو کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور وہ بستیاں بڑی ظالم تھیں، خدا کے رسولوں کی تکذیب پر تلی ہوئی تھیں پس وہ بستیاں اب اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں کوئی ان میں رہنے والا اور بسنے والا نہیں انبیاء کی تکذیب کرنے والوں کا نام و نشان نہیں رہا اور کتنے ہی کنوئیں ہیں جو بیکار پڑے ہیں یعنی جن کنوؤں پر بھیڑ رہتی تھی اب وہاں کوئی پانی بھرنے والا اور ڈول ڈالنے والا نظر نہیں آتا۔ اور کتنے ہی اونچے اونچے اور قلعی چونہ سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں جو کھنڈر بنے پڑے ہیں جن میں کوئی آدم اور آدم زاد، دکھائی نہیں دیتا پس کیا اہل مکہ نے ملک کی سیر نہیں کی اور یہ مواضع عبرت ان کی نظروں سے نہیں گزرے تاکہ ہوتے ان کے لیے ایسے دل جن سے وہ ان مکذبین کے انجام کو سمجھ لیتے یا ایسے کان ہوتے جن سے وہ گزشتہ مکذبین کے انجام کو سنتے اور ہوش میں آجاتے، پس حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں ولیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں یعنی جب یہ مکذبین گزشتہ مکذبین کی بستیوں کو دیکھتے ہیں اور عبرت نہیں پکڑتے تو معلوم ہوا کہ یہ دل کے اندھے ہیں۔ بصارت رکھتے ہیں مگر بصیرت نہیں رکھتے اور اصل اندھا وہی ہے جو دل کا اور عقل کا اندھا ہو اور یہ دل کے نابینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور عداوت میں ایسے اندھے ہو چکے ہیں کہ آپ سے جلد عذاب طلب کرتے ہیں اور اب یہ تقاضا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا جس عذاب کے نازل کرنے کا اللہ نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ جلد لے آؤ اور ان کو جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو نہیں ٹالے گا عذاب اپنے وقت پر آ کر رہے گا۔ ان کا جلدی مچانا فضول ہے اور دنیا کے دن تو چھوٹے ہیں اور تحقیق ایک دن تیرے پروردگار کے نزدیک ان ہزار برس کے برابر ہے جو تم شمار کرتے ہو۔ وہ حلیم و کریم اگر تم کو اپنے حلم سے ایک ہزار سال کی بھی مہلت دیدے تو اس کی قدرت کے اعتبار سے ایک دن کی مہلت اور ایک ہزار سال کی مہلت برابر ہے۔ عذاب کی تاخیر سے اسکی قدرت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لوگوں کے نزدیک جو مدت طویل ہے وہ خدا کے نزدیک قصیر ہے۔ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا وہ اس کو دور دیکھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھتے ہیں اس کی قدرت کے اعتبار سے ایک دن اور ہزار برس برابر ہے اور اسکی قدرت کے اعتبار سے وقوع عذاب میں استعجال اور تاخیر یکساں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا کہ انکو مہلت دی پس اگر وہ قادر مطلق کسی کو اپنے

حلم سے ایک ہزار سال کی بھی مہلت دے تو اس کے نزدیک بمنزلہ ایک روز کے ہے وہ اپنے حلم سے جتنی چاہے طویل سے طویل مہلت دے دے مگر کوئی چیز اسکے قبضۂ قدرت سے نکل نہیں سکتی وہ جب چاہے پکڑ سکتا ہے۔ بادشاہ لوگ مجرم کے پکڑنے میں اس لیے جلدی کرتے ہیں کہ مجرم کہیں نکل کر بھاگ نہ جائے مگر اللہ کے قبضۂ قدرت سے نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا اس لیے خدا تعالیٰ کو کوئی جلدی نہیں کہ وہ اپنے مجرم کو فوراً پکڑ لے۔ پس سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کا مہلت دینا عجز کی بناء پر نہیں بلکہ حکمت ومصلحت کی بناء پر ہے اسکی ذات والا صفات زمان اور مکان سے پاک اور منزہ ہے اسکے نزدیک زمانہ کا وجود اور عدم اور مدت کی قلت اور کثرت سب برابر ہے پھر یہ نادان کس لیے عذاب میں جلدی کرتے ہیں پس اگر خدا تعالیٰ اپنی کسی حکمت اور مصلحت سے ایک ہزار سال بھی عذاب کو مؤخر کر دے تو تمہارے حساب سے تو ایک ہی دن کی تاخیر ہوئی اور ایک دن کی تاخیر کوئی تاخیر نہیں۔

یہ تمام تشریح تفسیر کبیر ص ۱۹۱ ج ۶ اور حاشیۂ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۸۸ ج ۳ سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ آیت میں عذاب سے عذاب آخرت مراد ہے اور دن سے روز قیامت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہاں کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا مگر یہ تفسیر سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہے۔ ظاہر نظم قرآنی کا اقتضاء یہ ہے کہ اس جگہ عذاب سے عذاب دنیوی مراد ہے (دیکھو تفسیر ابو السعود وتفسیر روح المعانی)

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل مکہ اور نضر بن حارث وغیرہ آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ اللہ نے اپنے نبی سے جو وعدہ کیا ہے وہ قطعی ہے ہرگز اس میں خلاف نہ ہوگا اور اس کی تاخیر سے خدا کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آتا، اس کے نزدیک قصیر مدت اور طویل مدت سب برابر ہیں اور اس کی طرف سے جو مہلت مل رہی ہے وہ اسکا حلم اور اسکا فضل وکرم ہے۔ ہماری ڈھیل سے یہ نہ سمجھیں کہ ہم پکڑنے پر قادر نہیں اور ان سے پہلے ہم نے بہت سی بستیوں کو ڈھیل دی اور وہ بھی انکی طرح نافرمان تھی مگر ہم نے اس کو مہلت دی اور فوراً نہیں پکڑا حالانکہ وہ بھی عذاب میں جلدی کرتے تھے پھر بالآخر جب انکے جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو میں نے انکو پکڑا اور وہ ہماری ڈھیل دینے سے کہیں نکل کر بھاگ نہیں سکے اور آخرت میں سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور وہاں اپنی جزا کو پہنچیں گے اے نبی آپ ان مکذبین اور مستعجلین سے کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم کو اللہ کی نافرمانی کے نتیجۂ بد سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور اختیار سب اللہ کو ہے۔ اللہ کی اس مہلت سے یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہارے پکڑنے سے عاجز ہے بلکہ اس مہلت کو غنیمت جانو کہ اس نے اپنی رحمت سے تم کو حق کی طرف رجوع کرنے کا موقع دیا پس جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ان کے لیے آخرت میں گناہوں کی مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے مٹانے میں کوشش کی اور اس گمان میں رہے کہ ہم اللہ پاک کو عاجز کر دیں گے اور اسکے عذاب سے نکل کر کہیں بھاگ جائیں گے اور اس کی گرفت سے چھوٹ جائیں گے۔ زجاج کہتے ہیں کہ معاجزین سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جنکا عقیدہ یہ ہے کہ بعث اور حشر ونشر کوئی چیز نہیں اور مرنے کے بعد اللہ کو ہم پر کوئی قدرت نہیں (تفسیر قرطبی ص ۷۹ ج ۱۲) کما قال تعالیٰ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ۔

یا یہ معنی ہیں کہ جن لوگوں نے یہ کوشش کی کہ خدا کی آیتوں کو مٹا دیں اور مقابلہ کر کے اہل حق کو عاجز کر دیں کہ وہ حق پر نہ چل سکیں مطلب یہ ہے کہ معاجزین سے مخالفین اسلام مراد ہیں جو لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں (تفسیر قرطبی ص۸ ج ۱۲) انکا گمان یہ ہے کہ انکی کوشش سے اسلام مٹ جائیگا تو ایسے لوگ اہل دوزخ ہیں نہ ان کے لیے مغفرت ہے اور نہ رزق کریم ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی

وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى

سو جب لگا خیال باندھنے ، شیطان

الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ

نے ملا دیا اس کے خیال میں - پھر اللہ مٹاتا ہے

مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ

شیطان کا ملایا پھر پکی کرتا ہے اپنی باتیں - اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۲ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ

سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا - اس واسطے کہ اس شیطان کے ملائے سے

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ

جانچے ان کو جن کے دل میں روگ ہے اور جن کے دل

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝۵۳

سخت ہیں - اور گناہ گار تو ہیں مخالفت میں دور پڑے -

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

اور اس واسطے کہ معلوم کریں جنکو سمجھ ملی ہے کہ یہ تحقیق ہے تیرے

رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ

رب کی طرف سے پھر اس پر یقین لاویں اور دبیں اسکے آگے ان کے دل اور اللہ

اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

سوجھانے والا ہے، یقین لانے والوں کو راہ سیدھی۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى

اور منکروں کو ہمیشہ رہے گا اس میں دھوکا جب تک

تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ

آ پہنچے ان پر قیامت بے خبر یا آ پہنچے انکو آفت ایک دن

عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ

کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی۔ راج اس دن اللہ کا ہے ان میں چکوتی (فیصلہ) کریگا سو جو یقین

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَ

لائے اور کیں بھلائیاں نعمت کے باغوں میں ہیں۔ اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ

جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں سو ان کو ہے

مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع

ذلت کی مار۔

ذکر فتنۂ شیطان برائے امتحان مخلصان و منافقان

قال اللہ تعالیٰ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ ... الیٰ ... فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

(ربط) گزشتہ آیت وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ میں اس بات کا بیان تھا کہ مجادلین اور معاندین

ہمیشہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں اور دین حق کی تخریب کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں ابطال آیات کی سعی اور اس میں جدوجہد ان مجادلین اور معاندین کی قدیمی عادت ہے اور اس سلسلہ میں شیطان طرح طرح کے فتنے برپا کرتا رہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہے ڈالتا رہتا ہے جو کافروں اور ضعیف الایمان لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔ اسے نبی آپ اس قسم کے فتنے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ ہر نبی اور رسول کے زمانہ میں اسی قسم کا فتنہ پیش آیا ہے، جب کبھی کسی نبی اور رسول نے اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر لوگوں کو سنایا تو شیطان نے آیات الٰہیہ میں طرح طرح کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال دیئے جس سے لوگ شبہات کے دلدل میں پھنس گئے بعد میں اللہ تعالیٰ آیات محکمات کو نازل کرتا ہے جس سے تمام شیطانی شکوک اور شبہات کی جڑ کٹ جاتی ہے اور حکم خداوندی ایسا صاف اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی یہ سب شیطان کا فتنہ ہے جس سے اللہ کا مقصود مخلصین اور منافقین کا امتحان اور آزمائش ہے لہٰذا اسے نبی آپ اس قسم کے فتنہ کو دیکھ کر رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

شانِ نزول مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں ایک قصہ ذکر کیا ہے جو اشکال کا سبب بنا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی تفسیر سے پہلے اس قصہ کو ذکر کر دیا جائے وہ قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سورۂ نجم ایک مجلس میں پڑھی جس میں مشرکین مکہ بھی حاضر تھے جب آپ اس آیت ـــــ یعنی اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی۔ پر پہنچے تو شیطان نے اس کے ساتھ آپ کی طرف سے یہ الفاظ پڑھ دیئے۔

تلک الغرانیق العلیٰ ۔ و ان	یہ شہباز (بت) بڑے بلند پرواز اور معظم و محترم
شفاعتھن لترتجی ۔	ہیں اور ان کی سفارش قبول ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

شیطان نے یہ عبارت آپ کے لہجہ میں آپ کے کلام کے ساتھ اس طرح ملا کر پڑھی جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ الفاظ آپ ہی کی زبان سے نکلے ہیں، کافر ان الفاظ کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے موافق ہو گئے کہ بتوں کی تعریف میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اس قدر خوش ہوئے کہ جب مسلمانوں نے اس سورت کے ختم پر سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور کافروں میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ سوائے ولید بن مغیرہ کے اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی سنگریزوں کی بھر لی اور اس پر سجدہ کیا۔ مکہ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو قریش بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب محمدؐ نے اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے کہ میری اثناء تلاوت میں وہ چیز بھی پڑھ دی گئی جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور خوف زدہ اور پریشان ہو گئے، اس پر آپ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ قصہ عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے جس کو امام قرطبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ اور جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔

اس قصہ کے بارہ میں علماء کے دو گروہ

چونکہ یہ قصہ بظاہر منصب نبوت اور شانِ عصمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو یہ قدرت حاصل ہو جائے کہ نبی کی اثنائے تلاوت میں اپنی طرف سے کوئی آمیزش کر سکے اس لیے اس قصہ کی روایت کے بارہ میں علماء کے دو گروہ ہو گئے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل باطل اور بے اصل اور موضوع ہے اور علماء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے جس کو روایت کی تفصیل دیکھنا منظور ہو وہ تفسیر درمنثور کو دیکھے۔

بہرحال اس قصہ کی روایت کے بارہ میں علماء کے دو گروہ ہو گئے اور ہر گروہ نے اپنے اپنے مسلک کی بناء پر آیت کی اس طرح تفسیر کی کہ جو منصب نبوت اور عصمت کے خلاف نہ ہو کیونکہ عصمت انبیاء کا مسئلہ دین کے اصول مسلّمہ میں سے ہے جس پر تمام امت کے علماء کا اجماع ہے۔ علماء کا جو گروہ کسی درجہ میں فی الجملہ اس قصہ کے ثبوت کا قائل ہے عصمت انبیاء کے اجماعی مسئلہ سے وہ بھی غافل نہیں یہ گروہ کثرت طرق اور تعدد اسانید سے مجبور ہو کر اس قصہ کو فی الجملہ ثابت ماننے کے بعد آیت کی ایسی تفسیر کرتا ہے کہ جو عصمت نبوت کے منافی نہ رہے جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ واضح ہو جائے گا۔

گروہ اوّل امام بیہقی اور امام ابن خزیمہ اور قاضی عیاض اور امام رازی اور امام بزار اور امام ابو منصور ماتریدی وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ اور دیگر حضرات محققین یہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل باطل ہے اور ملاحدہ اور زنادقہ (بے دین لوگوں) کا بنایا ہوا اور گھڑا ہوا ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہٗ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور براہینِ عقلیہ سے ثابت ہے۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر بالفرض پیغمبر ہماری نسبت کوئی غلط بات کہے تو یقیناً ہم انکو پکڑتے اور ہلاک کر ڈالتے۔

معلوم ہوا کہ نبی کی زبان سے خدا کی نسبت غلط بات کا نکلنا محال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تقول (افتراء) کو بصیغۂ لَوْ تعبیر فرمایا ہے جو محالات اور ناممکنات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ۔

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس قرآن میں اپنی طرف سے ذرہ برابر تغیر و تبدل کر سکوں میں تو صرف اللہ کی وحی کا تابع ہوں۔

یعنی میں خدا کے کلام میں ایک شوشہ کا بھی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔

(۳) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى ؕ إِنْ

خدا کی قسم آپ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات

هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی۔ نہیں کہتے آپ جو کہتے ہیں وہ محض خالص اللہ کی وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کو بھیجی جاتی ہے۔

یعنی آپکی زبانِ مبارک سے جو نکلتا ہے وہ سرتاپا وحی ہوتا ہے اور نفسانی اور شیطانی آمیزش سے بالکلیہ پاک ہوتا ہے یہ سورۂ نجم کی آیت ہے جس کے شروع میں اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ قسم ہے ستارہ کی کہ تمہارا پیغمبر کبھی گمراہ اور بے راہ نہیں ہوا کوئی بات اسکی زبان سے ہوائے نفسانی سے نہیں نکلتی وہ جو بولتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

پس جب اسی سورت میں خدا تعالٰے نے قسم کھا کر آپؐ کی نزاہت اور عصمت کو بیان فرمایا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس سورت کے اثناءِ تلاوت میں شیطان لعین آپؐ پر کچھ القاء کرے اور بتوں کی مدح کے الفاظ اس میں ملادے اور آپؐ کی زبان مبارک سے نکلوادے۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ

ایک صحیح حدیث میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرا طریقہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو نکلتا وہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ بشر ہیں کبھی حالت رضا میں ہوتے ہیں اور کبھی حالت غضب میں ہوتے ہیں۔ سو تم آپؐ کی ہر بات نہ لکھا کرو معلوم نہیں کہ غصہ کی حالت میں زبان سے کیا نکل جائے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا اے عبداللہ جو کچھ مجھ سے سنا کرو لکھ لیا کرو قسم ہے اس ذاتِ مبارک کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا اور اپنی زبانِ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس جب آپکی زبانِ مبارک سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکل سکتا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپکی زبانِ مبارک سے بتوں کی تعریف میں کوئی لفظ نکل سکے۔

(۴) نیز اسی سورت میں شرک اور مشرکین کی مذمت مذکور ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی سورت کی اثناءِ تلاوت میں بتوں کی مدح کے متعلق آپؐ کی زبان مبارک سے الفاظ نکلیں۔

(۵) نیز نبی تو توحید کی دعوت اور کفر و شرک سے زجر اور ممانعت کے لیے مبعوث ہوتا ہے اس کی زبان سے بتوں کی مدح میں کسی لفظ کا نکلنا قطعًا محال اور ناممکن ہے۔ امام رازیؒ[1] فرماتے ہیں کہ نبی کی زبان سے ایسے الفاظ کا نکلنا جن میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو بلاشبہ محال اور ناممکن ہے۔ ایسا کلمہ تو نبی کی زبان سے نہ قصدًا نکل سکتا ہے۔ اور نہ سہوًا اور نسیانًا نکل سکتا ہے اور نہ جبرًا و قہرًا نکل سکتا ہے کہ نفس اور شیطان آپکو اس کلمہ کے تلفظ پر مجبور کردے جس میں بتوں کی تعظیم اور مدح ہو۔ (۱) قصدًا اور عمدًا تو ایسا کلمہ نبی کی زبان سے اس لیے نہیں نکل سکتا کہ قصدًا بتوں کی تعظیم اور اس کی مدح کفر اور شرک ہے اور نبی کی زبان سے قصدًا تو کیا سہوًا بھی کفر و شرک کا کلمہ نکلنا قطعًا محال ہے اور جو شخص نبی کی زبان پر بتوں کی تعظیم اور

---

[1] دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۵ ج ۶۔

[2] اس تمام تفصیل کی اصل بنیاد تو امام رازیؒ کا کلام ہے لیکن تفصیل میں دلائل کا کچھ اضافہ ہو گیا ہے وہ تفسیر روح المعانی وغیرہ سے ماخوذ ہے منہ عفا اللہ عنہ

مدح کو جائز قرار دے وہ بلاشبہ کافر ہے۔ نبی کی تمام تر سعی اور جد و جہد شرک اور بت پرستی کے مٹانے کے لیے ہے نہ کہ انکی مدح اور تعظیم کے لیے۔ (۲) اور سہواً اس وجہ سے محال ہے کہ تلاوت وحی اور امور تبلیغیہ میں نبی سے سہو اور نسیان اور غلطت کا صدور ناممکن اور محال ہے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى	ہم آپکو یہ قرآن پڑھائیں گے پس آپ اس میں
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ	سے کوئی حرف نہیں بھولیں گے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ
❖ ❖ ❖	ہی کسی حکمت اور مصلحت سے اس لفظ کو باقی نہ
❖ ❖ ❖	رکھنا چاہے۔

حدیث میں ہے کہ جب جبریل امین وحی لیکر آتے تو حضور پُر نور بھی جبریل کے ساتھ ساتھ پڑھتے کہ کہیں کوئی حرف بھول نہ جاؤں اس پر یہ آیت نازل ہوئی لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ یعنی جب جبریل وحی قرآنی آپ کے سامنے پڑھا کریں تو آپ ان کے ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔ قرآن کا آپ کے سینہ میں بتمام و کمال جمع کر دینا اور اس کا محفوظ کر دینا ہمارے ذمہ ہے آپ بے فکر رہیئے قرآن کا کوئی لفظ آپ بھول نہیں سکتے۔

غرض یہ کہ تلاوت وحی اور دعوت و تبلیغ میں نبی کو سہو و نسیان کا پیش آجانا بالاجماع ناممکن اور محال ہے البتہ نبی کو اپنے ذاتی افعال میں جیسے نماز وغیرہ میں سہو و نسیان کا لاحق ہونا ممکن ہے جیسا کہ نماز ظہر یا عصر میں آپ نے بھولے سے دو رکعت یا تین پر سلام پھیر دیا اور بعد یاد آنے کے سجدۂ سہو کیا تو یہ سہو و نسیان بھی حکمت و مصلحت پر مبنی تھا جس سے سجدۂ سہو کی تشریح مقصود تھی کہ اگر نماز میں سہو پیش آجائے تو امت کو کیا کرنا چاہیئے اور لیلۃ التعریس میں جو حضور پر نور کی نماز فوت ہوئی تو اس سے قضاء فائتہ کی تشریح مقصود تھی کہ اگر بھولے سے نماز قضا ہو جائے تو کس طرح اس کی قضا کی جائے یہ سہو و نسیان جو آپ کو پیش آیا اسکا وحی رسالت اور تبلیغ شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۳) اور یہ بھی ممکن نہیں کہ شیطان جبراً و قہراً کسی بہانہ یا دھوکہ سے آپ کی زبان مبارک سے اس قسم کے الفاظ نکلوا دے اس لیے کہ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ اے شیطان میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ اور زور نہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ اور شیطان کا خود اقرار ہے اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ اے پروردگار میرا اغواء تیرے عباد مخلصین پر نہیں چل سکے گا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو سید المخلصین تھے۔ آپ پر شیطان کے کسی زور اور تسلط کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ جبراً بلا اختیار آپکی زبان مبارک پر ایسے کفر و شرک کے الفاظ جاری کر سکے اگر خدا نخواستہ شیطان کو یہ قدرت ہوتی تو کوئی کلمہ حق آپ کی زبان سے جاری نہ ہونے دیتا پھر یہ کہ جب شیطان کو آپ پر یہ قدرت حاصل ہوگئی تو خدا کے خاص اور مخلص بندے کون ہیں جن پر شیطان کو قدرت اور غلبہ نہیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ اگر نبی اور رسول پر بھی شیطان کا زور چل سکے تو پھر نبی اور غیر نبی میں فرق ہی کیا رہا۔ نیز نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اس وقت کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں کوئی پر مار سکے یا اس کے

قریب سے گزر سکے جیسا کہ سورۂ جن میں ہے اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ ۔ یعنی جب وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اور وحی الٰہی کی حفاظت کے زبردست انتظامات ہوتے ہیں کہ کوئی شیطان قریب یا بعید سے وحی ربانی میں کوئی القاء نہ کر سکے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول اللہ کے پیغام کو بلا کم و کاست بندوں تک پہنچا دے پس اگر نبی القاء شیطانی سے محفوظ نہ رہے تو پھر فرشتوں کی رصد اور ان کے پہروں کا کیا فائدہ (دیکھو روح المعانی صفحہ ۱۶۴ ج ۱۷ و صفحہ ۱۶۵ ج ۱۷)

نیز قرآن کریم میں ہے۔ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۔ یعنی اس کتاب عزیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ دار ہے کسی باطل کی مجال نہیں کہ وہ آگے یا پیچھے سے وہاں آسکے بہرحال یہ امر قطعاً محال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے القاء سے کسی چیز کا تلفظ کر دیں اور آپ کو القاء شیطانی اور وحی جبریلی میں اور قرآن اور غیر قرآن میں تمیز نہ ہو اور معاذ اللہ آپ کی زبان سے قرآن میں کوئی حرف اور کوئی لفظ زیادہ ہو جائے جو اللہ نے آپ پر نازل نہیں کیا اور شیطان وحی خداوندی میں کوئی آمیزش کر دے اور آپ کو اس پر تنبیہ نہ ہو اور آپ یہ نہ سمجھ سکیں کہ وحی ربانی تو یہ ہے اور یہ مزید القاء شیطانی ہے۔ غرض یہ کہ یہ امر ناممکن ہے کہ نبی کو وحی اور غیر وحی میں کوئی اشتباہ لاحق ہو جائے۔ اشتباہ کا واقع ہونا علامت ہے قلت بصیرت کی اور اللہ کا نبی اس سے پاک اور منزہ ہے۔

(۶) نیز اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو علاوہ اس کے کہ یہ واقعہ آیات مذکورہ کے خلاف ہے ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ قرآن کریم اور وحی الٰہی سے وثوق اور اعتماد اٹھ جائیگا اور امان اور اطمینان زائل ہو جائے گا اس لیے کہ اس واقعہ کی طرح دوسری جگہ بھی القاء شیطانی سے وحی الٰہی اور پیغام خداوندی میں کمی اور زیادتی کا جواز اور امکان نکل آئیگا کہ ممکن ہے کہ دوسرے مواقع پر بھی القاء شیطانی سے احکام الٰہیہ اور پیغامات خداوندی میں اسی قسم کی کمی اور زیادتی اور تغیر اور تبدل پیش آیا ہو اور لازم آئے گا کہ حسب حکم خداوندی يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ احکام خداوندی کی پوری پوری اور صحیح صحیح تبلیغ نہ ہوئی ہو ایسی صورت میں وحی الٰہی پر یقین نہیں رہ سکتا کہ بالیقین یہ پوری اور صحیح وحی ہے اور بعینہ وہی وحی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ القاء شیطانی کی وجہ سے اس میں غیر وحی کی آمیزش ہو گئی ہو غرض یہ کہ ایسی صورت میں وحی الٰہی پر اعتماد اور یقین نہیں رہتا بلکہ وحی الٰہی مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۱۹۳ ج ۶ و روح المعانی صفحہ ۱۶۱ ج ۱۷)

(۷) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ نظم قرآنی باہم متضاد اور متناقض اور مختلف ہو جائے گی اس لیے کہ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى الخ۔ سے تو بتوں کی مذمت مقصود ہے اور تلک الغرانیق العلی۔ سے بتوں کی مدح مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ ایسا صریح اختلاف اور واضح تناقض و تضاد حاضرین مجلس پر اور خاص کر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی رہا یہ ناممکن ہے کہ صاحب نبوت پر یہ اختلاف اور تضاد مخفی رہے۔

(۸) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ تلک الغرانیق العلی ایک معمولی عبارت ہے اور نظم قرآنی حد اعجاز کو پہنچی

ہوئی ہے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے کیا حاضرین مجلس پر ان دو مختلف النوع کلاموں کا تفاوت مخفی رہا اور وہ اس فرق پر متنبہ نہ ہوئے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ حضور پر نعوذ باللہ وحی الٰہی مشتبہ ہو گئی اور آپ کو وحی رحمانی اور وحی شیطانی میں فرق نہ معلوم ہوا اور قرآن اور غیر قرآن اور منزل من اللہ اور غیر منزل من اللہ میں آپ کو فرق نہ معلوم ہوا اور فرشتہ اور شیطان آپ پر کیسے ملتبس اور مشتبہ ہو گئے اور ملک معصوم اور شیطان خبیث میں آپ نے فرق نہ کیا اور توحید اور شرک اور فرشتہ اور شیطان کا فرق آپ پر ملتبس ہو گیا (روح المعانی ص ۱۷۵ ج ۱۷)

(۹) نیز اس آیت کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ یہ آیت حضور پر نور کی تسلی کے لیے نازل ہوئی نہ کہ عتاب اور تنبیہ کے لیے مقصود آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ آپ ان معاجزین اور معاندین کی سعی فی ابطال الآیات سے رنجیدہ نہ ہوں پس اگر واقعہ مذکورہ صحیح ہوتا تو آپ پر عتاب نازل ہوتا۔ (روح المعانی ص ۱۷۹ ج ۱۷)

(۱۰) نیز حدیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من رانی فی المنام فقد رانی حقا فان الشیطن لا یتمثل بی۔ یعنی جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھ کو خواب میں دیکھا اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میری صورت بنا سکے اور کسی کے سامنے میری شکل میں ظاہر ہو سکے پس جب شیطان عام مؤمنین کے لیے بشکل نبی متمثل اور متشکل نہیں ہو سکتا تاکہ اہل ایمان مجھے خواب میں دیکھ کر کسی اشتباہ میں نہ پڑیں تو شیطان کا خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے بشکل جبریل متمثل اور متشکل ہونا بدرجۂ اولیٰ محال اور ناممکن ہو گا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۱۷۸ ج ۱۷ (فتلک عشرۃ کاملۃ) پس یہ دس دلیلیں جو زیادہ تر امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہیں اور کچھ حصہ شروح بیضاوی سے بھی ماخوذ ہے۔ ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کر دیا ہے۔ حضرات اہل علم تفاسیر مذکورہ بالا کی مراجعت فرمائیں۔ دلائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی دلائل ملیں گے جن کو ہم نے اختصار کی بناء پر چھوڑ دیا۔

بہر حال اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے اور صحیح روایتوں میں صرف اس قدر مذکور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی اور مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا سب نے سجدہ کیا مگر قریش میں کے ایک شیخ نے مٹھی بھر کر کنکریاں لیں اور ان کو اپنی پیشانی پر اٹھایا اور ان پر سجدہ کیا صرف اتنی روایت صحیح ہے اور باقی موضوع اور باطل ہے، تمام روایات صحیحہ میں واقعہ غرانیق العلیٰ کا کہیں ذکر نہیں۔

آمدیم برسر مطلب

اب ہم آیت ہذا کی صحیح تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن تفسیر آیت سے پہلے یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں دو لفظ مذکور ہیں ایک تمنی دوسرا القا۔ آیت کی تفسیر سے پہلے ان دونوں لفظوں کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

لفظ تمنّٰی سو جاننا چاہیے کہ لفظ تمنی دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ایک بمعنی قرارت وتلاوت جس کے معنی پڑھنے کے ہیں اور دوسرے معنی دلی آرزو اور تمنا کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ کلام عرب میں دونوں معنی میں مستعمل ہوا ہے سورۂ نجم میں ہے۔ اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰى یہاں سے تمنی سے دلی خواہش اور آرزو کے معنی مراد ہیں اور سورۂ بقرہ میں وَمِنۡهُمۡ

اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ ۔ یہاں اُمنیہ سے صرف زبان سے الفاظ توریت پڑھنے کے معنی مراد ہیں۔

لفظ القاء لفظ القاء کے اصل معنی ڈالنے کے ہیں اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ آیت میں القاء سے لفظ کے اعتبار سے القاء مراد ہے یعنی شیطان ایسے الفاظ القاء کرتا ہے جن کو سن کر لوگ فتنہ میں پڑ جائیں یا معنی کے اعتبار سے القاء مراد ہے یعنی شیطان کفار کے دلوں میں کوئی ایسی چیز القاء کرے جو ان کے فتنہ کا سبب بن جائے تو آیت میں تمنی اور القاء کے دونوں معنوں میں جونسے معنی بھی مراد لیے جائیں تو آیت کا مطلب صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔

اب ہم اس بارہ میں حضرات مفسرین کے اقوال ذکر کرتے ہیں اور اول ان حضرات مفسرین کے گروہ کے اقوال نقل کرتے ہیں جو قصۂ غرانیق کو باطل اور بے اثر قرار دیتے ہیں۔

تفسیر اول

اکثر مفسرین کے نزدیک تمنی کے معنی قرارت کے ہیں اور القاء سے القاء معنوی مراد ہے یعنی جب کبھی کسی نبی نے اللہ کی وحی کی قرارت کی تو شیطان نے اسکی قرارت اور تلفظ میں کافروں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈال دیئے پس اگر اس آیت میں تمنی سے تلاوت اور قرارت کے معنی مراد لیے جائیں اور اُمنیہ کو بمعنی متلو اور مقرو لیا جائے یعنی وہ الفاظ مراد لیے جائیں جن کو نبی نے پڑھا ہے اور القاء سے باعتبار معنی کے القاء مراد لیا جائے یعنی شیطان نے انبیاء کی قرارت کے بعد لوگوں کے دلوں میں کچھ شبہ اور وسوسہ ڈال دیا جس سے وہ وحی متلو اور مقرو لوگوں پر مشتبہ ہوگئی تو اس صورت میں آیت کی صحیح تفسیر اس طرح ہوگی اور اے نبی آپ ان کفار معاجزین یعنی معاندین کے مجادلہ سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں اور یہ لوگ جو ابطال آیات کی سعی اور جدوجہد میں لگے ہوتے ہیں اسکی فکر میں نہ پڑیئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہو کہ جب کبھی اس نے لوگوں کو کوئی حکم خداوندی پڑھ کر سنایا یا اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنایا تو اس وقت شیطان نے اس کی تلاوت کردہ چیز کے بارہ میں لوگوں کے دل میں بذریعہ وسوسہ کچھ شکوک اور شبہات ڈال دیئے جس سے لوگ نبی کی تلاوت کردہ یعنی اسکی پڑھی ہوئی اور سنائی ہوئی چیز کے بارہ میں شک اور شبہ میں پڑ گئے مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کبھی اللہ کے کسی رسول اور نبی نے کوئی آیت تلاوت کی یا اللہ کا کوئی حکم پڑھ کر سنایا یا کوئی بات بیان کی تو شیطان نے اللہ کے حکم اور اللہ کی بات اور نبی کی بیان کردہ چیز کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بذریعہ وسوسہ شکوک اور شبہات ڈال دیئے بعد ازاں کفار شیاطین کے انہی القاء کردہ شبہات اور اعتراضات کی بناء پر انبیاء و رسل سے مجادلہ کرتے تھے اور اپنے اس مجادلۂ باطلہ سے انبیاء و رسل کی بیان کردہ چیزوں کے ابطال اور محو کی سر توڑ کوشش کرتے تھے مگر نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی سعی اور جدوجہد ناکام ہوتی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وقال اللہ تعالیٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔

پس اسی قسم کے شبہات سے کفار مکہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں لگے ہوتے ہیں جیسا کہ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ

اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ میں اسکا ذکر ہو چکا ہے۔

(۱) مثلاً جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ پڑھ کر سنائی تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالا کہ دیکھو مسلمان اپنی ماری (یعنی ذبیحہ) کو تو حلال بتاتے ہیں اور خدا کی ماری ہوئی چیز (یعنی میتہ اور مردار) کو حرام بتاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول نازل کر کے اسکو منسوخ یعنی زائل اور باطل کر دیا یعنی وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَ اِنَّہٗ لَفِسْقٌ اور فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نازل کر کے ان کے شبہ کو زائل کر دیا اور بتلا دیا کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ حلال ہے اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہے باقی مارنے والا اور جان نکالنے والا ہر حال میں اللہ ہی ہے۔ جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے بندہ کا کام ذبح کرنا یعنی چھری چلانا ہے اسکا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر چھری چلاؤ تو جانور حلال ہے ورنہ حرام ہے۔

(۲) اور مثلاً جب آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی اِنَّکُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ۔ تو شیطان نے اس میں یہ شبہ القاء کیا کہ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ میں تو حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیرؑ اور ملائکہ کرام بھی داخل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انکے اس شیطانی شبہ کے ازالہ کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ۔ مطلب یہ تھا کہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ میں کلمہ مَا سے اُن کے اصنام اور بت مراد ہیں۔ خدا کے برگزیدہ بندے مراد نہیں۔ دیکھو حاشیہ شیخ زادہ بر تفسیر بیضاوی ص ۳۹۰ ج ۳)

پس اس طرح اللہ تعالیٰ اس القاء شیطانی کو مٹا دیتا ہے یعنی شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات اور اعتراضات کو محکم اور قطعی دلائل سے اور کافی وشافی جوابات سے دور کر دیتا ہے اور انکو بالکل نیست و نابود کر دیتا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ قطعی دلیل اور محکم جواب کے بعد شبہ اور اعتراض کی بیخ و بُن بھی باقی نہیں رہتی پس حق جل شانہٗ کے اس قول فَیَنْسَخُ اللّٰہُ میں نسخ سے لغوی معنی مراد ہیں شرعی معنی مراد نہیں۔ نسخ کے لغوی معنی محو اور ازالہ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ القاء شیطانی کی تاثیر کو باطل اور زائل کر دیتا ہے اور شیطانی خلط و ملط کو مٹا دیتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے نسخ کی حقیقت رفع اور ازالہ ہے سو آیت میں نسخ سے لغوی معنی مراد ہیں عرفی اور اصطلاحی معنی مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے جو وحی نازل کرتا ہے اسکی حفاظت اور حراست کرتا ہے اور اگر کوئی دوسری چیز اس میں خلط ملط ہو جائے تو اسکو زائل کر دیتا ہے اور مٹا دیتا ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۶ ج ۶)

پھر شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کے ازالہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی ان آیات بیّنات کے مضامین کو جن کو نبیؐ نے پڑھ کر سنایا تھا پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط بنا دیتا ہے وہ آیتیں اگرچہ پہلے سے محکم اور مضبوط تھیں مگر قطعی اور شافی جواب کے بعد انکا استحکام اور زیادہ روشن ہو جاتا ہے جس سے القاء شیطانی کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اور شیطان کے القاء کردہ شکوک وشبہات یکلخت کافور ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے جواب کے بعد کسی شک اور شبہ کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں رہتی اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے یعنی شیطان نے جو القاء کیا۔ اللہ اس کو خوب جانتا

ہے اور شیطان کو جو اس القاء پر قدرت دی اس میں اللہ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اسکا ہر حکم اور ہر کام حق ہوتا ہے اور حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے، پس اللہ تعالیٰ شیطان کو اس القاء کی اس لیے قدرت دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کی القاء کردہ چیز کو ان لوگوں کے لیے ایک فتنہ اور آزمائش بنائے جنکے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے اور تردد اور تذبذب کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور نیز ان لوگوں کے لیے بھی آزمائش بنائے جن کے دل بالکل ہی سخت ہیں یعنی کھلم کھلا کافر ہیں اور اپنے کفر پر پختگی سے قائم ہیں اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو دار ابتلا اور دار امتحان بنایا ہے۔ شیطان کے ذریعہ لوگوں کا امتحان کرتا ہے اللہ نے شیطان کو پیدا ہی بندوں کے ابتلاء اور آزمائش کے لیے کیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۔ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی شک اور شبہ میں پڑے ہوتے ہیں جیسے منافقین اور مذبذبین جو تاہنوز حیرت میں پڑے ہوتے ہیں اور وَالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۔ سے وہ سخت دل اور سنگ دل لوگ مراد ہیں جو باطل پر جمے ہوتے ہیں اور انکے دل بالکل سیاہ پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔ سو القاء شیطانی کا یہ فتنہ ان دونوں گروہوں کی آزمائش کے لیے ہے تاکہ خبیث اور طیب ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہو جائیں اور حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے۔ اور بلاشبہ یہ دونوں مذکورہ گروہ (۱) منافقین جو دل کے بیمار ہیں اور (۲) کفار مجاہرین جو سنگ دل ہیں۔ واقعی یہ دونوں ظالم گروہ حد درجہ کی مخالفت میں ہیں جو حق سے بہت دور دراز نکل گئے ہیں ظاہر اسباب میں حق کی طرف انکی واپسی بہت بعید ہے اور اسی طرح القاء شیطانی میں ایک حکمت یہ ہے کہ تاکہ وہ لوگ جن کو من جانب اللہ صحیح علم اور صحیح فہم عطا کیا گیا ہے اس بات کو جان لیں اور یقین کر لیں کہ وہی حق ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا اور جو کچھ جتنی مقدار میں انہوں نے آپ کی زبان مبارک سے سنا ہے اور سمجھا ہے صرف اتنا ہی حق ہے اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب غلط ہے پس جو نبی سے سنیں اور سمجھیں اس پر ایمان لائیں اور اسی کو حق جانیں۔ ایمان تو پہلے ہی سے تھا۔ مراد یہ ہے کہ ان کا ایمان اور مضبوط ہو جائے پھر نبی نے جو انکو پڑھ کر سنایا ہے اس کے سامنے انکے دل جھک جائیں اور دل و جان سے اس کے حکم کی تعمیل کریں پس اس القاء شیطانی اور اس کے ازالہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اہل ایمان کا ایمان اور ایقان پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط ہو گیا اور یہی صراط مستقیم ہے جو نہایت باریک ہے اور اس پر قائم رہنا بہت مشکل ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر انہیں بندوں کو چلاتا ہے جو اس کی باتوں کو مانتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے، اس آیت میں اہل ایمان کی صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے سے ان کی استقامت اور حفاظت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کو ہدایت پر محفوظ اور مستقیم رکھتا ہے اور معاندین اور مجادلین اور معاجزین کو اپنی توفیق سے سرفراز نہیں کرتا۔

یہاں تک آیت کی پہلی تفسیر ختم ہوئی اور یہ تمام تفسیر اس صورت میں تھی کہ آیت میں تمنی سے قرأت اور تلاوت یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القاء سے ازروئے معنی القاء مراد لیا جائے یعنی وسوسہ شیطانی مراد لیا جائے۔ اس صورت میں آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ شیطان کی قدیم عادت یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر کوئی چیز لوگوں کو پڑھ کر سناتا تو شیطان لوگوں کے دلوں میں اپنی تاویلات فاسدہ اور شبہات واہیہ کا القاء کرتا جس سے نبی کی تلاوت کردہ چیز لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی اور لوگ شبہ میں پڑ جاتے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ تاویلات باطلہ تسویلات جہلہ کو منسوخ یعنی نیست اور نابود کر دیتا ہے جس سے وہ تمام القاء شیطانی باطل اور زائل ہو جاتا ہے اور حق پہلے سے زیادہ واضح اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں

اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

آیت کی دوسری تفسیر

اور اگر آیت میں تمنّیٰ کے معنی بجائے پڑھنے کے دل سے تمنا اور آرزو کرنے کے لیے جائیں اور القاء سے معنوی القاء مراد لیا جائے تو پھر آیت کی صحیح تفسیر دوسری ہوگی جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہما نے اختیار فرمایا ہے جس کو اب ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں جس کو ہم ذرا وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم آتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی ہرگز کوئی تفاوت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اللہ کی بات ہوتی ہے اور ایک نبی کی طرف سے اسکے دل کا طبعی میلان اور خیال ہوتا ہے۔ اور اسکی دلی آرزو ہوتی ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے اور کبھی نہیں کیونکہ وہ نبی کی طبعی اور ذاتی آرزو ہوتی ہے اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اس لیے اس میں فرق ہو سکتا ہے کہ پوری نہ ہو۔

مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خواب تو صرف اسی قدر تھا جس میں کسی وقت کا ذکر نہ تھا مگر دلی آرزو اور شوق کی بناء پر یہ خیال آیا کہ شاید اسی سال ایسا ہو جائے۔ اسی آرزو اور خیال کی بناء پر عمرہ کی نیت سے مکہ کا سفر اختیار فرمایا مگر اس سال آپ عمرہ نہ کر سکے۔ اور واپس آگئے اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

یا مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ آپ کو کافروں پر غلبہ دے گا آپکو خیال آیا کہ شاید اسی لڑائی میں فتح ہو گی مگر اس لڑائی میں آپ کو غلبہ نہ ہوا بعد میں ہوا۔

غرض یہ کہ اس طرح گاہ بگاہ اصل وعدۂ الٰہی کے ساتھ نبی کے خیال اور آرزو کی آمیزش ہو جاتی ہے اور لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے جس سے لوگ شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ نبی نے جو کہا تھا وہ پورا نہیں ہوا حالانکہ وہ نبی کی آرزو تھی وہ اگر پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ تو جب لوگ نبی کی آرزو پوری نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور شبہ میں پڑ جاتے ہیں تو اللہ اس آمیزش کو دور کر دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ اللہ کا حکم اور اللہ کا وعدہ صرف اس قدر تھا وہ سرتاپا حق ہے اس میں سرمو فرق اور تفاوت نہیں اور اس قدر اس میں نبی کا ذاتی خیال اور دلی آرزو تھی۔ نبی نے کسی چیز کی خبر نہیں دی تھی اور نبی کی آرزو اور اس کے طبعی خیال میں فرق نکل سکتا ہے کہ پورا نہ ہو۔ غرض یہ کہ جب اس قسم کا کوئی شبہ پیش آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اصل حکم الٰہی اور اصل وعدۂ خداوندی صرف اس قدر تھا اور اس کے علاوہ نبی کی دلی تمنا اور آرزو تھی جو اس کے ساتھ مل گئی تھی کوئی خبر اور پیش گوئی نہ تھی، اللہ تعالیٰ وحی نازل کر کے اصل وعدہ اور اصل حکم کو نبی کی طبعی آرزو سے جدا اور الگ کر دیتا ہے تاکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہو جائیں اس سے اللہ کی بات کی مضبوطی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ ہو بہو پوری ہو اور بلا شبہ اللہ کی بات ضرور پوری ہو کر رہتی ہے البتہ نبی کی

تمنا اور دلی آرزو کبھی کبھی پوری نہیں ہوتی اور اس سے پیغمبری میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اللہ نے پیغمبروں کو علم غیب عطا نہیں کیا۔ پیغمبر باقتضائے بشریت اپنے دل سے کچھ خیال باندھ لیتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پورا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کے ہر خیال اور آرزو کا پورا ہونا ضروری نہیں ہاں یہ ناممکن اور محال ہے کہ نبی کسی چیز کی خبر دے اور وہ غلط نکلے۔ خبر اور چیز ہے اور خیال اور آرزو اور چیز ہے آنحضرتؐ کی آرزو تو یہ تھی کہ سب ایمان لے آئیں مگر یہ آرزو پوری نہیں ہوئی وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ آپکی دلی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ ابو طالب ایمان لے آئیں مگر پوری نہیں ہوئی اور یہ آیت نازل ہو گئی۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ۔ رہا یہ امر کہ اس صورت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف کیوں کی گئی۔ سو جاننا چاہیئے کہ اس آیت میں القاء کی نسبت شیطان کی طرف ویسی ہے جیسا کہ وَمَآ اَنْسَانِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ۔ میں انساء (بھلا دینے) کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی اور سہو و نسیان نہ عصمت کے منافی ہے نہ نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء سے بمقتضائے بشریت کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو ادب خداوندی کی بناء پر اس کو شیطان کی طرف نسبت کر دیتے ہیں واللہ سبحانہ وتعالےٰ اعلم۔ یہ تمام کلام حضرت شاہ عبد القادر دہلوی قدس اللہ سرہٗ کے کلام کی توضیح و تشریح ہے۔ جو اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحبؒ کے قلم حقیقت رقم سے موضح القرآن میں نکلا ہے اور شاہ عبد القادرؒ کے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح الرحمان میں لکھتے ہیں۔

مترجم گوید مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بخواب دیدند کہ ہجرت کردہ اند بزمینے کہ نخل بسیار دارد پس وہم بجانب یمامہ و ہجر رفت و در نفس الامر مدینہ بود۔ و مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بخواب دیدند کہ بمکہ درآمدہ اند و حلق و قصر می کنند پس وہم آمد کہ درہماں سال ایں معنی واقع شود و در نفس الامر بعد از سال ہائے چند متحقق شد و درامثال ایں صورت امتحان مخلصان و منافقان درمیان می آید۔ واللہ اعلم (فتح الرحمٰن)

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کی ہے کہ جہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں آپکو خیال آیا کہ عجب نہیں کہ وہ سرزمین ہجَر یا یمامہ ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بستی مدینہ ہے جس قدر وحی آسمانی تھی وہ حق تھی اس میں سرمو تفاوت نہیں ہوا۔ البتہ آپؐ کے خیال اور وہم و گمان میں فرق نکلا اور پورا نہ ہوا اور آپؐ نے ہجر اور یمامہ کی بابت جو خیال فرمایا تھا وہ بھی غلط نہ تھا کیونکہ جو خواب آپؐ کو دکھلایا گیا تھا اس میں کسی بستی کی تعیین نہ تھی۔ صرف اس قدر تھا کہ آپؐ نے ایسی بستی کی طرف ہجرت کی جہاں کھجور کے درخت بکثرت ہیں چونکہ ہجر اور یمامہ میں بھی بکثرت کھجور کے درخت تھے اس لیے آپکا خیال اس طرف گیا کہ شاید وہ بستی ہجر یا یمامہ ہو بعد میں یہ نکلا کہ وہ بستی مدینہ منورہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بات میں کبھی فرق نہیں نکلا اور نہ نکل سکتا ہے۔ البتہ نبی کے طبعی خیال اور دلی آرزو میں بایں معنی فرق نکل سکتا ہے کہ پوری نہ ہو اور اگر نبی کی کوئی آرزو پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ نبی بمقتضائے بشریت کبھی کوئی آرزو کرتا ہے مگر کسی حکمت غیبی سے وہ پوری نہیں ہوتی تو یہ نبوت کے منافی نہیں۔ ابتداء میں اللہ کی طرف سے جو وعدہ ہوا وہ مجمل تھا اور اجمال کی وجہ سے متعدد معانی کا اس میں احتمال تھا اللہ کی طرف سے کوئی تعیین نہ تھی۔ ایسے مجمل اور محتمل وعدہ میں نبی کا

خیال اور اسکی آرزو کسی ایک معنی کی طرف چلی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اس مجمل اور محتمل سے ہماری مراد فلاں معنی ہیں۔ سو یہ نہ کوئی خطا ہے اور نہ کوئی غلطی ہے اور نہ نبوت اور عصمت کے منافی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر تمنّا سے پہلے معنی یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القار سے باعتبار معنی کے القار مراد ہو تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جس کو سب سے پہلے ہم نے جمہور مفسرین سے نقل کیا اور اگر تمنّا سے آرزو اور دلی خواہش کے معنی مراد ہوں تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جو ہم نے شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے نقل کی اور یہ دوسری تفسیر تھی اور یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے وہ یہ ہے۔

تیسری تفسیر

بعض علمار یہ کہتے ہیں کہ آیت میں تمنّی سے اپنی قوم کے ایمان کی حرص اور تمنا مراد ہے یعنی ہر نبی اپنی قوم کے ایمان اور ہدایت کی تمنا کرتا ہے مگر شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہے ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالےٰ ان شبہات کا ازالہ فرما دیتے ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں علمار کا دوسرا گروہ

ابتدار کلام میں ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ قصۂ غرانیق عُلیٰ کے بارہ میں علمار کے دو گروہ ہیں ایک گروہ وہ ہے جو اس قصہ کو بالکل باطل اور موضوع قرار دیتا ہے جمہور علمار کا یہی مسلک ہے اور گذشتہ تین تفسیریں اسی قول پر مبنی تھیں جو گزر گئیں دوسرا گروہ علمار کا وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ قصہ اگرچہ پورا صحیح نہیں مگر بالکلیہ باطل اور بے اصل بھی نہیں بلکہ فی الجملہ ثبوت رکھتا ہے۔ حافظ عسقلانیؒ اور جلال الدین سیوطیؒ کا میلان اسی طرف ہے اس لیے کہ یہ قصہ متعدد اسانید سے منقول ہے اگرچہ ان میں سے بعض روایتیں مرسل ہیں اور بعض منقطع ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی کچھ نہ کچھ اصل ہے اس گروہ کے نزدیک بھی آیت ہذا کی تفسیر میں مختلف اقوال ہو گئے ہیں جن کو امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے پھر اخیر میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی درجہ میں اس قصہ کو ثابت مانا جائے تو بر تقدیر ثبوت آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجلس میں سورۂ نجم پڑھی تو وہاں بشکل انسان شیطان بھی حاضر تھا جب آپ پڑھتے پڑھتے مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی پر پہنچے تو آپ نے حسب عادت سکوت فرمایا اس لیے کہ آپکی عادت یہ تھی کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے شیطان نے آپکے اس وقفہ کو غنیمت اور فرصت جانا اور آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ کی قرارت کے متصل ان الفاظ کو یعنی تلک الغرانیق العلی کو پڑھ دیا۔ نیز قریش کا یہ طریقہ تھا جب آپ قرآن پڑھتے تو بہت شور و غل مچاتے تاکہ آپ کی قرارت کسی کو سنائی نہ دے پس ایسی

---

[1] قال الامام القرطبیؒ واما الماخذ الثانی فھو مبنی علی تسلیم الحدیث لو صح۔ الیٰ قولہ۔ وھذا التاویل احسن ما قیل فی ھذا (قرطبی ص ۸۲ ج ۱۲)

حالت میں شیطان نے آپکی آواز بنا کر یہ الفاظ پڑھ دیئے جو کفار اور مشرکین شیطان کے قریب تھے انہوں نے ان الفاظ کو سُنا اور گمان کیا کہ یہ الفاظ حضورؐ ہی کے ہیں اور حضور پرنورؐ نے اسی طرح پڑھا ہے مشرکین ان الفاظ کو سُن کر خوش ہو گئے کہ آج تو ہمارے بتوں کی تعریف کی گئی اور تمام مکہ میں اس کو مشہور کر دیا اور شیطان کی یہ آواز صرف ان چند کفار نے سنی جو شیطان کے قریب تھے باقی مسلمانوں نے صرف اسی قدر سنا جو آپؐ نے انکو پڑھ کر سنایا اس کے سوا کچھ نہیں سنا۔ مشرکین کی مشہور کردہ خبر کو جب مسلمانوں نے سُنا تو تعجب اور حیرت میں پڑ گئے کہ ہم نے تو یہ الفاظ حضورؐ کی زبان سے نہیں سُنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس شہرت کا علم ہوا کہ مکہ میں آپؐ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آج آپؐ نے اس طرح پڑھا ہے تو آپؐ بہت رنجیدہ اور غمگین ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل کیں کہ اسے نبی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپؐ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کے ساتھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ جب اللہ کے پیغمبر نے خدا کی طرف سے کوئی بات بیان کی تو شیطان نے موقع پا کر وحی الٰہی کے ساتھ اپنی طرف سے کوئی بات ملا دی اور اپنی جانب سے اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیا تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر دے مگر شیطان کا یہ فتنہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے جب کبھی ایسا فتنہ پیش آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس القاء شیطانی کو نیست و نابود کر دیتا ہے یعنی اپنے بندوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ اتنا حصہ القاء شیطانی ہے اور اتنا حصہ وحی ربانی اور القاء آسمانی ہے پس اس طرح وحی ربانی۔ القاء شیطانی سے جدا اور ممتاز ہو جاتی ہے اور دونوں کا فرق لوگوں پر واضح ہو جاتا ہے اور اس وقتی خلط ملط اور عارضی آمیزش سے جو اشتباہ ہوا تھا وہ دور ہو جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر مظہری[1] ص ۳۳۹ ج ۶)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجلس میں سورۂ نجم پڑھی تو شیطان نے موقع پا کر آپکی آواز میں آواز ملا کر اس قسم کا کلام ان مشرکین کے کانوں میں ڈالا جو اسکے قریب تھے جس سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ کلام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا ہے حالانکہ نفس الامر میں ایسا نہ تھا بلکہ وہ شیطان کی کاریگری تھی۔ اور شیطان کی عادت ہے کہ وہ اس قسم کے جھوٹ کے لیے موقع کا متلاشی رہتا ہے اور انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر کفار کی مجالس میں حاضر ہوتا ہے۔ اور انکو مشورے دیتا ہے۔ مثلاً مشرکین دار الندوہ میں حضور پرنورؐ کے قتل کے مشورہ کے لیے جمع ہوئے تو شیطان شیخ نجدی کی صورت میں ظاہر ہوا اور انکو مشورہ دیا۔

اور اسی طرح جب قریش جنگ بدر میں جانے کا ارادہ کر رہے تھے تو اس موقع پر شیطان سراقہ بن مالک کی

---

[1] قال القاضی ثناء اللہ الفانی فتیؒ قال بعضھم ان الرسول لم یقرأہ ولا سمع منه اصحابه ولکن الشیطان القی ذالک بین قراءته فی اسماع المشرکین فظن المشرکون ان الرسول صلی اللہ علیه وسلم قرأہ اوجری علی لسانه...وھو یخل بالوثوق بالقرآن قلنا قد تکفل اللہ الوثوق بقوله فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ای یبطله و یظھر علی الناس انه من القاء الشیطان ثم یحکم اللہ اٰیاته ای یثبته او یحفظھا من لحوق الزیادة من الشیطان (کذا فی التفسیر المظھری ص ۳۳۹ ج ۶)

صورت میں ظاہر ہوا اور انکو غلبہ اور کامیابی کا اطمینان دلایا کما قال اللہ تعالیٰ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ۔ تو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی مجلس میں آپکی قرارت کے وقت شیطان کسی انسان کی صورت میں ظاہر ہوا ہو اور وہاں بیٹھ کر یہ الفاظ پڑھے ہوں۔ دیکھو حاشیۂ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی صفحہ ۳۹۱ ج ۳۔

غرض یہ کہ یہ الفاظ حضور پر نور نے ہرگز ہرگز اپنی زبان مبارک سے نہیں پڑھے بلکہ حضورؐ کو تو اس کا علم بلکہ تصور بھی نہ تھا شیطان نے آپکی آواز میں آواز ملا کر پڑھ دیئے جنکو کفار نے سن کر مشہور کر دیا جو فتنہ کا سبب بن گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس خبر کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلا دیا کہ یہ سب القار شیطانی تھا وحی ربانی نہ تھی اور بتلا دیا کہ جاری یہ قدیم عادت ہے کہ ہم شیطان کو اس قسم کے القار پر اول قدرت دیتے ہیں اور بعد میں اس کا ازالہ کر دیتے ہیں اور ہمارا مقصود اس سے ایک قسم کا امتحان اور آزمائش ہوتا ہے جس سے سچے اور پکے ایمان والوں اور مذبذب اور کچے ایمان والوں کا حال ظاہر کر دیا جاتا ہے لہٰذا اے نبی آپ اس سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں حضرات اہل علم تفسیر قرطبی صفحہ ۸۳ ج ۱۲۔ اور احکام القرآن لابن العربی صفحہ ۲۹۱ ج ۳۔ اور احکام القرآن للجصاص صفحہ ۲۹۷ ج ۳ اور حاشیہ شیخزادہؒ علی تفسیر البیضاوی صفحہ ۳۸۹ ج ۳ ضرور دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں علمار کے دو مسلک ہیں ایک مسلک تو جمہور علمار کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قصۂ مذکورہ بالکل باطل ہے، اول کی تین تفسیریں اسی مسلک پر مبنی ہیں۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں کچھ اصلیت اور ثبوت رکھتا ہے۔ اس دوسرے مسلک کی بنار پر صرف ایک تفسیر ہے جس کو قاضی ابوبکر بن عربیؒ اور قرطبیؒ اور قاضی بیضاویؒ نے اس عنوان سے ذکر کیا کہ اگر بالفرض والتقدیر کثرت طرق اور اسانید پر نظر کر کے اس واقعہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو پھر آیت کی تفسیر اس طرح کی جائے جو ہم ان حضرات سے نقل کر چکے ہیں اس تفسیر سے اگرچہ پورے اشکالات دور نہ ہوں گے مگر انشار اللہ تعالیٰ اکثر اشکالات تو ضرور دور ہو جائیں گے اور امام قرطبیؒ اور قاضی ابوبکرؒ بن عربی نے یہی فرمایا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر اس قصہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو آیت کی اس طرح تفسیر کی جائے تاکہ کوئی اشکال لازم نہ آئے۔

سلہ قال البیضاوی وهو ای ماروی عن قصة الغرانیق مردود عند المحققین و ان صح فابتلاء یتمیز به الثابت علی الایمان من المتزلزل فیه و قال ابن الشیخ والظاهر ان مبنی الصحة ان یتکلم به الشیطان عند سکوته علیه السلام بعد قوله وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ فانه اقرب الاحتمالات المذکورة الی الصحة فیکون المعنی ما من رسول ولا نبی قبلک الا مکنا الشیطان ان یلقی فی قراءتهم مثل ما القی فی قراءتک عند ما تمنیت فلا تهتم لذالک فانا نجعل ذالک لاضلال قوم و هدایة آخرین بین الثابت علی الایمان والمتزلزل فیه انتهی کلام شیخزاده حاشیة البیضاوی۔

دوسری اور تیسری تفسیر

جن لوگوں نے اس قصہ کو بوجہ مجبوری کسی درجہ میں ثابت مانا تو بعض نے اس قصہ کی یہ تاویل کی ہے کہ غرانیق علیٰ سے ملائکہ مقربین مراد ہیں۔ بت مراد نہیں اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں حرف استفہام مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے قریش کیا یہ غرانیق جو تمہارے نزدیک بڑے عالی مرتبہ ہیں کیا ان سے کسی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے ہرگز نہیں۔ مگر یہ دونوں قول سراسر تکلف ہیں جن سے قلب مطمئن نہیں ہوتا (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

تتمہ بیان سابق

اب اس کے بعد آئندہ آیات بیان سابق کا تتمہ ہیں جن میں یہ بتلاتے ہیں کہ کفار مجادلین اور معاجزین ہمیشہ آپ کی نبوت ورسالت میں شک کرتے رہیں گے اور آپ سے مجادلہ کرتے رہیں گے اور ابطال آیات کی سعی کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے یا انکو موت آجائے اس لیے (راتے ہیں اور ہمیشہ پڑے رہیں گے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے قرآن کی طرف سے یا القاء شیطانی کی وجہ سے شک اور شبہ ہی میں ——— یا ہمیشہ جدال وخصام میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ آپہنچے ان پر ناگہانی قیامت کبریٰ یا قیامت صغریٰ یعنی ان پر موت آجائے یا آپہنچے ان پر ایک منحوس دن کی آفت منحوس دن سے جنگ بدر کا دن مراد ہے یا قحط کا زمانہ مراد ہے۔ عقیم اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ گویا کہ وہ دن بانجھ عورتوں کی طرح ہے جو کسی خیر اور بھلائی کو نہیں جنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ معاجزین اور معاندین اپنے کفر اور عناد اور جدال وخصام پر سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ بغیر مشاہدۂ عذاب کے کفر اور عناد سے باز نہ آئیں گے مگر اس وقت کا باز آنا نفع نہ دے گا۔ اس دن یعنی قیامت کے دن بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی یعنی آج تو بادشاہوں کو اپنی سلطنت اور بادشاہت کا دعویٰ ہے مگر اس روز سوائے خدا کی بادشاہت اور حکومت کے کسی کی حکومت کا ظاہری اور مجازی طور پر بھی نام ونشان نہ رہے گا۔ اور بادشاہ حقیقی کی حکومت سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس دن وہ بادشاہ حقیقی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ ان دو فریق کے حق میں ہوگا۔ جن کی تفصیل آئندہ آیت میں ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ نعمت کے باغوں میں آرام سے ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کے لیے ذلت وخواری کا عذاب ہوگا۔ اس روز لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کر دیا جائے گا کہ جن متکبرین نے انبیاء کا مقابلہ کیا سو ان کے استکبار کے مقابلہ میں انکو ذلت وخواری کا عذاب دیا جائے گا۔ حق اور اہل حق کے ذلیل کرنے والے اس دن ذلیل اور رسوا ہونگے۔

لہ اشارہ اس طرف ہے کہ مریۃ کے دو معنی آتے ہیں ایک شک اور شبہ کے اور دوسرے معنی مراء اور جدال کے یعنی مجادلہ اور مخاصمت کے آتے ہیں۔ آیت میں ہر معنی صحیح اور درست ہے۔ (واللہ اعلم)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ

اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں، پھر

قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَ

مارے گئے یا مرگئے پھر البتہ انکو دے گا اللہ روزی خاصی ۔ اور

اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ

اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینا۔ البتہ پہنچاوے گا انکو

مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

ایک جگہ جس کو وہ پسند کریں گے اور اللہ سب جانتا ہے تحمل والا ۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ

یہ سن چکے ! اور جس نے بدلا دیا جیسا اس سے کیا تھا ، پھر اس پر کوئی زیادتی

عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

کرے تو البتہ اسکی مدد کریگا اللہ ۔ بیشک اللہ درگذر کرتا ہے بخشتا ۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ

یہ اسواسطے کہ اللہ بیٹھاتا (داخل کرتا) ہے رات کو دن میں اور دن

النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ

کو رات میں اور اللہ سنتا ہے دیکھتا ۔ یہ اس

بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

واسطے کہ اللہ وہی ہے صحیح اور جس کو پکارتے ہیں اس کے سوا

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

وہی ہے غلط ، اور اللہ وہی ہے اوپر بڑا ۔

بشارت مہاجرین و مجاہدین و نعمائے آخرت و وعدۂ فتح و نصرت

و تنبیہ بر کمال قدرت و حکمت

قال اللہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .... الیٰ .... وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ

(ربط) گزشتہ آیات میں عام مومنین صالحین کی فضیلت بیان فرمائی ان آیات میں خاص مہاجرین و مجاہدین کی فضیلت بیان فرماتے ہیں آیت مذکورہ بالا اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ میں مہاجرین کو جہاد کی اجازت اور فتح و نصرت کی بشارت سناتے ہیں کہ ہم دنیا میں بھی ان مہاجرین کی ضرور مدد کریں گے اس لیے کہ یہ مظلوم ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ لوگوں کو چاہیے کہ ان مہاجرین اور مجاہدین کی بے سرو سامانی کی طرف نظر نہ کریں بلکہ اللہ کی قدرت کی طرف نظر کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انکی مدد پر قادر ہے جیسا کہ وہ گزشتہ آیت میں بتلا چکا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور خدا کے لیے اپنے اہل وعیال کو اور خویش و اقارب کو اور اپنے گھر کو اور وطن کو چھوڑا جن کا ذکر گزشتہ آیت۔ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ میں ہو چکا ہے پھر وہ لوگ جہاد میں قتل اور شہید ہو گئے یا ویسے ہی اپنی موت سے مر گئے تو بے شک اللہ تعالیٰ انکو متروکہ اموال کے بدلہ میں ایک عمدہ رزق دیگا اور بے شک اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والا ہے وہ ہر جگہ بہتر سے بہتر روزی دینے پر قادر ہے اور متروکہ مکانات کے بدلہ میں البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ انکو ایسے مقام میں پہنچا دے گا جس کو یہ لوگ نہایت پسند کریں گے اور ایسی نعمتیں ملیں گی جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہ گزری ہوں گی اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں کتنی مشقت برداشت کی اور وہ بڑا بردبار ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا یہ بات[1] تو ہو گئی اب دوسری سنو اور وہ یہ ہے کہ جس مظلوم نے ظالم سے اپنا بدلہ لے لیا بمقدار اس کے کہ جتنی اس پر تعدی اور زیادتی کی گئی تھی کہ صرف اس قدر بدلہ لیا کہ جس قدر اس پر ظلم اور زیادتی کی گئی تھی یعنی اس مظلوم نے اپنا واجبی بدلہ لیا۔ بدلہ لینے میں اس نے کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی اس طرح دونوں برابر برابر ہو گئے پھر اس مظلوم پر اس ظالم دشمن کی طرف سے از سرِ نو دوبارہ زیادتی کی گئی یعنی وہ ظالم پھر بھی اپنے ظلم سے باز نہ آیا اور دوبارہ اس نے اس پر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی

---

[1] قال الزجاج ای الامر ماقصصنا علیک من انجاز الوعد للمهاجرین الذین قتلوا او ماتوا تفسیر کبیر ص۲۲۰ ج۶- زجاج کہتے ہیں کہ ذلک کے معنی یہ ہیں کہ بات یہ ہے کہ جو ہم نے بیان کر دی کہ خاص مہاجرین کے لیے ہم نے جو وعدہ کیا ہے اسکو ضرور پورا کریں گے خواہ وہ جہاد میں شہید ہوں یا اپنی موت سے مریں مطلب یہ ہے کہ ذلک خبر ہے مبتداء محذوف کی اور مابعد کا کلام کلام مستانف ہے دوسری صورت یہ ہے کہ ذلک کو مبتدا بنایا جائے اور خبر محذوف مانی جائے۔

ضرور مدد کریگا اور اب کی بار ظالم کو گزشتہ کی طرح مہلت نہ دے گا اس لیے کہ یہ مظلوم پہلی بار بھی مظلوم تھا اور اب دوبارہ پھر مظلوم ہوا۔ اور اس نے انتقام لینے میں کوئی ظلم اور زیادتی نہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد کرے گا اور ایسی مدد کرے گا کہ ظالم سر اٹھانے کے قابل نہ رہے گا۔

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے یعنی مظلوم کو ظالم سے انتقام لینے کی جو اجازت دی گئی تھی اس میں مماثلت کی قید تھی لیکن بعض اوقات باوجود حتی الامکان کوشش کے انتقام میں مماثلت نہیں رہتی بلکہ سہواً اور نسیاناً کچھ زیادتی بھی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو معاف کرنے والا ہے ایسی غفلت پر اللہ کی طرف سے مؤاخذہ نہیں اور نہ اسکی وجہ سے وعدۂ نصرت میں کوئی خلل پڑتا ہے ایسی کوتاہی معاف ہے۔

یہ مظلوم کی مدد اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہر شئے پر قادر ہے اور منجملہ اسکی قدرت کے یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے حالانکہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس وہ اپنی قدرت سے کسی کو غلبہ دیتا ہے اور کسی کو پست کرتا ہے پس اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بندوں میں سے جس کو چاہے زیر و زبر کرے اور بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے وہ سب کی آوازیں سن سکتا ہے اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ ظالم اور مظلوم سب اسکی نظروں کے سامنے ہیں یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خدائے برحق ہی ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت اور مشیت میں مزاحمت کر سکے اور یہ بے عقل جس کو پکارتے ہیں وہی باطل ہیں یعنی جن بتوں کو یہ پکارتے ہیں وہ سب غلط ہے وہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اور اللہ وہی ہے جو بلند اور برتر ہے اور سب اسکے سامنے ذلیل اور حقیر ہیں وہ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے یہ شان تو اللہ ہی کی ہے بتوں میں یہ قدرت کہاں ہے اور اللہ اس پر قادر ہے کہ حق کو بلند کرے اور باطل کو پست کرے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی، پھر صبح کو

الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ

زمین ہو جاتی ہے سبز۔ بیشک اللہ چھپی تدبیریں جانتا ہے خبردار۔ اسی

مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ

کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ اور اللہ وہی ہے

لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم

بے پروا سب خوبیوں سراہا۔ تو نے نہ دیکھا؟ کہ اللہ نے بس میں دیا

مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ؕ

تمہارے جو کچھ ہے زمین میں اور کشتی چلتی دریا میں اس کے حکم سے ۔

وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ؕ

اور تھام رکھتا ہے آسمان کو اس سے کہ گر پڑے زمین پر ۔ مگر اسکے حکم سے

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي

تحقیق اللہ لوگوں پر نرمی کرتا ہے مہربان ۔ اور اسی نے تم کو

أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ؕ إِنَّ الْإِنْسَانَ

جلایا ، پھر مارتا ہے ، پھر جلاوے گا ۔ بیشک انسان

لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾

ناشکر ہے ۔

بیان بعض دلائل کمال قدرت و حکمت بالغہ و کمال تسخیر

قال اللہ تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ...... الی ..... اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۔

(ربط) گزشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی اپنی کمال قدرت اور کمال حکمت اور کمال تسخیر کے کچھ دلائل بیان کرتے ہیں جو چھ ہیں اور وہ چھ دلائل قدرت بھی ہیں اور دلائل نعمت بھی۔

دلیل اول

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ

اے مخاطب تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین سرسبز اور تروتازہ ہو جاتی ہے یعنی ہر قسم کے نباتات اگاتی ہے بیشک اللہ بڑا مہربان ہے کہ اس نے بندوں کی زندگی کا سامان اگایا اور بیشک وہ خبردار ہے بندوں کا حال اور انکی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے یہ سب اللہ کی نعمت ہے اور اس کے کمال قدرت

کی دلیل ہے کہ یہ سارا کارخانہ اسکی مشیئت سے چل رہا ہے جس میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ پس اس سے تم اس کی معرفت حاصل کرو۔

دلیل دوم

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اور سب اسی کے قبضۂ قدرت میں مقہور اور مسخر ہیں اور اسکے زندہ رکھنے سے زندہ ہیں اور اسی کے حرکت دینے سے متحرک ہیں اور اسی کے ساکن رکھنے سے ساکن ہیں اور بیشک اللہ ہی سب سے بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں اور سب اسکے محتاج ہیں اور ہر شان میں اور ہر آن میں وہی مستحق حمد و ستائش ہے اسے اپنے دوستوں کی مدد کرنا اور انکو غلبہ دینا کیا مشکل ہے۔

دلیل سوم

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

اے منکر توحید کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ زمین میں ہے کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو اور اس سے منافع حاصل کرو ایک ضعیف البنیان انسان کو اتنی بڑی زمین اور اسکی چیزوں میں تصرف کرنے کی قدرت آخر کس نے دی پس جس ذات نے اس کرۂ ارضی کو تمہارے بس میں کر دیا وہی تمہارا خدا ہے۔

دلیل چہارم

وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ

اور اس خدا نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ جو اسی کے حکم سے دریا میں چلتی ہے یہ بھی اسکی نعمت ہے اور اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دلیل پنجم

وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

اور منجملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ وہ آسمان جیسے عظیم کو تھامے ہوئے ہے اور زمین پر گرنے سے اسکو روکے ہوئے ہے اور اسی کی مشیئت سے وہ اپنے مقام پر قائم ہے زمین پر گرتا نہیں مگر یہ کہ اسکا حکم ہو جائے تو فوراً گر پڑے

اور بندے ہلاک ہو جائیں۔ دیکھو یہ اللہ کی کیسی رحمت ہے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ قیامت کے دن یہ زمین و آسمان سب لپیٹ دیئے جائیں گے۔

دلیل ششم

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝

اور وہ وہ ہے کہ جس نے تم کو زندگی بخشی اور عدم کے بعد تمکو وجود عطا کیا اور تم میں جان ڈالی پھر جب تمہاری اجل آجائے گی تو تم کو موت دیگا اور دن رات تم اسکا مشاہدہ کرتے رہتے ہو کہ اس عالم میں اب کوئی آ رہا ہے اور کوئی جا رہا ہے پھر قیامت میں تم سب کو جزا سزا کے لیے زندہ کریگا پس سمجھ لو کہ وہ موت اور حیات اور وجود اور عدم کا مالک ہے پس اسکی قدرت پر نظر کرو اور جہالت اور حماقت سے قیامت کا انکار نہ کرو۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے کہ اس کو اس قدر کثیر نعمتیں دی ہیں مگر وہ ہماری ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور ہمارا احسان نہیں مانتا اور ہماری الوہیت اور وحدانیت کا قائل نہیں ہوتا۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ

ہر فرقے کو ہم نے ٹھہرا دی ہے ایک راہ بندگی کی کہ وہ اسطرح

فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ

کرتے ہیں بندگی، سو چاہیئے تجھ سے جھگڑا نہ کریں اس کام میں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف بیشک

لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِیْمٍ ۝۶۷ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ

تو ہے سیدھی راہ سوجھا۔ اور اگر جھگڑنے لگیں تو تو کہہ، اللہ

اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۶۸ اَللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ

بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اللہ چکوتی کریگا تم میں

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۶۹ اَلَمْ

قیامت کے دن جس چیز میں تم کئی راہ تھے۔ کیا تجھ

تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ

کو معلوم نہیں ؛ کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں -

اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾

یہ سب لکھا کتاب میں - یہ اللہ پر آسان ہے -

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا جس کی سند نہیں اتاری

سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا

اس نے - اور جس کی خبر نہیں اُن کو - اور

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

بے انصافوں کا کوئی نہیں مددگار - اور جب سنائیے ان کو

اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

ہماری آیتیں صاف تو پہچانے منکروں کے منہ بری

الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

شکل - نزدیک ہوتے ہیں کہ دوڑ پڑیں ان پر جو پڑھتے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ

ہیں انکے پاس ہماری آیتیں تو کہہ ، میں تم کو بتاؤں ایک چیز اس

ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ

سے بری - وہ آگ ہے - اسکا وعدہ دیا ہے اللہ نے منکروں کو - اور

بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع

بہت بری ہے پھر جانے کی جگہ -

تہدید مجادلین درباره احکام شریعت

قال اللہ تعالیٰ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا .... الی .... وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں دلائل الوہیت کو بیان کیا، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ قرون ماضیہ میں ہر امت کو ایک خاص شریعت عطاء کی گئی جو اس زمانے کے مناسب تھی اور اب اخیر میں آپکو یہ شریعت عطاء کی گئی تمام شریعتیں اپنے اپنے وقت میں حق تھیں اور واجب الاتباع تھیں اب اخیر زمانہ میں یہ شریعت کاملہ ہے جو آخری شریعت ہے سب پر اسکا اتباع واجب ہے کسی کو اس میں مجادلہ اور منازعت کا حق نہیں چنانچہ فرماتے ہیں، ہر امت کے لیے ہم نے ایک شریعت اور بندگی کی ایک راہ مقرر کر دی جس پر وہ چلتے ہیں اسی طرح ہم نے آپکو ایک شریعت عطاء کی پس لوگوں کو چاہیئے کہ دین کی کسی بات میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور اس طمع میں نہ پڑیں کہ آپ کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اپنی جگہ سے آپ کو پھسلا دیں بلکہ چاہیئے کہ آپکی شریعت کی پیروی کریں اور آپ انکی منازعت کی طرف التفات نہ کریں۔ آپ حق پر ہیں اور آپ سے منازعت کرنے والے باطل پر ہیں۔ پس آپ اپنے حق پر قائم رہیئے اور اسی پر جمے رہیئے اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی طرف ملاطفت اور نرمی کے ساتھ دعوت دیتے رہیں۔ اور انکی منازعت کی طرف التفات نہ کیجیے، بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں جس میں کسی طرح کی کجی نہیں توحید اور اصول دین میں تمام انبیاء متفق رہے ہے، البتہ ہر امت کے لیے عبادت اور بندگی کے طریقے بدلتے رہے ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپکو ایک خاص شریعت عطاء کی ہے جس کی پیروی قیامت تک سب پر لازم ہے لیکن اصولِ دین ہمیشہ ایک ہی رہا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہی سیدھی راہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور آپ لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں پھر یہ لوگ آپ سے کیوں جھگڑا لگاتے ہیں۔ توحید تو ایک مسلّم امر ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اسکا حق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے اور اگر باوجود اس کے وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ انکے جواب میں فقط اتنا کہہ دیجیے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ وہ تم کو تمہارے اعمال کی سزا دیگا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں اختلاف کرتے ہو اس روز تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "منسک" سے شریعت اور منہاج یعنی طریقۂ عبادت کے معنی مراد ہیں لفظ منسک نُسک سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبادت کے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ منسک سے ذبح اور قربانی کے معنی مراد ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ منسک سے شریعت اور مطلق طریقۂ عبادت مراد ہے جس کے عموم میں ذبائح بھی داخل ہیں۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۳۳ ج ۶ اور روح المعانی ص ۱۸۰ ج ۱۷)

اب آئندہ آیات میں اثباتِ توحید اور ابطال شرک کے لیے اپنے کمال علم کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا علم آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے تحقیق یہ یعنی آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا جاننا اور ازروئے علم

انکا احاطہ کرنا اور لوح محفوظ میں انکا ثبت کرنا اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔ اللہ کا علم اور اسکی قدرت غیر محدود وغیر متناہی بالفعل ہے وہاں کسی وقت اور مشقت کا کوئی امکان ہی نہیں اب آگے مشرکین کی جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جنکے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی ۔ بے دلیل انکو پوجتے ہیں اور اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی بابت انکو کوئی علم نہیں یعنی محض جہالت کی بنا پر انکی عبادت کرتے ہیں کسی عقلی یا نقلی دلیل کی بنا پر نہیں کرتے غرض یہ کہ جن بتوں کو انہوں نے معبود بنایا ہے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ کوئی عقلی دلیل ہے۔

اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں کہ جو قیامت کے دن انکو عذاب سے بچا سکے یا چھڑا سکے اور ان ظالموں کے ظلم اور عناد کا حال یہ ہے کہ جب ان پر ہماری صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو اسکی الوہیت اور وحدانیت کی روشن دلیلیں ہوتی ہیں تو اسے دیکھنے والے تو اس وقت ان کافروں کے چہروں میں ناگواری کو اچھی طرح پہچان لے گا کہ اس قسم کی آیات بینات کو سنتے ہی انکے تیور بدل جاتے ہیں اور ناگواری اور ترشروئی سے بڑبڑانے لگتے ہیں اور کمال نفرت سے حال یہ ہوتا ہے کہ قریب ہوتا ہے ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں یعنی غیظ وغضب میں اگر اسکے قریب ہو جاتے ہیں کہ حضور پرنور پر اور آپ کے اصحاب پر حملہ کر دیں اور یہی حالت انکی جہالت کی واضح دلیل ہے۔ اے نبی آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو اس سے بری اور ناگوار چیز کی خبر نہ دوں۔ وہ آگ ہے جسکا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے تو اس قرآن سے کیا ناخوش ہوتے ہو۔ ناگواری اور ناخوشی کی چیز تو وہ آگ ہے جو تمہارے لیے مہیا ہے اس ناگواری کی کچھ فکر کرو اور سوچو کہ یہ قرآن تمہارے حق میں زیادہ برا ہے یا وہ آگ زیادہ بری ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا

لوگو ! ایک کہاوت کہی ہے اس کو کان رکھو۔

لَهٗ ط اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے

اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ط وَ

سوائے۔ ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں۔ اور

اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ط

اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی، چھڑا نہ سکیں وہ اس سے۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا

بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔ اللہ کی قدر نہیں

اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾

سمجھی جیسی اسکی قدر ہے۔ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ

اللہ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور

النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾ یَعْلَمُ مَا

آدمیوں میں ۔ اللہ سنتا ہے دیکھتا۔ جانتا ہے جو ان

بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَ مَا خَلْفَہُمْ ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ

کے آگے اور جو ان کے پیچھے اور اللہ تک پہنچ ہے

الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

ہر کام کی۔

بیان مثال معبودات باطلہ برائے ابطال شرک

قال اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ ۔ ۔ ۔ الیٰ ۔ ۔ ۔ وَ اِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں مشرکین کی جہالت کو بیان کیا کہ جن چیزوں کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل اور سند نہیں اب ان آیات میں شرک کی شناعت اور قباحت کو اور مشرکین کی حماقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں کہ جن چیزوں کو یہ معبود بنائے ہوئے ہیں وہ چیزیں قابل عبادت نہیں۔ عبادت کے لائق تو وہ ذات ہے کہ جو قادر مطلق ہو اور یہ بُت تو عاجز مطلق ہیں۔ ان میں کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں یہ تو اس قدر عاجز ہیں کہ اپنے اوپر سے مکھی دفع کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتے، چنانچہ فرماتے ہیں، اے انسانو! تمہارے سمجھنے کے لیے ایک مثال بیان کی جاتی ہے تو اس مثال کو کان کھول کر خوب غور سے سنو۔ تحقیق جن بتوں کو تم اللہ

کے سوا اپنی مدد کے لیے پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ ایک نہایت حقیر و صغیر جانور ہے اگرچہ وہ سب اس کام کے لیے جمع بھی ہو جائیں اور متفق ہو کر پیدا کرنا چاہیں تو مکھی جیسی چھوٹی اور حقیر چیز کو بھی پیدا نہیں کر سکیں گے اور پیدا کرنا تو درکنار انکی عاجزی کا حال تو یہ ہے کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جاتے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے مشرکین اپنے بتوں پر زعفران لگاتے اور انکے سامنے کھانے اور مٹھائیاں رکھتے تو مکھیاں جمع ہو جاتیں اور اس میں سے لے جاتیں تو یہ بُت ان مکھیوں سے بھی بدتر ہوئے اور وہ مکھیاں ان بتوں سے بہتر ہوئیں کہ وہ ان سے چھین لے جاتی ہیں اور یہ بت ان سے کچھ نہیں چھین سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں ہی ضعیف اور ناتواں ہیں۔ "طالب" سے عابد اور بت پرست مراد ہے اور "مطلوب" سے انکا معبود یعنی بت مراد ہے افسوس کہ ان نادانوں نے اللہ کی قدر نہ جانی۔ جیسا کہ اسکا حق تھا، جہالت اور حماقت کی حد ہے کہ خالق السموات والارض کے ساتھ ان بتوں کو معبودیت میں شریک بنا لیا کہ جو ایک مکھی کے سامنے بھی عاجز اور لاچار ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور عزت والا ہے، عبادت تو اس کا حق ہے۔ قوی اور عزیز کو چھوڑ کر ایک حقیر و کمزور چیز کو خدا بنانا پرلے درجہ کی حماقت ہے اور انسانیت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ کو صحیح طور پر پہچان سکے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے رسول بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی ذات و صفات سے آگاہ کریں بندے اس بات سے عاجز ہیں کہ وہ محض اپنی عقل سے خدا کو پہچان سکیں، اس لیے آئندہ آیت میں نبوت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں اللہ ہی انتخاب کرتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور اسی طرح لوگوں میں سے پیغمبروں کو اپنے پیغامات اور احکام پہنچانے کے لیے منتخب کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ پیغام پہنچانے کے لیے انتخاب کرنا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ اپنا پیغام دیکر ملائکہ کو انبیاء کی طرف بھیجتا ہے اور انبیاء کو لوگوں کی طرف بھیجتا ہے۔ پیغام لے جانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ فرشتہ ہی ہو خدا کو اختیار ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ بھیجے یا بشر کے ذریعہ۔

بیشک اللہ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو دیکھنے والا ہے تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں اور وہ سمیع و بصیر خوب جانتا ہے جو ان کے روبرو اور سامنے ہے اور جو ان کے پس پشت اور پیچھے ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور پیغمبروں اور تمام احوال سے اور انکے ماضی اور حال اور استقبال سے پورا پورا باخبر ہے۔ اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے اپنی رسالت کے لیے منتخب کرے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ اور تمام امور کا مرجع اللہ ہی کی ذات بابرکات ہے، ہر چیز کا اختیار اسی کو ہے اللہ کے سوا اختیار کسی کو نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوا	ارْكَعُوْا	وَاسْجُدُوْا
اے	ایمان والو!		رکوع کرو	اور سجدہ کرو

وَاعْبُدُوْا	رَبَّكُمْ	وَافْعَلُوا	الْخَیْرَ	لَعَلَّكُمْ
اور بندگی کرو	اپنے رب کی	اور کرو	بھلائی	شاید تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ

بھلا پاؤ۔ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جو چاہیے اسکی محنت

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ

اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں

حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ

کچھ مشکل۔ دین تمہارے باپ ابراہیم کا۔ اس نے نام رکھا

الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ

تمہارا مسلمان حکمبردار۔ پہلے سے اور اس قرآن میں تا رسول ہو

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

بتانے والا تم پر اور تم ہو بتلانے والے لوگوں

عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

پر۔ سو کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى

اور گنٹھ پکڑو اللہ کو وہ تمہارا صاحب ہے سو خوب صاحب

وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾

ہے اور خوب مددگار۔

خاتمۂ سورت بر ترغیب اعمال و تاکید اعتصام بملت اسلام

قال اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ... الیٰ ... وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں شرک کا ابطال اور توحید و رسالت کا اثبات فرمایا اب ان آیات میں مسلمانوں کو

اعمال خیر کی ترغیب اور دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی تاکید فرماتے ہیں جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں اور اعمال خیر میں تمام خیرات و صدقات اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سب داخل ہیں بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا جو اعمال خیر میں ایک بہترین اور افضل ترین عمل ہے اور ساتھ ساتھ یہ بتلایا کہ دین اسلام بہت آسان دین ہے اس پر عمل کرنا کوئی مشکل نہیں لہٰذا تم کو چاہیئے کہ دن رات سرگرم عبادت رہو۔ اور ملت ابراہیمی پر قائم و دائم رہو اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو تاکہ مولائے برحق کی حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ رہے اور ملت ابراہیمی اور ملت اسلام تمام اصول و فروع کے مجموعہ کا نام ہے اس پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے مضامین کو ملت ابراہیمی کے اتباع کے حکم پر ختم فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو جو انبیاء کی ہدایت سے ہماری باتوں پر ایمان لائے اگر تم ہماری رضا اور خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہماری عبادت اور بندگی کو اختیار کرو۔ رکوع کرو اور سجدہ کرو اور دن رات اپنے پروردگار کی بندگی میں لگے رہو اور عبادت کے علاوہ ہر خیر اور نیکی کا کام کرو جو خدا کے نزدیک نیکی اور بھلائی ہے امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔ اس آیت پر امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ ہے اس سورت میں جو پہلا سجدہ گزرا وہ تو متفق علیہ ہے اور یہ دوسرا سجدہ مختلف فیہ ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں جیسا کہ ترمذی اور ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ عقبہ بن عامرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا سورۂ حج میں دو سجدے ہیں آپؐ نے فرمایا ہاں اور جو شخص دو سجدے نہ کرے وہ اس سورت کو نہ پڑھے۔

اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت پر سجدہ نہیں۔ کیونکہ اس سجدہ کا ذکر رکوع کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا یہ سجدہ نماز کا ہے۔ تلاوت کا نہیں۔

اور اگر تم قرب اور رضا کے بلند مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو حق ہے اس کے جہاد کا۔ ظاہری دشمن یعنی کافروں اور مشرکوں سے بھی جہاد کرو اور باطنی دشمن یعنی نفس امارہ اور نفسانی خواہشوں کے لشکر سے اور شیطان کے لشکر سے بھی جہاد کرو اور ایسا جہاد کرو کہ جہاد کا حق ادا ہو جائے۔ خدائے برحق نے تم کو اپنی عبودیت اور اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب کیا ہے اور اسی لیے تم کو منتخب کیا ہے کہ تم اس کی عبودیت اور اس کے دین کی خدمت میں اپنی جان و مال اور تن و جسد کو پانی کی طرح بہا دو۔ اور خدا کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کا مقابلہ کرو اور دین کے بارہ میں اللہ نے تم پر کوئی تنگی اور سختی نہیں رکھی۔ خدا نے تم کو کوئی حکم ایسا نہیں دیا کہ جو تمہاری طاقت سے باہر ہو اور ضرورت کے وقت تم کو رخصتیں عطا کیں جیسے سفر میں نماز کا قصر کرنا اور بیماری کی حالت میں تیمم کرنا اور سفر اور بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا غرض یہ کہ اللہ نے فرائض اور واجبات میں طرح طرح کی رخصتیں اور سہولتیں رکھی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے الدین یسر دین اسلام بہت آسان ہے لہٰذا تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کو لازم پکڑو[1] جو نہایت آسان ہے اور حدیث میں ہے

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ ملۃ ابیکم منصوب علی الاغراء یعنی الزموا مقدر کا مفعول ہے اور زجاجؒ کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں اتبعوا ملۃ ابیکم ابراھیم۔ اور فراءؒ یہ کہتے ہیں کہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی کملۃ ابیکم ابراھیم وغیرہ وغیرہ

بعثت معہ الحنیفیۃ السمحۃ میں ابراہیم حنیف کی ملت اور آسان شریعت دیکر بھیجا گیا ہوں اور ابراہیم علیہ السلام اکثر عرب کے باپ تھے اور انکی حیات جسمانی کے سبب تھے اور انکی ملت جو آپ لیکر آئے ہیں، وہ قیامت تک کیلیے تمام عالم کے روحانی حیات کا سبب ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے گزشتہ کتابوں میں اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا اور مسلم اور مسلمان کے معنی فرمانبردار اور وفادار کے ہیں تو تم کو چاہیئے کہ اس نام کی لاج رکھو اور اپنے آپکو اسکے حوالہ اور سپرد کردو اور اسکے حکم کے سامنے گردن ڈال دو۔ اسلام کے معنی لغت میں تسلیم کے ہیں یعنی اپنے آپکو کسی کے سپرد کردینے اور اسکے سامنے گردن ڈال دینے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور اگلی کتابوں میں تمہارا نام مسلمین اور مومنین اور عباد اللہ رکھا ہے۔ پس فرمانبردار بندہ بن کر دکھلاؤ تاکہ اسم باسمیٰ کا مصداق بن سکو اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تم کو یہ شرف اور امتیاز اس لیے عطا کیا تاکہ قیامت کے دن رسول خدا تم پر گواہ ہوں اور تم تمام امتوں پر گواہ بنو۔ قیامت کے دن جب تمام امتیں اور انکے رسول جمع ہونگے تو وہ امتیں یہ کہیں گی کہ ہم کو پیغمبروں نے تبلیغ نہیں کی پیغمبر کہیں گے کہ ہم نے انکو تبلیغ کردی تھی، اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے گواہ مانگے گا تو وہ امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش کریں گے، امت محمدیہ گواہی دے گی کہ پیغمبروں نے امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا تو اس وقت امت محمدیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ سو جواب دیں گے کہ ہم کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی خبر دی تھی۔ بعد ازاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسکی تصدیق فرمائیں گے۔

پس اے مسلمانو! اللہ نے تم کو جو تمام امتوں میں سے منتخب کیا اور تم کو خیر الامم بنایا اور تمہارا نام ہی مسلمان رکھا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے ایک بڑے مقدمہ میں تم کو بطور گواہ کھڑا کرنا ہے تاکہ تمہاری شہادت سے تمام امتوں کے مقابلہ میں تمہاری عدالت اور فضیلت ظاہر ہو۔ پس اس عزت وکرامت کی لاج رکھنا اور خدا کی فرمانبرداری اور وفاداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا۔ پس جب خدا تعالیٰ نے تمکو یہ فضل وشرف عطا کیا ہے تو تم نماز کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھو اور زکوٰۃ وخیرات دیتے رہو اور ہر حال میں اللہ کے دین کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہی تمہارا آقا ہے سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔ لہٰذا اسی پر بھروسہ رکھو اور کسی پر نظر نہ کرو۔ اس سے تعلق رکھنے والا بندہ کبھی ذلیل وخوار نہیں ہوسکتا۔ فلاح دارین کا دارو مدار اس سے وابستگی اور تعلق پر ہے اسکے بعد سورۂ مؤمنون آتی ہے جس کے شروع میں ان اعمال خیر کا ذکر ہے جن سے انسان کو فلاح حاصل ہوتی ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ روز سہ شنبہ بعد اذان ظہر بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور۔ سورۂ حج کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ اپنی رحمت سے بقیہ قرآن کی تفسیر بھی مکمل فرما۔ آمین یارب العالمین۔ اور قبول فرما۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

لہ اشارہ اس طرف ہے کہ ھو سماکم کی ضمیر ھو خدا تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۳ ج ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۂ مؤمنون

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو اٹھارہ یا ایک سو انیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں چونکہ اس سورت کی ابتداء مؤمنوں کے اوصاف سے ہوئی اس لیے اس سورت کا نام مؤمنون ہو گیا اور یہ اوصاف درحقیقت ایمان کے اہم شعبے ہیں۔

(ربط) گزشتہ سورت کے آخر میں اعمال خیر کے کرنے کا حکم مذکور تھا وَافۡعَلُوا الۡخَیۡرَ جس پر فلاح کا وعدہ فرمایا تھا لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ اب اس سورت کا آغاز فلاح سے فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ فلاح کا دارومدار ایمان اور ایمان کے شعبوں پر ہے اور گزشتہ سورت کے اخیر میں جن اعمال خیر کرنے کا حکم تھا اس سے یہی ایمان کے شعبے مراد ہیں جو ان کو بجالائے گا وہ فلاح پائے گا۔

نیز سورۂ حج کی اس آیت فَاِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّغَیۡرِ مُخَلَّقَۃٍ میں انسان کی پیدائش کا ذکر تھا۔ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ۔ الیٰ اخر الآیات۔

اٰیَاتُہَا ۱۱۸ ‏ ۲۳ سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ مَکِّیَّۃٌ ۷۴ ‏ رُکُوۡعَاتُہَا ۶

سورۃ مؤمنون مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے بڑا رحم والا۔

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ﴿۳﴾

کام نکال گئے ایمان والے، جو اپنی نماز میں نوے ہیں۔ اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

اور جو زکوٰة دیا کرتے ہیں ۔ اور جو اپنی

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ

شہوت کی جگہ تھامتے ہیں ۔ مگر اپنی عورتوں پر یا

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ

اپنے ہاتھ کے مال پر سو ان پر نہیں اُلاہنا ۔ پھر جو

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَ

کوئی ڈھونڈے اس کے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے ۔ اور

الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَ

جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں۔ اور

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ

جو اپنی نماز سے خبردار ہیں ۔ وہی ہیں

الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا

میراث لینے والے۔ جو میراث پاویں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے، وہ اسی میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

رہ پڑے

صفات مؤمنین مفلحین

قال تعالیٰ۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ..... الیٰ ..... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ سورت کے اخیر میں اعمال خیر کا حکم اور فلاح کی امید کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں

مؤمنین صالحین کے لیے وقوع فلاح کی خبر دیتے ہیں کہ بلاشبہ وہ مسلمان کامیاب ہیں جن میں یہ سات صفتیں پائی جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق فلاح پائی اہل ایمان نے جس کی پہلے ہی سے اہل ایمان کو امید اور توقع تھی اہل ایمان سے اہل تصدیق اور اہل اطمینان مراد ہے۔ اب اس بشارت کے بعد ان مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہیں۔

اوّل صفت خشوع

ان میں سے پہلی صفت یہ ہے جو اپنی نماز میں خشوع اور خضوع اور عجز و زاری کرنے والے ہیں یعنی ان کے دل میں اللہ کی عظمت اور ہیبت اور اس کا ادب ایسا ہے کہ جس کا اثر ظاہر پر نمایاں ہوتا ہے کہ جب نماز پڑھتے ہیں تو لرزاں اور ترساں ہوتے ہیں گویا کہ اپنے خدا کو دیکھ رہے ہیں۔

دوسری صفت اعراض عن اللغو

اور دوسری صفت یہ ہے کہ یہ مسلمان اور اہل ایمان لغو یعنی بیکار باتوں سے اعراض کرنے والے اور منہ پھیرنے والے ہیں یعنی جس چیز کا خدا تعالیٰ سے تعلق نہ ہو اور آخرت میں کام نہ آئے اس سے اعراض کرنے والے ہیں۔

تیسری صفت اداء زکوٰۃ

اور تیسری صفت یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مالی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے اصل زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں شروع ہو چکی تھی، البتہ زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کی تعیین مدینہ پہنچ کر ہوئی۔

چوتھی صفت عفت و عصمت

اور چوتھی صفت یہ ہے کہ جو اپنی شرمگاہوں کی ناجائز شہوت رانی سے حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورتوں کے کسی اور جگہ اپنی شرمگاہوں کو استعمال نہیں کرتے سو ایسوں پر بلاشبہ کوئی ملامت اور

علہ۔ اشارہ اس طرف ہے کہ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ باندیاں مراد ہیں اگرچہ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ کے ظاہری عموم میں غلام بھی داخل ہیں مگر وہ بالاجماع مراد نہیں اس لیے کہ لواطت بالاجماع حرام ہے ۱۲۔

الزام نہیں سو جس نے ان کے سوا یعنی اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے کوئی اور راہ ڈھونڈی سو ایسے ہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں اور عصمت اور عفت کے دائرہ سے باہر نکلنے والے ہیں کہ حلال کی حدود سے نکل کر حرام کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ایسے لوگ بلاشبہ قابل ملامت ہیں۔ شریعت نے جب تم کو بیوی اور باندی سے قضاء حاجت کی اجازت دے دی تو ضرورت پوری ہو گئی۔ اس کے بعد قضاء شہوت کے لیے کوئی راہ ڈھونڈنا جیسے زنا اور لواطت اور متعہ اور جلق اور وطی بہائم وغیرہ وغیرہ یہ سب حد سے گزرنا ہے۔

فائدہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ حرام ہے کیونکہ زن متعہ نہ تو بیوی ہے اور نہ لونڈی ہے۔ بیوی تو اس لیے نہیں کہ مرد پر اس کا نان ونفقہ نہیں اور نہ اس کے لیے طلاق ہے اور نہ عدت ہے اور نہ میراث ہے اور باندی اس لیے نہیں کہ اس کی بیع وشراء اور ہبہ اور عتق صحیح نہیں اور جب زن متعہ نہ ازواج میں سے ہے اور نہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ سے ہے تو لامحالہ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ کسی عورت سے متعہ کرنا حدود شریعت سے تجاوز کرنا اور حلال کو چھوڑ کر حرام میں پڑنا ہو گا۔ جس کی تفصیل پارۂ پنجم کے شروع میں گزر چکی ہے۔ غرض یہ کہ متعہ والی عورت نہ بیوی ہے نہ باندی ہے اس لیے حسب آیت مذکورہ لامحالہ وہ حرام ہو گی اور اسی پر تمام صحابہ وتابعین کا اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے اور اسی پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ اگر حسب زعم شیعہ۔ متعہ کسی قسم کا نکاح ہوتا یا کوئی خیر و برکت کی چیز ہوتی تو نکاح کی طرح متعہ کے لیے بھی دعوتی خطوط اور ولیمہ وغیرہ بھی ہونا چاہیئے تھا اور اعزاء اور اقارب اور احباب کو نکاح متعہ کی شرکت کے لیے مدعو کیا جاتا اور ہر طرف سے مبارکباد کی آوازیں آتیں اور سننے والے اس پر آمین کہتے۔ متعہ کو چھپا کر کرنا اور اس کے اعلان کو باعث ندامت سمجھنا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ متعہ شیعوں کے نزدیک بھی جرم ہے جس کو چھپایا جاتا ہے۔

پانچویں اور چھٹی صفت اداء امانت اور ایفاء عہد

اور پانچویں صفت یہ ہے کہ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے ہیں وہ امانت خواہ اللہ کی ہو یا بندوں کی ہو اور چھٹی صفت یہ ہے کہ جو اپنے عہد اور پیمان کی پوری رعایت اور نگہبانی کرنے والے ہیں امانت میں خیانت نہیں کرتے اور عہد کا پاس رکھتے ہیں عہد و پیمان کر کے اسے توڑتے نہیں بلکہ اس پر قائم رہتے ہیں آنکھ اور کان اور اعضاء اور جوارح سب اللہ کی امانتیں ہیں ان کو خلاف حکم خداوندی استعمال کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے اور شرمگاہ کو سوائے بیوی اور شرعی باندی کے دوسری جگہ استعمال کرنا یہ بھی امانت میں خیانت ہے وقال اللہ تعالٰی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا۔

ساتویں صفت نماز کی پابندی

اور ساتویں صفت یہ ہے کہ جو اپنی پنجگانہ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی نمازوں سے غفلت نہیں کرتے بلکہ ان پر قائم اور ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنے وقت پر ان کو ادا کرتے ہیں۔ شروع کلام میں نماز کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ فلاح کا زیادہ تر دارومدار نماز پر ہے ایسے ہی اہل ایمان جن میں ایمان کے یہ شعبے اور یہ صفتیں جمع ہوں۔ فردوس بریں کے وارث ہوں گے جو جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور یہی فلاح اور کامیابی کا بلند ترین مقام ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ سورۃ مؤمنون کی ہے اور شروع سورت میں جن مؤمنین مفلحین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اولین مصداق مہاجرین اولین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز و فلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ
اور ہم نے بنایا ہے آدمی ۔ چُن لی مٹی

طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ
سے ۔ پھر رکھا اس کو بُوند کر کر ایک جمے ٹھہراؤ میں ۔ پھر

خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
بنائی اس بُوند سے پھٹکی پھر بنائی اس پھٹکی سے بوٹی ،

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ
پھر اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت ، پھر

اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾
اٹھا کھڑا کیا اُس کو ایک نئی صورت میں۔ سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانیوالا۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ
پھر تم اس کے پیچھے مرو گے ۔ پھر تم قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ

کھڑے کیے جاؤ گے ۔ اور ہم نے بنائی ہیں تمہارے اوپر سات

طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اَنْزَلْنَا

راہیں اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر ۔ اور اتارا ہم

مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَ

نے آسمان سے پانی ماپ کر ، پھر اس کو ٹھہرا دیا زمین میں اور

اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ

ہم اس کو لے جاویں تو سکتے ہیں ۔ پھر اُگا دیے تم کو اس

بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ

سے باغ کھجور اور انگور کے ، تم کو ان سے میوے

كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ

ہیں اور انہی میں سے کھاتے ہو ۔ اور وہ درخت جو نکلتا ہے سیناء

سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنَّ

پہاڑ سے ، لے اُگتا ہے تیل ، اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کو ۔ اور تم

لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا

کو چوپایوں میں دھیان کرنا ہے ۔ پلاتے ہیں تم کو ان کے پیٹ کی چیز سے

وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ

اور تم کو ان میں بہت فائدے ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہو ، اور

عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ان پر اور کشتی پر لدے پھرتے ہو ۔

ذکر مبدأ و معاد - و دلائل توحید

قال الله تعالیٰ۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ... الی ... وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ۔
(ربط) گزشتہ آیات میں اہل سعادت اور اہل فلاح کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں ان کے مبداء اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔
(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں مؤمنین مخلصین کے لیے جنت الفردوس کا وعدہ تھا تو منکرین حشر اس بات کو نہیں مانتے تھے اس لیے آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ابتدائی پیدائش کا حال ذکر فرمایا تاکہ اس کی کمال قدرت ثابت ہو اور قیامت کے لیے دلیل بنے اور انسان کو اپنا مبداء اور معاد معلوم ہو جائے۔
(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور بندگی کو فلاح اور کامیابی کا دارومدار بتلایا۔ اب آئندہ آیات میں اپنی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بیان کرتے ہیں جس سے عابد کو اپنے معبود کی معرفت کاملہ حاصل ہو اس سلسلہ حق جل شانہ نے چار قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔
(اول) انسان کی پیدائش کو اور مختلف اطوار اور ادوار سے اس کے گزرنے کو اور پھر مرنے کے بعد اس کے دوبارہ زندہ ہونے کو بیان فرمایا۔
(دوم) آسمانوں کی عجائب صنعت کو ذکر فرمایا کما قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ۔
(سوم) آسمان سے پانی نازل کرنا کما قال اللہ تعالیٰ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ
(چہارم) حیوانات مختلفۃ الاوضاع اور مختلف المنافع کا پیدا کرنا بیان کیا کما قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ الخ تاکہ ان دلائل سے حق تعالیٰ کی کمال قدرت خوب واضح ہو جائے اور یقین کرے کہ خدا تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

قسم اوّل

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ... الی ... ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝
اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ قرارگاہ میں یعنی رحم میں رکھا پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا پھر اس گوشت کے ٹکڑے کو ہم نے ہڈیاں بنایا پھر ان ہڈیوں کو ہم نے گوشت کا لباس پہنایا پھر ہم نے اس میں روح پھونک کر اس کو ایک نئی صورت میں کھڑا کیا یعنی پھر ہم نے اس کو انسانی صورت وشکل عطا کی جس سے اس کی خلقت اور پیدائش ہی دوسری ہو گئی کہ روح پھونکنے سے وہ حرکت کرنے لگا اور سمجھنے لگا۔ جمادیت سے

نباتیت میں داخل ہوا اور پھر نباتیت سے حیوانیت میں داخل ہوا اور پھر حیوانیت سے انسانیت میں داخل ہوا۔ ان عجیب و غریب تغیرات اور انقلابات میں ذرا غور کرو کہ دوسری حالت پہلی حالت سے بالکل مغایر و مباین ہے۔

اور پھر پیدائش کے بعد سے بڑھاپے تک جو تغیرات پیش آتے ہیں وہ سب تمہاری نظروں کے سامنے ہیں تو کیا یہ تغیرات خود بخود پیش آتے ہیں یا کسی بے شعور مادہ اور نیچر کا طبعی اقتضاء ہے یا محض کوئی اتفاقی امر ہے یہ کچھ نہیں بلکہ صرف ایک علیم و قدیر کی کاریگری اور اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے پس بڑا ہی بزرگ ہے اللہ جو سب کاریگروں میں سب سے بہتر ہے کہ کسی صناع کی صنعت اور کاریگری اس کی صنعت اور کاریگری کو نہیں پہنچ سکتی ؎

کہ کرد است بر آب صورت گری

اس آیت میں خالقین سے خالق حقیقی کے معنی مراد نہیں تاکہ یہ شبہ کیا جائے کہ خالق حقیقی متعدد ہو سکتے ہیں بلکہ خالق کے معنی صناع اور کاریگری کے ہیں۔

پھر اس پیدائش کے کچھ عرصہ بعد بلاشبہ تم مردہ ہو جاتے ہو اور تمہارا سارا حسن و جمال خاک میں رل جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس پیدائش کے بعد تمہارا انجام موت ہے، پھر تم قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے اسی مٹی سے زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔ پہلی پیدائش بھی تمہاری مٹی سے ہوئی تھی اور پھر دوسری پیدائش بھی اسی مٹی سے ہوگی، پس جو ذات اجزاء نطفہ کو انسان بنانے پر قادر ہے وہ اس اجزاء منتشرہ کو جمع کر کے اس میں دوبارہ جان ڈالنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔ انسان کا مبداء ہی اس کے معاد کی دلیل ہے جو فلاسفہ حشر اجساد کو ناممکن سمجھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مبداء ہی کو نہیں سمجھے ہوئے ہیں جو ذات اجزاء نطفہ میں انسان ہونے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انسان کے اجزاء منتشرہ میں دوبارہ انسان ہونے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں پس جب وہ ایک مشت خاک اور قطرۂ منی سے ایک زندہ انسان اور متکلم انسان بنانے پر قادر ہے تو ایک زندہ اور متکلم ہستی کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اور متکلم بنانا کیا مشکل ہے۔ لہٰذا جو ذات تمہاری موت اور حیات کی اور تمہارے وجود اور عدم کی مالک ہے وہی تمہارا خدا ہے جس طرح اس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح تم کو وہ دوبارہ مرنے کے بعد پیدا کرے گا۔ اور یقین رکھو کہ تم کیسے ہی توانا اور دانا اور فلسفی اور سائنسدان بن جاؤ مگر انجام تمہارا موت ہے اور سمجھ لو کہ اس جہان کی زندگی اس جہان کی زندگی کا نمونہ ہے، سفر درپیش ہے تیاری کر لو۔ فلسفہ اور سائنس موت سے نہیں بچا سکتا۔

قسم دوم

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۔

اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اوپر راستوں والے سات طبق پیدا کیے یعنی سات آسمان پیدا کیے ایک طبقہ کے اوپر دوسرا طبقہ جس میں فرشتوں کی آمد و رفت کی راہیں ہیں اور وہ راہیں اس قدر بلند ہیں کہ

نگاہیں ان کے ادراک سے قاصر ہیں اور چونکہ آسمان زمین سے پانسو میل کے راہ پر ہے اس لیے دُور بین بھی وہاں کام نہیں دیتے اور کسی چیز کا دُور بین وغیرہ سے نظر آنا یہ اس شئے کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا اور کسی چیز کا محض اس بنا پر انکار کر دینا کہ یہ چیز ہمارے دائرۂ ادراک اور احساس سے خارج ہے۔ جہالت اور حماقت ہے۔

جن چیزوں کا انسان ادراک کر سکا وہ محدود اور قلیل مقدار میں ہیں اور جن چیزوں تک انسان کی رسائی نہیں ہوئی وہ غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور محدود تجربہ کی بنا پر غیر محدود چیزوں پر حکم لگانا یہ غیر محدود جہالت اور غیر متناہی حماقت کی دلیل ہے۔

اور ہم اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر نہیں آسمان اور زمین کا کوئی حال ہم سے پوشیدہ نہیں یہ تمام کائنات اس کے علم اور قدرت سے قائم اور محفوظ ہیں یہ سب ہماری مخلوق ہے ہم سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

قسم سوم

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءًۢ بِقَدَرٍ ..... الی ..... وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ۔

اور ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا تاکہ وہ پانی تمہاری حیات اور زندگی کا سامان بنے اور جس طرح ہم اس پانی کے نازل کرنے پر قادر ہیں بلاشبہ اسی طرح ہم اس پانی کے لے جانے پر بھی قادر ہیں کہ زمین کو خشک اور بنجر بنا دیں۔ اور تم پیاسے مر جاؤ پھر ہم نے اپنے اس نازل کردہ پانی سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ تمہارے لیے ان باغات میں کھجوروں اور انگور کے علاوہ اور بھی بہت سے میوے ہیں۔ جن سے تم لذت حاصل کرتے رہو، اور ان باغات میں سے کھاتے بھی ہو اور ہم نے اسی پانی سے تمہارے لیے زیتون کا درخت پیدا کیا جو طور سینا سے بکثرت اُگتا ہے جو تیل کو اور کھانے والوں کے لیے سالن کو لے کر اُگتا ہے۔ وہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن نکلتا ہے جو سینہ کے امراض کے لیے غایت درجہ مفید ہے اور کھانے والوں کے لیے وہ سالن کا کام دیتا ہے یہ بڑا مبارک درخت ہے جس کے منافع کثیر ہیں اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔

قسم چہارم

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ..... الی ..... وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ۔

نباتات کے بعد حیوانات میں اپنی قدرت اور اپنی نعمت کا ذکر کرتے ہیں کہ تم ان کے گوشت اور پوست اور ان کے دودھ سے اور ان کی سواری سے نفع اٹھاتے ہو ان نعمتوں سے اپنے منعم حقیقی کو پہچانو۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے لوگو! تحقیق ان چوپایوں میں تمہارے لیے بڑی عبرت اور نصیحت کا سامان ہے اگر تم ان میں غور وفکر کرو تو خدا کی قدرت کو اور اس کی نعمت کو سمجھ سکتے ہو ہم ان کے پیٹوں میں سے جو خالص دودھ نکالتے ہیں اس میں سے ہم تم کو پلاتے ہیں خدا کی عجیب قدرت ہے کہ وہ خدا فرث اور دم یعنی گوبر اور خون کے درمیان سے تمہارے لیے ایک نہایت خوش ذائقہ اور خوشگوار اور لذیذ غذا نکالتا ہے جس میں گوبر اور خون کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی یعنی دودھ جو تمہاری غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے اور کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے سوائے خدا تعالیٰ کے کون ایسا کر سکتا ہے۔ (اس مضمون کی زیادہ تفسیر سورۂ نحل میں گزر چکی ہے) اور اس کے علاوہ اور بھی تمہارے لیے ان چوپایوں میں بہت سے فوائد ہیں۔ ان کے گھی اور مکھن اور صوف اور اون وغیرہ تمہارے کام آتے ہیں اور یہ جانور تمہارے زراعت میں کام دیتے ہیں اور ان میں سے بعض جانوروں کو تم کھاتے ہو یعنی ان کا گوشت کھاتے ہو اور خشکی میں تم ان جانوروں پر سوار ہوتے ہو اور ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو اور تری میں تم کشتیوں پر لدے لدے پھرتے ہو، اور ان پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہو، یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

اب آگے کشتی کی مناسبت سے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جن سے کشتی کی صنعت کا آغاز ہوا اور اس کے بعد دیگر انبیاء کرام کے واقعات ذکر فرماتے ہیں جن میں یہ بات بتلاتے ہیں کہ انبیاء کرام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ منکرین توحید اور مکذبین رسل کا کیا انجام ہوا لہٰذا ان کے واقعات سے عبرت پکڑو

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کے پاس تو اُس نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اس

غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ

کے سوا۔ کیا تم کو ڈر نہیں؟ تب بولے سردار جو

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ

منکر تھے اس کی قوم کے یہ کیا ہے، ایک آدمی ہے جیسے تم، چاہتا ہے کہ

اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا

بڑائی کرے تم پر ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے۔ ہم نے یہ

سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۴ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ

نہیں سُنا اپنے اگلے باپ دادوں میں ۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد

بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۲۵ قَالَ رَبِّ

ہے کہ اس کو سودا ہے سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک ۔ بولا اے رب!

انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝۲۶ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ

تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو۔ کہ بنا کشتی

الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ

ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے، پھر جب پہنچے ہمارا حکم، اور اُبلے تنور تو

فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا

تُو ڈال لے اس میں ہر چیز کا جوڑا دوہرا ، اور اپنے گھر کے لوگ مگر

مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي

جس کی قسمت میں آگے پڑ چکی بات ۔ اور نہ کہہ مجھ سے ان

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝۲۷ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ

ظالموں کے واسطے ان کو ڈوبنا ہے ۔ پھر جب چڑھ چکے تُو

وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے

نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۸ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ

چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے ۔ اور کہہ اے رب اتار مجھ کو

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

برکت کا اتارنا اور تو ہے بہتر اتارنے والا ۔ اس میں نشانیاں

لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

ہیں، اور ہم ہیں جانچنے والے ۔

قِصَّۂ نُوح علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ۔۔۔ الی ۔۔۔ وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۔

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جو عبادت کا مستحق ہو اس لیے کہ وہی تمہارا خالق ہے کیا پس تم ڈرتے نہیں کہ اپنے خالق کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں شریک کرتے ہو کہیں وہ خالق تم کو تباہ نہ کر دے۔ اس پر اس کی قوم کے سرداروں اور صاحب ثروت لوگوں نے عام لوگوں سے یہ کہا نہیں ہے یہ شخص جو تم کو توحید کی طرف بلاتا ہے مگر تم ہی جیسا ایک آدمی ہے پیغمبری کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی فضیلت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سردار بن کر تم کو اپنا تابع اور محکوم بنائے اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنا پیغام بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو اتار دیتا۔ علاوہ ازیں یہ انوکھی بات ہم نے اپنے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی کہ آدمی بھی مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں صرف ایک آدمی ہے جس کو جنون آ لگا ہے، ساری دنیا کے خلاف یہ کہتا ہے کہ معبود صرف ایک ہے سو ایک وقت تک انتظار کرو۔ یا تو مر جائے اور قصہ ختم ہو یا جنون سے ہوش میں آ جائے۔ نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی دعوت اور نصیحت کارگر نہیں ہوئی اور اسی کشمکش میں نو سو سال گزر گئے تو ان کے ایمان سے مایوس ہو کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے پروردگار میری مدد کیجئے اور میرا بدلہ لیجئے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں یعنی ان کو غارت کر کہ میرے جھٹلانے کی سزا پائیں پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان پر وحی نازل کی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ کہ اب عنقریب طوفان آنے والا ہے لہٰذا ایک کشتی تیار کرو تاکہ تم اور تمہارے متبعین اس کشتی میں سوار ہو کر غرق سے نجات پائیں۔ پس جب ہمارا حکم عذاب کے متعلق آ پہنچے تو تنور جوش میں آ جائے، یعنی تنور میں سے پانی اُبلنے لگے تو اس وقت اس کشتی میں ہر قسم کے حیوانات سے ایک جوڑا یعنی نر مادہ دو عدد بٹھلا لینا جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لو مگر ان گھر والوں میں سے جس کی بابت اس کے کفر کے باعث ڈوبنے کا حکم صادر ہو چکا ہے۔

اس کو سوار مت کرو۔ اشارہ نوح علیہ السّلام کے بیٹے کنعان اور اس کی بیوی کی طرف ہے جو باوجود سمجھانے کے کفر پر قائم رہے اور یہ بھی سن لو کہ مجھ سے ان لوگوں کے بارہ میں کوئی بات نہ کرنا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر کیا ان کی نجات کے بارہ میں کوئی حرف سفارش کا زبان پر نہ لانا تحقیق یہ لوگ ضرور غرق کیے جائیں گے۔ ان کافروں کے لیے نجات کی دعا نہ کرنا ممکن ہے کہ ان کی ہلاکت کو دیکھ کر بمقتضائے شفقت و رحمت آپؑ ان کے لیے دعا مانگنے لگیں تو ایسا نہ کرنا یہ لوگ دریائے ضلالت میں تو پہلے ہی غرق ہو چکے ہیں اب وقت آگیا کہ ان کو دریائے ہلاکت میں بھی غرق کر دیا جائے۔ پھر جب عذاب الٰہی کے ظہور کے وقت تو اور جو ایمان والے تیرے ساتھ ہیں۔ اطمینان کے ساتھ سب کشتی میں سوار ہو جائیں تو اللہ کا شکر بجالانا اور یہ کہنا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے نجات دی ہم کو ظالم قوم سے کہ ان کے درمیان سے ہم کو نکال لیا، کافروں کے درمیان میں رہنا ایک مصیبت ہے اور خدا کے دشمنوں سے علیحدہ ہو جانا اللہ کی عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔

باجہاں باش دائم ہمنشیں تا توانی روئے اعدا رامبیں

حضرت نوح علیہ السلام کے اصحاب و احباب طوفان آنے سے پہلے ہی باطنی طور پر ایمان اور اعتقاد صحیح کے کشتی پر سوار ہو چکے تھے اس لیے صرف اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اے نوحؑ یہ دعا تو ہم نے تم کو کشتی پر سوار ہونے کے وقت بتلائی تھی اور اب جب تم کشتی سے اترنے لگو تو یہ کہنا اے میرے پروردگار مجھے کشتی سے زمین پر آثار مبارک اتارنا یعنی اترنا بھی برکت کے ساتھ ہو اور جس جگہ اتروں وہ بھی برکت والی ہو۔ نزول بھی بابرکت ہو اور منزل بھی بابرکت ہو اور اے پروردگار تو تو سب سے بہتر اتارنے والا اور ٹھکانا دینے والا ہے، آپ کی مہمانی میں داخل ہونے کے بعد تو کوئی خطرہ ہی نہیں بیشک نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں اور اس معاملہ میں جو قوم نوحؑ کے ساتھ ہوا۔ عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم تو امتحان کرنے والے تھے، اس تمام ماجرے سے مقصود امتحان اور آزمائش تھا۔ سو دکھلا دیا کہ ایمان اور کفر کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، ایمان نجات کی کشتی ہے اور کفر ہلاکت کا طوفان اور سیلاب ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر اٹھائی ہم نے ان سے پیچھے ایک سنگت اور

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول ان میں کا کہ بندگی کرو اللہ کی

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ

کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا، پھر کیا تم کو ڈر نہیں۔ اور بولے سردار

مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ

اس کی قوم کے جو منکر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو۔ اور

اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

آرام دیا تھا ان کو ہم نے دنیا کے جینے۔ اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم،

يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾

کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو، اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور کبھی تم چلے کہے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بیشک خراب ہوئے۔

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا

کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر گئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں،

اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾

کہ تم کو نکلنا ہے۔ کہاں ہوسکتا ہے، کہاں ہوسکتا ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے؟

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ

اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہم کو

بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

پھر اٹھنا نہیں۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے۔ باندھ لایا اللہ پر جھوٹ

كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

اور ہم اس کو نہیں ماننے والے۔ بولا اے رب! میری مدد کر،

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جاویں گے پچتاتے۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً ۚ فَبُعۡدًا

پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے، تحقیق پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا۔ سو دور ہو

لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾

جاویں گنہگار لوگ۔

قصۂ قومِ عاد یا قومِ ثمود

قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ... الی ... فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝

(ربط) ان آیات میں بھی امم سابقہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ مگر ان آیات میں اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ کس نبی اور کس قوم کا ذکر ہے بعض کہتے ہیں کہ ہودؑ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ شعیبؑ کی قوم کا ذکر ہے۔ یہ قصے پہلے گزر چکے ہیں جن کے مطالب واضح ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں پھر ہم نے قوم نوحؑ کے بعد ابتلا اور آزمائش کے لیے دوسری قوم کو پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قوم عاد مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود مراد ہے پھر ہم نے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ ہود علیہ السلام مراد ہیں یا صالح علیہ السلام مراد ہیں۔ اور بدیں حکم بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں پس کیا شرک کر کے تم کو ڈر نہیں کہ تم پر اللہ کا کوئی عذاب آجاوے، یہ تو اللہ کے رسول نے ان کو ہدایت اور نصیحت کی اب آگے ان کی قوم کا جواب مذکور ہوتا ہے اور ان کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات یعنی حشر ونشر کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو دولت وثروت دے کر دنیاوی زندگانی کے عیش وعشرت میں ایسا غرق کر دیا تھا کہ اترانے لگے تھے۔ تو ان متکبرین نے اپنے رسول کی بات سُن کر یہ کہا کہ نہیں ہے یہ شخص مگر تم ہی جیسا ایک آدمی ہے جس چیز سے تم کھاتے ہو اسی سے یہ کھاتا ہے اور جس سے تم پیتے ہو اسی سے یہ پیتا ہے یہ شخص تم سے کس بات میں بڑھا ہوا ہے جو نبوت ورسالت کا دعویٰ کرتا ہے اور اگر تم اپنے جیسے آدمی کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے تو ایسی حالت میں بلاشبہ تم بڑے گھاٹے میں رہو گے یہ ان کافروں کی حماقت تھی کہ آخر دنیا کے حاکم اور سردار بھی تو تمہاری ہی طرح کھاتے اور پیتے ہیں، پھر کیوں ان کی اطاعت کرتے ہو۔ اور اس سے بڑھ کر حماقت یہ کہ اپنے جیسے بشر کی اطاعت کو تو عیب جانا اور شجر اور حجر اور بُت کی عبادت کو عیب نہ جانا جو اپنے سے مکھی کو بھی دفع نہیں کر سکتے۔ اپنے سے بدتر پتھروں کے بندے بننے میں تو عار نہ آئی اور بشر کو رسول ماننے سے عار آئی اور باوجود آیات بینات کے دیکھنے کے دل ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا۔ یہ بات تو کافروں نے انبیاء کرامؑ کے متعلق کہی کہ اپنے جیسے معمولی آدمی کو اپنا مخدوم اور مطاع بنا لینا بڑی ذلت ہے۔ اب آگے قیامت کے متعلق اپنا خیال

ظاہر کرتے ہیں کہ کیا یہ پیغمبر تم کو اس کا وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاؤ گے تو تم حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے بہت بعید ہے بہت بعید ہے وہ بات جس کا تم کو وعدہ دیا جا رہا ہے قیامت کا قائم ہونا اور مُردوں کا قبروں سے اٹھنا بعید از عقل و امکان ہے جس کا وقوع کبھی نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہے کوئی زندگی مگر یہی ہماری دنیاوی زندگی قدیم سے اسی طرح سلسلہ جاری ہے کہ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ اسی طرح جاری رہے گا۔ اور ہم نہیں ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں یہ شخص تو کچھ بھی نہیں مگر ایک آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی دوبارہ زندہ ہوگا۔ یہ سب جھوٹ ہے اور ہم تو ہرگز اس بات کو ماننے والے نہیں اور ہمیں اس شخص کی خبر کا بالکل یقین نہیں۔ اس پر رسول نے کہا اے میرے پروردگار ان کی تکذیب اور عداوت کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ عنقریب یہ لوگ اپنے کفر اور تکذیب پر سخت نادم ہوں گے۔ ہم نے ان کو جو مہلت دی ہے وہ ذرا پوری ہو جائے۔ چنانچہ جب وہ مہلت پوری ہوگئی تو ایک کرخت آواز نے ان کو وعدۂ برحق کے موافق پکڑ لیا کہ جبریل امینؑ نے ایک سخت آواز دی جس سے ان کے دل اور جگر پھٹ گئے پس ہم نے ان کو خس و خاشاک کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا۔ پس پھٹکار ہو ظالموں پر جس طرح سیلاب خس و خاشاک کو بہائے جاتا ہے، اسی طرح عذاب الٰہی کا سیلاب ان کو بہا کر لے گیا اور اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔

فائدہ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ قوم ثمود کا ہے اس لیے کہ صیحہ یعنی کرخت آواز اور چنگھاڑ سے وہی لوگ ہلاک کیے گئے۔ (واللہ اعلم)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ

پھر اٹھائیں ہم نے ان سے پیچھے سنگتیں ۔ اور نہ پہلے

مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا

جاوے کوئی قوم اپنے وعدہ سے نہ پیچھے رہیں ۔ پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول

تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ

لگاتار ۔ جہاں پہنچا کسی امت پاس ان کا رسول اس کو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہم ایک

بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ

کے پیچھے دوسری اور کر ڈالا ان کو کہانیاں ، سو دور ہو جاویں جو لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

نہیں مانتے ۔

قصۂ بعض دیگر امم سابقہ بطریق اجمال

قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ... الیٰ... فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۔

ربط، ان آیات میں اجمالاً حضرت صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب اور حضرت یونس اور حضرت ایوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصوں کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ان سب کا قصہ اسی ترتیب کے ساتھ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ پھر قوم عاد یا ثمود کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے دوسری امتیں پیدا کیں انہوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور مدت مقررہ پر ہلاک ہوئی۔ کوئی امت اپنی میعاد ہلاکت سے نہ آگے جا سکتی ہے اور نہ اس سے پیچھے رہ سکتی ہے بلکہ ٹھیک اس وقت ہلاک ہوئے جو خدا نے ان کے لیے مقرر کر دیا تھا پھر ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کو ہلاکت میں ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ یعنی تباہی اور بربادی میں ان کا تانتا باندھ دیا اور ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگایا اور ان کو پچھلی امتوں کے لیے قصہ اور افسانہ بنا دیا وہ تو ختم ہوئے اور ان کی داستانیں عبرت کے لیے باقی رہ گئیں پس لعنت اور پھٹکار ہو ایسی قوم پر جو ایمان نہیں لائی، جو ایمان لایا وہ اللہ کی رحمت سے قریب ہوا۔ اور جس نے کفر کیا وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کا بھائی ہارون ۔ اپنی نشانیاں دیکر

سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

اور سند کھلی ۔ فرعون اور اس کے سرداروں پاس

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا

پھر بڑائی کرنے لگے، اور تھے وہ لوگ چڑھ رہے ۔ سو بولے

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾

کیا ہم مانیں گے ایک دو آدمیوں کو ہمارے برابر کے اور ان کی قوم کرتی ہیں ہماری بندگی ۔

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا

پھر جھٹلایا ان دونوں کو، پھر ہوئے کھپنے والوں میں ۔ اور ہم نے دی

مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

موسٰی کو کتاب شاید وہ راہ پاویں ۔

قصۂ موسیٰ و ہارون علیہما الصلاۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ... الیٰ... لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۔

(ربط) ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال اور فرعون اور اس کی قوم کی تکذیب اور ان کا غارت ہونا بیان کیا، چنانچہ فرماتے ہیں پھران کے بعد ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دے کر فرعون اور اس کے ملک کے سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا اور وہ بڑے سرکش لوگ تھے حق کے سامنے جھکنے پر تیار نہ ہوئے تو بولے۔ تو کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی کل قوم ہماری غلام اور تابعدار رہی ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان کے تابعدار بنیں پس فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ اور ہارون دونوں کی تکذیب کی پس ہوگئے وہ غارت شدہ لوگوں میں سے۔ اس تکذیب کی وجہ سے بحر قلزم میں غرق کر دیئے گئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی توراۃ عطا کی تاکہ بنی اسرائیل ہدایت پاویں اور احکام شریعت پر عمل کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچیں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى

اور بنایا ہم نے مریم کا بیٹا ۔ اور اس کی ماں ایک نشانی، اور ان کو ٹھکانا دیا ایک

رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

ٹیلے پر، جہاں ٹھہراؤ تھا اور پانی نتھرا ۔

قصۂ مریم و عیسیٰ علیہما السلام

قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۔

ربط : اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم صدیقہؑ کا نہایت اختصار کے ساتھ حال بیان کیا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا اور بغیر باپ کے ان کو پیدا کیا چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو اور ان کی ماں مریم کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا کہ مریمؑ کے بغیر شوہر بچہ جننے سے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا تعالیٰ کی قدرت عیاں ہے اور ہم نے ان دونوں کو ایک بلند اور سا وہی زمین پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور چشموں والی تھی یعنی سرسبز و شاداب تھی جہاں پانی کے چشمے جاری تھے یہ مقام شام یا فلسطین میں واقع ہے غالباً اس سے وہ ٹیلہ مراد ہے جہاں یا جس کے قریب حضرت مریمؑ کی ولادت ہوئی تھی اور آپ نے اس پر پناہ لی تھی۔ قادیان کے دھقان اول تو یہ کہتے ہیں کہ ربوہ سے کشمیر مراد ہے اور اب ان لوگوں نے اپنی ایک خاص آبادی کا نام ہی ربوہ رکھ لیا ہے جو کھلی ڈھٹائی اور بے حیائی ہے۔ اب اگر کوئی دیوانہ دو مسجدیں بنائے اور ایک کا نام مسجد حرام اور دوسری کا نام مسجد اقصیٰ رکھے تو وہ بلاشبہ مجنون اور دیوانہ ہے اور جو اس کو مانے وہ اس سے بڑھ کر خبطی اور دیوانہ ہے۔ ایبٹ آباد اور کوہ مری میں سرسبز ٹیلوں کی کیا کمی ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں بھی کوئی اس قسم کا خبطی پیدا ہو جائے اور دعویٰ کرنے لگے کہ میں بھی مسیح موعود ہوں اور یہ میرا ربوہ ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُواْ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُواْ صَٰلِحًا ۖ

اے رسولو ! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا ،

إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ

جو کرتے ہو میں جانتا ہوں ۔ اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین

أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوٓاْ

کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب، سو مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر پھوٹ کر کر لیا

أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ

اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ۔ ہر فرقہ، جو ان کے پاس ہے اس پر

فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِى غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾

ریجھ رہے ہیں ۔ سو چھوڑ دے ان کو اپنی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک ۔

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾

کیا خیال رکھتے ہو کہ یہ جو ہم ان کو دیئے جاتے ہیں مال اور اولاد ۔

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾

دوڑ دوڑ ملاتے ہیں ان کو بھلائیاں ، کوئی نہیں، ان کو بوجھ نہیں ۔

اتحادِ رسل دربارۂ حکم توحید و تقویٰ و اکلِ حلال و محاسنِ اعمال

و تحذیر و تخویف از مخالفت پیغمبراں و ذمِ متکبرین و ہوا پرستاں

قال اللہ تعالیٰ۔ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ... الیٰ ... بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ۔

(ربط) گزشتہ رکوعات میں انبیاء و رسل کے واقعات بیان کیے جن میں یہ بیان تھا کہ تمام انبیاء و رسل توحید و تقویٰ اور ایک خدائے برحق کی عبادت کے داعی تھے۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ توحید اور تقویٰ اور اکلِ حلال اور نیک اعمال کی دعوت بھی تمام انبیاء کا دین ہے اور یہی تمام پیغمبروں کی راہ ہے اور سب رسولوں نے اسی کی تعلیم دی لیکن متکبرین اور ہوا پرستوں نے نفسانی خواہشوں کی بنا پر پیغمبروں کی مخالفت کی اور دین کو پارہ پارہ کیا اور ہر ایک نے اپنا دین جدا جدا بنا لیا اور جس فرقہ نے جو طریقہ نکال لیا وہ اس پر یہ سمجھ رہا ہے خوب سمجھ لو کہ ہر زمانہ میں اللہ نے ہر رسول کو یہی حکم دیا ہے مگر ان کی امتوں نے اس میں اختلاف کیا اور مال و دولت کے نشہ میں اپنے تراشیدہ خیالات اور نفسانی خواہشوں کے پیرو بن گئے اور نئے نئے مذاہب نکال لیے۔ انبیاء کرامؑ میں اختلاف نہیں البتہ تمہاری نفسانی خواہشیں مختلف ہیں اور یہی خرابی کا باعث ہیں۔ ان لوگوں نے انبیاء کرامؑ کی پیروی کو تو برا سمجھا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی ان کو لذیذ معلوم ہوئی اس لیے مختلف فرقے بن گئے اور ہر فرقہ اپنے زعم پر نازاں اور فرحاں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتلا دیا کہ لوگوں کو چاہیے کہ حق کا اتباع کریں اور اپنی نفسانی خواہش کا اتباع نہ کریں، بالفرض اگر حق لوگوں کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین تباہ ہو جائیں۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ جس چیز پر تمام انبیاء متفق رہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اور اس پر عمل کریں اور جن لوگوں نے نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا ان کے طریقہ پر نہ چلیں اس لیے ان آیات میں حق سے اختلاف کرنے والوں کی مذمت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر زمانہ میں پیغمبروں کو یہ حکم دیا کہ اے رسولو: تم پاکیزہ چیزیں کھایا کرو اور کھا کر اللہ کا شکر کیا کرو، اور شریعت کے مطابق نیک کام کیا کرو، بیشک میں تمہارے اعمال سے پورا باخبر ہوں۔

یعنی اللہ نے ہر زمانہ میں اپنے رسولوں کو یہ حکم دیا کہ جو چیزیں اللہ کے نزدیک پاکیزہ یعنی حلال ہیں وہ کھاؤ اور حرام سے بچو اور نیک عمل کرو۔ اکل طیبات کے حکم میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین اسلام میں رہبانیت نہیں اور نصاریٰ کی طرف تعریض ہے کہ وہ ترک لذائذ و طیبات کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر رد فرمایا اور قرب الٰہی کا دارومدار توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور حسنِ اعمال پر ہے اور ان باتوں پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے نیز اس حکم میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ کھانا اور پینا نبوت کے منافی نہیں۔ کفار یہ کہتے تھے کہ پیغمبر ہماری طرح کھاتے اور پیتے ہیں ان کو ہم پر کیا فضیلت ہے کہ ہم ان کی اطاعت کریں جیسا کہ نوح علیہ السلام کے قصہ میں گزرا۔ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ اس لیے بتا دیا کہ فضیلت کا دارومدار توحید اور تقویٰ اور اعمال صالح پر ہے اور اکل حلال اعمال میں ممد اور معاون ہے اور کھانا پینا لوازم بشریت میں سے ہے نبوت کے منافی نہیں۔

اور اے رسولو! تحقیق یہ ہے کہ تمہاری ملت ایک ملت ہے یعنی ہر ملت میں توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور نیک اعمال کا حکم ہے تم سب کا دین ایک ہے اگرچہ شریعتیں مختلف ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ اے گروہ انبیاء تم سب ایک جماعت ہو۔ ایمان اور توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور صدق مقال اور نیک افعال پر تم سب متفق ہو۔ لفظ اُمت جس طرح جماعت پر بولا جاتا ہے اسی طرح جماعت کے دین اور ملت پر بھی بولا جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ (ای علیٰ دین وملۃ) لہٰذا اس آیت میں لفظ اُمت سے ملت کے معنی مراد لینا بھی صحیح ہے اور جماعت مراد لینا بھی صحیح ہے۔ اور میں ہی تنہا تمہارا رب ہوں سو مجھ سے ہی ڈرو اور میرے سوا کسی طرف نظر نہ کرو پس لوگوں کو چاہیے تھا کہ سب اسی ایک دین اور ایک ملت پر متفق ہو جاتے لیکن لوگ دین کے بارہ میں مختلف اور متفرق ہو گئے اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور خوب اختلاف کیا اور ہر ایک نے اپنا دین الگ الگ بنایا اور ہر فرقہ اور گروہ اس دین پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے ہر فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور اس پر خوش اور نازاں ہے حالانکہ از اول تا آخر سب غلط ہے۔ اور گمراہی ہے پس اے نبی آپ کو ان جاہلوں سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں آپ ان کو ایک زمانہ تک ان کی غفلت اور جہالت میں چھوڑ دیجیے وقت آنے پر ان کو اپنی جہالت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی خدا تعالیٰ کی ڈھیل کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کیا ان منکرین کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو جو کچھ مال اور اولاد سے مدد دیتے چلے جا رہے ہیں تو کیا ہم ان کے لیے بھلائیوں کو پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں اور طرح طرح سے ان کو نفع پہنچا رہے ہیں۔ یہ بات نہیں بلکہ وہ سمجھتے نہیں کہ بات کیا ہے۔

یہ لوگ مال و اولاد کی کثرت کو اپنی فضیلت کی دلیل سمجھے ہوئے ہیں۔ بات یہ نہیں بلکہ وہ درحقیقت استدراج ہے خدا کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے تاکہ تاڑ پوری بھر کر ڈبے مگر کافر اس بات کو سمجھتے نہیں۔ حق تعالیٰ نے کافروں کو خوب کھانے پینے کو دیا۔ کھا پی کر مست ہو گئے اور سمجھے کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ یعنی یہ لوگ اللہ کے چہیتے نہیں بلکہ خدا

کے نزدیک مثل بہائم کے ہیں، یہ سمجھتے نہیں کہ ہم کو یہ چارہ اور گھاس دانہ کیوں خوب دیا جا رہا ہے۔ مقصود ذبح کرنا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾

البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ

اور جو لوگ اپنے رب کی باتیں یقین کرتے ہیں۔ اور جو لوگ

هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا

اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ اور جو لوگ دیتے ہیں جو دیتے

آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۶۰﴾

ہیں اور ان کے دلوں میں ڈر ہے کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿۶۱﴾

وہ دوڑ دوڑ لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے۔

ذکر صفاتِ اہلِ صدق ایمان

قال اللہ تعالیٰ۔ إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ... الیٰ ... وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ

ربط: اوپر کی آیتوں میں ان اہلِ جہالت وضلالت کا ذکر تھا کہ جو شرور اور معاصی میں سارعت کرنے والے تھے اب ان آیات میں ان اہلِ صدق اور اہلِ ایمان کی صفات بیان کرتے ہیں کہ جو خیرات اور اعمال صالحہ میں مسارعت کرنے والے ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی پانچ صفتیں بیان فرمائیں۔
(۱) اللہ سے ڈرتے ہیں (۲) اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں (۳) شرک نہیں کرتے (۴) نیکیاں کرتے ہیں مگر باوجود اس کے ان کو اپنے ایمان اور عمل پر ناز نہیں بلکہ ان کو ہر وقت اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ ہمارا عمل قبول ہوگا یا نہیں۔ (۵) ان کو آخرت کا یقین ہے ایسے لوگ حق تعالیٰ کے

نزدیک مقبول اور محبوب ہیں اور سابقین اوّلین میں سے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں.

(۱) تحقیق جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں حق جل شانہٗ کی خشیت اور اس کی عظمت وہیبت نے ان کو مضطرب اور بے چین بنا رکھا ہے.

(۲) اور وہ لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں.

(۳) اور وہ ایسے مخلص ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے. سرتاپا اخلاص اور صدق ہیں ان کی عبادت جلی اور خفی شرک اور ریاء اور نفاق کے شائبہ سے پاک ہے۔

(۴) اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ دیتے ہیں خدا کی راہ میں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور باوجود اس کے انکے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کی خیرات وصدقات یا ان کے اعمال خیر رد نہ ہو جائیں اور آخرت میں ان کو نفع نہ دیں۔

(۵) اور خوف کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یقین ہے کہ وہ بلاشبہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یعنی ان کو قیامت کا یقین ہے۔ ایسے ہی لوگ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں نیکیوں بھلائیوں میں دوڑتے ہیں یعنی بصدق شوق ورغبت اعمال صالحہ کو بجا لاتے ہیں اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ کوئی طاعت ان سے نہ رہ جائے اور نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور سب سے آگے نکل جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے حق تعالےٰ کی سعادت سابق ہو چکی ہے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ

اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر جو اس کی سمائی ہے اور ہمارے پاس لکھا ہے

يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ

جو بولتا ہے سچ - اور ان پر ظلم نہ ہوگا - کوئی نہیں، ان کے دل

فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ

بے ہوش ہیں اس طرف سے ۔ اور ان کو اور کام لگے ہیں اس کے سوا

ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ

کہ وہ ان کو کر رہے ہیں - یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم ان کے آسودہ

بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ

لوگوں کو آفت میں، تبھی وہ لگیں گے چلانے ۔ مت چلاؤ! آج کے دن

اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى

تم ہم سے چھڑائے نہ جاؤ گے - تم کو سنائی جاتیں میری آیتیں تو

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ

تم ایڑیوں پر اُلٹے بھاگتے تھے - اس سے بڑائی کر کر

بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

ایک کہانی والے کو چھوڑ کر چلے گئے۔

ترغیب باعمالِ خیر و بیان حال و مآل اہلِ طغیان

قال اللہ تعالٰی وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ... الیٰ ... سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں جن اعمال خیر کی مدح فرمائی تھی اب ان آیات میں ان کی ترغیب دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ وہ افعال و اعمال جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اور جن لوگوں کو ان نیکیوں کی طرف رغبت نہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ احکام اسلام سخت اور دشوار ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جب خدا کا عذاب دیکھتے ہیں تب ہوش آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جن اعمالِ خیر میں اہل ایمان مسارعت اور مسابقت کر رہے ہیں، یہ اعمال کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اس لیے کہ ہم کسی شخص کو اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ مثلاً جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے وہ بیٹھ کر پڑھ لے وغیرہ وغیرہ یعنی ہم بندہ کو اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس کی وہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے یعنی ہر شخص کا نامۂ اعمال ہمارے پاس محفوظ ہے جو قیامت کے دن لوگوں کا حال سچائی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بیان کر دے گی خلاف واقع اس میں کچھ نہیں لکھا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بایں طور کہ جو انہوں نے نہیں کیا وہ لکھ دیا جائے اور جو کیا ہے اس کو نہ لکھا جائے کتاب سے اس جگہ نامہائے اعمال مراد ہیں جن کو قیامت کے دن خود پڑھ لیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ اور نطق سے مراد بیان اور اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ نامۂ اعمال قیامت کے دن تمہارے سب کاموں کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے گا اور بدن کی اور زیادتی تمہارے اعمال کو ظاہر کر دے گا کوئی بات اس میں خلاف واقع نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ حق تعالٰی نے نامہائے اعمال کی شہادت کے متعلق جو خبر دی ہے وہ حق اور صدق ہے کفار یہ باتیں سن کر خیرات یعنی نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف رغبت نہیں کرتے بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت اور حیرت میں پڑے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے لیے سوائے کفر اور شرک اور انکار قرآن کے اور بھی بُرے عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح برابر شک اور غفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے دولتمند اور آسودہ حال لوگوں کو آفت اور مصیبت میں پکڑیں گے تو فوراً بلبلائیں گے۔ اور گریہ وزاری کریں گے اس وقت غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھے گا اور غرور و نخوت کا سارا نشہ کافور ہو جائے گا اس وقت ان کو ہماری طرف سے یہ کہا جائے گا آج تم بلبلاؤ نہیں اس میں شک نہیں آج تم ہماری طرف سے مدد نہ دیئے جاؤ گے یعنی تمہارا یہ بلبلانا اور گڑگڑانا بے سود ہے اور تم ہمارے عذاب سے رہائی نہیں پاؤ گے۔ کیونکہ تم پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو تم ان کو حقارت اور نفرت سے سنتے تھے اور تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاتے تھے تکبر کرتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے اور قرآن کو فسانہ اور مشغلہ بناتے ہوئے اور قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں بیہودہ باتیں بکتے ہوئے ایسوں کا عذاب سے بچنا ممکن نہیں جو قرآن سے اعراض کریں اور افسانوں اور ناولوں میں مشغول رہیں۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ

سو کیا دھیان نہیں کی یہ بات یا آیا ہے اُن پاس

مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ

جو نہ آیا تھا اُن کے پہلے باپ دادوں پاس۔ یا پہچانا

يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

نہیں انہوں نے اپنا پیغام لانے والا۔ سو اس کو اوپری سمجھتے ہیں۔ یا کہتے ہیں اس کو

بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ

سودا ہے۔ کوئی نہیں وہ لایا ہے ان کے پاس سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات

كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ

بُری لگتی ہے۔ اور اگر سچا رب چلے اُن کی خوشی پر۔ تو خراب ہوں

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ

آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے بیچ ہے۔ کوئی نہیں۔ ہم نے پہنچائی

بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ

ہے ان کو نصیحت، سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے۔ یا تو اُن سے

خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ

مانگتا ہے کچھ حاصل، سو حاصل تیرے رب کا بہتر ہے، اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا۔ اور

اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

تُو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر۔ اور جو لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

نہیں مانتے پچھلا گھر، راہ سے ٹیڑھے ہوئے ہیں۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ

اور اگر ہم ان کو رحم کریں، اور کھول دیں جو تکلیف ہے اُن پر، مقرر لگے جاویں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا

اپنی شرارت میں بہکے۔ اور ہم نے پکڑا تھا اُن کو آفت میں، پھر

اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا

نہ دبے اپنے رب کے آگے، اور نہیں گڑگڑاتے۔ یہاں تک کہ جب کھولیں گے

عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا، تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی۔

بیان اسباب جہالت و ضلالت متکبرین و معرضین

قال اللہ تعالیٰ۔ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝

ربط[1]، گزشتہ آیات میں متکبرین کی جہالت اور ضلالت کا اجمالی بیان تھا، اب ان آیات میں ان کی

[1] یہ تمام کلام تفسیر کبیر اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی کے کلام کی تفصیل ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

جہالت اور ضلالت کے اسباب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان کا رد فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ کن وجوہ اور اسباب کی بنا پر کفر اور انکار پر آمادہ ہوئے ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ ان لوگوں کی گمراہی کا سبب ان پانچ باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے۔

(۱) یا تو یہ وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کیا جو آپ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ اور ہر شان میں توریت اور انجیل سے کہیں بلند اور برتر ہے اور فصحاء عالم اس کے معارضہ سے عاجز ہیں۔

(۲) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی بعثت کو بدعت اور امر غریب جانا۔

(۳) یا یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے حال سے اور آپ کے صدق اور امانت سے واقف نہیں کہ امی ہیں پڑھا لکھا کچھ نہیں مگر علم اور حکمت کے چشمے ان کی زبان فیض ترجمان سے جاری ہیں ذرا غور تو کریں۔

(۴) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ معاذ اللہ حضور پر نور مجنون اور دیوانہ ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ حضور پر نور تو عقل مجسم ہیں جس نے آپ کو دیکھ لیا گویا اس نے عقل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

(۵) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے کچھ مالی منفعت کے امیدوار اور طلب گار ہیں۔

حق جل شانہٗ نے کفار کی ان باتوں کو نقل کر کے سب کا جواب دیا اور بتلا دیا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ نہیں کہ یہ لوگ قرآن کریم کے ظاہری اور معنوی اعجاز سے واقف نہیں یا آپ کی صداقت اور امانت سے یا آپ کی فہم و فراست سے واقف نہیں یا آپ کو پہچانتے نہیں یا آپ ان سے کسی مالی منفعت کے امیدوار ہیں ان میں سے انکار کی کوئی بھی وجہ نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور غرور اور تکبر کی وجہ سے حق کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں اور بجائے اس کے کہ وہ حق کا اتباع کریں چاہتے یہ ہیں کہ حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے، بالفرض اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ لوگ بڑے سرکش ہیں بغیر کسی عذاب اور بلاء آسمانی کے حق کے سامنے جھکنے والے نہیں۔ (دیکھو حاشیۂ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۱ ج ۳ و حاشیۂ صاوی علی تفسیر جلالین)

چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو قرآن اور صاحب قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اور کفر اور انکار پر تُلے ہوئے ہیں آخر اس کا کیا سبب ہے پس یا تو اس کی تکذیب کی وجہ "یہ ہے کہ انہوں نے اس قرآن میں غور نہیں کیا" تا کہ قرآن کا لفظی اور معنوی اعجاز ان پر ظاہر ہو جاتا اور جان لیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور سراپا حق اور صدق ہے اور دلائل توحید اور دلائل نبوت پر مشتمل ہے۔

یا تکذیب کی وجہ "یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی انوکھی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی" تاکہ یہ عذر کر سکیں کہ ہمیں کتاب اور پیغمبر کی کوئی خبر ہی نہیں ان سے پہلے پیغمبر بھی آچکے ہیں اور ان پر اللہ کی کتابیں بھی نازل ہو چکی ہیں۔

یا تکذیب کی وجہ (۳) یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اور اس کی امانت اور صداقت اور فہم و فراست

کو نہیں جانا پس اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔ سو یہ غلط ہے یہ سب لوگ آپ کو اور آپ کے حسب و نسب کو اور صدق و راستی اور امانت کو پہچانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔ پھر انکار کی کیا وجہ۔ سوائے حسد کے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور علماء بنی اسرائیل تو آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اور ہرقل شاہِ روم کا آپ کے حسب و نسب اور صدق اور امانت کے متعلق سوال کرنا اور ابوسفیانؓ کا جواب دینا معروف و مشہور ہے۔

یا تکذیب کی وجہ (۴) یہ ہے کہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ کو جنون ہے سو یہ امر بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے جن مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ آپ آراستہ ہیں اور جن کا آپ دوسروں کو حکم دیتے ہیں یہ سب آپ کے کمال عقل اور کمال حکمت کی روشن دلیل ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی باتوں کو جنون اور دیوانگی بتلانا یہ خود جنون اور دیوانگی ہے یہ سب باتیں غلط ہیں کچھ بھی نہیں بلکہ تکذیب کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ نبی ان کے پاس حق بات لے کر آیا ہے جس کی صحت اور حسن اور خوبی میں کسی عاقل کو کلام نہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے متنفر اور بیزار ہیں کیونکہ وہ حق بات ان کی نفسانی خواہشوں اور طبعی آرزوؤں کے خلاف ہے اور نفس پرستوں کا کسی چیز سے ناخوش ہونا بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ حق کا پیرو بنے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو حق کے تابع کر دے۔ اور اگر بالفرض حق ان کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ سب تباہ و برباد ہو جائیں یہ کارخانہ عالم عجیب و غریب حکمتوں اور مصلحتوں پر چل رہا ہے اور لوگوں کی خواہش اور اغراض مختلف ہیں اور عالم میں جو بھی فساد ہے وہ نفسانی خواہشوں کی بنا پر ہے پس ہم نے ان کو ایسی چیز نہیں دی جو ان کی تباہی اور بربادی کا سبب بنے بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت کی چیز لائے ہیں یعنی ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس میں ان کے لیے وعظ و نصیحت ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہم ان کے پاس ان کی عزت اور شرف کی چیز لائے ہیں پس وہ لوگ اپنی نصیحت کی چیز سے یا اپنی عزت و شرف کی چیز سے منہ موڑنے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ اپنی نصیحت سے اور اپنی عزت اور شرف کی چیز سے روگردانی سخت حماقت ہے۔

یا تکذیب کی وجہ (۵) یہ ہے کہ آپ ان سے کچھ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں یا تبلیغ رسالت پر آپ ان سے اُجرت چاہتے ہیں اس وجہ سے آپ پر حرص اور طمع کی تہمت رکھتے ہیں پس ان لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کی اُجرت کی اور ان کے مال و دولت کی ذرہ برابر ضرورت نہیں تیرے پروردگار کا مال و دولت اور اس کا عطیہ سب سے بہتر ہے، آسمان و زمین کے خزانے تیرے پروردگار کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے آپ ان سے کیا اُجرت مانگتے، آپ تو علی الاعلان فرماتے تھے قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۔ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔

اور تحقیق آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی دعوت دیتے ہیں آپ کا مقصود تو آخرت ہے معاذ اللہ اجرت آپ کا مقصود نہیں اور آپ کی راہ ایسی سیدھی ہے کہ تمام عقول سلیمہ گواہی دیتی ہیں کہ وہ راہ راست ہے، اس میں کسی طرح کی کجی نہیں۔

اور تحقیق جو لوگ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے منحرف ہیں۔ اور گمراہی کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ آخرت کے راستہ سے بھاگ رہے ہیں اور آنکھ بند کرکے دنیا کے راستہ پر چلے جا رہے ہیں۔ اور طرح طرح کی آسمانی آفتیں اور مصیبتیں سامنے آرہی ہیں مگر ہوش میں نہیں آتے۔

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور قحط کی تکلیف اور سختی جو ان پر پہنچ رہی ہے اس کو دور کردیں تو تب بھی احسان نہ مانیں اور برابر اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں اور مصیبت کے وقت جو خدا سے وعدے کیے تھے وہ سب طاق نسیان میں رکھ دیئے۔ کما قال اللہ تعالٰی وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا۔ وقال اللہ تعالٰی فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ

اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو بعض اوقات آفت اور مصیبت اور سختی میں بھی پکڑا۔ پھر بھی یہ سرکش اپنے رب کی طرف نہ جھکے اور نہ نرم پڑے اور نہ عاجزی اور زاری کی بلکہ برابر اپنی غفلت میں غرق رہے اور کفر اور مخالفت پر جمے رہے یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر ایک سخت عذاب کا دروازہ کھولا تو فوراً اس میں ناامید اور آس توڑنے والے ہوگئے اور دل کی ساری امیدیں ختم ہوئیں۔

وَهُوَ الَّذِيٓ أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْـِٔدَةَ ۚ

اور اسی نے بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل۔

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي

تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو۔ اور اسی نے تم کو بکھیر رکھا ہے زمین

الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَ

میں۔ اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے۔ اور وہی ہے جلاتا اور

يُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾

مارتا، اور اسی کا کام ہے بدلنا رات اور دن کا۔ سو کیا تم کو بوجھ نہیں؟

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوٓا أَءِذَا مِتْنَا

کوئی نہیں۔ یہ وہی کہتے ہیں جیسے کہہ چکے ہیں پہلے۔ کہتے ہیں کیا جب ہم مرگئے۔

وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَءِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ

اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں، کیا ہم کو جلا اٹھانا ہے؟ وعدہ مل چکا

وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے، اور کچھ نہیں یہ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ

نقلیں ہیں پہلوں کی۔ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس کے بیچ

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا

ہے، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ اب کہیں گے اللہ کو۔ تو کہہ، پھر تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ

سوچ نہیں کرتے۔ تو کہہ کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور مالک

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

اس بڑے تخت کا؟ بتادیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈر نہیں رکھتے؟

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَ

تو کہہ کس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی؟ اور وہ بچا لیتا ہے، اور

لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ

اس سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ بتاؤ اگر تم جانتے ہو۔ اب بتادیں گے اللہ کو

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ

تو کہہ، پھر کہاں سے تم پر جادو پڑ جاتا ہے۔ کوئی نہیں، ہم نے ان کو پہنچایا سچ۔ اور وہ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ

البتہ جھوٹے ہیں۔ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا

مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ

حکم چلے۔ یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنے بنائے کو اور

لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا
چڑھ جاتا ایک پر ایک - اللہ نرالا ہے ان کے

يَصِفُوْنَ ﴿٩١﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا
بتانے سے - جاننے والا چھپے اور کھلے کا - وہ بہت اوپر ہے اس سے

يُشْرِكُوْنَ ﴿٩٢﴾ ع
جو یہ شریک بتاتے ہیں۔

تذکیر انعامات و ذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ... الٰی ... فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کے اسباب جہالت وضلالت کا بیان تھا اور ان سب کا اصل منشاء حشر و نشر کا انکار تھا کہ یہ لوگ جزاء اور سزا اور قیامت کے قائل نہ تھے۔ اس لیے اب آئندہ آیات میں اپنی نعمتوں کو یاد دلاتے ہیں تاکہ اس کا شکر کریں اور اپنی قدرت کاملہ کے آثار کو ذکر کرتے ہیں تاکہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کیے جانے میں شک نہ کریں اور قیامت اور جزاء اور سزا پر ایمان لے آئیں کہ جس خدا کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں اس کے نزدیک مُردوں کا زندہ کرنا کیا بڑی بات ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چار دلائل بیان فرمائے جو دلائل وحدانیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیلِ اوّل

اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل۔ اگر حق تعالیٰ تمہارے لیے یہ اعضاء پیدا نہ کرتا تو تم نہ سُن سکتے اور نہ دیکھ سکتے۔ اور نہ سمجھ سکتے ان کے بغیر زندگی موت سے بدتر ہے تم کو یہ عجیب و غریب نعمتیں اس لیے عطا کیں کہ تم خدا کا خوب ہی شکر کرو۔ لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو تو کیا ایسا ناشکرا اس کا مستحق نہیں کہ اس پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا جائے۔

دلیلِ دوم

اور وہ وہ ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور پھیلایا اور تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کو زمین میں بکھیر دیا کہ ان کے لیے اِدھر سے اُدھر جارہے ہو اور پھر قیامت کے دن اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور تم سے سوال ہوگا کہ تم نے ہماری نعمتوں کا کیا شکر کیا۔ یہ خدا کی رحمت اور نعمت بھی ہے اور کرشمۂ قدرت بھی ہے۔

دلیلِ سوم

اور وہ وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے یعنی تمہاری موت اور حیات اور تمہارا وجود اور عدم سب اس کے ہاتھ میں ہے۔

دلیلِ چہارم

اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے دن رات کی آمد و رفت یعنی ان کا روشنی اور تاریکی میں مختلف ہونا اور ان کا گھٹنا اور بڑھنا یہ سب اسی کے ارادہ اور اختیار سے ہے سو کیا تم سمجھتے نہیں کہ یہ کارخانہ کسی قادر مختار کے اختیار سے جاری ہے اور کیا ان دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی بعث اور حشر و نشر کا انکار کرتے ہو لیکن ان لوگوں نے اس عجیب و غریب کرشمہ کو دیکھ کر عقل سے کام نہیں لیا بلکہ انہوں نے وہی بات کہی جو اگلوں نے کہی تھی عقل کو تو بالائے طاق رکھ دیا اور بولے بھلا جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ ان کا یہ کلام خالی خیال ہی خیال تھا کوئی دلیل عقلی نہ تھی جس سے دوبارہ زندگی کا محال ہونا معلوم ہو اور بولے یہی وعدہ یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ مگر ہم نے اس کی کوئی اصلیت نہیں دیکھی اور اب تک یہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف اگلوں کے افسانے اور من گھڑت قصے ہیں۔ انہی کی نقل یہ نبی بھی کرتا ہے۔ اے نبی آپ ان منکرین بعث سے جو مٹی سے انسان کے پیدا ہونے کو محال سمجھتے ہیں یہ سوال کیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ یہ زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے وہ کس کی ملک ہے اور کون اس کا خالق اور موجد ہے اگر جانتے ہو تو بتلاؤ۔ عنقریب مجبور ہو کر یہی کہیں گے کہ سب زمین مع اپنی مخلوقات اور مع نباتات کے اللہ ہی کی ملک ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے پس جب وہ یہ اقرار کرلیں تو آپ ان سے یہ کہیں کہ پھر دھیان کیوں نہیں کرتے یعنی جب تم اس کو ابتداءً خالق مانتے ہو تو دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں مانتے نیز آپ ان منکرین بعث سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ اچھا بتلاؤ کہ سات آسمانوں کا پروردگار اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے۔

سو اس کے جواب میں بھی مزدرو وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کا ہے تو پھر آپ ان سے یہ کہیے کہ پھر تم خدا سے ڈرتے کیوں نہیں کہ تم اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز بتلاتے ہو جس ذات کی قدرت کی یہ شان ہو اسے مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے نیز اے نبی آپ ان منکرین بعث سے یہ بھی دریافت کیجیے کہ بتلاؤ کہ وہ کون ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر شئے کی بادشاہی اور حکومت ہے اور اس کے ہاتھ میں ہر شئے کا اختیار ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے برخلاف پناہ نہیں دی جا سکتی۔ بتلاؤ اگر تم کچھ جانتے ہو وہ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ سب صفتیں تو اللہ ہی کے لیے خاص ہیں تو آپ ان سے یہ کہیے کہ اچھا بتلاؤ کہ پھر تم کہاں سے جادو کر دیئے گئے ہو یعنی ان واضح دلائل کے بعد تمہاری عقلیں کہاں چلی گئیں کہ اس کی قدرت میں شک کرنے لگے اور اس کی وحدانیت میں شرک کرنے لگے اور باوجود اس علم اور اقرار کے اس کے غیر کو پوجنے لگے، خوب سمجھ لو کہ اللہ ایک ہے اور بعث حق ہے اور یہ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ نہیں بلکہ ہم ان کے پاس حق اور صدق لے کر آئے ہیں۔ اس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور بلاشبہ یہ مشرکین ہی جھوٹے ہیں جو خدا کے لیے شریک اور اولاد ٹھہراتے ہیں اور اس بارہ میں ان کے پاس کوئی دلیل اور برہان نہیں اللہ تو وحدہٗ لا شریک ہے کوئی اس کا ہم جنس نہیں اس لیے کہ اللہ نے کسی کو اولاد نہیں ٹھہرایا نہ بیٹا اور نہ بیٹی اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے بالفرض اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا یعنی خدائی تقسیم ہو جاتی اور ہر خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جُدا کر لیتا تاکہ اس کی قدرت اور سلطنت کا علم ہو اور لوگ جانیں کہ یہ فلانے خدا کی مخلوق ہے اور ہرگز پسند نہ کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق کے ساتھ رَل مِل جاوے، اس لیے کہ جب دو خدا ہوتے تو ان کی مخلوق بھی دو حصوں میں منقسم ہوتی اور ہر ایک خدا اپنی سلطنت اور ملکیت کو علیحدہ کر لیتا تاکہ دوسرا خدا اس خدا کی حدود ملکیت و سلطنت میں مداخلت نہ کر سکے ایک بادشاہ کبھی بھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ اس کی حدود سلطنت دوسرے کی حدود سلطنت کے ساتھ رَل مِل جائیں۔ ہر کارخانہ کا نشان اور مہر الگ ہوتی ہے تاکہ اس کارخانہ کی چیز دوسرے کارخانہ کی چیز سے ملتبس نہ ہو سکے۔ غرض یہ کہ ایک خدا کبھی اس پر راضی نہیں ہو سکتا کہ دوسرا خدا اس کی ملک اور اس کے مُلک میں شریک اور دخیل ہو سکے اور ایک خدا ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے کی طرف منسوب ہو سکے، تمام دنیا کی سلطنتوں کا قاعدہ ہے کہ ایک بادشاہ کی حدود سلطنت دوسرے بادشاہ کی حدود سلطنت سے جُدا اور ممتاز ہوتی ہیں اور ہر سلطنت کا امتیازی نشان علیحدہ ہوتا ہے پس اسی طرح اگر دو خدا ہوتے تو ہر ایک کی مخلوق اور ہر ایک کی حدود سلطنت دوسرے سے جُدا اور ممتاز ہوتے۔ لیکن مخلوقات میں کوئی علامت فرق کی نظر نہیں آتی کہ یہ مخلوق اس خدا کی ہے اور وہ مخلوق اس خدا کی ہے معلوم ہوا کہ خدا ایک ہی ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں اور اگر دو خدا ہوتے تو آخر کار ان دو خداؤں میں لڑائی اور جھگڑا ہوتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اور ہر ایک اپنا غلبہ چاہتا اور اپنی جمعیت اور طاقت فراہم کر کے دوسرے پر حملہ بول دیتا اور پھر اس لڑائی میں لامحالہ ایک دوسرے پر غالب آتا اور زور آور کمزور کو دبا لیتا۔ اور اس کا ملک اس سے لے لیتا اور دوسرا مغلوب ہو جاتا، جیسا کہ لڑائی کا انجام ہے۔ اور جو مغلوب ہو جاتا وہ خدائی کے قابل نہ رہتا اور جو ایک غالب

ہوتا وہی خدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دو خداؤں کی لڑائی سے نظام عالم درہم برہم ہوجاتا اور سارا جہان تہ وبالا ہوجاتا۔ اور دو خداؤں کی جنگ میں عالم کا یہ محکم نظام ایک دن بھی قائم نہ رہتا مگر سب دیکھتے ہیں کہ نظام عالم میں کوئی خلل اور فساد نہیں ہے اور نہ کوئی علامت فرق کی نظر آتی ہے کہ یہ چیز اس خدا کی مخلوق ہے اور وہ چیز فلاں خدا کی مخلوق ہے اور نہ کسی مخلوق پر کسی خدا کی خاص علامت ہے کہ یہ فلانے خدا کی ہے۔ پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور ممتاز نہیں اور نہ آپس میں کوئی لڑائی اور جھگڑا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سارا کارخانہ ایک ہی خدا کے اختیار سے چل رہا ہے اور سارے عالم کا خالق ایک ہی خدا ہے اور یہ سارا عالم ایک ہی خدا کی مخلوق ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں اسے نہ بیٹے کی ضرورت ہے اور نہ کسی شریک کی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۳۶ ج ۶) اور اس دلیل کی مفصل تقریر سورۂ انبیاءؑ کی آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اللہ منزہ ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے لیے بتاتے ہیں یعنی نہ اس کے لیے اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خدا اوّل تو علو اور غلبہ کو چاہے گا کہ دوسرے پر غالب آجاؤں اور اگر بالفرض ایک خدا سے دوسرے خدا پر چڑھائی ممکن نہ ہوئی تو کم ازکم وہ اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور علیحدہ تو ضرور کرے گا شرکت اور خلط ملط پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔

دلیل دیگر

وہ تو غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب اور شہادت کا جاننے والا نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے کہ اگر دو خدا ہوں تو لامحالہ دونوں عالم الغیب ہوں گے اور ہر ایک کا علم اپنے ماسوا کو محیط ہوگا تو لازم آئے گا کہ ہر خدا ایک ہی اعتبار سے محیط بھی ہو اور محاط بھی ہو اور یہ بات عقلاً محال ہے۔ پس وہ بالا اور برتر ہے اس سے جس کو وہ اس کا شریک بتاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

تو کہہ اے رب کبھی تو دکھادے مجھ کو جو ان کو وعدہ ملتا ہے۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى

تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہگار لوگوں میں۔ اور ہم کو قدرت

اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ

ہے کہ تجھ کو دکھا دیں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں ۔ بُری بات کے جواب

هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَ

میں وہ کہہ جو بہتر ہے ۔ ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں ۔ اور

قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُ

کہہ اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، شیطان کی چھیڑ سے ۔ اور پناہ

بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ

تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آویں ۔ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں کسی کو

الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا

موت ، کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیجو ، شاید کچھ میں بھلا کام کروں

فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ

اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ۔ کوئی نہیں ، یہ بات ہے کہ وہ کہتا ہے ۔ اور ان کے

وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي

پیچھے اٹکاؤ ہے جس دن تک اٹھائے جاویں ۔ پھر جس وقت پھونک

الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾

ماریں صور میں ، تو نہ ذاتیں ہیں ان میں اس دن ، نہ آپس میں پوچھنا ۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَ

سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں وہی لوگ کام لے نکلے ۔ اور

مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جس کی ہلکی ہوئیں تولیں سو وہی ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان ،

فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا

دوزخ میں رہا کریں گے۔ مارتی ہے ان کے منہ پر آگ اور وہ اس میں

كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا

بدشکل ہو رہے ہیں۔ تم کو سناتے نہ تھے ہماری آیتیں؟ پھر تم ان کو جھٹلاتے

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا

تھے۔ بولے اے رب! زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ

قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا

بہکے۔ اے رب! نکال لے ہم کو اس میں سے، اگر ہم پھر کریں تو

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ

ہم گنہگار۔ فرمایا پڑے رہو پھٹکارے اس میں اور مجھ سے نہ بولو۔ ایک

كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ

فرقہ تھا میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے! ہم یقین لائے سو معاف کر

لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ

ہم کو، اور مہر کر ہم پر اور تو سب مہر والوں سے بہتر ہے۔ پھر تم نے ان کو

سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ

ٹھٹھوں میں پکڑا۔ یہاں تک کہ بھولے ان کے پیچھے میری یاد، اور تم ان سے ہنستے

تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ

رہے۔ میں نے آج دیا ان کو بدلہ ان کے سہنے کا، کہ وہی ہیں

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ

مراد کو پہنچے۔ فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں

سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ

کی گنتی سے؟ بولے ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم، تو پوچھ لے

الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ

گنتی والوں سے۔ فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

جانتے ہو۔

تلقین دعا وآداب تبلیغ ودعوت وذکر احوال

واحوال آخرت برائے تخویف اہلِ شقاوت

قال اللہ تعالیٰ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔

(ربط) اوپر کی آیتوں میں کفار کے عناد وطغیان کا بیان تھا کہ وہ بطور تمسخر یہ کہتے تھے کہ آپ کے منکرین پر عذاب کب آئے گا۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مناسب وقت دعا کی تلقین فرماتے ہیں کہ کافروں کی ایذا رسانی اور بدکلامی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں بلکہ ان کی بدی کا نیکی سے جواب دیں اور یقین رکھیں کہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بدیر یا بسویر ضرور آکر رہے گا اور اس کے بعد قیامت کے احوال اور اہوال بیان کیے کہ اس دن ہماری آیات کے ساتھ ان کے تمسخر کا انجام ان کے سامنے آجائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ حق تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار اگر مجھ کو میری زندگی میں اس عذاب کا مشاہدہ کرادیں جس کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے تو اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالموں میں نہ شامل کرنا یعنی اگر وہ عذاب میری زندگی اور میری موجودگی میں نازل ہو تو مجھے اس عذاب سے محفوظ رکھنا۔ اللہ کے رسول کا ظالموں کے ساتھ عذاب میں شامل ہونا قطعاً ناممکن ہے لیکن اظہار عبودیت کے لیے ایسی دعا فرمائی۔ بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ خدا کے عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظلم کی نحوست سے عذاب عام آتا ہے جس کی لپیٹ میں بے قصور بھی آجاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۔

اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ واذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنی غیر مفتون یعنی اے پروردگار جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو مجھ کو فتنہ سے محفوظ رکھنا اور مجھ کو ایسی حالت میں اپنے پاس بلا لینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

غرض یہ کہ اس دعا کی تلقین سے تواضع اور کسر نفسی کی تلقین ہے کہ بندہ کو چاہیئے کہ ہر وقت اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے بعض مرتبہ کفر اور ظلم کی نحوست بے گناہ کو بھی پہنچ جاتی ہے۔ عذاب تو نازل ہوگا بدوں پر۔ لیکن اندیشہ ہے کہ عذاب کی کوئی چنگاری کسی بے گناہ کو نہ جا لگے اشارہ اس طرف ہے کہ اگر ان ظالموں پر عذاب آیا تو وہ بڑا ہولناک ہوگا معلوم نہیں کہ اس کے شرارے اور چنگارے کہاں کہاں تک پہنچیں سب کو اس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔

اور بلاشبہ ہم اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ جس عذاب کا ہم ان کافروں سے وعدہ کر رہے ہیں۔ وہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھا دیں۔ اور آپ اپنی آنکھوں سے اپنے دشمنوں کی ذلت وخواری کو دیکھ لیں لیکن جب تک عذاب نہ آوے اس وقت تک آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ان کی بدی اور برائی کا نیک خصلت کے ساتھ مقابلہ کیجئے یعنی دشمنوں کی ایذا دہی کا مقابلہ حلم وصبر اور عفو اور درگذر کے ساتھ کیجئے ہم خوب جانتے ہیں جو بیہودہ بکواس وہ تیری اور میری شان میں کرتے ہیں۔ آپ کو شاعر اور ساحر بتلاتے ہیں اور مجھ کو صاحب اولاد بتلاتے ہیں اور اگر مقتضائے بشریت ان کی باتوں پر غصہ آجائے تو اس طرح دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار میں پناہ لیتا ہوں تیری اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے کچھ ضرر پہنچائیں اور اپنا کوئی تیر مجھ پر چلائیں۔ آگے پھر انہی کافروں کا حالِ بد مآل بیان کرتے ہیں کہ یہ اس طرح اپنی غفلت میں رہیں گے اور کفر اور عناد سے باز نہیں آئیں گے۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آکھڑی ہوتی ہے اور عالم آخرت اسے نظر آنے لگتا ہے اس وقت اس کی آنکھ کھلتی ہے اور نادم ہو کر یہ کہتا ہے اے میرے رب مجھ کو دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں وہاں جا کر نیک عمل کروں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض اس کو واپس بھی کر دیا جائے تو تب بھی یہی کرے گا جو اب تک کرتا رہا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞

یہ اس کی ایک بات ہے جو کہے جا رہا ہے اور غلبۂ حسرت وندامت کی وجہ سے زبان سے کہے چلا جا رہا ہے کہ مجھے دنیا میں واپس کر دو۔ مگر ہمارے یہاں اس کی کوئی شنوائی نہیں اور ابھی کیا دیکھا ہے ابھی تو موت ہی آئی ہے جسے دیکھ کر اس قدر گھبرا گیا اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آرہا ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے وہاں پہنچ کر اس پر عذاب شروع ہوگا۔ جو عذاب آخرت کا ایک نمونہ ہوگا جس کا مزہ قیامت تک چکھتا رہے گا یعنی اس دن تک کہ جب مُردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے موت سے لے کر قیامت تک جو زمانہ ہے وہ برزخ ہے۔

فائدہ برزخ کے اصل معنی یہ ہیں کہ جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اس کو برزخ کہتے

ہیں اسی طرح سمجھو کہ اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان میں یہ عالم برزخ ہے موت سے لے کر حشر تک کا جو درمیانی زمانہ ہے وہ برزخ ہے اور اس کو عالم قبر بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد سے اور قیامت سے پہلے ایک نیا جہان بسایا ہے اور وہ جہان دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنی دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے، یہاں ایمان اور کفر کی اور اعمال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اور عذابِ آخرت کا کچھ نمونہ دکھلا دیا جاتا ہے۔ عالم برزخ کی تکلیفیں تو بطور ماحضر کے ہیں اصل عذاب اور پوری پوری سزا تو قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد ہوگی۔

پس عالم برزخ کے بعد جب قیامت قائم ہوگی اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور مُردے قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو اس دن جس مصیبت کا سامنا ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔ اس دن لوگوں کے درمیان کسی قسم کا رشتہ ناطہ باقی نہیں رہے گا اور نہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے اس روز نہ کوئی قرابت باقی رہے گی اور نہ محبت ایک دوسرے سے بالکل اجنبی ہو جائیں گے، اس روز سوائے ایمان اور عمل صالح کے کوئی چیز کام نہ دے گی، اس دن ایک میزان (ترازو) قائم کی جائے گی جس میں ایمان اور عمل کا وزن ہوگا، سو جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے یہ اہل ایمان کا گروہ ہوگا اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا جیسے کفار اور مشرکین تو ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا اور یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان کے منہوں کو آگ جھلس لے گی اور وہ اس میں نہایت بدشکل ہوں گے، دانت باہر نکلے ہوئے ہوں گے اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کی کھوپڑی سے جا ملے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک آ لگے گا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس وقت حق تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔ کیا یہ بات نہیں تھی کہ دنیا میں تمہارے سامنے میرے قرآن کی آیتیں بار بار پڑھی جاتی تھیں پس تم ان کو جھٹلاتے تھے ان کا مذاق اڑاتے تھے اس لیے تم عذاب کے مستحق ہوئے اور یہ اس کی سزا تم کو مل رہی ہے تو وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی تھی اور بے شک ہم گمراہ لوگ تھے کہ تیرے پیغمبروں پر ایمان نہ لائے۔ اے ہمارے پروردگار اب ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ ہم کو اس آگ سے نکال دیجیے اور ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیجیے۔

پس اگر ہم دنیا میں جانے کے بعد پھر ایسے ہی کام کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں اس وقت جو چاہیں سزا دینا۔ مگر اس وقت تو چھوڑ دیجیے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا دور ہو جاؤ اور ذلت و خواری کے ساتھ اسی آگ میں پڑے رہو اور بولو بھی نہیں۔ اب تمہیں بولنے کی بھی اجازت نہیں۔ کیا تمہیں یاد نہیں رہا کہ تحقیق دنیا میں میرے بندوں میں سے اہل ایمان کا ایک گروہ تھا جو یہ کہا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہیں، پس تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے، یہ گروہ ہمارے خاص محبین اور مخلصین کا گروہ تھا۔ پس تم نے ان درویشانِ اسلام کا جو ہم سے مغفرت اور رحمت کی دعا مانگا کرتے تھے مسخرہ اور مضحکہ بنایا اور تم ان کے ساتھ مسخرہ پن اور عیب جوئی میں یہاں تک پہنچے کہ ان کے اس مشغلہ نے تم کو میری یاد بھی بھلا دی سو ایسے مسخروں کو جو خدا سے دعا مانگنے والوں کے ساتھ مسخرہ پن کریں آج ان کی کوئی دعا قبول نہیں۔

اے نابکارو دور ہو جاؤ آج تمہیں بولنے کی بھی اجازت نہیں اور تم وہی ہو جو مسلمانوں کو دیکھ کر ہنسا کرتے تھے تمہارے اس مسخرہ پن اور ہنسی سے اہل ایمان کا کچھ نہیں بگڑا۔ صبر کیا۔ چند روز کی تکلیف تھی گزر گئی تحقیق آج میں ان درویشان اسلام کو ان کے صبر کی جزا دوں گا۔ جو انہوں نے تمہاری ہنسی پر کیا تھا اور وہ جزا یہ ہے کہ یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں اور تم ہنسنے والے سب ناکام اور نامراد ہو۔ حق کی تکذیب اور اس کا تمسخر ایسا عظیم جرم ہے کہ وہ کسی طرح قابل معافی نہیں۔ یہ آیت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور خبابؓ وغیرہ فقراء مہاجرین کے بارہ میں نازل ہوئی جن سے سرداران قریش تمسخر کیا کرتے تھے اور دلدادگان مغربیت جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں وہ سیدھے سادے اور پرانے وضع قطع کے مسلمانوں کے مذاق اڑانے میں کچھ کم نظر نہیں آتے۔

بعد ازاں کافروں سے بطور توبیخ اور ملامت سوال ہوگا تاکہ ان کی ذلت وحسرت میں اور شدت ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کفار سے پوچھے گا تم زمین میں کتنے سال رہے اور کتنے سال ٹھہرے۔ تمہارا گمان یہ تھا کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور کبھی فنا نہ ہوگی اور جو لوگ دنیا کو فانی بتلاتے تھے ان کا تم مذاق اڑاتے تھے اب بتلاؤ کہ دنیا کی زمین پر کتنے برس زندہ رہے اور پھر قبر کی زمین میں کتنے برس مردہ رہے تو جواب میں یہ بولیں گے کہ ہم دنیا میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ٹھہرے ہمیں تو اچھی طرح یاد نہیں پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے، یعنی فرشتوں سے دریافت کر لیجئے۔ جو اعمال بنی آدم کے کاتب اور ان کی عمروں کے شمار کرنے والے ہیں۔ آخرت کے ہولناک منظر نے دنیا کی طویل وعریض زندگی کو یکلخت بھلا دیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا بہرحال تم نہیں ٹھہرے دنیا میں مگر بہت تھوڑے آخرت کے مقابلہ میں تمام دنیا کی زندگی قلیل ہے۔ کاش اگر تم دنیا میں دنیا کے قلیل اور فانی ہونے کو جانتے تو فانی کو باقی کے مقابلہ میں اختیار نہ کرتے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا

سو کیا تم خیال رکھتے ہو! کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو، اور تم ہمارے پاس پھر نہ

تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۖ لَا إِلَٰهَ

آؤ گے - سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم نہیں

إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾ وَمَن يَدْعُ مَعَ

اس کے سوا۔ مالک اس خاصے تخت کا - اور جو کوئی پکارے اللہ

اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ

کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اس کے پاس، سو اس کا حساب ہے

عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ

اس کے رب کے نزدیک . بیشک بھلا نہ پاویں گے منکر - اور تو کہہ اے رب

اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

معاف کر . اور مہر کر اور تو ہے بہتر سب مہر والوں سے ؞

خاتمۂ سورت بر تہدید اہلِ غفلت از حسابِ آخرت

قال اللہ تعالیٰ. اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ..... الیٰ .... وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ.

(ربط) اب سورت کو اہل غفلت کی تنبیہ اور تہدید پر ختم کرتے ہیں کہ جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں کیا جائے گا اور کسی کو کوئی جزا اور سزا نہیں ملے گی یہ گمان بالکل غلط ہے اور اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ سے بتلا دیا کہ قیامت کے دن کافروں کو کوئی فلاح نصیب نہ ہوگی. اس روز فلاح ان اہلِ ایمان کو نصیب ہوگی جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور خشوع وخضوع کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے وغیرہ وغیرہ.

اس سورت کی ابتداء قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے فرمائی اور اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ پر اس سورت کو ختم فرمایا. شروع سورت میں اہلِ ایمان کے فلاح اور کامیابی کی خبر دی اور اخیر سورت میں کافروں کی ناکامی اور فلاح سے محرومی کی خبر دی. اور وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ فلاح کا اصل دارو مدار اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت پر ہے. لہٰذا اگر فلاح چاہتے ہو تو توبہ استغفار کی راہ اختیار کرو.

چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم لوگ حساب وکتاب اور جزا اور سزا کے منکر ہو اور کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی لغو اور بے کار بغیر کسی حکمت اور مصلحت کے پیدا کیا اور کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد پھر ہماری طرف واپس نہیں آؤ گے اور نیکی اور بدی کی تم کو سزا نہیں ملے گی. تمہارے دونوں خیال غلط ہیں. تمام اہل عقل اور دانش جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عبث یعنی بے فائدہ اور خالی از حکمت نہیں پیدا کیا. اہلِ عقل کہتے ہیں. رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا.

اور تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قیامت کے دن تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے اور جزا، سزا کچھ نہیں. دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے حشر ونشر کا امکان ہے اور کل انبیاء مرسلین نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے جن کا صدق دلائل قطعیہ سے واضح ہے.

پس اللہ تعالیٰ بڑا عالی شان ہے اور بادشاہ برحق ہے کہ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ پیدا کرے۔ اور بادشاہ اور سلطنت کے وفاداروں اور اطاعت شعاروں کو انعام ملنا اور بادشاہ سلطنت کے باغیوں اور غداروں اور مجرموں کو سزا ملنا لوازم سلطنت میں سے ہے اور عین حکمت اور مصلحت ہے اور کسی حکومت میں یہ آزادی نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے۔ قانون کی پابندی سب پر لازم ہے۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رب ہے عرش عظیم کا۔ جو تمام آسمانوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس جو عرش کا مالک ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود سمجھ کر پکارے جس کے معبود ہونے کی اس کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں تو ایسے مشرک کا اللہ کے یہاں ضرور حساب و کتاب ہوگا اور ضرور اس کو اس کی سزا ملے گی کہ جس خدا کی وحدانیت کے بے شمار دلائل تھے اس کے ساتھ بے دلیل کسی کو شریک ٹھہرا لیا لہٰذا ایسے شخص سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ضرور سزا دی جائے گی۔ بلاشبہ کافروں کو فلاح اور کامیابی نہیں بلکہ ابدالآباد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے اور کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

شروع سورت میں اہل ایمان کے لیے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔ اے نبی آپ اور آپ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ۔

فائدۂ جلیلہ اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر ختم سورت تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لیے ایک سریۃ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ۔

صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے اخرجہ ابن السنی و ابن مندہ و ابو نعیم بسند حسن۔ (روح المعانی صفحہ ۶۵ ج ۱۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی عبداللہ بن مسعودؓ نے اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے اخرجہ الحکیم الترمذی و ابن المنذر و ابو نعیم فی الحلیۃ و آخرون عن ابن مسعودؓ۔ روح المعانی صفحہ ۶۶ ج ۱۸)

(تفسیر قرطبی ص ۱۵۷ ج ۱۲)

الحمد للہ ! آج بتاریخ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ یوم چہارشنبہ کو بوقت عصر سورۂ مؤمنون کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ۔ اللّٰھم اجعلنا من عبادك المؤمنین المفلحین الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون والذین ھم لفروجھم حافظون والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون والذین ھم علیٰ صلواتھم یحافظون والذین ھم للفردوس وارثون آمین یارب العالمین۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یاارحم الراحمین ؕ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سُورَۃُ النُّور

یہ سورت مدنی ہے اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں اس سورت سے زیادہ مقصود عفت اور پاکدامنی اور ستر اور نظر کے احکام بیان کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کے نام یہ فرمان جاری کیا۔

علموا نساءکم سورۃ النور۔

اپنی عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ تاکہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ عفت اور پاکدامنی نور ہے اور بدکاری ظلمت اور تاریکی ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں۔

لا تنزلوا النساء الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ وعلموھن سورۃ النور والغزل۔
(تفسیر قرطبی ص ۱۵۸ ج ۱۲)

عورتوں کو بالاخانوں میں نہ اتارو اور نہ ان کو لکھنا سکھاؤ یعنی ان کو تعلیم یافتہ نہ بناؤ اور ان کو سورۂ نور سکھاؤ (تاکہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کریں بے حیائی سے محفوظ رہیں) اور ان کو سوت کاتنا سکھاؤ۔

خُلاصہ وربط

گزشتہ سورت کے شروع میں مؤمنین کے اوصاف اور ایمان کے شعبوں کا ذکر فرمایا جن میں وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ سے شعبۂ عفت و پاکدامنی کو ذکر فرمایا جو ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے اور اس کے ساتھ فرمایا تھا فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ جس میں اشارہ اس طرف تھا کہ جو اپنی منکوحہ یا اپنی کنیز پر قناعت نہ کرے وہ

حدود الٰہیہ سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہے اس لیے اب اس سورت میں اوّل زیادہ تر ان احکام کا بیان ہے جو زنا اور عفت اور پاکدامنی اور پاک نظری اور معاشرہ سے متعلق ہیں تاکہ بندہ حد سے نہ نکل جائے اور اُخروی فلاح سے اور جنت الفردوس کی وراثت سے محروم نہ ہو جائے، اب اس سورت میں حد سے گزرنے والوں کی سزا کا بیان ہے اور یہ بتلانا ہے کہ جب بندہ عفت کی حد سے نکل جاتا ہے تو اس کے دل سے نور نکل جاتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ النور ہوا کہ عفت اور پاکدامنی سے اور نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے جو آدمی کو دارغرور (دنیا) سے متنفر اور بیزار اور دار بقاء کا مشتاق اور عاشق زار بنا کر چھوڑتا ہے اور یہی نور ایمانی قیامت کے دن پلصراط پر اس کی رہنمائی کرے گا۔

کما قال تعالیٰ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ اور پلصراط پر جب منافقین کا نور بجھ جائے گا تو اہل ایمان کو ڈر ہوگا کہ کہیں ہمارا نور ایمان نہ بجھ جائے اس لیے وہ اس نور کے اتمام کی دعا کریں گے اور یہ کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اس لیے ان احکام عفت و عصمت کے بیان کے بعد اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے نور ہدایت کو بیان فرمایا اور بعد ازاں یہ بتلایا کہ وہ نور کہاں ملتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے یعنی مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے اور اس کی عبادت سے ملتا ہے اس کے بعد۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ سے کفر کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو بیان کیا۔ کیونکہ نور کی ضد ظلمت ہے، اہل ایمان کے اعمال نورانی ہیں اور کافروں اور منافقوں کے اعمال ظلماتی ہیں۔ اس کے بعد اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ سے کچھ دلائل توحید بیان کیے جس سے اشارہ اس طرف فرمایا کہ باطنی ظلمتوں کے ازالہ کے لیے توحید اور تسبیح و تحمید سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں۔ بعد ازاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا۔ کما قال تعالیٰ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اوّل ایمان اور اطاعت کی اخروی کامیابی کو بیان فرمایا اور اس کے بعد وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ میں ایمان اور اعمال صالحہ کے دنیوی ثمرہ کو بیان کیا کہ ہم مؤمنین صالحین کو اپنے نبی کا جانشین کریں گے اور روئے زمین کی خلافت اور بادشاہت ان کو عطا کریں گے، اس کے بعد چند آداب معاشرت اور آداب مجلس کی تعلیم دی جس میں اللہ کے رسول کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنے کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور پھر توحید اور آخرت کی یاد دہانی پر سورت کو ختم فرمایا، یہ اس سورت کے مضامین کا اجمالی بیان ہے اور اس سورت میں عفت اور پاکدامنی کے ذیل میں جو احکام بیان فرمائے ان میں وہ حصہ جس کا تعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت صدیقؓ کے قصۂ افک سے ہے وہ ایک خاص شان امتیازی رکھتا ہے، اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اس قصہ کی وہی شان ہے جو حضرت مریم صدیقہؑ کے قصہ کی شان ہے جس کی تفصیل سورۂ مریم میں گزری اور جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی عفت و عصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور

اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہؓ بنت صدیقؓ کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہؓ کی عصمت اور نزاہت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے، دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔

آیاتہا ۶۴ ۲۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ رکوعاتہا ۹

سورۂ نور مدنی ہے اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ

ایک سورت ہے ہم نے اُتاری اور ذمہ پر لازم کی، اور اتاریں اس میں باتیں صاف

لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

شاید تم یاد رکھو۔

تمہید اجمال احکام سورت دربارۂ عفت وعصمت

قال اللہ تعالیٰ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے اتارا ہے۔ جو عفت اور عصمت کے احکام پر مشتمل ہے، جیسے حدِ زنا اور حدِ قذف اور حکم لعان اور حکم استیذان اور حکم غض بصر یعنی نظر اور بصر کو نامحرموں کو دیکھنے سے محفوظ رکھنے کا حکم وغیرہ وغیرہ۔ اور ہم نے ان احکام کو مقرر کیا ہے۔ یعنی یہ احکام ہمارے نازل کردہ اور مقرر کردہ ہیں ان میں کوتاہی نہ کرنا، یا یہ معنی ہیں کہ ان احکام کو ہم نے فرض اور لازم کیا ہے۔ تم پر ان احکام کی تعمیل لازم ہے اور ہم نے اس سورت میں تمہارے لیے واضح اور روشن آیتیں نازل کیں جو ایسی ہدایتوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے تمہارا دل منور ہو جائے۔ شاید نصیحت پکڑو اور سمجھو کہ بدکاریوں اور بے حیائیوں سے دل کا نور رخصت ہو جاتا ہے اور جانو کہ نفس کی تطہیر بغیر ان حدود اور تعزیرات کے ممکن نہیں کہ جو تم کو اس سورت میں بتلا دی گئیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سورت میں معاشرہ کا دستور العمل بتلا دیا کہ زنا سے بچو اور عورتوں کو بے حجابی

سے بچاؤ اور بے دھڑک اور بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ کوئی شخص اپنے گھر میں کس حال میں ہے یہ چیزیں معاشرہ اور تمدن کو خراب کرنے والی ہیں۔ اب اس تمہید کے بعد احکام کی تفصیل شروع فرماتے ہیں اور چونکہ تمام رذائل میں خبیث ترین اور سب سے زیادہ گندہ فعل زنا ہے اس لیے اس سورت کے احکام کی ابتدا حکم زنا سے فرمائی کیونکہ زنا سے حسب و نسب کا نظام درہم و برہم ہو جاتا ہے اور قرابتوں کا فرق ملتبس اور مشتبہ ہو جاتا ہے جس پر نکاح اور میراث کا دارومدار ہے، دینی اور دنیوی فلاح اور کامیابی[عـه] بغیر عفت اور پاکدامنی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ

بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ایک ایک کو دونوں میں سے، سو

جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ

چوٹ (کوڑے)۔ اور نہ آوے تم کو ان پر ترس، اللہ کے حکم چلانے میں۔ اگر

كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْیَشْهَدْ

تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ اور دیکھیں ان کا

عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲﴾

مارنا، کوئی لوگ مسلمان۔

حکم اول حدِّ زنا

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّے مارو۔ اور اے مسلمانو! تم کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ان دونوں پر رحم اور ترس نہ آنا چاہیے کہ

عـه۔ اس تعبیر میں سورۂ مؤمنون کے آغاز قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ اور اس کے خاتمہ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

رحم کھا کر ان کو چھوڑ دو یا ان کی سزا میں کچھ کمی کردو دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے آسان ہے۔

اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہوئے ہو تو حکم الٰہی کو پوری طرح جاری کرو اور اس میں نرمی اور سستی نہ کرو ورنہ خدا تعالیٰ آخرت میں تم سے سوال کرے گا کہ تم نے ہمارے قانون کے جاری کرنے میں لوگوں کی رعایت سے سستی اور بزدلی دکھلائی۔ اللہ کا حق یہ تھا کہ اس کی تعمیل میں ہمت اور دلیری سے کام لیتے اور جب تم یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں اس دن کی باز پرس سے ڈرنا چاہیئے تھا حاصل کلام یہ کہ اللہ کی مقرر کردہ حد کو بلاکسی رعایت کے پوری طرح جاری کرو اور چاہیئے کہ ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے۔ تاکہ لوگوں کو عبرت اور نصیحت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس سزا کی تشہیر بھی ضروری ہے تاکہ اس فضیحت کو دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں۔ اگر کسی بند مکان میں یہ سزا جاری کی گئی تو یہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ اور یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد عاقل اور بالغ اور غیر شادی شدہ ہو۔ ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں غیر محصن کہتے ہیں اور جو شخص شادی شدہ ہو اور ہمبستری بھی کر چکا ہو ایسے شخص کو محصن کہتے ہیں اس آیت میں غیر محصن یعنی غیر شادی شدہ کی سزا کا ذکر ہے کہ اس کے سو کوڑے مارے جائیں اور جو شخص محصن ہو یعنی جس کا نکاح ہوا ہو اور وہ ہمبستری بھی کر چکا ہو تو اس کی سزا رجم سنگسار کرنا ہے یعنی سب کے سامنے اس کے پتھر مارے جائیں یہاں تک کہ وہ مرجائے جیسا کہ سورۃ مائدہ میں بحوالہ توریت یہ گذر چکا ہے۔ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت پر جو شادی شدہ تھے زنا کی سزا میں ان کو بحکم توراۃ رجم و سنگسار کیا اور سب نے طوعاً و کرہاً اس کو قبول کیا کہ توراۃ میں شادی شدہ زناکار کا حکم رجم و سنگسار کرنا ہے اور علی الاعلان رجم کی سزا جاری کی گئی اور اسی بارہ میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔ جس میں رجم کی سزا کو حکم اللہ کہا گیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے بارہ میں رجم کا فیصلہ فرمایا تو یہ ارشاد فرمایا اَللّٰهُمَّ انی اول من احیا امرک اذا اماتوہ خدایا میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم (رجم) کو زندہ کیا جب کہ وہ مٹا چکے تھے بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی شادی شدہ زانیوں کو رجم کی سزا دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ فرمایا اور پھر اس واقعہ یہود کے بعد جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں آپ نے زانی محصن کو رجم کی سزا دی اور اس بارہ میں اس قدر احادیث مروی ہیں کہ ان کا قدر مشترک بلاشبہ تواتر معنوی کو پہنچا ہوا ہے اور حضور پرنورؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ کا بھی یہی عمل رہا اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل نے اور خلفاء راشدین کے عمل نے یہ واضح کر دیا کہ توراۃ میں جو رجم کا حکم تھا وہ شریعت محمدیہ میں حسب سابق باقی ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا میں قتل کا حکم قرآن حکیم میں بحوالہ توراۃ بیان کیا گیا ہے وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ اسی طرح رجم کے حکم کو سمجھو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں جو سو کوڑے لگانے کا حکم مذکور ہے وہ اس بدکار مرد اور عورت کا ہے کہ جو غیر شادی شدہ ہوں اور جو مرد اور عورت شادی شدہ ہوں اور وہ بدکاری کریں تو ان کا حکم رجم (یعنی سنگسار کرنا) ہے۔

جیسا کہ احادیث صریحہ اور متواترہ سے اور خلفاء راشدین اور صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے جس میں نہ مجال انکار کی ہے اور نہ تاویل کی گنجائش ہے (دیکھو احکام القرآن للجصاصؒ صفحہ ۲۹۳ ج ۳)[1]

بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے آخری حج سے واپسی کے بعد اور اپنی شہادت سے ایک ماہ قبل طویل خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا۔

ان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل اللہ اٰیة الرجم فقرأناھا وعقلناھا ووعیناھا رجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ فاخشی ان طال بالناس زمان یقول قائل واللہ ما نجد اٰیة الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضة انزلھا اللہ والرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنی اذا أحصن من الرجال والنساء اذا قامت البینة او کان الحبل او الاعتراف۔

دیکھو فتح الباری ص ۱۲۱ ج ۱۲ باب رجم الحبلیٰ من الزنا اذا احصنت

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دیکر بھیجا اور ان پر قرآن اتارا اور اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رجم کی آیت بھی اتاری پس ہم نے اس آیت رجم کو پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا اور اس کو یاد رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں رجم کے حکم پر عمل کیا اور آپ کی وفات کے بعد ہم لوگوں نے یعنی صحابہ نے رجم کے حکم پر عمل کیا اور اس حکم کو جاری کیا۔ سو میں ڈرتا ہوں کہ ایک مدت زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا یہ کہنے لگے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کی آیت نہیں پاتے، پھر گمراہ ہوں ایک فرض کے ترک سے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا (یعنی آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہو گئی مگر اس کا حکم باقی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو رجم کا حکم نازل فرمایا وہ بالکل حق اور درست ہے اور یہ حکم اس شخص کے لیے ہے کہ جو مرد یا عورت شادی شدہ ہو۔ اور وہ زنا کرے اور وہ زنا گواہی سے ثابت ہو جائے یا حمل سے ظاہر ہو جائے یا مرد یا عورت کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو ایسے زنا کار مرد اور عورت کا رجم از روئے کتاب الٰہیہ کے حق اور درست ہے۔

---

[1] قال ابوبکر وقد انکرت طائفة شاذة لا تعد خلافا الرجم وھم الخوارج وقد ثبت الرجم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبنقل الکافة والخبر الشائع المستفیض الذی لا مساغ للشک فیہ وأجمعت الامة علیہ فروی الرجم ابوبکر وعمر وعلی وجابر بن عبد اللہ وابو سعید الخدری وابو ھریرة وبریدة الاسلمی وزید بن خالد فی آخرین من الصحابة وخطب عمر فقال لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لاثبتُّہ فی المصحف اھ کذا فی احکام القرآن للجصاص ص ۲۹۳ ج ۳

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا پوری آیت اس طرح ہے۔

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم اخرجہ النسائی وصححہ الحاکم دیکھو فتح الباری ص۱۲۷ ج ۱۲ باب الاعتراف بالزنا۔	شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کرڈالو قطعی طور پر اور یہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے بطور عبرت ہے تاکہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آجائیں اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب خطب الناس فقال لا تشکوا فی الرجم فانہ حق۔ (فتح الباری ص ۱۲۷/۱۲)	حضرت عمرؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ رجم کے حکم میں شک نہ کرنا۔ اس لیے کہ رجم کا حکم بلاشبہ حق ہے۔

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ عمرؓ نے قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کردیا تو میں اپنے ہاتھ سے قرآن کے حاشیہ میں یہ آیت لکھ دیتا۔

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیزٌ حکیم۔

(دیکھو فتح الباری ص ۱۲۷ ج ۱۲)

بے شمار روایتوں سے ثابت ہے کہ آیت رجم جو اوپر مذکور ہوئی وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی۔ تلاوت اگرچہ اس کی منسوخ ہوگئی مگر اس کا حکم بالاجماع باقی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے موافق عمل کیا اور آپ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے بار بار رجم کے حکم کا اعلان فرمایا۔ مقصود یہ تھا کہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے قرآن میں نازل ہوا۔ اور اب اگرچہ اس آیت کی تلاوت منسوخ ہے مگر اس کا حکم بدستور باقی ہے اور اس حکم سے اعراض اور انحراف گمراہی ہے (دیکھو زرقانی شرح موطا ص۱۴۵/۴)

حضرت عمرؓ کو ڈر یہ تھا کہ آئندہ چل کر کچھ لوگ ایسے پیدا نہ ہوں کہ جو رجم کے حکم کا انکار کریں اور بہانہ یہ بنائیں کہ رجم کا حکم صراحۃً قرآن میں موجود نہیں اس فتنہ کے انسداد کے لیے بار بار آیت رجم کا برسر منبر اعلان فرمایا تاکہ آئندہ چل کر کسی کو رجم کے انکار کی مجال نہ رہے۔

حضرات اہل علم تفصیل کے لیے فتح الباری باب الاعتراف بالزنا اور باب رجم الحبلی کی مراجعت کریں۔ حافظ عسقلانیؒ نے ان ابواب کی شرح میں حضرت عمرؓ کے خطبہ کے بارے میں جو روایتیں وارد ہوئی تھیں ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نیز زرقانی شرح مؤطا امام مالک ص۱۴۵ ج۴ کتاب الحدود دیکھیں جس میں آیت رجم کا ذکر ہے۔

اور امام بخاریؒ نے جامع صحیح میں کتاب المحاربین کے ذیل میں رجم پر مختلف ابواب اور تراجم قائم فرمائے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ رجم محصن کا حکم قطعی اور یقینی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو خطرہ تھا کہ آئندہ زمانہ میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہم رجم کا حکم صراحۃً کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ حضرت عمرؓ کا یہ گمان صحیح نکلا اور خارجیوں نے یہی کہہ کر رجم کے حکم کا انکار کیا کہ قرآن میں تو صرف جلد یعنی کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ رجم۔ سنگسار کرنے کا حکم مذکور نہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے نور بصیرت سے پہلے ہی اس فتنہ کو دیکھ لیا اور اس کا انسداد فرما دیا اور اس شدت کے ساتھ حکم رجم کا اعلان فرمایا کہ آئندہ چل کر کسی کو انکار کی مجال نہ رہے۔

نکتہ شریعت کے جس طرح تمام احکام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں اسی طرح زنا کے بارہ میں جو حکم دیا گیا وہ بھی سراسر حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

زنا کے بدترین خصلت ہونے میں تو کسی عاقل کو شبہ ہی نہیں۔ شریعت نے اس بیحیائی کے انسداد کے لیے یہ حکم دیا کہ اگر زناکار غیر شادی شدہ ہے تو اس کو اس نفسانیت کی سزا میں سو کوڑے لگائے جائیں مگر اس کو مارا نہ جائے بلکہ سزا دے کر اسے زندہ رہنے دیا جائے اور اگر یہ حرام کار شادی شدہ ہے تو اب اس کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ وہ حرام کاری میں مبتلا ہو اس لیے شریعت نے ایسے شخص کے رجم کا حکم دیا تاکہ ایسے خبیث کے وجود سے اللہ کی زمین ہی پاک ہو جائے۔

اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ مُشۡرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ

بدکار مرد نہیں بیاہتا مگر عورت بدکار یا شریک والی۔ اور بدکار عورت

لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی

کو بیاہ نہیں لیتا مگر بدکار مرد یا شریک والا۔ اور یہ حرام ہوا ہے،

الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾

ایمان والوں پر۔

حکم دوم نکاح زانی وزانیہ

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً ۔۔۔ الی ۔۔۔ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ

(ربط) گزشتہ آیت میں زنا کی سزا کو بیان کیا اب آئندہ آیت میں زنا کے متعلق ایک دوسرا حکم

بیان کرتے ہیں، آئندہ آیت میں اول زنا کی شناعت اور قباحت کو بیان کرتے ہیں کہ زنا ایسی خبیث اور گندی چیز ہے جس سے آدمی کی طبیعت ہی خبیث اور گندی بن جاتی ہے کہ خبیث ہی چیزوں سے رغبت کرنے لگتی ہے اور اس کے بعد زنا کے متعلق یہ حکم بیان کیا کہ مومنوں کے لیے زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرنا حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر زنا کرنے والی عورت سے۔ جو زنا کو برا نہیں سمجھتی یا مشرک عورت سے اور زنا کرنے والی عورت سے کوئی نکاح نہیں کرنا چاہتا مگر زنا کرنے والا مرد یا مشرک مرد جس کے دل میں زنا اور شرک کی نفرت نہ رہی ہو مطلب یہ ہے کہ زنا ایسی بری خصلت ہے کہ اس کی وجہ سے زنا اور شرک سے نفرت نہیں رہتی اور یہ کام یعنی زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کرنا مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا ہے ایک مومن، مومن رہتے ہوئے یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ جان بوجھ کر ایک بدکار عورت یا کافرہ عورت سے جو اپنی بدکاری اور کفر پر مُصر اور قائم ہو۔ ازدواجی تعلق قائم کرے جب اس کو یہ علم ہے کہ یہ عورت بدکار ہے اور اپنی بدکاری پر قائم ہے اور اس بدکاری سے باز نہیں آتی تو ایسی عورت سے نکاح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ بے غیرت اس بات پر راضی ہے کہ اس کی عورت بدکاری کرتی رہے اور یہ اسے کچھ نہ کہے۔ شریعت میں اس بے غیرتی کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نکاح کے حلال اور جائز ہونے کی شرط یہ بتلائی ہے کہ وہ عورتیں عفیف اور پاکدامن ہوں بدکار اور زنا کار اور آشنا بنانے والی نہ ہوں۔ کما قال تعالیٰ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ۔

قال الامام النسفی واصح الاقاویل فی ھٰذہٖ الأیۃ الشریفۃ انھا تزھید فی حق نکاح البغایا و تاویل ذٰلک ان اھل الاسلام والایمان سبیلھمان لا یرغبوا إلّا فی المسلمات العفیفات و اما الزانی فانما یمیل الیٰ کل من کان علیٰ مذھبہ فی الزنا او الیٰ من لا یعتقد الایمان فضلا عن ان تفکر فی التعفف والزانیۃ ایضا انما تمیل الی احد الرجلین اما زانٍ او الیٰ مشرك

امام نسفیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا مقصود بدکار اور زنا کار عورتوں سے نکاح کرنے سے نفرت دلانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان اور اہلِ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ سوائے مسلمان پاکدامن عورتوں کے کسی عورت سے نکاح کی طرف راغب نہ ہوں۔ اس لیے کہ زانی اور بدکار مرد کا میلان اور رغبت اسی عورت کی طرف ہوتا ہے کہ جو زنا اور بدکاری میں اس کے مذہب پر ہو یا اس عورت کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے جو سرے سے ایمان ہی کی قائل نہ ہو۔ چہ جائیکہ وہ عفت اور پاکدامنی میں کچھ غور و فکر کرے اور علیٰ ہذا القیاس زانیہ اور بدکار عورت کا

شر منہا۔ میلان دو شخصوں میں سے کسی ایک شخص کی طرف ہوتا ہے یا تو زانی مرد کی طرف یا کسی کافر اور مشرک مرد کی طرف جو زانی سے بھی بدتر ہے اور کسی حلال و حرام کا قائل نہیں۔

حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی (ص ۴۱۴ ج ۳)

مسئلہ اس آیت کے ظاہر کی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ اس طرف گئے کہ پارسا مرد کا نکاح زانیہ عورت سے صحیح نہیں اور اسی طرح پارسا عورت کا نکاح زانی اور فاجر مرد سے جائز نہیں یہاں تک کہ وہ صحیح توبہ کرے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ و جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ زانیہ اور فاجرہ عورت جو زنا پر مصر ہو نکاح کرنا تو ناجائز اور حرام ہے لیکن اگر وہ نکاح کرے تو وہ نکاح فی حد ذاتہ درست ہے۔

اور بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ ایک بدکار عورت نے جس کا نام ام مہزول تھا اس نے ایک مسلمان سے نکاح کرنا چاہا تو اس مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عجب نہیں کہ جس طرح ابتداء اسلام میں مشرکہ سے نکاح جائز تھا اسی طرح زانیہ سے بھی نکاح جائز ہو مگر اس آیت کے نزول سے زانیہ سے نکاح کرنا حرام اور ناجائز ہوا حرمت اور بطلان میں فرق ہے حرام ہونے سے باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک زانیہ سے نکاح باطل ہے اور جمہور علماء کے نزدیک زانیہ اور اہل کتاب کی کافرہ سے نکاح کرنا تو ناجائز ہے لیکن اگر نکاح کر لیا تو وہ نکاح درست ہو جائے گا۔ شاید نکاح اس زانیہ کی عفت اور پاکدامنی کا سبب بن جائے جیسے یہودیہ اور نصرانیہ سے بلا ضرورت نکاح کرنا جائز نہیں لیکن اگر کر لیا تو نکاح درست ہو جائیگا شاید یہ نکاح اس یہودیہ اور نصرانیہ کے اسلام کا سبب بن جائے اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی تفصیل سورۂ مائدہ میں گزر چکی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والیوں کو۔ پھر نہ لائے چار مرد شاہد،

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً

تو مارو ان کو اسی چوٹ تیجی کی، اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی۔

اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ

اور وہی لوگ ہیں بے حکم ۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اس

بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پیچھے اور سنوار پکڑی۔ تو اللہ بخشتا ہے مہربان۔

حکم سوم حدّ قذف

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ... الیٰ... فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

گزشتہ آیت میں زانیہ سے نکاح کی حرمت بیان کی اب اس آیت میں کسی پر زنا کی تہمت لگانے والے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جو کسی پر بغیر ثبوت کے زنا کی تہمت لگائے اس کی کیا سزا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر ان کے زنا کے ثبوت پر چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی کوڑے لگاؤ اور آئندہ ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو ایسے ہی لوگ خدا کے نزدیک فاسق ہیں کہ انہوں نے ایک پاکدامن کو بے آبرو کیا اور بلاثبوت کے اس پر زنا کی تہمت لگائی مگر جن لوگوں نے تہمت لگانے کے بعد توبہ کرلی اور اپنی حالت کی اصلاح کرلی تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق معاف کردیا اور فسق کا نام ان سے اٹھ گیا مگر توبہ کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی اس لیے کہ وہ بندہ کا حق ہے توبہ کرنے سے اس کو یہ فائدہ پہنچا کہ اب اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اس لیے کہ قذف یعنی تہمت لگانے کا جو گناہ اس کے ذمہ تھا۔ وہ توبہ سے رفع ہوگیا۔ باقی رہی حد۔ سو یہ اس کی دنیوی سزا ہے کہ تم نے کسی پاکدامن کو بلاثبوت کے کیوں بے آبرو اور خوار کیا یہ اسی کوڑے بلاثبوت تہمت کی دنیوی سزا ہے جس سے مقصود دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔ یہ سزا توبہ کرنے سے بالاجماع ساقط نہیں ہوسکتی۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ توبہ کرلینے کے بعد اس کی شہادت قبول ہوسکتی ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کرلینے کے بعد فسق کے دائرہ سے تو باہر ہوجائے گا مگر اس کی شہادت اور گواہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود رہے گی اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد اس کے فسق کا حکم بھی ختم ہوجائے گا اور عدم قبول شہادت کا حکم بھی اس سے اٹھ جائے گا۔

فائدہ جاننا چاہیے کہ اس آیت میں قَاذِف یعنی تہمت لگانے والے کے تین حکم مذکور ہیں۔ ایک ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً یعنی اسی کوڑے لگانا۔ دوم لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا یعنی اس کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ سوم اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ایسے لوگ فاسق ہیں۔ اب تین حکموں کے بعد تابین کا استثناء فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ــــ تو علماء نے اختلاف کیا کہ یہ استثناء تین حکموں میں سے کس حکم کی طرف راجع ہے پس اس پر تو ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ استثناء پہلے حکم یعنی اسی کوڑے مارنے کی طرف راجع نہیں تہمت لگانے والے پر حد قذف یعنی اسی کوڑوں کی مار

بالاجماع جاری ہوگی چاہے وہ توبہ کرے یا نہ کرے اب باقی رہے دو جملے ایک لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا۔ یعنی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور دوسرا جملہ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یہ لوگ فاسق ہیں اب اخیر میں اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا کا استثناء مذکور ہے تو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس استثناء کا تعلق دونوں جملوں سے ہے یعنی توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی۔ اور فسق کا حکم بھی اس سے دور ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کا تعلق صرف اخیر جملہ سے ہے پس توبہ سے اس کا فسق تو دور ہو جائے گا مگر شہادت اس کی ہمیشہ کے لیے مردود رہے گی اور قاضی شریحؒ اور ابراہیم نخعیؒ اور سعید بن جبیرؒ اور مکحولؒ اور ابن زیدؒ بھی اسی طرف گئے ہیں اور یہی مذہب سفیان ثوریؒ کا ہے اور قواعد عربیت کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ جب تین جملوں کے بعد کوئی استثناء آرہا ہے یا تو تینوں سے متعلق کر دیا صرف اخیر جملہ سے اس کو متعلق کرو۔ اور اس آیت میں یہ استثناء بالاجماع پہلے جملہ کی طرف راجع نہیں کیونکہ توبہ کر لینے سے بالاجماع حد ساقط نہیں ہوتی اور یہ امر بھی متعین ہے کہ یہ استثناء جملہ اخیرہ کی طرف ضرور راجع ہے اب درمیانی جملہ وَ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا محتمل رہا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ استثناء اخیر جملہ کی طرف راجع کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کے قریب ہے اور متصل ہے۔ نیز قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں توبہ کا ذکر آیا ہے اس کا تعلق حقوق اللہ اور احکام آخرت سے ہے۔ نہ کہ دنیوی احکام سے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ یہ استثناء فقط وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے متعلق اور مربوط ہے کیونکہ فسق کا تعلق احکام آخرت سے ہے۔ اور درمیانی جملہ وَ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً کا مضمون احکام دنیا سے متعلق ہے جیسا کہ پہلے جملہ کا حکم ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً احکام دنیا سے متعلق ہے، پس بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وَ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا کو فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا جائے اور تابین کے استثناء کو فقط اخیری جملہ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے متعلق رکھا جائے۔ نیز وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ کی جزا تو فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا پر پوری ہوئی اور وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ جملہ مستانفہ ہے جو قذف کے جزا اور سزا بیان کرنے کے بعد لایا گیا ہے اور اسلوب کلام بھی بدلا ہوا ہے اس لیے کہ فَاجْلِدُوْهُمْ اور وَ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً دونوں خطاب کے صیغے ہیں اور دونوں جملے، جملہ انشائیہ ہیں ایک امر ہے اور ایک نہی ہے اور جملہ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ مستقل جملہ ہے جو سابق خطاب کے ختم کے بعد لایا گیا ہے اور یہ جملہ خبریہ اسمیہ ہے۔ پہلے دو جملوں کی طرح جملہ انشائیہ فعلیہ نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف یعنی وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کا عطف گزشتہ جملہ اسمیہ خبریہ یعنی وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ پر کیا جائے اور وَ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا جو کہ جملہ انشائیہ فعلیہ ہے اس پر اس کا عطف نہ ہو کیونکہ جملہ انشائیہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ خبریہ یعنی وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کا عطف باعتبار قواعد بلاغت جائز ہی نہیں یا مناسب نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ۔

حضرات اہلِ علم اس مقام پر حاشیہ شیخزادہ وحاشیہ تنوی علی تفسیر البیضاوی ملاحظہ فرمادیں۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ

اور جو عیب لگادیں اپنی جوروؤں کو اور شاہد

لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ

نہ ہوں اُن کے پاس سوائے اپنی جان، تو ایسے کسی کی گواہی یہ کہ

اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥

چار گواہی دیوے اللہ کے نام کی، مقرر یہ شخص سچا ہے۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ

اور پانچویں یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اُس شخص پر اگر وہ ہو

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ

جھوٹا ۔ اور عورت سے ٹلتی ہے مار یوں کہ

تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧ وَ

گواہی دے چار گواہی اللہ کے نام کی مقرر وہ شخص جھوٹا ہے۔ اور

الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ

پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر وہ شخص

الصّٰدِقِيْنَ ⑨ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ

سچا ہے ۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اُوپر اور اسکی مہر، اور یہ کہ

اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع

اللہ معاف کرنیوالا ہے حکمتیں جانتا (تو کیا کچھ ہوتا)

حکم چہارم لعان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ ... الٰی .... وَ اَنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ حَکِیْمٌ ۝

(ربط) پہلی آیت میں اجنبی عورتوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان فرمایا تھا۔ اب ان آیات میں اپنی بیوی پر تہمت لگانے کا حکم بیان کرتے ہیں۔ جس کو اصطلاح شریعت میں لعان کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ اپنی منکوحہ بیوی پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز ان کی ذات کے اور کوئی گواہ نہ ہوں۔ جس کے لیے چار عدد گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو ایسے شخص کی شہادت جو اس کو حد قذف اور سزا جس سے بچالے یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ شہادت دے کہ وہ بلا شبہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار وہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ یہ مرد کا لعانؔ ہوا۔ جس سے مرد سے حد قذف ساقط ہوئی۔

چونکہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے اور اپنے گھر کے معاملہ میں شہادت کا فراہم کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے شریعت نے یہ حکم دیا کہ اگر مرد اپنی بیوی کو زنا کے ساتھ متہم کرے تو بجائے چار گواہوں کے چار حلفیہ شہادتیں دیدے تو یہ چار حلفیہ شہادتیں قائم مقام چار گواہوں کے ہو جائیں گی۔ اس طرح شوہر خاندانی ذلت سے بچ جائے گا ورنہ شوہر کے لیے چار گواہوں کا میسر آنا بہت دشوار ہے اور اس کے بعد عورت کا لعان ہے کہ وہ بھی پانچ مرتبہ اسی طرح کہے۔ چنانچہ عورت سے حد زنا اور قید کو دور کرنے والی چیز یہ ہے کہ وہ عورت اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دے کہ بے شک اس کا شوہر جھوٹوں میں سے ہے جو اس نے میری بابت کہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ گواہی دے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر میرا خاوند سچوں میں سے ہو۔ مرد اور عورت کا اس طرح کہنا یہ لعانؔ ہے اور لعانؔ سے فراغت کے بعد میاں بیوی کے درمیان فرقت واقع ہو جاتی ہے اور وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی وہ اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ لعانؔ کے بعد مرد یا اس کو طلاق دیدے یا قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اور اگر اس عورت سے کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ اس باپ کے نام سے نہ پکارا جائے۔

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا نہ ہوتا تو لعانؔ کا حکم نازل نہ کرتا اور تم کو تہمت لگانے پر فوراً ہی سزا دے دیا کرتا مگر چونکہ اس کا تم پر بڑا فضل و کرم ہے اس لیے اس نے تمہاری پردہ پوشی کے لیے لعان کا حکم نازل کر دیا اور مرد سے حد قذف کو اور عورت سے حد زنا کو ساقط کر دیا۔ یہ اس کی عنایت اور حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے شوہر کو چار گواہوں کی گواہی پیش کرنے کا پابند نہیں کیا بلکہ لعانؔ سے معاملہ ختم کر دیا اس لیے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں خود اس کی بے عزتی ہے اس لیے بغیر کسی قوی دلیل اور بغیر اپنے مشاہدہ کے کوئی سلیم الطبع اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا۔

اور ایسے موقع پر چار گواہوں کا فراہم کرنا بہت دشوار ہے۔ شریعت نے طرفین کی رعایت کرکے لعان کا حکم دیا۔

اختلاف روایات در شانِ نزول

اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بلال بن امیہ صحابیؓ کے بارہ میں اتری اور بعض کہتے ہیں کہ عویمر عجلانیؓ کے بارہ میں نازل ہوئی۔

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قصے صحیح روایتوں میں آئے ہیں اور ایک ہی زمانہ میں پیش آئے ہیں، اس لیے دونوں قصوں کو آیت کا شانِ نزول کہنا درست ہے اور قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں کہ ایک ہی قسم کے کئی قصے گزرنے کے بعد وہ آیتیں نازل ہوئیں لہٰذا ان چند قصوں کا مجموعہ آیت کا شانِ نزول ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ

جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان، تمہیں میں ایک جماعت ہیں تم اُن کو نہ سمجھو

شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم

بُرا اپنے حق میں، بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں - ہر آدمی کو ان میں سے

مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ

پہنچتا ہے جتنا کمایا گناہ ۔ اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا

مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

بوجھ، اس کو بڑی مار ہے - کیوں نہ جب تم نے اس کو سُنا

ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا

تھا، خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں نے اور عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال، اور کہا

هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ

ہوتا یہ صریح طوفان ہے ؟ کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد ؟

فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

پھر جب نہ لائے شاہد، تو وہ لوگ اللہ کے ہاں وہی ہیں جھوٹے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر، اور اس کی مہر دنیا اور آخرت میں

لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ

البتہ تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی۔ جب لینے لگے

بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے، جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور

وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ

تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات۔ اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی ہے۔ اور کیوں نہ

اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ

جب تم نے اس کو سنا تھا، کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لاویں یہ بات؛

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ

اللہ تو پاک ہے یہ بڑا بہتان ہے۔ اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ

تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ

پھر نہ کرو ایسا کام کبھی، اگر تم یقین رکھتے ہو۔ اور کھولتا ہے اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ

تمہارے واسطے پتے۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ

اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں ان کو دکھ کی

أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

مار ہے دنیا اور آخرت میں ۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں

تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ

جانتے ۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر، اور اس کی مہر اور یہ کہ اللہ

رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۲۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

نرمی کرنے والا ہے مہربان (تو کیا کچھ ہوتا) اے ایمان والو! نہ چلو قدموں پر

الشَّيْطَانِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ

شیطان کے، اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے، سو وہ یہی بتادے گا

بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

بے حیائی اور بری بات۔ اور کبھی نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر

مَا زَكَىٰ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ

نہ سنورتا تم میں ایک شخص کبھی ۔ ولیکن سنوارتا ہے اللہ جس کو

يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ

چاہے، اور اللہ سب سنتا ہے جانتا ۔ اور قسم نہ کھاویں بڑائی والے

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ

تم میں اور کشائش والے اس سے کہ دیویں ناتے والوں کو اور محتاجوں کو،

وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا

اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں۔ اور چاہئے معاف کریں اور درگزر کریں کیا

تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾

تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے؟ اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا

جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والی بے خبر ایمان والیوں کو اُن کو پھٹکار

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ

دنیا میں اور آخرت میں، اور ان کو بڑی مار ہے۔ جس دن

تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا

بتادیں گی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں، جو کچھ کرتے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ

تھے۔ اس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا جو چاہیے۔ اور

يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ

جانیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا۔ گندیاں ہیں

لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے اور ستھریاں ہیں واسطے ستھروں کے

وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ

اور ستھرے واسطے ستھریوں کے۔ وہ لوگ بے لگاؤ ہیں اُن باتوں سے جو کہتے ہیں،

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾

اُن کو بخشنا ہے اور روزی ہے عزت کی۔

بیان برأت و نزاہت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا از افک و تہمت

و نصیحت مومنین و فضیحت منافقین

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ جَاۗءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں مطلق محصنات یعنی عام مسلمان اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان کرتے ہیں اس لیے کہ آپ کا رتبہ بوجہ ام المؤمنین ہونے کے اور بوجہ زوجۂ سید المرسلینؐ ہونے کے تمام محصنات مؤمنات سے بہت بلند اور برتر ہے۔ یہاں سے یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ سے لے کر اٹھارہ آیتوں تک یعنی اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ تک یہی مضمون چلا گیا ہے جن میں عائشہ صدیقہؓ کی برأت اور نزاہت کو بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ام المؤمنین اور زوجۂ سید المرسلینؐ پر تہمت لگانا کفر اور نفاق ہے۔ عام محصنات مؤمنات پر تہمت لگانے والا فاسق اور فاجر اور مردود الشہادۃ ہے مگر ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور دیگر ازواج مطہراتؓ پر تہمت لگانے والا کافر اور منافق ہے اور ان آیات کے خاتمہ پر حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ اس بارہ میں نص صریح ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی اس برأت اور نزاہت کی شہادت کے بعد بھی عائشہ صدیقہؓ اور دیگر ازواج مطہراتؓ کے بارہ میں بدگمانی کرے وہ بلاشبہ کافر ہے اور حق تعالیٰ کی اس شہادت کا منکر ہے۔ (دیکھو صاوی[1] حاشیہ جلالین ص ۱۲۹ ج ۳) اور تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں عائشہ صدیقہؓ کی برأت اور نزاہت کے بارہ میں نازل ہوئیں جو منافقین نے آپ پر تہمت لگائی تھی۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے خلاصہ اس کا یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنہ ۵ھ میں غزوۂ بنی المصطلق سے واپس آرہے تھے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے ہمراہ تھیں اور ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا اور اس پر ایک ہودج تھا۔ اسی ہودج میں ام المؤمنین سوار کی جاتی تھیں اور اسی ہودج میں اتاری جاتی تھیں۔ واپسی میں ایک منزل پر نزول ہوا کوچ سے پہلے حضرت عائشہؓ قضاء حاجت کے لیے پڑاؤ سے باہر چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کے گلے میں جو منکوں کا ہار تھا ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں دیر لگ گئی یہاں پیچھے کوچ ہو گیا جو لوگ اونٹ پر ہودج کسا کرتے تھے انہوں نے یہ خیال کر کے کہ ام المؤمنین ہودج ہی میں ہیں۔ ہودج کو اونٹ پر کس دیا چونکہ اس زمانہ میں عورتیں نہایت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، موٹی تازی نہیں ہوتی تھیں۔ اور اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر بھی کم تھی اس لیے ہودج کسنے والوں کو کچھ شبہ بھی نہ ہوا اور اونٹ کو لے کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے جب لشکر روانہ ہو گیا تب عائشہ صدیقہؓ کو ہار مل گیا اور آپ پڑاؤ

---

[1] قال الصاوی قوله تعالى اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ الخ شروع فی ذکر الآیات المتعلقة بالافک وهی ثمانیة عشر تنتهی بقوله اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ومناسبة هذه الآیات لما قبلها ان الله تعالى لما ذکر ما فی الزنا من الشناعة والقبح وذکر ما یترتب على من رمی غیره به وذکر انه لا یلیق بآحاد الامة فضلا عن زوجة سید المرسلین صلی الله علیه وسلم ذکر ما یتعلق بذلك انتهى کلامه۔

پر آئیں۔ دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں۔ قافلہ کوچ کر چکا ہے آخر یہ سوچ کر کہ آنحضرتؐ جب منزل پر پہنچ کر مجھے نہیں پائیں گے تو تلاش کے لیے یہیں کسی کو روانہ کریں گے یہ خیال کر کے وہیں بیٹھ گئیں۔ وہاں بیٹھے بیٹھے ان پر نیند نے غلبہ کیا اور سو گئیں۔ لشکر کے پیچھے گری پڑی چیز کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے ایک شخص صفوان بن معطل سلمیؓ رہا کرتا تھا وہ لشکر کے پیچھے آرہا تھا۔ علی الصبح سویرے ہی سویرے حضرت عائشہؓ کی منزل کے قریب آپہنچا اور دور سے دیکھ کر یہ سمجھا کہ کوئی شخص پڑا سوتا ہے جب قریب پہنچا تو اس نے عائشہ صدیقہؓ کو دیکھ کر پہچان لیا کیونکہ نزول حجاب سے پہلے انہوں نے عائشہ صدیقہؓ کو دیکھا تھا جب اس نے ام المؤمنین عائشہؓ کو اس طرح دیکھا تو غایت تأسف سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اس پڑھنے کی آواز سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور فوراً چادر سے منہ ڈھانک لیا حضرت صفوانؓ نے اونٹ لاکر ان کے قریب بٹھلا دیا ام المؤمنین پردہ کے ساتھ اس اونٹ پر سوار ہو گئیں اور وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر اس کو کھینچتے ہوئے پاپیادہ آگے آگے چلے یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔ اتنی سی بات پر منافقوں نے بہتان طرازی شروع کردی اور اس معمولی سے واقعہ کا ایک افسانہ بنا دیا۔ جس کا سرغنہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی منافق تھا۔ اس خبیث دشمن کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور طرح طرح سے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اصل فتنہ پرداز تو منافقین تھے، لیکن بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے، جیسے حضرت حسانؓ اور مسطحؓ اور حمنہ بنت جحشؓ جو ام المؤمنین زینب بنت جحشؓ کی بہن تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ وہاں پہنچ کر بیمار ہو گئیں۔ جب ان کو اس کی خبر ہوئی تو زار و قطار روئیں اور ہچکیاں بندھ گئیں اور بیماری میں اور اضافہ ہوا۔ آنحضرتؐ سے اجازت لے کر اپنے باپ کے گھر آگئیں۔ شب و روز روتی تھیں اور آنسو نہیں تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں اور ہم نے تفصیل کے ساتھ ان کو سیرۃ المصطفیٰ میں ذکر کر دیا ہے۔ بالآخر جب حضرت عائشہؓ کا صدمہ حد سے گزر گیا اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ کا کلمہ زبان پر جاری ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کی برأت میں یہ آیتیں اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ سے لے کر اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ تک نازل ہوئیں۔ جن سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برأت اور نزاہت پر قیامت تک کے لیے مہر لگ گئی اور کسی منافق کی مجال نہیں رہی۔ کہ وہ عائشہ صدیقہؓ کی شان میں کوئی لفظ اپنی زبان سے نکال سکے، چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ اس بہتان کو بنا کر لائے ہیں وہ تم ہی میں کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے، یعنی بظاہر وہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہے خیر سے نام اسلام کا لیتے ہیں خواہ وہ سچ ہو یا جھوٹ ہو، اصل سازش تو منافقوں کی ہے اور چند مسلمان نادانستہ طور پر ان کی اس عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے باقی ان چند کے سوا جمہور اہل اسلام اس سازش میں نہیں پھنسے۔ اصل فتنہ کا بانی مبانی تو عبداللہ بن سلول منافق تھا اور اس کے ساتھ منافقین کی جماعت تھی اس کے علاوہ چند مخلص مسلمان جیسے حسانؓ اور مسطحؓ اور حمنہؓ۔ وہ صرف کسی غلط فہمی یا سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کے جال میں پھنس گئے مؤمنین مخلصین

میں سے صرف یہ تین تھے باقی منافقین تھے اور عام اہلِ اسلام اس خبر سے غایت درجہ رنجیدہ اور ملول تھے۔ اس لیے ان آیات میں ان کی تسلی فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو: تم اس بہتان کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو۔ ظاہر میں اگرچہ بُرا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں بُرا نہیں بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود برأت کا متولی اور کفیل بنا اور آسمان سے عائشہ صدیقہؓ کی برأت میں اور اہلِ ایمان کی مدح میں اور منافقین کی فضیحت اور مذمت میں اٹھارہ آیتیں نازل کیں جو قیامت تک اہلِ علم کے سینوں میں محفوظ رہیں گی اور مسجدوں اور محرابوں میں زبانیں ان کی تلاوت کرتی رہیں گی یہ تو لسان صدق ہے۔ دنیا اور آخرت میں جس سے تمہاری بزرگی اور عظمت شان سب پر ظاہر ہوگئی اور دشمنانِ اسلام ہمیشہ کے لیے ذلیل وخوار ہو گئے سو یہ بہتان تمہارے حق میں بُرا نہیں ہوا بلکہ ان کے حق میں بُرا ہوا اور ان کی ایذا اور بدزبانی پر صبر کا اجر اس کے علاوہ رہا۔ یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لیے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا۔ بالخصوص یہ خطاب آنحضرتؐ اور عائشہ صدیقہؓ اور ابوبکر صدیقؓ اور ان کے گھر والوں کو ہے جن پر صدمہ کا پہاڑ آگرا۔ یہ آیتیں نازل کر کے ان کو تسلی بخشی اور دنیا کو متنبہ کر دیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کا اور خاص کر عائشہ صدیقہؓ کا کیا مرتبہ ہے۔

ان میں سے ہر شخص کے لیے اسی قدر سزا ہے جس قدر اس نے گناہ کمایا ہے۔ جس شخص نے جس قدر اس فتنہ میں حصہ لیا۔ بقدر حصہ وہ سزا کا مستحق ہے۔ اس لیے کہ بعضے اس خبر کو سُن کر ہنستے تھے اور بعض نے کچھ زبان سے بھی کہا تھا بعض خاموش رہے مگر بولنے والے کو منع نہ کیا۔ اس مختصر جملہ میں اس قسم کے تمام لوگوں پر عتاب ہے اور وہ شخص جس نے اس میں بڑا حصہ لیا اس کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے اس سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے دنیا کی ذلت کے علاوہ آخرت میں ذلیل اور خوار ہوگا۔ اس آیت میں منافقین کے سرغنہ عبداللہ بن اُبی کو تہدید فرمائی۔ اب آئندہ آیات میں ان مؤمنین کو نصیحت فرماتے ہیں کہ جو نادانستہ طور پر منافقین کی اس سازش کا شکار ہو گئے تھے بعض اس خبر کو سُن کر خاموش ہو گئے اور بعض نے اس خبر کو نقل کیا اگرچہ وہ اس خبر کو سچا نہیں سمجھتے تھے لیکن نقل کرنے سے ایک درجہ میں منافقین کے معاون بنے اس لیے آئندہ آیت میں اس قسم کے مسلمانوں کو نصیحت اور ملامت فرماتے ہیں کہ جب تم نے اس بات کو سُنا تو ایمان والے مردوں نے جن میں حسانؓ اور مسطحؓ بھی آگئے اور ایمان والی عورتوں نے جن میں حمنہؓ بھی آگئیں اپنے بھائی بہنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا۔ اور سنتے ہی فوراً زبان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا یہ تو کھلا جھوٹ ہے یعنی مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ نیک گمان رکھتے اور اپنے جیسا ان کو سمجھتے اور صاف کہہ دیتے کہ یہ تو کھلا جھوٹ ہے۔ حضرت عائشہؓ کی طہارت اور نزاہت اور ان کا اُم المؤمنین ہونا اور ان کا ذات اطہرؐ کی زوجیت میں ہونا اور صفوانؓ کا مرد صالح اور متقی ہونا اور عبداللہ بن ابی کا منافق ہونا اور دشمنِ رسول ہونا اور اس کا جھوٹا ہونا یہ سب باتیں تمہارے سامنے تھیں۔ پھر دشمنانِ رسول کی ایک جھوٹی افواہ پر تم نے کیسے کان لگایا۔ ابوایوب انصاریؓ کے سامنے جب اس بات کا ذکر آیا تو سنتے ہی کہہ دیا کہ سب جھوٹ ہے صدیقؓ کی بیٹی اور نبی کی بیوی کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا۔

غرض یہ کہ ان آیات میں قاذفین منافقین کے علاوہ ان مؤمنین اور مؤمنات پر ناصحانہ ملامت ہے جنہوں نے اس خبر کو سُن کر خاموشی اختیار کی یا تردد میں رہے یا بطور تذکرہ اس خبر کو نقل کیا ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ سُنتے ہی کہہ دیتے ھٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ یہ صریح بہتان ہے۔

اہل افک اپنی اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے کیونکہ اثبات گناہ کے لیے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ پس جب یہ لوگ اس پر چار گواہ نہ لاسکے تو ایسے لوگ قانون شریعت کے موافق اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ کیونکہ شریعت نے جب یہ قاعدہ اور یہ قانون مقرر کر دیا کہ ثبوت گناہ کے لیے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ دعوے میں ذاتی معاینہ کافی نہیں بلکہ ثبوت کے لیے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے پس جو شخص کسی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور چار گواہ نہ پیش کرسکے تو قانون شریعت کے مطابق وہ شخص جھوٹا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو لیکن عدالتی ثبوت کے لیے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے بغیر ثبوت کے ایسی سنگین بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت میں عِنْدَ اللّٰهِ کے معنی فی علم اللہ کے نہیں بلکہ فی حکم اللہ اور فی قانون اللہ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دعوائے زنا میں چار گواہ نہ پیش کرسکے تو وہ قانون خداوندی اور ضابطۂ شریعت کے اعتبار سے جھوٹا ہے گو واقع میں وہ سچا ہو اس لیے کہ بغیر ثبوت فراہم ہوئے اس کو اجازت نہ تھی کہ زبان سے ایسی بات نکالے اس لیے قانونِ شہادت اور ضابطۂ گواہی کے اعتبار سے اس کو کاذب کہنا جائز ہے اگرچہ وہ فی الواقع اور فی علم اللہ صادق ہے لیکن عدالت میں تو قانونِ شہادت کے اعتبار سے اس کے صدق اور کذب کو جانچا جائے گا جو شخص کسی پر زنا کا دعویٰ کرے اور چار عینی گواہ نہ پیش کرسکے تو وہ از روئے قانون جھوٹا ہے۔

اور اے مسلمانو: اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس چیز کے چرچے میں تم پڑے تھے تو اس میں تم کو بڑا بھاری عذاب پہنچتا۔ اللہ نے تم کو ایمان کی برکت سے توبہ کی توفیق دی اور تمہارا قصور معاف کیا اور عذاب سے بچا لیا اور یہ عذاب عظیم تم کو اس وقت پہنچتا جبکہ تم اپنی زبانوں سے باہم اس بات کو نقل کرتے تھے، اور مونہوں سے وہ بات کہتے تھے جس کی تمہیں خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی اور معمولی بات سمجھتے ہو اور یہ خیال کرتے ہو کہ اس میں کچھ گناہ نہیں، حالانکہ وہ اللہ کے یہاں بہت بڑی اور بھاری ہے خاص کر اُم المؤمنین کی شان میں ایسی صریح البطلان چیز کو زبان پر لانا جرم عظیم ہے اور چونکہ اس بات کا جرم عظیم ہونا بالکل واضح ہے تو تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہماری مجال نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان سے نکالیں۔ سبحان اللہ یہ تو بہت ہی بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کے رسول اعظم کی بیوی فاجرہ ہو۔ کسی درجہ میں کافرہ تو نبی کی بیوی بن سکتی ہے مگر فاجرہ اور زانیہ عورت ہرگز ہرگز کسی نبی کی بیوی نہیں بن سکتی، حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی بیبیاں کافرہ تھیں مگر معاذ اللہ فاجرہ نہ تھیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ جو خبیث کسی نبی کی زوجہ کو فاجرہ بتلاتا ہے وہ درپردہ نبی کو دیوث بتاتا ہے چنانچہ سورۂ تحریم کی اس آیت کَانَتَا تَحْتَ

عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے مابغت امرأۃ نبی قط یعنی کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا۔ اللہ تعالٰی نے ہمیشہ اپنے پیغمبروں کے ناموس کی حفاظت کی ہے۔ شروع اسلام میں کافرہ اور مشرکہ سے نکاح کی اجازت رہی جو بعد میں منسوخ ہوگئی لیکن بدکار عورت سے کسی حال میں نکاح کی اجازت نہیں دی گئی الا یہ کہ وہ زنا سے توبہ کرے

خلاصہ کلام یہ کہ منافقین جو بک رہے ہیں وہ ایسا صریح اور واضح بہتان ہے کہ جس میں غور و فکر کی بھی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اے مسلمانو! اللہ تعالٰی تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی بات نہ کرو اگر تم ایماندار ہو تو خبردار اور ہوشیار ہوجاؤ اور اللہ تمہارے لیے احکام اور آداب کو بیان کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس کو عائشہ صدیقہؓ اور صفوانؓ کا حال خوب معلوم ہے۔

اب آئندہ آیات میں مسلمانوں کی تادیب کے لیے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو اس قسم کے فواحش اور بے حیائیوں کی نشر و اشاعت کو پسند کرتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور ایسے فتنہ پردازوں کو اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس لیے اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور کرم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالٰی بلاشبہ بڑا نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔ تو فوراً تم پر عذاب نازل کرتا لیکن اس نے اپنے فضل اور محبت سے تم کو تنبیہ اور تادیب کردی اور توبہ اور استغفار کا موقع دے دیا اور تمہاری توبہ قبول کی اور حد شرعی جاری کر کے تم کو پاک کردیا اور جو زیادہ خبیث تھے، ان کو نہ توبہ کی توفیق دی اور نہ ان پر حد جاری کر کے ان کو پاک کیا بلکہ ان کو مہلت دی۔ اب آگے پھر تائبین کو نصیحت فرماتے ہیں اے ایمان والو۔ ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اور شیطان کے نشان قدم پر نہ چلو یعنی افک کے متعلق جو کچھ کہا سنا جارہا ہے۔ وہ سب شیطانی وسوسے ہیں ان کی پیروی نہ کرو اور جو شیطان کے قدموں پر چلے گا تو لامحالہ شیطان اس کو بے حیائی اور بُری بات کا حکم دے گا۔ جو اس کی تباہی اور بربادی کا سامان ہوگا۔

اور اے مسلمانو! اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو وہ تم میں سے کبھی کسی کو اس جرم سے پاک نہ کرتا یعنی تم میں سے کسی کو توبہ کی توفیق نہ دیتا اور نہ اس کی توبہ قبول کرتا و لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے تو توبہ قبول کر کے اس کو گناہ سے پاک کردیتا ہے یہ وعدہ مؤمنین سے ہے جیسے حضرت حسانؓ اور مسطحؓ۔ اور عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے اتباع سے نہیں۔ ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے اور اللہ تمہارے اقوال کا سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں کا جاننے والا ہے۔ ان مؤمنین مخلصین میں مسطحؓ بھی تھے جو نادانی سے اس قصہ میں شریک ہوگئے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خالہ زاد بھائی تھے اور نادار تھے، قصۂ افک سے پہلے ابوبکر صدیقؓ ان کو خرچ دیا کرتے تھے جب حضرت عائشہؓ کی برأت نازل ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ کو مسطحؓ کی طرف سے رنج ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ مسطحؓ کی مدد نہ کروں گا تو آئندہ آیت ابوبکر صدیقؓ کی تنبیہ کے لیے نازل ہوئی کہ اہل فضل اور اہل کرم کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ ایسی قسم کھائیں عوام کے لیے ایسی قسم اگرچہ جائز ہو مگر صدیق اکبرؓ کی شان فضل کے شایان

نہیں. عجب نہیں کہ بمقتضائے بشریت غصہ میں آکر کسی صدقہ نافلہ سے ہاتھ روک لینا کسی درجہ میں خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ کا اتباع ہو اس لیے اللہ تعالٰی نے چاہا کہ ابوبکر صدیقؓ شیطان کے قدموں کے اس معمولی گرد و غبار سے بھی محفوظ رہیں. اس لیے آئندہ آیت نازل فرمائی۔

اور جو لوگ تم میں سے صاحبانِ فضل اور مقدرت ہیں ان کو اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھانی چاہیئے یا بمقتضائے بشریت کسی ناراضگی کی بنا پر ان کی امداد اور اعانت میں کمی نہ کرنی چاہیئے یہ شان فضل و وسعت کے خلاف ہے اشارہ مسطحؓ کی طرف ہے کہ وہ ابوبکر صدیقؓ کا رشتہ دار ہے ان کا خالہ زاد بھائی ہے اور مسکین ہے اور مہاجر ہے نادانی سے اس فتنہ میں مبتلا ہو گیا اور اہل فضل و وسعت کو چاہیئے کہ قصور معاف کریں اور درگزر کریں اور کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے. یعنی جب تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے تو تم بھی دوسروں کے قصور معاف کرو. تخلق باخلاق الٰہیہ کا یہی مقتضا ہے کہ عفو اور مسامحت اختیار کرو۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کو ابوبکرؓ پر پڑھا تو ابو بکرؓ نے کہا بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالٰے میری مغفرت کر دے اور مسطحؓ کا وظیفہ جاری کر دیا بلکہ پہلے سے دگنا کر دیا اور قسم کھائی کہ بخدا اب کبھی بند نہ کروں گا. اور اپنی گزشتہ قسم کا کفارہ ادا کیا۔

اب آئندہ آیات میں عام عنوان سے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر لعنت اور عذابِ آخرت کا ذکر کرتے ہیں جس سے اصل مقصود عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے والے پر دنیا اور آخرت کی لعنت اور عذاب عظیم کو بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ ان پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو ایسی سیدھی سادی اور بھولی بھالی ہیں کہ انہیں ایسی باتوں کی خبر بھی نہیں اور وہ ایمان والیاں ہیں تو ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے جس دن ان کے برخلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور پیر بھی گواہی دیں گے ان اعمال پر جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی قیامت کے دن ان کے مونہوں پر تو مہر لگا دی جائیگی مگر ان کی زبانیں خود بخود بولیں گی اور ان کے ہاتھ اور پیر بھی بولیں گے اور ان کے اقوال اور اعمال کی شہادت دیں گے دنیا میں انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے بولتا ہے اور زبان اس کے ارادہ کی ترجمان ہوتی ہے اور اس کے ارادہ کے تابع ہوتی ہے مگر قیامت کے دن زبان خود بخود بولے گی اور سچ سچ بولے گی اور زبان کا بولنا اس کے ارادہ کے تابع نہ ہو گا۔

نکتہ : قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی تو اس سے چار گواہوں کا مطالبہ ہوا جو نہ پیش کر سکا اس لیے آخرت میں اس کے بالمقابل پانچ چیزیں گواہی دیں گی. زبان کے مقابلہ میں تو زبان بولے گی اور سچ سچ کہہ دے گی اور چار گواہوں کے مقابلہ میں دو ہاتھ اور دو پیر اس کے جھوٹ کی گواہی دیں گے اس طرح اس کے جھوٹ پر چار گواہ قائم کیے جائیں گے اور لعنت اور عذاب کی سزا اس کے لیے ثابت ہو جائے گی۔

اس دن اللہ تعالٰے ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری حق حق جزا دے گا. اور اس وقت

جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے جو حق اور صدق کو ظاہر کرنے والا ہے جس میں ذرہ برابر بھی غلطی کا امکان نہیں۔

اب ام المؤمنین کے طہارت و نزاہت کے بیان کو خبیثین کی مذمت اور طیبین کی تعریف پر ختم فرماتے ہیں جس کو بطور قاعدہ کلیہ بیان کیا تاکہ اس کے عموم سے خاص عائشہ صدیقہؓ کی پاکیزگی پر استدلال کیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ گندی اور بدکار عورتیں۔ گندے اور بدکار ہی مردوں کے لائق ہیں اور گندے مرد۔ گندی عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ اور ستھری عورتیں پاکیزہ اور ستھرے مردوں کے لائق ہیں، اور پاکیزہ اور ستھرے مرد پاکیزہ اور ستھری عورتوں کے لائق ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت طیب اور طاہر ہیں اسی طرح آپ کی حرم محترم بھی غایت درجہ کی طیبہ اور طاہرہ ہیں اور منافقین جیسے خود خبیث ہیں ایسی ہی ان کی عورتیں بھی خبیث ہیں۔

ذرہ ذرہ کاندریں ارض وسما است — جنس خود را ہمچو کاہ و کہربا ست

ناریاں مر ناریاں را جاذب اند — نوریاں مر نوریاں را طالب اند

اہل باطل باطلاں را می کشند — اہل حق از اہل حق ہم سرخوشند

طیبات آمد زبہر طیبین — للخبیثات الخبیثون است یقین

فائدہ نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیبیاں کافرہ تو تھیں مگر زانیہ اور بدکار نہ تھیں۔ حدیث میں ہے ما بغت امرأۃ نبی قط کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا ایسے پاکیزہ لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو یہ خبیثین ان کے بارہ میں کہہ رہے ہیں ان لوگوں کے لیے تو خدا کی طرف سے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔ خبیثین کی بدزبانی سے ان کی عزت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

یہاں تک کلام الٰہی کی آیتیں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ بنت صدیقؓ کی برأت اور نزاہت کے بیان میں ختم ہوئیں اور عجیب شان سے ختم ہوئیں کہ اب اس کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید کی ان آیات سے جو عائشہ صدیقہؓ کی عنداللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔ حق جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بدباطن عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائے تو بالاتفاق علماء امت وہ کافر ہے اور عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو مریم صدیقہؑ پر تہمت لگانے والے کا ہے۔ حضرت مسروقؒ جو کبار علماء تابعین میں سے ہیں ان کی یہ عادت تھی جب وہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے تو یوں کہتے کہ مجھ سے صدیقہؓ بنت صدیقؓ۔ حبیبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبرأۃ من السماء نے اس طرح بیان کیا۔

نکتہ خاتمہ پر اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ۔ بصیغہ جمع ذکر فرمایا۔ جو اس عموم میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ حکم فقط عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہی حکم تمام ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

اے ایمان والو! مت جایا کرو کسی گھروں میں اپنے گھروں کے سوا

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

جب تک نہ بول چال کرو اور سلام دے لو اس گھر والوں پر۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا

میں، شاید تم یاد رکھو۔ پھر اگر نہ پاؤ اس میں کوئی، تو اس میں

تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا

نہ جاؤ، جب تک پروانگی نہ ہو تم کو اور اگر تم کو کہے کہ پھر جاؤ،

فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

تو پھر جاؤ اسی میں خوب ستھرائی ہے تمہاری، اور اللہ، جو کرتے ہو جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ

نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں

مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو تمہاری۔ اور اللہ کو معلوم ہے جو کھولتے ہو

وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور جو چھپاتے ہو۔

حکم پنجم استیذان

قال اللہ تعالیٰ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ ... الیٰ ... وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں زنا اور زنا کی تہمت کے احکام بیان کیے اب اس آیت میں کسی کے گھر

میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت فرماتے ہیں تاکہ زنا اور بدگمانی اور تہمت کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اے ایمان والو اپنے خاص رہائشی مکان کے سوا دوسرے گھروں میں جس میں دوسرے لوگ بھی رہتے ہوں داخل نہ ہو یہاں تک کہ ان سے اجازت طلب کرو اور اجازت لینے سے پہلے ان گھروں کے رہنے والوں پر سلام کرو یعنی داخل ہونے سے پہلے یہ کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ءَاَدْخُلُ۔ سلام ہو تم پر کیا میں آ سکتا ہوں۔ یہ اجازت لے کر اندر جانا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ بغیر اجازت لیے اندر گھس جانا کسی طرح مناسب نہیں معلوم نہیں کہ آدمی اپنے گھر میں کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے، یہ بات تم کو اس لیے بتادی گئی تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ اور اس ہدایت پر عمل کرو۔

پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ جو تم کو آنے کی اجازت دے خواہ اس میں کوئی نہ ہو یا کوئی ہو اور اجازت نہ دے تو ایسے گھروں میں مت داخل ہونا یہاں تک کہ تم کو صاحب خانہ کی طرف سے داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر اجازت لینے کے وقت تم سے یہ کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ نہ وہاں ٹھہرو اور نہ دروازہ پر بیٹھو یہ بات یعنی واپس آنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے کسی کے انتظار میں اس کے دروازہ پر بیٹھ جانا یا دروازہ کے درازوں سے جھانکنا بہت بُرا ہے بلکہ اجازت لینے والے کو چاہیے کہ دروازہ کے سامنے نہ کھڑا ہو بلکہ دائیں یا بائیں طرف کھڑا ہو۔ مبادا کہ اہل خانہ پر نظر پڑ جائے اور اجازت لینے کا حکم نظر اور بصر ہی کی حفاظت کے لیے ہے اور احادیث میں گھر میں جھانکنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔

اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو تمہارا ظاہر باطن اس سے مخفی نہیں جس نیت سے جو کام کروگے اسی کے مناسب جزا ملے گی۔ یہاں تک ان بیوت (گھروں) کا حکم بیان کیا کہ جو مَسْکُوْنَہ ہوں۔ یعنی ان گھروں میں کوئی رہتا ہو اور جو بیوت غیر مسکونہ ہوں یعنی ان گھروں میں کوئی رہتا نہ ہو تو آئندہ آیت میں ایسے گھروں میں داخل ہونے کا حکم بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔ تمہارے لیے ایسے مکانات میں بغیر اجازت داخل ہونے میں کوئی گناہ نہیں جن میں کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمہاری کوئی ضرورت اور منفعت ہو یا ان میں تمہارا کوئی سامان رکھا ہوا ہو تو ایسے مکانات میں بغیر اجازت کے داخل ہونا جائز ہے جیسے سرائے یا خانقاہ یا مدرسہ یا مسجد اس قسم کے مکانات میں جانے کے لیے خاص اجازت کی ضرورت نہیں جیسے لوگ مسافر خانے بنادیتے ہیں اگر وہ خالی ہوں تو وہاں اترنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ اذن کی ضرورت وہاں ہے کہ جہاں کسی عورت پر نظر پڑ جانے کا اندیشہ ہو یا صاحب خانہ کی کسی راحت یا مصلحت میں خلل پڑنے کا خطرہ ہو اور جب یہ بات نہیں تو اذن کی ضرورت نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو کہ کسی کے مکان میں تمہارے داخل ہونے سے تمہاری کیا نیت ہے اور اگر تم اجازت بھی لے لو تو اس اجازت لینے میں تمہاری کیا نیت ہے۔ ان آیات میں معاشرۃ اور تمدن کے احکام کی تعلیم فرمائی۔ افسوس کہ مسلمان ان آیات اور احادیث پر نظر نہیں کرتے اور غیر قوموں نے تمہارے دین سے جو چند باتیں چرائی ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں۔

یک سجدنانے ترا برفرق سر   تو ہی جوتی لب نان در بدر

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا

کہہ دے ایمان والوں کو، نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں

فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ

اپنے ستر۔ اس میں خوب ستھرائی ہے ان کی۔ اللہ کو خبر ہے جو

بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ

کرتے ہیں۔ اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ٹک

مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنی ستر، اور نہ دکھاویں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي

اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے۔ اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی

جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ

اپنے گریبان پر، اور نہ کھولیں اپنا سنگار، مگر اپنے خاوند کے آگے یا

اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

اپنے باپ کے یا خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا خاوند کے بیٹے کے،

اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ

یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے

اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ

یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے ہاتھ کے مال کے، یا کمیروں کے جو

اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ

مرد کچھ غرض نہیں رکھتے۔ یا لڑکوں کے جنہوں نے نہیں

يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ

پہچانے عورت کے بھید - اور نہ دھمکا دیں اپنے پاؤں سے

لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا

کہ جانا پڑے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار ، اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر

اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اے ایمان والو ! شاید تم بھلائی پاؤ ۔

حکم ششم متعلق بہ نظر و بصر

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ..... الی ..... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔

(ربط) یہ چھٹا حکم ہے جو مرد کا عورت کو دیکھنے سے اور عورت کا مرد کو دیکھنے سے متعلق ہے اور نگاہ کی حفاظت کا حکم۔ عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کا بے مثال سامان ہے۔ گزشتہ آیات میں زنا کی سزا اور زنا کی تہمت لگانے کے احکام کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اسبابِ زنا کے احکام بیان کرتے ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی ممانعت کرتے ہیں کہ جو زنا کا سبب اور ذریعہ بنتی ہیں تاکہ ان پر عمل کرنے سے خود زنا سے محفوظ رہ سکے اور بندوں کے اتہام اور اشتباہ سے محفوظ رہ سکے مثلاً مرد کا عورت کو دیکھنا اور عورت کا مرد کو دیکھنا ایک عظیم فتنہ ہے کیونکہ کسی کا چہرہ دیکھنے سے اس کا حسن و جمال معلوم ہو جاتا ہے تو طبعی طور پر اس کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور نفس کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے اور پھر یہ کشش نفس کو کوشش پر آمادہ کرتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

برق نگاہ یار میرا کام کر گئی

اس لیے ان آیات میں اہل ایمان کو نظر اور بصر کے احکام اور آداب بتلاتے ہیں تاکہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں اور اس بارہ میں مردوں کے حکم کو مقدم کیا کہ وہ اصل طالب اور متقاضی ہیں اور عورتیں بوجہ حیاء کے ان سے کم ہیں (نیز) گزشتہ آیات میں کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی۔ سو اس کی وجہ یہی تھی کہ کسی کے زنانہ اور گھرانہ پر تمہاری نظر نہ پڑے اور یہ ناگہانی نظر آئندہ چل کر کسی فتنہ کا سبب نہ بن جائے جیسا کہ حدیث میں ہے انما جعل الاستیذان من اجل البصر یعنی کسی کے گھر میں کسی کی نگاہ داخل ہو گئی تو پھر اجازت ہی کی کیا ضرورت رہی۔

اس لیے آئندہ آیات میں مرد اور عورت کو علیحدہ علیحدہ نظر نیچی رکھنے کا صراحۃً حکم دیتے ہیں۔
چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی آپ اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنے نورِ ایمان کی حفاظت چاہتے ہیں تو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ یعنی جن چیزوں کا دیکھنا حلال نہیں ان کی طرف نظر نہ اٹھائیں۔ پس جن چیزوں کا مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے ان کو بالکل نہ دیکھیں اور جن چیزوں کا فی حد ذاتہ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت کے ساتھ دیکھنا جائز نہیں تو ان کو نظرِ شہوت سے نہ دیکھیں۔ ناجائز نظر دیبا چۂ زنا ہے اور اگر اتفاق سے نظر پڑ جائے تو اس کو دوسری طرف پھیر لیں۔ غرض یہ کہ نظر اور بصر میں درجات ہیں، بعض صورتوں میں معاف ہے اور بعض صورتوں میں حرام ہے اس لیے مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِنْ تبعیضیہ انہی درجات اور مراتب کے فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بڑھایا گیا۔

اور اہل ایمان کو چاہیئے کہ اپنی شرمگاہوں کی بھی حفاظت کریں یعنی اپنی شہوت کو ناجائز فعل میں استعمال نہ کریں اس میں زنا اور لواطت سب آگئے یا یہ معنی ہیں کہ ہر وقت اپنی شرمگاہوں کو مستور رکھیں مطلب یہ ہے کہ حفاظت ستر یعنی ان کا مستور رکھنا مراد ہے اور خلوت اور تنہائی میں بھی اپنی شرمگاہ کی طرف نظر رکھنا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگرچہ تو تنہا ہو جب بھی اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھنا اللہ تعالیٰ زیادہ احق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

یہ یعنی آنکھ اور نگاہ کی اور شرمگاہ کی حفاظت ان کے حق میں بڑی ستھرائی ہے اور پاکیزہ ترین خصلت ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو زنا کی نجاست اور گندگی سے پاک رکھنے والی چیز ہے اور یہ پاکیزگی مؤمنین کو مشرکین سے اور مؤمنات کو کافرات سے ممتاز کرنے والی ہے۔

اور بے شک اللہ اس چیز سے باخبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تمہاری نگاہ کس طرف اور کس لیے اٹھ رہی ہے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے زنا کی ممانعت فرمائی اور دوسری آیت میں شرمگاہ کے زنا کی ممانعت فرمائی اس لیے کہ نامحرم کی طرف نظر کرنا یہ زنا کا پیش خیمہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔ نامحرم کو دیکھنا یہ زنا کے قریب جانا ہے یہ آنکھ کا زنا ہے جو شرمگاہ کے زنا کا پیش خیمہ ہے اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے احکام سے باخبر ہے۔ جدھر بھی نظر اٹھاؤ گے تمہاری نظر اس چیز پر بعد میں پڑے گی اور اللہ کی نظر تم پر پہلے پہنچ جائے گی لہٰذا تم کو ڈرتے اور بچتے رہنا چاہیئے۔

اب آئندہ آیات میں عورتوں کو بھی یہی حکم دیتے ہیں کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ مگر عورتوں کے حق میں اس کے علاوہ بعض دیگر احکام کا اضافہ ہے اور اسی طرح اے نبی آپ ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اگر مقتضائے ایمان تم کو اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت درکار ہے تو فقط مردوں کے نیچی نگاہ کرنے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ عورتوں کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور غیروں کے دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بند رکھیں اور جس چیز کی طرف نظر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر

نہ دیکھیں۔ اجنبی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا یہ شیطان کا زہریلا تیر ہے۔ شیطان کا مقولہ ہے کہ جو تیر میں عورت کے ذریعہ چلاتا ہوں وہ تیر کبھی خطا نہیں جاتا اور بزرگوں کا قول ہے کہ نگاہِ بد زنا کا ڈاکیہ ہے اور فسق و فجور کا قاصد ہے۔

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اب آیات میں عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیتے ہیں کہ اے ایمان والی عورتو۔ تم کو چاہیئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو خواہ وہ مرد تم کو دیکھے یا نہ دیکھے جو مرد تمہارے سامنے ہے اگرچہ وہ نابینا ہے مگر تم تو نابینا نہیں جیسا کہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور ترمذی میں ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ اور حضرت میمونہؓ یہ دونوں بیبیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھیں اتنے میں عبداللہ بن ام مکتومؓ (جو نابینا تھے) آگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم دونوں پردہ میں ہوجاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو نابینا ہیں ہم کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ کیا تم بھی نابینا ہو اور تم ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابینا سے بھی پردہ واجب ہے اگرچہ کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو، خاص کر جب کہ شوہر بھی گھر میں موجود ہو غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو علیحدہ علیحدہ نیچی نگاہ رکھنے کا حکم دیا۔ تاکہ دونوں طرف سے فتنہ کی روک تھام ہو جائے اور ایمان والیوں کو چاہیئے کہ اپنی شرمگاہوں کی پوری پوری حفاظت کریں کہ کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکے حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنی خلوت اور اپنی تنہائی میں بے ضرورت اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھیں۔ میاں بیوی کو اگرچہ باہم صحبت اور مباشرت کی اجازت ہے مگر بلا ضرورت ایک دوسرے کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنے کی اجازت نہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے نگاہ کمزور ہوتی ہے، جیسا کہ یہ مضمون ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔

غرض یہ کہ زنا سے حفاظت کی ایک تدبیر اور ایک صورت تو یہ ہوئی کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور دوسری تدبیر جس سے زنا سے محفوظ رہ سکیں یہ ہے کہ ایمان والی عورتیں اپنی آرائش اور زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر زیب و زینت کی وہ چیز جو عادتاً اور غالباً کھلی رہتی ہے یعنی جس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا عادۃً ممکن نہیں جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے بغیر منہ کھولے عورت گھر میں چل پھر نہیں سکتی اور بغیر ہاتھوں کے گھر کا کام کاج نہیں کر سکتی۔ تو جس زینت کا چھپانا اور اس کو مستور رکھنا ممکن نہیں تو ایسی زینت کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور جب ابداء زینت یعنی اظہار زینت حرام ہوا تو اس کی نقیض اور ضد یعنی اخفاء زینت فرض اور واجب ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن ستر ہے اپنے گھر میں بھی اس کو مستور اور پوشیدہ رکھنا فرض اور لازم ہے مگر چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے۔ اس لیے یہ اعضاء ستر سے خارج ہیں اپنے گھر میں ان اعضاء کو کھلا رکھنا جائز ہے۔ ضروریات زندگی ان اعضاء کے کھلے رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اگر مطلقاً ان اعضاء کے چھپانے کا بھی حکم دیا جاتا تو عورتوں کے لیے اپنے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آتی اس لیے

شریعت نے ان اعضاء کو ستر سے خارج کر دیا۔ ان اعضاء کے علاوہ عورت کا تمام بدن ستر ہے جس کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا واجب ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کو اپنے چہرہ کے حسن وجمال کو نامحرم مردوں کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے اور نہ اجنبی مردوں کو اس کی اجازت ہے کہ وہ عورتوں کے حسن وجمال کا نظارہ کیا کریں اور ان سے آنکھیں لڑایا کریں، شریعت کی طرف سے کسی عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت دینا اس کو مستلزم نہیں کہ مرد کو اس کی طرف دیکھنا بھی جائز ہو، شریعت مطہرہ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ مرد اور عورت کو اس قسم کی بے حیائی کی اجازت دے اور مرد عورت کو زنا کی دہلیز پر قدم رکھنے کی اجازت دے۔ حاشا وکلا عورت کے لیے اپنی زیبائش یعنی مواضع زینت کا اظہار سوائے محارم کے جن کا ذکر آئندہ آیت میں آ رہا ہے اور کسی کے سامنے ہرگز ہرگز جائز نہیں اور محارم کے سامنے آنے کی بھی یہی شرط ہے کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور یہ سامنے آنا ازراہِ شفقت قرابت ہو نہ کہ بطریق شہوت ہو۔ بطریق شہوت تو محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہے اور حرام ہے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے یعنی فی حد ذاتہ عورت کو خواہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر ہو کس حصہ بدن کا مستور رکھنا واجب ہے اور کس حصہ بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے۔ اس جملہ میں اس سے بحث نہیں کہ کس سے اپنا چہرہ چھپائیں اور کس کے سامنے ظاہر کریں اس کی تفصیل آئندہ آیت میں آنے والی ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں فقط یہ بتلانا ہے کہ بدن کا کتنا حصہ فی ذاتہ اور فی نفسہ قابل ستر ہے اور کتنا حصہ قابل کشف و اظہار ہے، اس آیت میں فقط عورتوں کا مسئلہ بیان کیا گیا۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ نامحرم مردوں کو عورتوں کے دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی، کسی مسئلہ میں عورتوں کی کسی اجازت سے مردوں کی اجازت کا مسئلہ نکالنا حماقت ہے۔

باقی رہا مسئلہ حجاب (پردہ) یعنی عورت کو گھر میں رہنا کس درجہ لازم ہے اور کن حالات میں اس کو گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور اگر بضرورت نکلے تو کس حالت میں نکلے سو اس مسئلہ کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ احزاب میں آئے گی یعنی وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کی تفسیر میں آئے گی۔ مرد کا ستر صرف ناف سے گھٹنوں تک ہے مرد کے لیے صرف اتنے حصہ بدن کو ہر وقت مستور رکھنا واجب ہے اس کے علاوہ مرد کے لیے تمام بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے اور عورت کا تمام بدن ستر ہے سوائے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں کے۔ ہر وقت تمام بدن کا مستور رکھنا واجب ہے باقی یہ امر کہ عورت اپنا چہرہ کس مرد کے سامنے کھول سکتی ہے سو آئندہ آیت میں اس کی پوری تفصیل آ رہی ہے۔ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ الآیۃ یعنی عورتوں کے لیے شوہر اور باپ دادا اور پوتے اور بھانجے اور بھتیجے ان اشخاص مذکورہ کے علاوہ کسی کے سامنے اپنا منہ کھولنا جائز نہیں

تنبیہ آیت میں دو حکم بیان کیے گئے ایک مرد کے لیے اور ایک عورت کے لیے۔ شریعت نے ضرورت کی بنا پر منہ کھولنے کی اجازت دی ہے اس اجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ

دوسروں کو بھی اس کے چہرہ کی طرف نظر کرنا جائز ہو۔ مرد کے لیے پردہ کا حکم نہیں مگر کسی عورت کو دیکھنے کی اور کسی گھر میں جھانکنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ بیشمار آیات اور احادیث سے اس کی ممانعت ثابت ہے۔ غرض یہ کہ دو حکم علیحدہ علیحدہ ہیں پس اگر کسی صورت میں عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو۔

زینت کے معنی زینت کے معنی آرائش اور زیبائش کے ہیں خواہ وہ خلقی اور قدرتی ہو۔ جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور ہتھیلیاں یا مصنوعی اور اختیاری ہو جیسے پوشاک اور زیور یہ سب چیزیں زینت ظاہرہ یعنی اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں داخل ہیں جن کا اظہار سوائے محارم کے کسی کے سامنے جائز نہیں جن کا ذکر آئندہ آیت میں آنے والا ہے اور تیسری تدبیر جو زنا سے حفاظت کا ذریعہ ہے وہ یہ کہ ایمان والی عورتوں کو یہ بھی لازم ہے کہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال لیں تاکہ ان کے سر اور گردنیں اور سینے چھپے رہیں اور سینہ اور پستان کا ابھار کسی پر ظاہر نہ ہو۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اس زمانہ کی عورتیں سینہ کھول کر اور گردن اور بالیوں کو ظاہر کر کے چلتی پھرتی تھیں اور سینہ کھولے ہوئے مردوں کے سامنے سے گزرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو سینہ اور گردن کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دے دیا۔ کما قال تعالیٰ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ۔

نکتہ آیت میں بجائے لفظ اِلقاء کے لفظ ضرب استعمال کیا گیا اور وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ فرمایا گیا جس سے مقصود مبالغہ ہے کہ خوب اچھی طرح اوڑھنیاں اپنے اوپر ڈال لیں اور ان کو خوب چپکا لیں کہ بدن اچھی طرح چھپ جائے کھلا نہ رہے۔

غرض یہ کہ اس آیت میں جو حکم تھا وہ صرف فی نفسہٖ عورت کے اعضاء اور مواضع زینت سے متعلق تھا کہ کن اعضاء کا عورت کے لیے اظہار اور کشف جائز ہے اور کتنے حصۂ بدن کا مستور رکھنا واجب ہے یہ مسئلہ ستر کا تھا جو عورت کی ذات سے متعلق تھا۔ اب آئندہ آیت میں دوسروں کے سامنے ان اعضاء اور مواضع زینت کے کھولنے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ کس کے سامنے زینت کا ظاہر کرنا جائز ہے اور کس سے پردہ کرنا لازم ہے عورت کو جن کے سامنے آنے کی اجازت دی گئی وہ بارہ[۱۲] ہیں جن کی آیت میں تفصیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور چوتھی تدبیر جس سے زنا سے حفاظت ہو سکے یہ ہے کہ نہ ظاہر کریں ایمان والی عورتیں اپنی آرائش و زیبائش کو یعنی مواضع زینت کو یعنی اپنے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو کسی کے سامنے نہ کھولیں اور کسی کے سامنے ان اعضاء کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر ان بارہ اشخاص کے سامنے۔ اپنے شوہروں کے سامنے کہ ان سے تو کسی چیز کا اخفاء واجب نہیں البتہ بلا ضرورت شرمگاہ کی طرف نظر کرنا شوہر کے لیے بھی ممنوع ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا جامع احدکم زوجہ اوجاریتہ جب کوئی اپنی بیوی یا باندی سے جماع کرے

فلا ينظر الى فرجها فان ذلك يورث العمى. قال ابن الصلاح جيد الاسناد كذا فى شرح الجامع الصغير.	تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے یہ دیکھنا نابینائی پیدا کرتا ہے۔ ابن صلاحؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ ہے۔

(۲) یا اپنے باپ دادوں کے سامنے (۳) یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے کہ شوہروں کے باپ بمنزلہ تمہارے باپ کے ہیں (۴) یا اپنے بیٹوں کے سامنے (۵) یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے جو دوسری بیوی سے ہوں (۶) یا اپنے بھائیوں کے سامنے (۷) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے (۸) یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے، یہ سب بمنزلہ اولاد کے تمہارے ساتھ ہیں، ہر وقت ان کی آمد و رفت ہے اور ان کی طرف سے فتنہ کا اندیشہ نہیں، یہ سب محارم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محارم کی فطرت میں ایک طبعی نفرت رکھ دی ہے کہ مرد اپنی ماں اور خالہ اور بہن کو دیکھتا ہے مگر دل میں برا خیال نہیں آتا۔ اور ان محارم کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں۔ مگر یہ زمانہ فتنہ و فساد کا ہے اور انگریزی تعلیم نے اور انگریزی تمدن نے فطرت انسانی کو خراب کر دیا ہے۔ اس لیے اس زمانہ میں محارم کے بارہ میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح کر دی ہے کہ محارم کے سامنے آنا بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

امام ابن جریرؒ طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ حدثنا علی ثنا عبد اللہ حدثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس قولہ تعالیٰ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا قال والزينة الظاهرة الوجه وكحل العين وخضاب الكف والخاتم فهذا تظهر فی بيتها لمن دخل من الناس عليها۔

(تفسیر ابن جریر ص ۹۳ ج ۱۸)

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا یہ فرمانا۔ فهذا تظهر فی بيتها لمن دخل من الناس عليها کہ عورت اپنی زینت صرف اپنے گھر میں ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کو اس کے سامنے آنے اور گھر میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں ابداء زینت سے اپنے گھر میں فی حد ذاتہٖ زینت کا ظاہر کرنا اور ان لوگوں کے سامنے آنا مراد ہے، جن کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت ہے یعنی محارم۔ معاذ اللہ سڑکوں اور بازاروں میں زینت کا ظاہر کرنا مراد نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن مردوں کو اس کے گھر میں آنے کی شرعاً اجازت ہے، جیسے باپ اور بھائی۔ تو ان کے سامنے اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے اور کھولنے میں مضائقہ نہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے عورت کو اپنی زینت کا کھولنا جائز نہیں (تفسیر ابن جریر)

عله۔ قال ابن جرير قوله تعالیٰ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ يقول جل ذكره ولا يظهرن للناس الذين ليسوا بمحارم زينتهن اھ

یا اپنی خاص رشتہ دار یا خاص خدمت گزار عورتوں کے سامنے اگر اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھوں) کو کھلا رکھیں تو یہ بھی جائز ہے اور اپنی عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو قریبی رشتہ دار ہوں یا ان کی خدمت گزار ہوں اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہوں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں اور بہت سے سلف کے نزدیک اپنی عورتوں سے مسلمان عورتیں مراد ہیں جو ان کی دینی بہنیں ہیں ان کے سامنے آنا جائز ہے۔ کیونکہ کافر عورتیں اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے مروی ہے (در منثور) کافرہ عورت مسلمان عورت کے حق میں بمنزلہ اجنبی مرد ہے، اس لیے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک مسلمان عورت کو کافر عورت سے پردہ کرنا واجب ہے۔

یا ان کے سامنے آنا بھی جائز ہے جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی اپنی باندیاں یا اپنا غلام اگرچہ وہ نامحرم ہو اس کے سامنے آنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ غلام نیک چلن اور پاک دامن ہو ورنہ نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ میں لونڈی اور غلام دونوں داخل ہیں اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے صرف باندیاں مراد ہیں۔ اور غلام مراد نہیں جیسا کہ سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آیت النور تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، اس آیت میں مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ سے صرف باندیاں مراد ہیں۔ اور غلام مراد نہیں اور یہی قول عبداللہ بن مسعودؓ اور مجاہدؒ اور عطاءؒ اور حسنؒ اور ابن سیرینؒ اور شعبیؒ کا ہے اور یہی قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے خاص کر اس زمانہ میں۔

مسئلہ کسی بیگم صاحب کا تنہا موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانا جب کہ ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں موجود ہو تو یہ خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے اور ڈرائیور کو نیک سمجھنا حماقت ہے، ایسے وقت میں تو نفس اور شیطان ولی کو بھی شیطان بنا دیتا ہے یا ان کے ساتھ رہنے والے مردوں کے سامنے آنا بھی جائز ہے جو تم سے وابستہ ہیں اور تمہارا کاروبار کرتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ مرد ایسے ہوں کہ عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یعنی ایسا آدمی ہو جسے عورت کی خواہش ہی نہ ہو مثلاً وہ نامرد ہو تو وہ خدمت کے لیے آسکتے ہیں یا وہ چھوٹے لڑکے جو ابھی عورتوں کے حال اور بھید سے واقف نہیں اور جانتے بھی نہیں کہ مباشرت کیا چیز ہے تو عورتوں کو ایسے بےخبر لڑکوں کے سامنے آجانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں جب سمجھنے لگیں گے اور ہوشیار ہو جائیں گے تو ان کو منع کر دیا جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ پہلی آیت وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ میں ستر اور کشف عورت کے مسئلہ کا بیان تھا کہ عورت کو فی حد ذاتہ کن مواضع زینت اور کن اعضاء کا کھلا رکھنا جائز ہے اور کن اعضاء کا چھپانا واجب ہے اور اس کے بعد والی آیت یعنی وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الخ یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ عورت کو کس کے سامنے آنا جائز ہے۔ سو بتلا دیا کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا قطعاً حرام ہے اور حکم سابق سے جن صورتوں کو مستثنیٰ فرمایا وہ بارہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جن سے نکاح جائز ہے وہ

سب اجنبی کے حکم میں ہیں۔ پھر یہ کہ شوہر کے سوا دیگر محارم کے سامنے آنے کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہوگا اور شوہر طلاق دینے کے بعد اجنبی مرد کے حکم میں ہو جاتا ہے شہوت کے ساتھ تو ماں بیٹی کی طرف بھی نظر کرنا حرام ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لیے اپنی زینت کو ان محارم کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف و اظہار سے اپنے حسن وجمال کا اظہار مقصود نہ ہو۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر[1] ص ۲۸۴ ج ۳۔

یہاں تک اللہ تعالےٰ نے زنا سے حفاظت کی چار تدبیریں بتلائیں۔ اب آگے پانچویں تدبیر بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایمان والی عورتوں کو چاہیے کہ پردہ کا اس درجہ اہتمام کریں کہ چلنے کی حالت میں اپنے پیر زمین پر زور سے نہ ماریں تاکہ ان کا پوشیدہ زیور لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ زجاجؒ کہتے ہیں کہ زینت کی آواز زینت سے زیادہ محرک شہوت ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عورت جب راستہ چلتی اور اس کے پاؤں میں پازیب وغیرہ ہوتے تو اپنے پاؤں کو زمین پر مارتی تاکہ مرد اس کی آواز سن لیں۔ اللہ تعالےٰ نے ایمان والی عورتوں کو ایسی حرکت کرنے سے منع کر دیا کہ جس سے ان کے زیوروں کی آواز مردوں تک پہنچے اور مرد اُن کی آواز سن کر ان کی طرف راغب ہوں گزشتہ آیت میں زینت کے اظہار کی ممانعت تھی اب اس آیت میں زینت کی آواز کے اظہار کی ممانعت فرمائی کہ جس طرح زینت کا اظہار موجب فتنہ ہے اسی طرح زینت کی آواز کا اظہار بھی موجب فتنہ ہے اور ممنوع ہے اور ظاہر ہے کہ خود عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجب فتنہ ہے۔ لہٰذا عورت کی آواز زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ اس بارہ میں نص صریح ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے جلنے اور چلنے کا علم ہو جائے اور ان کے پازیب کی آواز مردوں کی شہوت کو برانگیختہ کرنے کا سبب بنے اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نہ نکلے اگرچہ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور بدکار ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

فائدہ پس جب عورت کے لیے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہوا۔ تو عورت کا خود اپنی آواز کا نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے باتیں کرنا یا گانا بجانا رہ بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان اور اقامت

---

[1] قال ابن کثیر (بعد ذکر هذه الآیة) کل هؤلاء محارم للمرأة یجوز لها ان تظهر بزینتها ولکن من غیر تبرج۔ اھ ص ۲۸۴ ج ۳۔

بھی بالاجماع ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کی تقریر بدرجۂ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔

اور اے ایمان والو اگر تم سے ان احکام میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اللہ کے سامنے توبہ کرو اور امید رکھو کہ تم کو فلاح اور کامیابی ہو جائے گی، کیونکہ غفلت اور معصیت کے بعد فلاح کا ذریعہ صرف توبہ اور استغفار ہے، حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے گنہگار کو توبہ کا حکم دیا تاکہ آخرت کی رسوائی سے بچ سکے۔

بچو رسوا نہ کردی بچندیں خطا درین عالم پیش شاہ وگدا
دراں عالم ہم پیش ہر خاص وعام بیامرزد رسوا مکن والسلام

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ تُوبُوْا میں رسوم جاہلیت سے توبہ کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو ان کاموں سے بچو کہ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔

غرض یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زنا سے بچنے کی پانچ تدبیروں کو بیان فرما دیا۔ باقی تدبیروں کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ احزاب میں آئے گا کہ عورت بلاضرورت اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر ضرورت اور مجبوری کی بنا پر نکلے تو برقعہ اوڑھ کر اور سر اور سینہ چھپا کر نکلے۔

لطائف ومعارف

(۱) ان آیات میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ سب زنا کی انسدادی تدابیر ہیں جو عصمت وعفت کی حفاظت میں تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہیں اور تہذیب اور اخلاق اور تزکیۂ باطن کے بارہ میں بے مثال اور بے نظیر ہیں جن کی آنکھوں پر شہوت اور نفسانیت کا پردہ پڑا ہوا ہے ان کو ان احکام کا حسن وجمال نظر نہیں آتا۔

(۲) دلدادگان مغربیت اور اسیران نفسانیت جو اس قانون عفت کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں وہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جوان عورتوں کے لیے شارع عام پر چہرہ کھول کر پھرنا اور گھومنا جائز ہے اس لیے کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر صحابہ وتابعین کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے چہرہ اور دونوں ہاتھ مراد ہیں یہ سب مغالطہ اور دھوکہ ہے کہ جو یہ کہتے ہیں قرآن میں یا حدیث میں اس طرح آیا ہے اس لیے ہم اس حکم شرعی پر عامل ہیں۔ اصل منشاء اس کا یورپ کی کورانہ تقلید اور مذہب سے آزادی ہے۔

بحمدہ تعالیٰ ہم نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بتلا چکے ہیں کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے صرف اتنا بتلانا ہے کہ عورتوں کو فی نفسہٖ اور فی ذاتہٖ چہرہ اور ہاتھوں کے کھولے رکھنے کی اجازت ہے کیونکہ بہت سی دینی اور دنیوی ضرورتیں ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اس لیے ان اعضاء کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور اس

آیت میں دوسروں کے سامنے منہ اور ہاتھوں کے کھولنے کے جواز اور عدم جواز سے کوئی تعرض نہیں۔ اس کا ذکر آنے والی آیت میں ہے کہ عورت کو اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے کی اجازت کن کن مردوں کے سامنے ہے اسی اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے متصل جو آیت آرہی ہے یعنی وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ الخ اس میں حصر اور قصر کے ساتھ اس امر کی تصریح ہے کہ سوائے ان محارم کے کسی اور کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔

پس اگر ان دلدادگانِ مغربیت کے خیال کے مطابق اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوتی۔

۱۔ تو آئندہ آیت میں ان محارم باپ اور بیٹا اور بھائی کے استثناء کی کیا ضرورت تھی اس لیے کہ جب عورت کو عام مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوگئی تو باپ اور بیٹا اور بھائی کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت بدرجۂ اولیٰ ہوجائے گی۔

۲۔ اور اس سے پہلی آیت میں عورتوں کو غض بصر کے حکم دینے کی کیا ضرورت تھی جو خاص طور پر ان کو حکم دیا گیا وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ۔

۳۔ نیز اگر عام طور پر عورتوں کو چہرہ کھول کر پھرنا جائز ہوتا تو پھر کسی کے زنانخانہ میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینا فرض اور واجب نہ ہوتا جیسا کہ گزشتہ آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا یہ حکم صراحۃً گزر چکا ہے۔

۴۔ نیز قرآن کریم میں عورتوں کے متعلق یہ حکم آیا ہے وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى یعنی اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پہلے زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کا اظہار نہ کرو۔ اگر عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہوتی تو پھر اس حکم کی کیا ضرورت تھی۔

۵۔ نیز قرآن کریم میں ایک حکم آیا ہے۔

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ۔	اور جب تم عورتوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو اسی میں تمہارے دلوں کی خوب ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔

معلوم ہوا کہ پردہ کے پیچھے سے مانگنا دونوں کے لیے طہارت قلب کا سبب ہے اور کھلے منہ سامنے آکر مانگنا نجاست قلب کا سبب ہے۔

۶۔ نیز اگر عورت کسی ضرورت کی بناء پر کسی غیر مرد سے پس پردہ کلام کرے تو اس کے لیے حکم یہ ہے۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۔	ان سے نرم لہجہ میں بات نہ کرو مبادا جس کے دل میں نفسانیت اور شہوانیت کا روگ اور بیماری ہے وہ تمہاری نرم بات سے

تمہاری ذات ہی کے لالچ میں نہ پڑجائے۔
پس اگر کھلے منہ کسی غیر مرد کے سامنے آنا جائز ہوتا تو اس حکم کی کیا ضرورت تھی۔
۷۔ نیز اس سلسلۂ کلام میں ایک حکم یہ آیا ہے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ	اور عورتوں کو چاہیئے کہ چلتے وقت اپنے پاؤں زور سے زمین پر نہ ماریں جس سے لوگوں کو ان کے پوشیدہ زیور کی آواز معلوم ہو سکے اس لیے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا ہوتی ہے جو فتنہ کا سبب ہے۔

پس جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے تو خود عورت کی ذاتی آواز کس درجہ فتنہ ہوگی۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ عورت کا تو قرآن سننا بھی ناجائز اور حرام ہے اور تمام فقہا اور ائمہ کا اجماع ہے کہ عورت کی اذان اور اقامت قطعاً ناجائز ہے پس معلوم ہوا کہ عورت کا کھلے منہ جلسوں میں آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور اس کا اخباروں میں چھپوانا بلاشبہ حرام ہوگا۔ جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے اور اس کا اظہار ناجائز ہے تو خود عورت کی تصویر اور اس کی آواز کیسے فتنہ نہ ہوگی اور اس کا اظہار اور اشتہار کیوں حرام نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ عورت کی تقریر اور عورت کی تصویر یہ سب زنا کے دروازے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ ان کو بند کرنا چاہتی ہے مگر یہ دلدادگانِ مغربیت اس فکر میں ہیں کہ بے پردگی اس درجہ بامِ عروج پر پہنچ جائے کہ نفس پرستوں کو نکاح ہی کی ضرورت نہ ہو۔

۸۔ نیز احادیث میں عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کی ممانعت آئی۔
۹۔ اور عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔
۱۰۔ اور عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں جانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس ممانعت کی علت صرف یہی فتنۂ شہوت و نفسانیت ہے جس کا شریعت مطہرہ سدِباب کرنا چاہتی ہے اور یہ نفس کے فدے کھلے بندوں اس کے توڑنے کی فکر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے مسلمانوں کو خصوصاً اور دنیا کو عموماً محفوظ رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

وَأَنكِحُوا	الْأَيَامَىٰ	مِنكُمْ	وَالصَّالِحِينَ	مِنْ	عِبَادِكُمْ	
اور بیاہ دو	رانڈوں کو	اپنے اندر،	اور جو نیک ہوں		تمہارے	غلام
وَإِمَائِكُمْ ۚ	إِن	يَكُونُوا	فُقَرَاءَ	يُغْنِهِمُ	اللَّهُ	مِن
اور لونڈیاں ۔	اگر	وہ ہوں گے	مفلس		اللہ ان کو غنی کرے گا	

فَضۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۳۲﴾ وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ

اپنے فضل سے، اور اللہ سمائی والا ہے سب جانتا۔ اور آپ کو تھامتے رہیں

الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ

جن کو نہیں ملتا بیاہ جب تک مقدور دے ان کو اللہ

مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ

اپنے فضل سے۔

حکم ہفتم۔ و حکم ہشتم

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ ..... الی ..... حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ،

(ربط) گزشتہ آیات میں ہر طرف سے نفسانی خواہشوں اور زنا کی روک تھام کا انتظام تھا۔ اب آیندہ آیات میں نکاح کا حکم دیتے ہیں جو عفت کا سامان ہے اور زنا سے بچنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ ان آیتوں میں ناکتخدا یعنی غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے متعلق دو حکم مذکور ہیں۔ ایک حکم تو یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت ہو ان کا نکاح کر دیا جائے۔ کما قال تعالیٰ وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ یہ سورت کا ساتواں حکم ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت نہ ہو وہ صبر کریں اور ضبطِ نفس سے کام لیں، یعنی روزے رکھیں یہ روزہ ان کے لیے باعث حفاظت ہوگا اور عجب نہیں کہ اس عفت اور حفاظت کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنائے ظاہری بھی عطا فرما دیں کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ یہ اس سورت کا آٹھواں حکم ہے

حکم ہفتم۔ بابت نکاح مجرداں

اور جو تم میں سے مجرد اور غیر شادی شدہ ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور خواہ ابتداء سے مجرد ہو یا بیوی کی وفات یا طلاق سے مجرد ہو گیا ہو تو تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور اسی طرح تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہیں۔ ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تاکہ نکاح سے ان کو طہارت اور

پاکیزگی حاصل ہو جائے اور فقر اور تنگدستی سے نہ ڈرو۔ اگر وہ فقیر اور محتاج بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی اور تونگر بنا دے گا۔ اور اللہ بہت دینے والا اور سب کے حال کا جاننے والا ہے۔ اگر تم طہارت اور نزاہت کی نیت سے نکاح کرو گے تو اللہ تمہاری تنگ دستی کو فراخی سے بدل دے گا اور اللہ اس پر قادر ہے، جو شخص عفت اور پاکدامنی حاصل کرنے کی نیت سے اور بدکاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے گا اس سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فراخی عطا فرمائے گا۔

حکم ہشتم۔ صبر وضبط نفس برائے حفاظت عفت

اور جو لوگ ایسے ہیں کہ جن کو اسباب نکاح میسر نہیں ان کو چاہیئے کہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کریں۔ اور حتی المقدور صبر اور ضبط نفس سے کام لیں اور انتظار کریں اور روزے رکھیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنا اور فراخی عطا کرے پھر نکاح کریں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اور جو لوگ چاہیں لکھا تمہارے ہاتھ کے مال میں، تو ان کو

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ

لکھا دو اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی۔ اور دو ان کو اللہ

مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ

کے مال سے، جو تم کو دیا ہے۔

حکم نہم۔ مکاتبت واعانت مملوک

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ... الیٰ ... مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ

(ربط) یہ نواں حکم ہے کہ جن غلاموں میں تم کسب معاش ——— اور تجارت کی صلاحیت دیکھو تو ان کو مکاتب بنا دو اور ان کی مدد کرو۔ تاکہ آزاد ہو کر وہ اپنی حسب منشا نکاح کر سکیں اور اپنا گھر آباد کر سکیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو تمہارے مملوک ہیں خواہ غلام ہوں یا باندیاں اگر وہ تم سے مکاتبت چاہیں یعنی مال دے کر تم سے اپنی آزادی کی تحریر لکھوانا چاہیں تو ان کو مکاتب بنا دو یعنی ان کو تحریر دے دو اگر کوئی لونڈی یا

غلام اپنے مالک سے یہ کہے کہ میں تم کو محنت اور مزدوری کر کے اتنی قسطوں میں اتنا روپیہ ادا کردوں گا تو تم مجھ ایک تحریر لکھ دو کہ اتنا روپیہ لے کر تم مجھ کو آزاد کردوگے اور مالک ایسا لکھ دے تو اصطلاح شریعت میں اس کو مکاتبت کہتے ہیں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آقاؤں کو حکم دیا کہ اگر تمہارے غلام ایسی درخواست کریں تو تم ان کو مکاتب بنا دو۔ بشرطیکہ تم ان میں نیکی اور صلاحیت کو جانو کہ اس میں اتنی صلاحیت ہے کہ کما کر اتنا مال ادا کر سکے گا اور سچا اور امانت دار ہے، نیک چلن ہے، بدچلن نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے اور بعض کے نزدیک ایجابی ہے۔ اور اگر تم ان کو نیک اطوار پاؤ اور ان میں نیکی کے آثار دیکھو تو تم ان کو اللہ کے مال سے بھی کچھ دے دو جو تم کو اللہ نے دے رکھا ہے تاکہ اس مال کی مدد سے وہ جلد آزاد ہوسکیں کیونکہ جب شروع ہی میں غلام کو کچھ مال مل جائے گا تو کمانا شروع کردے گا اور قسطوں کا ادا کرنا اس پر آسان ہو جائے گا۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا

اور نہ زور کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے، اگر وہ چاہیں قید رہنا،

لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ

کہ کمایا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا - اور جو کوئی ان پر زور کرے تو

اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۳﴾

اللہ ان کی بے بسی پیچھے بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم دہم۔ ممانعت از اکراہ و اجبار علی الزنا

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔

(ربط) یہ دسواں حکم ہے۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور کرتے اور ان پر ٹیکس لگاتے کہ ماہانہ اتنی رقم ہم کو دیا کرو تاکہ وہ باندیاں اس طرح سے ان کی آمدنی کا ذریعہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سختی سے منع فرما دیا، چنانچہ فرماتے ہیں اور اپنی باندیوں کو زنا اور بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ خاص کر جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں۔ بدکاری پر کسی کو مجبور کرنا تو ہر حال میں برا ہے اور خاص کر اس حال میں کہ جب وہ لونڈی پاکدامنی کی طلب گار ہو تو اور بھی برا ہے اور یہ امر نہایت ہی قبیح اور شرمناک ہے کہ تم اپنی باندیوں کو اس لیے بدکاری پر مجبور کرو تاکہ اس کے ذریعہ تم اپنی زندگی کا کچھ فائدہ حاصل کرسکو اور ان کی حرام کمائی

سے کچھ روپیہ تم کو مل جائے، اس لالچ پر کسی کو زنا اور بدکاری پر مجبور کرنا بہت ہی شرمناک کام ہے اور جو شخص ان کو زناکاری پر مجبور کرے باوجودیکہ وہ اس سے بچنا چاہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ اس اکراہ اور اجبار کے بعد بخشنے والا اور مہربان ہے، مجبوری اور بے کسی کی حالت میں اگر گناہ کیا جائے تو اس کے واسطے اللہ سے مغفرت کی امید ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ

اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی اور ایک دستوران کا

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

جو ہو چکے ہیں تم سے آگے، اور نصیحت ڈر والوں کو۔

خاتمہ احکام عشرۂ مذکورہ بر امتنان ہدایت و نصیحت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ..... الیٰ ..... وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

(ربط) یہاں تک نفس کو رذائل اور خباثت سے پاک کرنے کے لیے دس ۱۰ احکام بیان فرمائے اب انکے خاتمہ پر بندوں پر امتنان اور اظہار احسان فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہاری ہدایت اور نصیحت کے لیے یہ احکام نازل کیے تاکہ تم رذائل اور خباثت اور گندگیوں سے پاک ہو جاؤ اور تمہارے دل منور اور روشن ہو جائیں۔ اور تم عفیف اور پاکدامن بن جاؤ۔ اور وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ کے زمرہ میں داخل ہو کر اس فلاح کے مستحق ہو جاؤ جس کا اللہ تعالیٰ نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں وعدہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے تمہاری ہدایت کے لیے تمہاری طرف واضح اور روشن احکام نازل کیے جس سے تم پر حلال اور حرام اور خبیث اور طیب کا فرق واضح ہو جائے۔ اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی مثالیں اور حکایتیں بیان کیں کہ جن گزشتہ امتوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی اور بے حیائیوں کے مرتکب ہوئے ان کا حال اور مآل تمہارے سامنے بیان کیا تاکہ اس سے عبرت پکڑو اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت اتار دی تاکہ وہ اللہ کی نصیحتوں سے فائدہ اٹھائیں اور خدا کے پرہیزگار بندے بن جائیں اور خبیثین کے طریقہ کو چھوڑ کر طیبین کا طریقہ اختیار کریں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین صفتیں بیان کیں۔

(۱) اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ (۲) وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (۳) وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی ۔ کہاوت اس کی روشنی کی، جیسے ایک

فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ

طاق اس میں ایک چراغ۔ چراغ دھرا ایک شیشہ میں ۔ شیشہ

كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

جیسے ایک تارا ہے جھکتا، تیل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت سے،

زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ

وہ زیتون ہے ، نہ سورج نکلنے کی طرف نہ ڈوبنے کی طرف. لگتا ہے

زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

اس کا تیل کہ سُلگ اُٹھے ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ ۔ روشنی پر روشنی ،

يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ

اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے ۔ اور بتاتا ہے اللہ کہاوتیں

لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾ فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ

لوگوں کو۔ اور اللہ سب چیز جانتا ہے ۔ ان گھروں میں کہ اللہ

اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا

نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا یاد کرتے ہیں اس کی

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا

وہاں صبح اور شام ۔ وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں نہ

بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

بیچنے میں اللہ کی یاد سے ۔ اور نماز کھڑی رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

ڈر رکھتے ہیں اس دن کا، جس میں اُلٹ جاویں گے دل اور آنکھیں ۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ

کہ بدلہ دے ان کو اللہ اُن کے بہتر سے بہتر کاموں کا، اور بڑھتی دے ان کو اپنے فضل سے۔

وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار ۔

آیت نور در بارہ تمثیل نور ہدایت و ظلمت فسق و فجور

و انوار قلوب اہل ہدایت و ظلمت قلوب اہل ضلالت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.... الیٰ.... مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

(ربط) ابتداء سورت سے یہاں تک احکام ہدایت اور کلمات حکمت و موعظت کا ذکر ہوا اور گزشتہ آیات میں یہ فرمایا کہ ہم نے روشن آیتیں نازل کیں جس سے مقصود یہ تھا کہ لوگ گمراہی کی ظلمت سے نکل کر نور ہدایت میں آجائیں۔ اس لیے ان آیات میں اول نور ہدایت اور ظلمت ضلالت کی مثال بیان کرتے ہیں اور پھر اہل ہدایت اور اہل ضلالت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ دلائل ایمان و ہدایت نور مبین کی طرح روشن ہیں اور ادیان کفر انتہائی ظلمت اور تاریکی میں ہیں گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ کہ ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لیے آیات بینات کو نازل کیا اور ظاہر ہے کہ اللہ کی آیتیں بلاشبہ انوار ہیں اور یہ قرآن اللہ کا نازل کردہ نور ہے۔ کما قال تعالیٰ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا وقال تعالیٰ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا

اس لیے اب آئندہ آیات میں نور ہدایت کی مثال بیان کرتے ہیں۔ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا تمام کائنات کو جو نور وجود ملا ہے وہ سب اسی نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے نور کا ایک عکس اور پرتو ہے حق جل شانہٗ نور حق اور نور مطلق ہے۔ آسمان اور زمین کے تمام انوار حسیہ و عقلیہ پر قاہر اور غالب ہے آسمان و زمین کی حدود میں جو ظاہری اور باطنی اور حسی اور معنوی روشنی ہے وہ سب اسی نور برحق اور نور مطلق

کا فیض اور عطیہ ہے آسمان اور زمین کے تمام انوار محدود اور متناہی ہیں اور حق جل شانہٗ نور الانوار ہے اور اس کا نور غیر محدود اور غیر متناہی ہے، خدا تعالیٰ کا نور اصلی ہے اور مخلوقات کا نور عارضی ہے اور خدا کا عطیہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے اگر وہ پیدا نہ کرتا تو دنیا کی کوئی چیز دکھائی نہ دیتی۔ اسی نے اپنی قدرت سے آسمان و زمین کو عدم کی ظلمت سے نکال کر وجود کا لباس پہنایا اور ان کو ظاہر اور آشکارا کیا۔

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بیخبر نور وجود ست شہود از تو یافتم

آسمان اور زمین میں جس قدر بھی انوار اور سامان ظہور ہیں وہ سب اسی نور السموات والارض کے پیدا کردہ ہیں

(۱) مثلاً نورِ آفتاب و ماہتاب اور نجوم و کواکب ان چیزوں کا نور اور ان کی روشنی عالمگیر ہے۔

(۲) اور نورِ بصر یعنی چشم سر کا نور اور اس کی روشنی جس سے سامنے کی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

(۳) اور نورِ بصیرت یعنی چشم دل اور نورِ عقل جس کے ذریعہ حِسّی اور عقلی چیزوں کا ظہور ہوتا ہے یہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔

اور اللہ کا نور جو اس کی صفت ہے وہ قدیم اور ازلی ہے اور بے چون و چگون ہے وہاں کسی کمّ اور کیف کا گزر نہیں اور اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں جو نور اللہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے وہ اللہ کی صفت ہے اور یہ انوار حِسّیہ اور انوارِ عقلیہ جن سے آسمان و زمین بھرے ہوئے ہیں وہ سب اس کے نور قدیم کا ایک ادنیٰ سا پرتو ہیں اس لیے نور کو آسمان اور زمین کی طرف مضاف کیا کہ یہ آسمان و زمین اسی کے جمال بے مثال کے ایک ادنیٰ پرتو سے روشن ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔

اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے جو آیات بینات نازل فرمائیں وہ سب انوارِ غیبیہ اور باطنیہ ہیں جن سے حق اور باطل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور معنوی طور پر آیات بینات کا نور۔ آفتاب اور ماہتاب کے نور سے کہیں زیادہ روشن ہے۔ جس طرح نورِ عقل۔ نورِ آفتاب سے بڑھ کر ہے، اسی طرح نورِ وحی۔ نورِ عقل سے بڑھ کر ہے۔ نورِ آفتاب سے صرف محسوسات کا ظہور ہوتا ہے اور نورِ عقل سے محسوسات اور معقولات کے ظاہر و باطن کا ظہور اور انکشاف ہوتا ہے اور نورِ وحی سے ان چیزوں کا ظہور ہوتا ہے کہ جو وراء عقل ہیں جہاں نورِ عقل کی رسائی نہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نور کی حقیقت یہ ہے کہ جو شئے بذاتِ خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والی ہو۔ پس نورِ اصلی صفت حق جل شانہٗ کی ہے اور وہ بذاتہٖ ظاہر ہے اور اس کے سوا جو بھی ظاہر ہے وہ اسی کے ظاہر کرنے سے ظاہر ہوا ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی ظاہری یا باطنی روشنی ہے وہ اسی نور السموات والارض کے حسن و جمال کا اور اس کے فضل و کمال کا ایک پرتو ہے تمام ممکنات ظلمت کدۂ عدم میں پڑی ہوئی تھیں اور باہم کوئی امتیاز نہ تھا اس لیے کہ جب اندھیرا ہوتا ہے تو ساکن اور متحرک اور بلند اور پست میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون آگے ہے اور کون پیچھے ہے، جب نور اور اُجالا آتا ہے اور اندھیرا دُور ہوتا ہے تب حقیقتیں اور کیفیتیں کھلتی ہیں اور اچھے بُرے اور جوہر اور عرض میں تمیز ہوتی ہے اسی طرح

سمجھو کہ عدم ظلمت اور تاریکی ہے اور نور وجود اور ظہور ہے اگر وہ نور السمٰوات والارض ممکنات کو نورِ وجود اور نورِ ہستی عطا نہ کرتا تو تمام ممکنات عدم کی ظلمت اور تاریکی میں پڑی رہتیں۔ اور بلندی اور پستی کا کوئی امتیاز نہ ہوتا اور آنکھ اور عقل میں بھی روشنی نہ ہوتی تو ادراک کیسے ہوتا۔ ادراک بھی تو آخر ظلمت ہی میں ہوتا، پھر کہاں سے ہوتا جس طرح زمین اپنی ذات سے تاریک اور بے نور ہے، آفتاب کے عکس اور پرتو سے اس میں روشنی آئی اور زمین کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ اندھیری رات میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون زید ہے اور کون عمرو ہے۔ اسی طرح ممکنات کی ظلمتِ عدم کو سمجھو کہ وہ اپنی ذات سے اندھیرے میں ہیں جب نور السمٰوات والارض کی تجلی سے نورِ وجود کا کوئی پرتو ان پر پڑ جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ذرات کونات از و یافت ظہور ہستی کہ بذات خود ہویداست چو نور
درظلمت نیستی بماند مستور ہرچیز کہ از فروغ او افتد دور

آفتاب اور ماہتاب ظاہری نور ہیں جن سے دنیا کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور بَصَر (چشم سر) بھی ایک ظاہری نور ہے جس سے رنگتوں کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور بصیرت (چشم دل) ایک باطنی نور ہے جسے نورِ عقل بھی کہتے ہیں اس سے حقائق اشیاء کا ظہور ہوتا ہے آسمان آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کی روشنی سے روشن ہے اور زمین انبیاء اور علماء اور اولیاء کے انوار علم اور انوارِ ذکر و تسبیح سے منور ہے۔ الغرض آسمان و زمین میں جس قدر انوار حسیہ اور انوار عقلیہ موجود ہیں وہ سب اسی نور السمٰوات والارض کی مخلوق ہیں جس طرح نور اشیاء کے ظہور کا سبب ہے اسی طرح سمجھو کہ وہ نور السمٰوات والارض آسمانوں اور زمینوں کے ظہور کا سبب ہے کہ اس کی وجہ سے یہ سارا کون و مکان اور یہ زمین و آسمان ظہور میں آیا۔

اور چونکہ خدا تعالیٰ کی ہستی سب ہستیوں سے زیادہ ظاہر اور روشن ہے اور سب ہستیوں کا ظہور اسی کی وجہ سے ہے، اسی وجہ سے فرمایا۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ یعنی آسمان اور زمین اور ان کی تمام چیزیں اسی کے ظاہر کرنے سے ظہور میں آئیں۔

کجا او گردد از عالم ہویدا ہمہ عالم بنور اوست پیدا
بنور شمع جوید در بیاباں زہے ناداں کہ او خورشید تاباں

پس جس طرح نورُ اللہ کی صفت ہے اسی طرح ظہور بھی اللہ کی صفت ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہ نے اس جملہ میں یعنی اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اوّل اپنے نورِ عام کا ذکر فرمایا جو اس کی صفت ذات ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے اب آئندہ آیت میں اپنے نورِ خاص کا یعنی نورِ ہدایت اور نورِ توفیق کا ذکر فرماتے ہیں جو اس کی صفت فعل ہے کیونکہ ہدایت دینا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے اور اس کا ایک فضل ہے اور بندہ کو جو نورِ ہدایت ملتا ہے وہ اس کے فعل کا مفعول ہے اور مخلوق اور مجعول ہے اور اس کے خوان فضل و کرم کا ایک لقمہ اور نوالہ ہے۔

جس کو مل گیا وہ بھی اٹھا پس آئندہ آیات میں اس کے پیدا کردہ اور عطا فرمودہ نور ہدایت اور نور توفیق کی مثال بیان فرماتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کے نور ہدایت کی مثال جو اس کی طرف سے مومن[1] کے دل میں ڈالا گیا ہے اس کی عجیب شان ہے۔ اور وہ شان ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہے تاکہ اس کی روشنی منتشر نہ ہو۔

اور وہ چراغ شیشہ کے ایک صاف وشفاف قندیل میں رکھا ہوا ہے جس سے اس کی روشنی دوبالا ہو جاتی ہے اور وہ شیشہ گویا کہ ایک روشن اور چمکدار ستارہ ہے اور وہ چراغ ایک مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جا رہا ہے اور مبارک درخت زیتون کا ہے۔ جو نہ سمت مشرق میں ہے نہ سمت مغرب میں ہے۔ بلکہ ایک کھلے میدان میں ہے جس کو ہر طرف سے دھوپ پہنچ رہی ہے ایسے درخت کا روغن نہایت صاف وشفاف اور روشن ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ درخت کسی پہاڑ یا غار کی آڑ میں نہیں۔ اس میں اور آفتاب میں کوئی چیز حائل نہیں ایسے درخت کا تیل نہایت صاف اور چمکتا ہوا ہوتا ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اس کا تیل اس قدر صاف وشفاف ہے کہ قریب ہے کہ وہ تیل خود بخود جل اٹھے اور روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ لگی ہو یعنی وہ تیل اس قدر صاف وشفاف ہے کہ جلتا ہوا نظر آتا ہے اور جب اس کو آگ لگ گئی تو پھر وہ نور علی نور ہے یعنی نور پر نور ہے۔ ایک نور تیل کا اور ایک نور آگ کا جب دونوں جمع ہو جائیں تو نور پر نور اور روشنی پر روشنی ہے۔ آیت میں جو مثال ذکر کی گئی وہ نور ایمان اور نور ہدایت کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہے ایک نور تو ہے فطرت سلیمہ کا اور دوسرا نور وحی کا ہے اور مقصود یہ ہے کہ وہ نور بڑا ہی عظیم الشان ہے اور یہ مطلب نہیں کہ فقط دو ہی نور ہیں۔

عبداللہ بن عباس[2] فرماتے ہیں کہ اسی طرح مومن کا دل فطری طور پر ہدایت پر عمل کرنے لگتا ہے اور اپنی فطرت سلیمہ اور جبلت صحیحہ سے راہ راست پر چلنے لگتا ہے قبل اس کے کہ اس کو ہدایت کا علم ہو پھر جب اس کو علم آجاتا ہے تو اس کی ہدایت میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اور ایک ہدایت پر دوسری ہدایت ہو جاتی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر ص ۹۶ ج ۱۸۔ سورۃ النور اور دیکھو تفسیر[3] کبیر للعلامۃ الرازی ص ۳۳۱ ج ۶۔

---

[1] جیسا کہ ابی ابن کعبؓ سے مروی ہے کہ وہ اس طرح پڑھا کرتے تھے مثل نور من امن بہ اور ابن عباسؓ یوں پڑھا کرتے تھے مثل نور من امن باللہ۔

[2] عن عبداللہ بن عباس مثل نورہ کمشکوٰۃ قال مثل ھذا القرآن فی قلوب المؤمنین کما یکاد الزیت الصافی یضیئ قبل ان تمسہ النار فاذا مستہ النار ازداد ضوءً علی ضوئہ کذلک یکون قلب المؤمن یعمل بالھدی قبل ان یاتیہ العلم فاذا جاءہ العلم ازداد ھدی علی ھدی ونورا علی نور اھ تفسیر ابن جریر ص ۹۶ ج ۱۸۔

[3] قال یحیی بن سلام قلب المؤمن یعرف الحق قبل ان یبین لہ لموافقۃ لہ وھو المراد من قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ۔ تفسیر کبیر ص ۳۲۱ ج ۶۔

یعنی اوّل تو مؤمن کا دل خود روشن تھا جب اوپر سے اس کو نورِ ہدایت آ ملا تو نور علی نور ہوگیا۔

یحییٰ بن سلام کہتے ہیں کہ مؤمن قانت کا دل بتلانے سے پہلے ہی حق کو پہچان لیتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مؤمن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

پس مؤمن قانت کا جسم یا اس کا سینہ بمنزلہ طاق کے ہے اور مؤمن کا دل بمنزلہ صاف و شفاف شیشہ اور قندیل کے ہے جو شکوک و شبہات کے زنگ سے پاک و صاف ہے اور نورِ معرفت اور نورِ بصیرت اور نورِ ہدایت یا نورِ ایمان اور نورِ عرفان یا نورِ قرآن بمنزلہ مصباح (چراغ اور شمع) کے ہے جو مؤمن کے دل میں روشن ہے اور مؤمن قانت کی فطرت سلیمہ اور اس کی فطری صلاحیت اور حسنِ استعداد بمنزلہ تیل کے ہے جو بُدءِ فطرت سے من جانب اللہ مؤمن کو عطا کیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا اور یہی فطری سلامتی اور حسنِ استعداد اس کے چراغ معرفت کا مادہ ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ اور دوسری حدیث ہے خلقت عبادی کلھم حنفاء اور شجرۂ مبارکہ سے شجرۂ صدق و اخلاص مراد ہے کہ جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ بلکہ حقیقت میں وہ جنت کا درخت ہے ایسا مؤمن مخلص جس کا قلب چراغ ہدایت و معرفت سے منور ہو تو ایسے مؤمن کا دل بوجہ نورانیت کے بسا اوقات اپنے وجدان اور نورِ معرفت سے حق تک پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس کو اس حق کا علم نہ ہوا ہو وہ دل کی شہادت سے جان لیتا ہے کہ یہ بات حق ہے اور یہ بات ناحق ہے اس قسم کے لوگ نورِ جبلی اور عنایت ازلی کے باعث بھلے اور بُرے میں تمیز کر کے محاسن اور فضائل کی طرف توجہ اور رغبت کرتے ہیں اور طبعی طور پر ذمائم اور قبائح سے نفرت کرتے ہیں، جیسا کہ بعض اوقات فاروقِ اعظمؓ کا قلب نزول وحی سے پہلے ہی حق کی طرف پہنچ جاتا تھا اور اپنی رائے اور بصیرت سے حق اور باطل کے فرق کو سمجھ لیتا تھا اور بعد میں اسی کی موافقت میں وحی کا نزول ہوتا تھا اور نزول وحی کے بعد ان کے نورِ معرفت اور نورِ بصیرت میں زیادتی ہو جاتی تھی اور اس نورِ باطنی کے ساتھ جب نورِ وحی بھی مل جاتا تو نور علیٰ نور ہو جاتا۔ ایک نور اندر کا اور ایک نور باہر کا۔

الغرض مؤمن قانت پہلے ہی اپنی فطرت سلیمہ اور خداداد قلب سلیم سے اجمالی طور پر حق پہچان لیتا ہے اور یکلخت اس کے دل میں ایسا جوش اٹھتا ہے کہ اس کام کے کرنے پر آمادہ بلکہ مجبور کر دیتا ہے۔ پھر جب حکم خداوندی کو سنتا ہے تو تفصیلی طور پر حق کو جان لیتا ہے اور اس کے ایقان اور اطمینان میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب نورِ فطرت کے ساتھ نورِ شریعت بھی مل جاتا ہے تو نور علیٰ نور کا مصداق ہو جاتا ہے اور اسی باطنی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ شرح صدر سے تعبیر فرمایا ہے قال اللہ تعالیٰ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَقَالَ تَعَالٰی فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ایسا شخص اگرچہ کسی کام کے جواز اور عدم جواز کو نہ جانتا ہو مگر طبعی طور پر اس کا دل حلال کے کھانے پر تیار ہو جاتا ہے اور حرام کے کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ اس سے نفرت کرتا ہے اور ظاہری طور پر اس چیز کے حرام اور حلال ہونے کا اس کو بالکل علم نہیں ہوتا۔ یہ القاء غیبی ہوتا ہے اس قسم کے لوگوں کو

اصطلاحِ شریعت میں محدث من اللہ اور ملہم من اللہ کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ کو کوئی بات پیش آتی ہے اور اس بارہ میں ان کو حکمِ شرعی کا علم نہیں ہوتا مگر نورِ باطنی کی وجہ سے ان کو امرِ حق کے متعلق شرحِ صدر ہو جاتا ہے اور وہ پہلے ہی سے اس کو اختیار کر لیتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی فطرتِ سلیمہ میں قبولِ حق کی استعداد اس درجہ قوی تھی کہ قریب تھا کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھے۔ اب ذرا اس کو دیا سلائی دکھائی اور ذرا آگ لگائی تو فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ لہٰذا اس نورِ فطرت کے ساتھ اگر نورِ شریعت بھی لگ جائے تو یہ روشنی اس قدر تیز ہو جائے کہ نُورٌ عَلٰی نُورٍ کا مصداق بن جائے اور حدیث میں آیا ہے۔ استفت قلبک وان افتاک المفتون یعنی جب تجھے کوئی بات پیش آئے تو اپنے دل سے فتویٰ لے لے اگرچہ مفتی فتویٰ دیا کریں سو یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کا قلب آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو اور نفسانی ظلمتوں اور کدورتوں سے پاک ہو۔ تو ایسوں کے لیے جائز ہے کہ اپنے قلبِ سلیم سے استفتاء کر لیا کریں، باقی جو چراغِ دل۔ مشرقی یا مغربی شہوانی درختوں کے کشید کردہ تیل سے جل رہا ہو اس سے استفتاء جائز نہیں۔

غرض یہ کہ نورِ ہدایت جو مومن قانت کو عطا ہوتا ہے وہ اللہ کی خاص رحمت اور خاص عنایت ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو اپنے اس خاص نور کی راہ دکھاتا ہے جو اسے منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے یہ نور محض اس کا فضل اور احسان ہے جس کو چاہے اپنے فضل سے نوازدے اس نور کی ابتداء بھی اسی کی طرف سے ہے۔ کما قال اللہ تعالٰی۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اس نور کی انتہاء اور تکمیل بھی اسی کی مشیت پر ہے جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اس آیت میں نورِ ہدایت سے نورِ توفیق مراد ہے جو ان لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔ جن پر اللہ کی خاص نظرِ عنایت ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالٰی لوگوں کی ہدایت کے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ ان پر حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون اس نور کے لائق ہے اور کون نہیں۔ جو دینے والا ہے وہ جاننے والا بھی ہے، اللہ تعالٰی کو تمام کائنات کا ان کے وجود سے پہلے علم تام اور علم محیط تھا۔ اس آیت میں ہدایتِ عامہ کا بیان ہے جس میں تمام لوگ شریک ہیں جیسا کہ لفظ لِلنَّاسِ عموم پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ضربِ امثال پر جو ہدایت مرتب ہوتی ہے وہ ہدایت عامہ ہے اور گزشتہ آیات یعنی یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ میں ہدایت خاصہ کا بیان تھا کیونکہ وہاں لفظ مَنْ یَّشَآءُ موجود تھا جو خصوص پر دلالت کرتا ہے۔

بہرحال جمہور علماء کے نزدیک اس آیت میں نورِ مومن کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ اس کے آئینۂ دل میں ہدایت اور معرفت کا ایک چراغ روشن ہے ——————

—————— اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ مشکوٰۃ سے حضور کا سینۂ مبارک مراد ہے اور زجاجہ سے آپ کا قلبِ منور مراد ہے جو نورِ الٰہی سے روشن اور منور ہے جس کا اصل مادہ ملت

ابراہیمیہ حنیفیہ ہے اور شجرۂ مبارکہ سے حضرت ابراہیمؑ مراد ہیں جو شجرۃ الانبیاء کے لقب سے معروف ہیں۔ یہ تفسیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (دیکھو تفسیر قرطبی صـ۲۶۳ ج ۱۲)

اور پہلی تفسیر عبداللہ بن عباسؓ سے منقول تھی، اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اہلِ ہدایت کون لوگ ہیں اور وہ نورِ ہدایت یعنی کہ وہ روشنی کہاں ملتی ہے۔ سو بتلاتے ہیں کہ وہ روشنی مسجدوں اور خانقاہوں میں ملتی ہے۔ جہاں صبح و شام اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور ان لوگوں کو ملتی ہے جو صبح و شام اللہ کے ذکر میں اور اس کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور ان رجالِ آخرت کی صحبت اور ہم نشینی میں ملتی ہے کہ جو بظاہر دنیوی تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور در پردہ اور بباطن آخرت کی تجارت میں غرق اور سرگرداں ہیں۔ یہ لوگ اہلِ ہدایت ہیں جن کے دل نورِ ہدایت سے منور ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے کے لیے یہ مثال بیان کر دی پس اگر تم نورِ ہدایت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ نور ایسے گھروں میں ملے گا جن کے ادب اور احترام اور بلند کرنے کا اور ان کی تعظیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ ان گھروں میں اللہ کا نام لیا جائے اس میں تسبیح و تہلیل اور تلاوتِ قرآن اور دیگر اذکار سب داخل ہیں ان گھروں سے مسجدیں اور خانقاہیں مراد ہیں جن میں دن رات اللہ کا نام لیا جائے ہدایت کے طالب تم کو مسجدوں میں ملیں گے۔ وہاں جاؤ۔

اور ان گھروں میں صبح و شام اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں ایسے مردانِ ہمت جن کی صفت یہ ہے کہ کوئی دنیاوی تجارت اور کوئی خرید و فروخت ان کو اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی یعنی یہ لوگ اگرچہ بظاہر دنیوی تجارت میں مشغول ہیں لیکن درحقیقت یہ لوگ ایسے باہمت اور مردانِ شجاعت ہیں کہ اصل مقصود ان کا آخرت کی تجارت ہے دنیا کی تجارت ان کو آخرت سے غافل نہیں ہونے دیتی ان کا اصل مقصود دین ہے اور دنیا اس کی تابع ہے اگر دنیا مقصود ہوتی تو اس طرح فرماتے لا یلھیھم ذکر اللہ عن التجارۃ یعنی اللہ کا ذکر ان کو تجارت سے غافل نہیں کرتا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود دین ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کرنے والے کو مرد نہیں کہا بلکہ ایسے لوگوں کو مرد کہا کہ جو دنیا کی تجارت میں پڑ کر آخرت سے غافل نہ ہوں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جو ایسا نہ ہو وہ مرد نہیں۔

از دروں شو آشنا و ز بروں بیگانہ باش ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں۔

اور ان رجالِ آخرت اور مردانِ ہمت کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ مردانِ ہمت اس دن سے ڈرتے ہیں کہ اس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی، اس دن حیران اور پریشان ہوں گے کہ دیکھئے آج کیا ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود عبادت کے پھر خوف ہے۔ عجب اور خود پسندی نہیں وہ اپنے اعمال کو ہیچ سمجھتے ہیں جیسا کہ یہی مضمون دوسری آیت میں ہے۔ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۔ غرض یہ کہ ان رجالِ آخرت پر آخرت کا خوف غالب ہے اس لیے یہ مردانِ خدا لہو و لعب میں نہیں پڑتے۔

بلکہ ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ بھی دے یعنی وعدہ کے علاوہ بلا استحقاق اپنے فضل سے زیادہ عطا فرمائے گا جس کا ان کو وہم وگمان بھی نہ ہو یا زیادتی فضل سے دیدار خداوندی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزاء اعمال کے علاوہ مزید اپنے دیدار پُرانوار سے مشرف فرمائے۔ کما قال تعالیٰ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔ اس آیت میں زیادت سے دیدار خداوندی مراد ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے، اس کے جود وکرم کی کوئی حد نہیں وہ مالک مطلق ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں جس کو جو چاہے اور جتنا چاہے۔ دے۔ وہ اس کا فضل ہے ذاتی استحقاق کسی کا نہیں۔

فائدہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبادت اور تجارت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں اور دین۔ دنیا کے منافی نہیں لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کا کام کرنے سے آدمی دنیا سے جاتا رہتا ہے۔ بالکل غلط ہے اللہ اور اس کے رسول نے تجارت اور زراعت اور صنعت و حرفت کو فرض قرار دیا جس پر دنیا کا دارومدار ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کسب الحلال فریضۃ یعنی کسب حلال فرض ہے البتہ دنیا کی محبت ممنوع ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ حب الدنیاء رأس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے شریعت نے حلال طریقہ سے ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے البتہ اس کے احکام بتلائے ہیں اور عقلاً یہ درست ہے دنیا کی کون سی حکومت ہے جس میں تجارت اور زراعت وغیرہ کے متعلق احکام موجود نہیں اور یہ احکام دنیا کی متمدن اور مہذب حکومتوں کے احکام سے ہزار درجہ بڑھ کر آسان ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ علماء شریعت۔ کسب دنیا سے منع کرتے ہیں بالکل غلط ہے، قرآن اور حدیث میں اور کتب فقہ میں ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے اور اس کے احکام بتلائے ہیں اور بے کاری کو ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ افلاس بعض دفعہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ کاد الفقر ان یکون کفرا قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک پہنچا دے۔

شریعت نے کہیں یہ نہیں کہا کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ دو اور حقوق کو معطل کر کے بیٹھ رہو بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ حلال طریقہ سے دنیا کماؤ اور اس کے حقوق ادا کرو اور کسی حالت میں قانون شریعت کے دائرہ سے باہر نہ نکلو۔ دنیا کی وہ کون سی متمدن حکومت ہے کہ جہاں کے باشندے تجارت اور زراعت اور صنعت و حرفت میں قانون حکومت سے آزاد ہوں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ

اور جو لوگ منکر ہیں، اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں، پیاسا جانے

الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ

اس کو پانی، یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا، اور

اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ

اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا۔ اور اللہ جلد لینے والا

الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ

بے حساب۔ یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس

فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ

پر ایک لہر اس کے اوپر ایک بدلی۔ اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔

بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ

جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اس کو سوجھے۔ اور جس کو اللہ

يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

نے نہ دی روشنی اس کو کہیں نہیں روشنی۔

اعمال کفار کی دو مثالیں

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ ---- الیٰ ---- فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے نورِ ہدایت کی مثال بیان فرمائی اور اس کو نُورٌ علیٰ نور فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں کافروں کے مظالم اور تاریک اعمال کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں جو ظلمات پر ظلمات اور اندھیرے پر اندھیرا ہیں۔ کافر دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہیں کہ جو معاد کے قائل ہیں اور اپنے زعم کے مطابق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ اعمال ہمارے کام آئیں گے اور دوسری قسم کافروں کی وہ ہے کہ جو معاد اور جزا اور سزا کے منکر ہیں اور دنیاوی لذات و شہوات میں غرق ہیں ان آیات میں ان دو قسم کے کافروں کے اعمال کی دو مثالیں ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں منافقوں کے اعمال کی دو مثالیں ذکر فرمائیں ایک ناری اور ایک آبی جیسا کہ سورۂ رعد میں بھی دو مثالیں ذکر فرمائیں ایک آبی اور ایک آتشی۔ اسی طرح یہاں بھی دو مثالیں ذکر فرماتے ہیں۔

مثال اول | اور پہلی قسم کے کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں ایک چمکتا

ہوا ریت کہ پیاسا آدمی اس کو دُور سے پانی گمان کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ پیاسا اُسے پانی سمجھ کر وہاں پہنچتا ہے تو اپنے گمان اور تصور کی کوئی چیز نہیں پاتا اور بجائے پانی کے اپنے پاس اللہ کے قہر اور غضب کو پاتا ہے پھر اللہ اس کے حساب کو پورا کر دیتا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اسے حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگتی اسے کیا مشکل ہے۔ یہ مثال ان کافروں کے اعمال کی ہے جنہوں نے دنیا میں کچھ صدقہ اور خیرات کیا اور کچھ نیک کام کیے اور ان کو ذریعۂ آخرت خیال کیا کہ ہم نے کچھ نیکی حاصل کی اور ہمیں اس کا ثواب ملے گا تو یہ کافر دنیا میں اپنے اعمال کو پانی کی طرح سمجھتا رہا کہ وقت پر میرے کام آئیں گے حالانکہ وہ کفر اور شرک کی نحوست کی وجہ سے حقیقت میں پانی نہ تھے بلکہ ظاہری طور پر صورۃً وہ پانی کے مشابہ تھے اور در حقیقت وہ سراب تھے چمکتے ہوئے ریت کے مشابہ تھے۔ جب تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا اور اس وقت تو حقیقت کھلی اور اُمید پر پانی پھر گیا اور بصد ہزار حسرت و غم پیاسا مر گیا۔ اس کو امید تھی کہ اللہ میرے ان اعمال سے راضی ہوگا، جب مر کر خدا کے پاس پہنچا تو بجائے آبِ حیات کے اسے آتشِ غضبِ الٰہی نظر آئی اور عمر بھر کی بداعمالیوں کا حساب کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا ہوا اور تباہ و برباد ہوا۔

دوسری مثال

یا کافروں کے اعمال کی مثال مثل بڑے گہرے سمندر کی تاریکیوں کی طرح ہے جس پر موج سوار ہے اور موج کے اوپر ایک اور موج ہے اور پھر اس کے اوپر ایک بادل کہ جو ستاروں کی روشنی کو بھی چھپائے ہوئے ہے یہ تاریکیاں ہیں ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ہیں۔ اندھیری پر اندھیری ہے غرض یہ کہ غایت درجہ کی اندھیری ہے، جب وہ اپنے ہاتھ کو باہر نکال کر دیکھنا چاہتا ہے جو سب اعضاء میں اس کے قریب ہے اور قریب سے دکھائی دیتا ہے تو تاریکیوں کی شدت کی وجہ سے اپنے ہاتھ کو بھی نہیں دیکھ سکتا پس جب وہ اپنے ہاتھ کو نہیں دیکھ سکتا جو آنکھ کے بالکل قریب ہے تو اور چیزوں کو بدرجہ اولیٰ نہیں دیکھ سکے گا یہ دوسری تمثیل ان کافروں کے اعمال کی ہے جو دن رات نفسانی شہوتوں اور دنیاوی لذتوں میں غرق ہیں اور برے اعمال کی تاریکیوں اور اندھیروں میں چھپے ہوئے ہیں کہ ان سے نکلنا ممکن نہیں۔ کفر اور جہالت کے تاریک اور عمیق سمندر میں غرق ہیں جہاں روشنی کا کوئی نام و نشان نہیں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے اعتقاد بھی تاریک اور قول بھی تاریک اور عمل بھی تاریک ان لوگوں کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی کہ سراب کو دیکھ کر نظر آتی ہے یہ لوگ تو ہر طرف سے ہی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں روشنی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ اور جسے اللہ روشنی نہ دے تو اس کے لیے کہیں روشنی نہیں۔ روشنی تو دین اسلام میں ہے کفر میں کہاں سے روشنی آئی۔ کافروں کی مثال کے اخیر میں یہ جملہ ایسا ہے جیسے مؤمنین کی مثال کے اخیر میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ یہاں اس کے مقابل یہ فرمایا۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ مؤمن کی حالت تو روشن ہے اور نور پر نور ہے اور کافر کی حالت ظلمتیں یعنی اندھیریاں ہیں اور اندھیریوں پر اندھیریاں ہیں حاصل کلام یہ کہ کافروں کے اعمال اگر بظاہر نیک ہوں تو مثل سراب کے ہیں اور اگر بد ہوں تو مثل ظلمات کے ہیں۔

لطائف الاشارات

جاننا چاہیئے کہ ابتداء آیت میں نورِ ہدایت اور نورِ توفیق کا ذکر کیا بعد ازاں یہ بتلایا کہ وہ نورِ ہدایت اتباعِ شریعت اور التزام مساجد میں منحصر ہے اور فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ سے یہی مساجد مراد ہیں کہ جن کی تعظیم واجب ہے، بعد ازاں یہ بتلایا کہ نورِ ہدایت کے لیے دوامِ ذکر اور دوامِ تسبیح اور رجالِ آخرت کی صحبت ضروری ہے يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ دوامِ ذکر اور دوامِ تسبیح کی طرف اشارہ ہے اور رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ الخ سے رجالِ آخرت کی صحبت کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ بعد ازاں لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا سے تاجرانِ آخرت کی طرف اشارہ ہے اور يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ سے محبین اور مخلصین اور اولیاء عاشقین کی طرف اشارہ ہے۔

بعد ازاں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو نورِ ہدایت اور نورِ توفیق سے محروم رہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ الخ سے انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کو نورِ ہدایت میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔

بعد ازاں کافروں کے اعمال کی دو مثالیں بیان کیں اس لیے کہ کافروں کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو بظاہر مستحسن اور پسندیدہ ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور خیرات اور عدل و انصاف اور ظلم اور ایذا رسانی سے پرہیز اس قسم کے اعمال بظاہر خیر اور حسن ہیں مگر ان کے قبول کے لیے ایمان شرط ہے اس لیے ایسے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی کہ دور سے تشنہ اور پیاسا اس سے امید وابستہ کرتا ہے اور جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ملتا۔

اور دوسری قسم اعمال کی وہ ہے کہ جو ظاہر میں بھی قبیح ہیں جیسے بت پرستی اور ظلم وغیرہ وغیرہ اس قسم کے اعمال کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان

وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ

و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے، ہر ایک نے جان رکھی اپنی طرح کی

تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

بندگی اور یاد، اور اللہ کو معلوم ہے جو کرتے ہیں۔ اور اللہ کی حکومت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

آسمان و زمین میں ۔ اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے ۔ تو نے نہ دیکھا کہ

اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا

اللہ ہانک لاتا ہے بادل پھر ان کو ملاتا ہے پھر اُن کو رکھتا ہے تہ بہ تہ،

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ

پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے اور اتارتا ہے آسمان

مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ

سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور

يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ

بچا دیتا ہے جس سے چاہے ۔ ابھی اس کی بجلی کی کوندے جاوے

بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

آنکھیں ۔ اللہ بدلتا ہے رات اور دن ۔ اس میں دھیان

لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ

کی جگہ ہے آنکھ والوں کو ۔ اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والا ایک

مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ

پانی سے ۔ پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر اور کوئی ہے کہ چلتا ہے

عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ

دو پاؤں پر اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر ، بناتا ہے

اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

اللہ جو چاہتا ہے ، بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ۔ ہم نے

اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى

اتاری ہیں آیتیں ، کھول بتانے والی. اور اللہ لاوے جس کو چاہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

سیدھی راہ پر -

ذکرِ تسبیح کائنات عالم

قال اللہ تعالیٰ. اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ الیٰ ... يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔

(ربط) اوپر کی آیتوں میں رجال آخرت اور مردان ہمت کی تسبیح اور نماز کا ذکر تھا. اب ان آیات میں تمام مخلوقات کی تسبیح اور نماز اور نیاز کا ذکر کرتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اگر یہ لوگ جہالت کے ظلم اور تاریک سمندر کی گہرائیوں میں غرق ہیں اور خدا کی تسبیح اور نماز و نیاز سے غافل ہیں۔ اور سراب کو آب سمجھے ہوئے ہیں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں قلوب مومنین کے انوار کا اور قلوب کفار کی ظلمات کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیات میں دلائل توحید کو بیان کرتے ہیں جو اہلِ بصیرت کے لیے انوارِ ہدایت ہیں اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے دلائل بیان فرمائے جن سے خدا تک پہنچنے کا راستہ نظر آئے پس لے لوگو اگر ظلمتوں اور اندھیروں سے نکل کر نور میں داخل ہونا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کے دلائل قدرت و عظمت میں غور کرو۔

قسم اوّل

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الیٰ ... وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۔

اے مخاطب کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور سب پرندے درآنحالیکہ وہ ہوا میں اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں۔ سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنی نماز کو اور تسبیح کو جان رکھا ہے جو اس کے لائق ہے خدا تعالیٰ نے جس کو جو طریقہ الہام کیا اسی کے موافق وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں، کوئی فعل اور کوئی ذرہ اس پر پوشیدہ نہیں غرض یہ کہ تمام کائنات اپنے اپنے حال کے لائق اور موافق اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ کما قال تعالیٰ. وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اس کے سوا

اور کوئی ذرہ بھر چیز کا بھی مالک نہیں اور اللہ ہی کی طرف سب کا رجوع ہے، یعنی ایک دن سب کو فناء ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قسم دوم

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ... الیٰ ... لِّاُولِي الْاَبْصَارِ۔
اے انسان کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادل کو ہنکاتا ہے اور ابتداء میں اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ پھر اللہ ان ٹکڑوں کو باہم ملا دیتا ہے یعنی ان کے متفرق ٹکڑوں کو جوڑ دیتا ہے پھر اس کو تہ بہ تہ گاڑھا بادل بنا دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش اس بادل کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور زمین پر گرتی ہے اور اس کو سیراب کرتی ہے۔ اور آسمان میں یا بادل میں جو اولے کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے اولے برساتا ہے آسمان میں اولوں کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں یا بادلوں میں اولوں کے اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہیں جو پہاڑوں جیسے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان سے پانی یا اولے برساتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے وہ بارش یا اولا گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے روک لیتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو اُچک لے جائے یعنی وہ بجلی اس قدر تیز ہے کہ قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے رات اور دن کو پھیرتا ہے اور بدلتا رہتا ہے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے، کبھی دن چھوٹا اور کبھی رات چھوٹی یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں بے شک ان باتوں میں اہل بصیرت کے لیے عبرت ہے، ان سب امور سے خدا تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت ظاہر ہوتی ہے۔

قسم سوم

اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا، ہر حیوان کا اصل مادہ اور جوہر پانی ہے سو ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، جیسے آدمی اور بہت سے پرندے جبکہ ہوا میں نہ ہوں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ بہائم اور درندے اونٹ گائے بکری وغیرہ۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں کسی کے لیے پیٹ کو چلنے کا ذریعہ بنایا اور کسی کے لیے دو پیر اور کسی کے لیے چار بنائے۔ تاکہ لوگ اللہ کی قدرت کے کرشموں کو دیکھیں اور سمجھیں اور ہم نے اپنی قدرت کے واضح دلائل بیان کر دیئے تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر راہِ حق پر آجائیں ولیکن ہدایت کی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگاتا ہے یہی مذہب ہے اہل سنت والجماعت کا کہ ہدایت

اور توفیق سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آگئے پھر پھرا

فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ

جاتا ہے ایک فرقہ ان میں سے اس کے پیچھے۔ اور وہ لوگ نہیں

بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

ماننے والے۔ اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِن يَكُن

ان میں قضیہ چکا دے، تب ہی ایک فرقہ اُن میں منہ موڑتے ہیں۔ اور اگر ان کو

لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٤٩﴾ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

کچھ پہنچتا ہو تو چلے آویں اس کی طرف قبول کر کر۔ کیا ان کے دل میں روگ ہے

أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَ

یا دھوکے میں پڑے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ اور

رَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ

رسول اُس کا؟ کوئی نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں۔ ایمان والوں کی بات

الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

یہ تھی، جب بلائیے ان کو اللہ اور رسول کی طرف، فیصلہ کرنے کو

أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾

ان میں کہ کہیں ہم نے سُنا اور مانا۔ اور وہ لوگ انہی کا بھلا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے، اور ڈرتا ہے اللہ سے اور بچ کر چلے اس

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

سے سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچے۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کر اگر

اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ

تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ نکلیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ۔ حکم برداری چاہیے جو دستور ہے۔ البتہ

اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو۔ تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو

الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا

رسول کا۔ پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پہ رکھا اور تمہارا ذمہ ہے

حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

جو بوجھ تم پہ رکھا۔ اور اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ، اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

پہنچا دینا کھول کر۔

ذکرِ مہتدین وغیر مہتدین یعنی مخلصین ومنافقین

قال اللہ تعالیٰ. وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ... الیٰ .... وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ راہِ حق روشن اور واضح ہے مگر توفیق اور ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے کما قال وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض کو ہدایت ہوگی اور بعض کو نہیں ہوگی اس لیے آئندہ

آیت میں ہر دو فریق کی قدرے تفصیل فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ زبان سے تو دعویٰ ایمان اور اطاعت کا ذکر کرتے ہیں مگر ان کے دل اطاعت اور یقین سے خالی ہیں، یہ گروہ منافقین کا ہے کہ باوجود واضح نشانیوں کے راہ راست پر نہیں چلتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر دل سے راضی نہیں اور ان ہی کا ذکر پہلے کیا۔

اور بعض وہ ہیں کہ جو دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کے وفادار اور اطاعت شعار ہیں یہ گروہ مخلصین کا ہے۔ ان کا ذکر بعد میں کیا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور یہ منافق لوگ زبان سے تو یہ دعویٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس اقرار کے بعد ان میں کا ایک فریق اللہ اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑ لیتا ہے اور یہ لوگ دل سے مومن نہیں، یہ آیت بشر نامی منافق کے بارہ میں نازل ہوئی اس کا ایک یہودی کے ساتھ ایک زمین کے متعلق جھگڑا تھا یہودی نے کہا کہ ہم اپنا فیصلہ محمدؐ کے پاس لے جاتے ہیں جو وہ فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے اور بشر نے کہا نہیں۔ ہم اپنا فیصلہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے وقت میں ان کے دعوائے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اور ان لوگوں کی سرتابی کا یہ حال ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ اللہ کا رسولؐ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے ایک فریق منہ موڑنے والا ہو جاتا ہے، یعنی جب ان کے ذمہ کسی کا حق نکلتا ہے تو رسولؐ کے فیصلہ سے منہ موڑتے ہیں اور اگر اتفاق سے حق ان کے لیے ہوا تو تسلیم کرتے ہوئے آپؐ کی طرف چلے آتے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ آپؐ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ حق پر ہوگا۔ اور ہم کو آپؐ کے فیصلہ سے حق مل جائے گا۔ ایسے لوگ جو ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ ایمان اور اسلام نہیں بلکہ خود غرضی اور ہوا پرستی ہے۔

اب آگے ان کے اعراض اور روگردانی کے اسباب بطور تردید بیان کرتے ہیں جس سے مقصود ان کی توبیخ ہے۔ کیا ان کے دلوں میں کفر اور نفاق کی بیماری ہے یا حرص اور طمع اور مال کی محبت کی بیماری ہے اس وجہ سے آپؐ کے پاس آنے سے اعراض کرتے ہیں یہ بیماری ان کے دلوں میں ایسی مستحکم ہو چکی ہے کہ اس کے زائل ہونے کی امید نہیں۔

یا دین اسلام کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، اس لیے اسلامی عدالت میں مقدمہ لانے سے کتراتے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ بے انصافی کرے گا۔ اللہ اور اس کا رسول تو اس سے منزہ اور مبرا ہیں بلکہ یہی لوگ ظالم اور بے انصاف ہیں کہ حرص اور طمع اور خود غرضی میں مبتلا ہیں اس لیے رسولؐ کے پاس فیصلہ لانے سے گھبراتے ہیں کہ اس کی بارگاہ میں حرص اور طمع اور خود غرضی کا گزر نہیں۔

یہ تو منافقین کا حال تھا اب آگے مومنین مخلصین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حال ذکر کرتے ہیں کہ ان کے دل اور زبان میں کوئی فرق نہیں۔ مومنوں کا قول تو بس یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی مقدمہ میں اللہ اور اس کے

رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان کا قول یہی ہوتا ہے کہ ہم نے دل و جان سے آپ کا ارشاد سنا اور بسر و چشم آپ کی اطاعت منظور کی ادھر سنا اور ادھر فرمانبرداری کے لیے تیار۔ اس لیے کہ ان کو یقین ہے کہ رسول کا قول حق اور صدق ہے سوائے سمع اور اطاعت کے کوئی گنجائش ہی نہیں اور ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔ جنہوں نے اپنی ہوائے نفسانی کو نبی کے حکم کے تابع کر دیا۔ اور ان کو دنیوی نفع و نقصان سے کوئی سروکار نہیں۔ اور ہمارے یہاں کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص خوشی سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پہ چلے اور اللہ کی ناراضی سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ یعنی کامرانی اور کامیابی کا دار و مدار تین چیزوں پر ہے۔

(اول) اطاعت - یعنی احکام شریعت کی دل و جان سے بجا آوری۔

(دوم) خشیت - یعنی دل سے اللہ کی عظمت اور ہیبت۔

(سوم) تقویٰ - یعنی معصیت سے اجتناب۔

ایسے لوگ فائز المرام ہیں جن کے لیے ازل سے سعادت اور فلاح مقدر ہو چکی ہے۔ اب آئندہ آیت میں منافقین کی جھوٹی قسموں کا ذکر کرتے ہیں اور ان منافقین نے اپنی پوری کوشش سے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ تو ایسے فرمانبردار ہیں کہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہتے کہ البتہ اگر آپ ان کو ان کے گھروں سے نکلنے کا حکم دیں تو وہ بلا توقف اسی وقت اپنا مال و متاع چھوڑ کر گھروں سے نکل جائیں گے، منافقین اپنی وفاداری جتلانے کے لیے حضور پُرنور سے کہتے کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سب گھر بار چھوڑ کر نکلنے کے لیے اور آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہیں۔ ذرا حضورؐ کے اشارہ کی دیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان منافقوں سے کہہ دیجیے۔ بس تم قسمیں نہ کھاؤ۔ دستور کے مطابق فرمانبرداری تم سے مطلوب ہے۔ زبانی اطاعت سے کام نہیں چلتا۔ یا یہ معنی ہیں کہ ہمیں تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری کی حقیقت خوب معلوم ہے۔ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے تم جھوٹی قسمیں کھاتے ہو کما قال تعالیٰ یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ۔ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ بے شک اللہ خبردار ہے اس چیز سے جو تم کرتے ہو۔ اسے تمہارے قول و قرار کی اور تمہاری قسموں کی حقیقت خوب معلوم ہے۔ اے نبی آپ ان منافقوں کو کہہ دیجیے کہ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ بلکہ صدق دل سے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو ظاہر و باطن کو یکساں کرو، اس میں تمہاری بہتری ہے پس اگر تم اس بات سے روگردانی کرو تو رسول کا ذمہ تو صرف اس قدر ہے جس قدر اس پر بوجھ رکھا گیا۔ یعنی تبلیغ احکام خداوندی۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کے ذمہ حکم کا پہنچانا ہے اور اس کی اطاعت اور تعمیل تمہارے ذمہ ہے۔ اس کے جواب دہ تم ہو۔ اور اگر بجائے روگردانی کے تم دل و جان سے بعد شوق و رغبت رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے تمہاری نافرمانی اور روگردانی سے ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں۔ اور رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے اور بس۔ رسول تو اللہ کا حکم پہنچا کر سبکدوش ہو گئے۔ اب تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ انجام کو سوچ لو۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں نیک کام،

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ

البتہ پیچھے حاکم کرے گا اُن کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں

مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى

کو۔ اور جما دے گا ان کو دین اُن کا، جو پسند کر دیا

لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ

ان کو اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن۔ میری بندگی کریں گے

لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْــــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ

شریک نہ کریں گے میرا کوئی۔ اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس پیچھے، سو وہی

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ

لوگ ہیں بے حکم۔ اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور

اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ

حکم میں چلو رسول کے شاید تم پر رحم ہو۔ نہ خیال کر کہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ

یہ جو منکر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ

اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے، اور بُری جگہ ہے

الْمَصِيْرُ ۝۵۷ ۧ

پھر جانے کی ۔

بشارت حکومت و وعدۂ خلافت برائے اہلِ ایمان و اطاعت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... الی ... وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں اوّل منافقین کا حال بیان کیا جو دن رات مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے پھر اس کے بالمقابل مؤمنین مخلصین کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا اور عند اللہ ان کی کامیابی اور کامرانی اور سفائز المرامی کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں اہلِ ایمان اور اہلِ طاعت کو دینی اور دنیوی نعمتوں اور کرامتوں اور سعادتوں کی بشارت دیتے ہیں تاکہ ایمان اور اعمال صالحہ کی راہ میں اہلِ اسلام کو جو مشکلات پیش آئیں ان کا ازالہ ہو جائے اور مؤمنین صالحین سے وعدہ فرماتے ہیں کہ تم کفار اور منافقین کی چیرہ دستی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہو تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسی دنیا میں ہم تم کو رسول کی وفات کے بعد اپنے نبی کا جانشین بنائیں گے اور زمین کی حکومت تم کو عطا کریں گے اور دشمنانِ اسلام پر تم کو غلبہ دیں گے اور تم کو زمین کا مالک اور فرمانروا بنائیں گے جسے دیکھ کر یہ سازش کرنے والے دنگ اور حیران رہ جائیں گے، اللہ تم کو عزت دے گا اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل و خوار کرے گا اور دین اسلام جو خدا کے نزدیک پسندیدہ دین ہے جس کے مٹانے پر یہ کفار اور منافقین تلے ہوئے ہیں اس دین کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے جانشینوں کے ہاتھوں سے مضبوط اور مستحکم کرے گا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کو کفار اور منافقین کی سرکوبی پر مسلط اور مقرر کرے گا اور دین اسلام کے بارے میں کفار اور منافقین کی ریشہ دوانیوں کو ختم کر دیگا۔

اور اس وقت اہلِ اسلام کو جو دشمنانِ اسلام سے خوف لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو امن سے بدل دے گا حق جل شانہٗ کا یہ وعدہ ان مؤمنین صالحین سے تھا جو نزول آیت کے وقت حاضر اور موجود تھے جیسا کہ لفظ مِنْكُمْ بصیغۂ خطاب صراحۃً اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ سو وہ زمانہ ایسا خوف کا تھا کہ مسلمان دین کا کوئی کام کھلم کھلا نہیں کر سکتے تھے، ہجرت کے بعد بھی ایک عرصہ تک کافروں کا خوف رہا۔ مہاجرین اور انصار دن رات کمربستہ اور ہتھیار بند رہتے تھے نامعلوم کس وقت کوئی مدینہ پر چڑھ آئے۔ چنانچہ طبرانی اور حاکم نے بسند صحیح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام عرب دشمن ہو گیا مسلمان خوف کے مارے ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے ایک مرتبہ بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کبھی ایسے دن بھی آئیں گے کہ ہم آرام سے رات کو سویا کریں گے اور سوائے خدا کے اور کسی کا خوف ہم کو نہ ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور بادشاہت اور نبی کی خلافت اور جانشینی کی بشارت دے کر ان کی تسکین فرما دی۔ اور بتلا دیا کہ یہ ہمارا وعدہ ہے جو ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا تم کیوں گھبراتے ہو تمہیں سلطنت ملنے والی ہے اور اللہ

تم کو زمین کا حکمران بنائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اللہ نے وعدہ دے دیا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ ان کو اس ایمان اور عمل صالح کی برکت سے اپنی زمین میں ضرور خلیفہ یعنی بادشاہ بنائے گا جس طرح اس نے اگلے لوگوں کو اسی ایمان کی بدولت زمین میں خلیفہ اور بادشاہ بنایا تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام کو ان کا خلیفہ اور جانشین بنایا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ یعنی بادشاہ اور فرمانروا بنایا تھا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگوں کو سلطنت عظیمہ اور جاہ وجلال عطا کیا تھا کما قال تعالیٰ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا۔ ایسے ہی اس امت کو ایسی عظیم سلطنت ملے گی جو قوت اور شوکت میں ضرب المثل ہوگی۔ لفظ مِنْكُمْ میں حرف مِنْ اگر بیانیہ ہو تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے مؤمنین صالحین سے یعنی اے حاضرین تم سے اس لیے کہ اس وقت تم ہی مؤمنین صالحین کا مصداق ہو اور اگر مِنْ تبعیضیہ ہو تو ترجمہ اس طرح ہوگا۔ اے افرادِ عالم اور اے ابنائے آدم تم میں سے جو مؤمنین صالحین اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں ان سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم دنیا میں ان کو نعمتیں عطا فرمائیں گے اوّل استخلاف فی الارض یعنی زمین میں ان کو نبی کا جانشین اور بادشاہ بنائیں گے۔ اور دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بہ ضرور ان کے لیے مضبوط اور مستحکم کر دے گا ان کے دین کو جس کو خدا نے ان کے لیے پسند کیا ہے مراد پسندیدہ دین اسلام ہے۔ کما قال تعالیٰ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا اور مطلب یہ ہے کہ ان کو حکومت اور بادشاہت دینے سے مقصود یہ ہوگا کہ دینِ اسلام ایسا مضبوط اور مستحکم ہو جائے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو ہلا نہ سکے۔ اور بےخوف وخطر اس دین پر عمل کریں گے اور دینِ اسلام تمام دینوں پر قاہر اور غالب ہوگا کما قال اللہ تعالیٰ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بضرور بدل دے گا۔ ان کے خوف وہراس کو امن وامان اور سکون اور اطمینان سے یعنی مسلمانوں کے دلوں سے کافروں کا خوف نکل جائے گا اور اہلِ اسلام کو امن وامان اور سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے گا یعنی پہلے مسلمانوں کو کافروں سے خوف اور اندیشہ رہا کرتا تھا اب اللہ تعالیٰ ان کو امن دے گا۔ یہ اللہ کے تین وعدے ہیں جن کی بطور پیشین گوئی خبر دی گئی ہے۔ صبح کی سفیدی کی طرح یہ وعدے ظہور میں آئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی دلیل بنے کہ آپ نے اپنے خادموں کے متعلق جس نعمت اور کرامت کی خبر دی تھی وہ ہو بہو ظاہر ہوئی۔

اور یہ لوگ سلطنت اور بادشاہت مل جانے کے بعد محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے۔

بلکہ پیغمبر کے جانشین اور قائم مقام ہوں گے میری عبادت اور بندگی میں لگے رہیں گے اور میری عبادت میں ذرہ برابر کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے نہ شرک جلی کریں گے اور نہ شرک خفی۔

خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں عبادت کا بازار خوب گرم ہوا اور کفر وشرک خوب ذلیل وخوار ہوا۔

اسلام کی جڑیں مضبوط ہوگئیں اور کفر وشرک بیخ وبن سے اکھڑ گیا۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت کہ جس سے دین بھی مضبوط اور مستحکم ہو جائے حق جل شانہٗ کی ایک

نعمت کبریٰ ہے لہٰذا جو شخص اس نعمت کے بعد ناشکری کرے تو ایسے لوگ اعلیٰ درجہ کے فاسق ہیں کہ نعمت ملنے کے بعد طاعت سے باہر نکل گئے۔ اصلی فاسق ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں اور اس ناشکری کا آغاز حضرت عثمان غنی رضؓ کے زمانہ میں خارجیوں سے ہوا کہ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر خروج کیا۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت اور سلطنت کے ساتھ تمکین دین یعنی غلبۂ اسلام اور اہل اسلام کے لیے کامل امن وامان بھی جمع ہوئے تو وہ خلافت راشدہ ہے اور خلیفہ راشد وہ فرمانروا ہے کہ جو مومن صالح اور خدا پرست ہو اور نظام مملکت قانون شریعت کے مطابق ہو۔

اور اے مسلمانو جب تم نے ایمان اور عمل صالح کے ثمرات اور برکات کو سن لیا تو تم کو چاہیئے کہ نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور ہر بات میں دل وجان سے رسول کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر خاص الخاص رحم کیا جائے۔ یہ جو کچھ تم کو دیا جارہا ہے وہ سب ایمان اور عمل صالح اور رسول کی اطاعت کا ثمرہ ہے اس سے غافل نہ ہونا نبی کے بعد اس کے خلفاء راشدین اور اس کے سچے جانشینوں کی دل وجان سے اطاعت کرو۔

(اے مخاطب) تو ان کافروں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ وہ کہیں زمین میں بھاگ کر ہم کو عاجز کرنے والے ہو جائیں گے یعنی یہ ممکن نہیں کہ یہ کافر ہمارے قہر سے بچ کر کہیں نکل سکیں مقصود کافروں کو سنانا ہے کہ کفار یہ خیال نہ کریں کہ مسلمان بہت قلیل ہیں اور کمزور ہیں اور بے سروسامان ہیں، ان کو یہ قوت وشوکت کہاں میسر آسکتی ہے کہ وہ بڑی بڑی طاقتوں پر غالب آجائیں اس لیے بتلادیا کہ کفار اپنی قوت وشوکت کے گھمنڈ میں نہ رہیں، اللہ تعالیٰ ہر لمحہ اور ہر لحظہ ان کے پکڑنے پر قادر ہے اس نے اپنی کسی حکمت سے کافروں کو مہلت دے رکھی ہے آخر انجام ان کا دنیا میں گرفتاری اور ذلت وخواری ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے اور دنیا کی یہ راحت اور عیش وعشرت جو ان کو اس وقت ملی ہوئی ہے وہ چند روزہ ہے اور آنی جانی ہے اس پر مغرور نہ ہوں دوزخ سے بچنے کی فکر کریں۔

یہ آیت عرف میں آیتِ استخلاف کے نام سے مشہور ہے اس لیے کہ آیت میں خلیفہ بنانے کا ذکر ہے یہ آیت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لیے نازل فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا وعدہ فرمایا۔

(اوّل) استخلاف فی الارض یعنی آسمانی بادشاہت اور نبوت کی خلافت عطا کریں گے یعنی وہ محض دنیاوی بادشاہت نہ ہوگی بلکہ نبوت کی خلافت اور نیابت ہوگی اور وہ سلطنت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام کی خلافت وسلطنت کے ہمرنگ ہوگی۔

(دوم) تمکین دینِ متین یعنی جو دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یعنی دین اسلام، وہ خلفاء کے ہاتھوں اس قدر مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کی نشر واشاعت اور اس کی تبلیغ ودعوت اور اس کے احکام کے اجراء وتنفیذ میں مزاحم نہیں ہو سکے گی اور چار دانگ عالم میں دینِ اسلام کا ڈنکا

بچ جائے گا۔

دسوم، تبدیل خوف بأمن یعنی دشمنوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ اہلِ اسلام کو سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ رہے گا بلکہ اس کے برعکس روئے زمین کے کافر مسلمانوں کی قوت وشوکت سے لرزاں اور ترساں ہوں گے۔

یہ تین وعدے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان لوگوں سے فرمائے جو نزول آیت کے وقت زمین پر موجود تھے اور نزول آیت سے پہلے ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ تین وعدے فرمائے کہ ہم تم کو دنیاوی زندگی میں یہ تین نعمتیں عطا کریں گے۔ سو الحمد للہ یہ وعدہ الٰہی حرف بحرف پورا ہوا۔ صدق اللہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ اللہ تعالیٰ نے جنگ احزاب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں پر کھلم کھلا غلبہ عطا فرمایا اور آپ کی وفات سے پہلے ہی مکہ مکرمہ اور خیبر اور بلادِ یمن اور بحرین اور طائف وغیرہ وغیرہ سب فتح ہو گئے اور آپ کی وفات کے بعد اللہ کے یہ تینوں وعدے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر پورے ہوئے جن کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور کسی منکر کو انکار کی جرأت نہ ہوئی۔

پہلا وعدہ استخلاف فی الارض کا تھا یعنی زمین میں تم کو خلافت اور سلطنت عطا کریں گے سو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ایسی بادشاہت عطا کی کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے ہاتھ آئیں اور اس وقت روئے زمین پر یہی دو سلطنتیں سب سے بڑی تھیں۔ عہدِ فاروقی میں دونوں زیر و زبر ہو گئیں اور آپ کے زمانہ میں بلادِ شام اور بلادِ عراق اور بلادِ مصر اور اکثر اقلیم فارس فتح ہو گئے اور دن بدن دائرہ فتوحات کا وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ دنیا میں جو سلطنت باقی رہ گئی وہ اس قابل نہ تھی اسلامی حکومت کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے اور اسی کا نام اقتدار اعلیٰ ہے۔

دوسرا وعدہ تمکین دین متین کا تھا یعنی جو دین خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا وہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا سو اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ مشرق سے مغرب تک اسلام پھیل گیا اور ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر ہو گئے یعنی ہر جگہ اسلامی عدالتیں قائم ہو گئیں۔ غرض یہ کہ ان حضرات کے زمانہ میں دین اسلام کے قدم روئے زمین پر ایسے جمے کہ ظاہر اسباب میں ان کا اکھاڑنا ناممکن ہو گیا اور بظاہر کوئی قوت ایسی نہ رہی کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب ہو سکے۔

تیسرا وعدہ اعطاء امن بعد الخوف تھا وہ بھی بحمدہٖ تعالیٰ پورا ہوا اور مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے دشمنوں سے نجات ملی اور امن و امان کی یہ کیفیت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں اور خاص کر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کو کافروں کا کوئی خوف و خطر نہ تھا۔ معاملہ برعکس ہو گیا۔ بجائے مسلمانوں کے کافر خوف زدہ ہو گئے جس طرح مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا۔ اسی طرح کافروں کا امن خوف سے بدل گیا۔ بحمد اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہ تینوں وعدے خلفائے راشدین کے ہاتھوں پورے ہوئے۔

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین تک کا تمام علاقہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام کے زیرنگیں آچکا تھا اور اس دنیا میں سب سے بڑی سلطنتیں دو ہی تھیں۔ ایران میں مجوسیوں کی سلطنت تھی اور شام اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت تھی اور دونوں سلطنتیں فوج اور خزانہ کے اعتبار سے بے مثل تھیں اور مسلمان تعداد کے اعتبار سے بھی تھوڑے تھے اور تنگدست بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فتنۂ ارتداد کھڑا ہوگیا۔ جس سے اسلام کی بنیادیں ہل گئیں۔ ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کیا۔ ایک سال میں جب اسلام کی بنیادیں استوار ہوگئیں تو صدیق اکبرؓ نے قیصر و کسریٰ پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا اور فوجیں روانہ کیں اور مصر و شام کے کچھ سرحدی علاقے فتح ہوئے استنے میں پیغام خداوندی آپہنچا اور دنیا سے رخصت ہوئے اور فاروق اعظمؓ کو اپنا جانشین بنا گئے۔

فاروق اعظمؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد کام وہیں سے شروع کیا جہاں ابوبکرؓ چھوڑ گئے تھے اور قیصر و کسریٰ کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کیں چنانچہ ان کے زمانۂ خلافت میں سارا شام اور سارا مصر اور اکثر ملک فارس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے بہت کوشش کی مگر سوائے کسر شوکت و اقبال کچھ نہ دیکھا اور قیصر روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے مگر سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں پر تقسیم ہوئے اور حضرت عثمان غنیؓ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی سلطنت کی حدود جانب مغرب میں اندلس اور قبرص اور قیروان اور بحر محیط تک پہنچیں اور مشرق میں بلادِ چین تک تمام علاقہ فتح ہوگیا اور خراسان اور اہواز اور بلخ تک تمام علاقہ فتح ہوکر اسلام کے زیرنگیں آگیا اور مسلمانوں نے ترکوں سے سخت قتال کیا اور خاقانِ چین ذلیل و خوار ہوا اور اس نے خراج بھیجا اور حضرت عثمانؓ ہی کے دورِ خلافت میں کسریٰ کی حکومت کا نام و نشان بھی نہ رہا اور سنہ ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا۔ اور مدینہ کے بیت المال میں مشارق اور مغارب سے خراج آنے لگا اور اسلام مستحکم اور مضبوط ہوگیا اور اسلام اور مسلمانوں کو کسی دشمن کا خوف و خطر نہ رہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وعدۂ خداوندی کے مطابق اس قلیل عرصہ میں صدیوں کی حکومتوں کا خاتمہ ہوا اور اسلام باوجود بے سروسامانی کے ان پر فتحیاب ہوا۔ اور دنیا کی ان دو عظیم ترین سلطنتوں کی بے شمار فوجوں کے مقابلہ میں لشکرِ اسلام مظفر و منصور ہوا اور اسلام کا کلمہ بلند ہوا اور مشارق و مغارب کا خراج مدینہ کے خزانہ میں آیا۔ ایسی فتح مبین اور ایسی تمکین دین نہ کبھی دیکھی گئی اور نہ کبھی سنی گئی۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکہ تف زند ریشش بسوزد

الحمدللہ اس طرح اللہ کا وعدہ حرف بحرف پورا ہوا خلفاء راشدینؓ کے بعد کچھ بادشاہانِ اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور آئندہ بھی اگر خدا نے چاہا تو آئیں گے اور روئے زمین کے آخری امام مہدیؑ ہوں گے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور ان کی خلافت اسی شان کی ہوگی۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور ترمذی اور نسائی میں حضرت سفینہؓ مولیٰ[1] رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔

مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی اس کے بعد ملک عضوض ہوگا۔ معلوم ہوا کہ یہ وعدہ حاضرین اور موجودین سے تھا۔ لہٰذا بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ اس وعدہ کے مصداق امام مہدیؑ ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے بالکل غلط ہے اس لیے کہ امام مہدیؑ اس وقت موجود نہ تھے۔ وعدہ تو حاضرین سے ہو اور مراد اس سے وہ شخص ہو کہ جو حاضرین موعودین کے گزر جانے کے صدہا قرن بعد پیدا ہو یہ سراسر مہمل اور غیر معقول ہے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک چاروں خلیفہ اس وعدۂ الٰہی کے مصداق ہیں، خوارج حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں اور شیعہ خلفاء ثلاثہ کو خارج سمجھتے ہیں اور یہ دونوں قول باطل ہیں۔ حق یہ ہے کہ چاروں خلفاء کی خلافت، خلافتِ نبوت تھی اور بلاشبہ ان چاروں حضرات کی خلافت علیٰ منہاج النبوت تھی اور اسی خلافت حقہ وراشدہ کی مصداق تھی جس کا اس آیت میں وعدہ کیا گیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کا جہاد و قتال تنزیل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو نزول قرآن کے منکر تھے اور حضرت علیؓ کا قتال تاویل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو بظاہر نزول قرآن کو تو مانتے تھے مگر تاویلات فاسدہ کرکے اصل مقصد کو فنا کر دیتے تھے۔ خلیفہ اوّل نے کفر اور ارتداد کے فتنہ کا مقابلہ کیا۔ امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نہ ہوتے تو ہم کو باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے۔

فوائد و لطائف

۱۔ استخلاف کے معنی خلیفہ بنانے کے ہیں جس سے عرفِ عام میں بادشاہ بنانا مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ اس آیت میں لفظ خلیفہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کا بادشاہ اور فرمانروا بنانا مراد ہے اور حدیث میں ہے سیکون فی اخر الزمان خلیفۃ یحثو المال حثیا الحدیث لہٰذا اللہ تعالےٰ نے حضور پُر نورؐ سے یہ وعدہ کیا کہ آپؐ کے بعد آپ کے صحابہ کو زمین کا بادشاہ بنائیں گے۔

۲۔ اور لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ان میں کی ایک جماعت کو خلیفہ بنانے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ فلاں قوم حاکم یا تاجدار یا مالدار ہے حالانکہ خلیفہ اور حاکم اور مالدار ان میں سے معدودے چند ہی ہوتے ہیں نہ کہ سب مگر مجازاً سب کی طرف نسبت کی جاتی ہے کیونکہ حکومت اور دولت میں سب ہی شریک ہوتے ہیں اور جس قوم کی حکومت ہوتی ہے اس کا ہر فرد بادشاہ ہی کہلاتا ہے کما قال تعالےٰ وَجَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا اور وہ سلطنت تمام قوم کی سلطنت کہلاتی ہے۔

۳۔ آیت میں استخلاف کو حق تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی ان کو خلیفہ بنانے والا ہوگا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ استخلاف بغیر اسباب ظاہری کے ظہور میں آئے گا۔

جس کی صورت یہ ہوئی کہ مدبر حقیقی نے امت کے قلوب میں القاء کر دیا کہ وہ متفقہ طور پر ایک شخص کو اپنا خلیفہ بنالیں۔

بظاہر یہ خلیفہ بنانا امت کا فعل تھا لیکن درپردہ دستِ قدرت کارفرما تھا اسی لیے یہ عظیم الشان کام بلا اسباب ظاہری کے سہولت سے انجام پاگیا۔ اس لیے آیت میں استخلاف کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا جیسا کہ آیت کریمہ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ میں اور آیت کریمہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ میں قتل اور رمی کو محض ظاہر کے اعتبار سے بندوں کی طرف منسوب کیا مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی نفی فرمادی اور اپنی طرف نسبت کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ خلیفہ جو اس وعدہ کی بنا پر ظہور میں آئے گا۔ وہ درپردہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ہوگا۔ اور لوگوں پر دل وجان سے اس کی اطاعت اور تابعداری فرض ہوگی۔

اور خدا تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان سے کوئی آواز آئے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ من جانب اللہ ایسے ایسے اسباب اور سامان فراہم ہوجائیں گے کہ ان حضرات کی خلافت منعقد ہوجائے گی اور انعقادِ خلافت کے من جانب اللہ ایسے اسباب فراہم ہوجائیں گے جن کو دیکھ کر دیکھنے والے سمجھ جائیں گے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع ہوا تو کسی نے نہ آیت استخلاف کا ذکر کیا اور نہ کسی نے نام کا ذکر کیا بلکہ ابوبکر صدیقؓ کے سوابق اسلامیہ کا ذکر کیا۔ اس وقت انعقاد خلافت اگرچہ اہل حل وعقد کے اتفاق سے ہوا۔ لیکن جب خلفاء کے ہاتھوں پر آیت استخلاف میں مذکورہ تین نعمتوں کا ظہور ہوا۔ تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور سب نے روزِ روشن کی طرح دیکھ لیا کہ اللہ نے جن تین نعمتوں کا ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ آج پورا ہوگیا اور سب پر یہ امر منکشف ہوا کہ یہ فعل کسی جماعت کا نہ تھا بلکہ وعدۂ خداوندی تھا جو پردۂ غیب سے اس طرح نمودار ہوا۔ اور جب خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں فتوحات عظیمہ اور غلبۂ اسلام کا ظہور ہوا جس کا اللہ نے آیت استخلاف میں وعدہ فرمایا تھا تو لوگ سمجھ گئے کہ اس آیت سے یہی لوگ مراد ہیں، جب لوگوں نے یہ دیکھ لیا کہ تائیدِ الٰہی اور نصرتِ غیبی اور حفاظتِ بیضۂ اسلام اور اظہارِ دین اور غلبۂ اسلام اور ذلتِ مخالفین ومعاندین ان کے ہمراہ ہے تو سمجھ گئے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے۔

۴۔ لفظ مِنْكُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تھا بلکہ یہ وعدہ آپ کے متبعین حاضرین سے تھا۔ غائبین سے نہ تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پیشتر ایمان لاچکے تھے اور عمل صالح کرچکے تھے اور مطلب یہ ہے کہ اے افراد موجودۂ عالم۔ نزول آیت کے وقت تم میں سے جو لوگ روئے زمین پر موجود اور حاضر ہیں اور ہمارے رسول پر ایمان لاچکے ہیں اور عمل صالح کرچکے ہیں ان سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ان کو زمین پر حاکم اور بادشاہ بنائیں گے اور یہ امر سراسر خلافِ عقل ہے کہ جو حضرات وعدۂ الٰہی کے صراحۃً مخاطب ہوں وہ تو اس سے مراد نہ ہوں اور صیغۂ خطاب بول کر

صرف غائبین مراد ہوں. لہٰذا فقط امام مہدیؒ کا روئے زمین پر تسلّط اس وعدۂ الٰہی کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ امام مہدیؒ نزولِ آیت کے وقت موجود نہ تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ چونکہ وعدۂ استخلاف مؤمنین صالحین سے ہے سو اس وعدہ کے اوّلین مصداق تو خلفاء اربعہ ہیں اور آخری زمانہ میں آخری مصداق امام مہدیؒ ہوں گے۔

نیز لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کا لام حالیت کو مؤکد کر کے استقبال کی نفی کرتا ہے اور کسی زبان کا یہ قاعدہ نہیں کہ صیغۂ حاضر بول کر حاضرین کا کوئی فرد مراد نہ ہو بلکہ صرف آئندہ کے غائبین مراد ہوں۔ وعدہ تو حاضرین سے اور مراد ہوں آئندہ زمانہ کے غائبین. سو یہ دھوکہ اور فریب ہے جس سے اللہ کا کلام منزہ ہے۔

۵ - اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ. کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آپ کے ان متبعین سے ہے جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف تھے اور مرتے دم تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں گے۔ مرتدین اور منافقین سے یہ وعدہ نہیں تھا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعدۂ استخلاف کی علت ہی ایمان اور عمل صالح ہے اور اس وعدہ کا باعث اور موجب صرف ایمان اور عمل صالح ہے اس لیے کہ جب مشتق پر حکم لگایا جاتا ہے تو مبدأ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے۔ لہٰذا جو اس صفت میں اوّل نمبر ہوگا اس کو یہ انعام (خلافت) اوّل دیا جائے گا اور تقسیم انعام کا طریقہ بھی یہی ہے کہ جو اوّل نمبر ہوتا ہے اس کو انعام میں مقدم رکھا جاتا ہے اور چونکہ خلفائے راشدینؓ اس صفت میں سب سے اوّل اور مقدم تھے اس لیے انعام خلافت میں بھی وہ مقدم ہوئے اور اس بات کا علم کہ ایمان اور عمل صالح میں سب سے اوّل اور مقدم کون ہے، صحابہ کرام سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہو سکتا. اس لیے صحابہ نے جس کو ایمان اور عمل صالح میں اوّل سمجھا اس کو خلیفۂ اوّل بنایا اور جس کو دوم اور سوم اور چہارم سمجھا اس کو خلیفۂ دوم و سوم و چہارم بنایا۔ نیز اس قید سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وعدۂ خلافت ایمان اور عمل صالح کی بنا پر ہے نہ کہ قرابت کی بنا پر۔ ورنہ قرابت میں سب سے اوّل حضرت سیدہؓ ہیں اور پھر امام حسنؓ اور پھر امام حسینؓ اور پھر حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ. پس اگر خلافت بربنائے قرابت مانی جائے تو اس اعتبار سے بھی حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم بنتے ہیں. اہل سنت نے کیا قصور کیا جو ان کو خلیفۂ چہارم بنانے سے مطعون کیا جا رہا ہے. حضرت علیؓ اگر خلیفۂ چہارم بھی بنے تو وہ مہاجرین اور انصار ہی کے بنانے سے بنے شیعوں کی طرف سے حضرت علیؓ کو کچھ بھی نہیں ملا اور اگر عباسؓ کی قرابت کا لحاظ کیا جائے کہ وہ حضور پُر نورؐ کے چچا تھے اور چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے تو اس اعتبار سے شاید حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم نہ بن سکتے۔

۶ - اور لفظ فِي الْاَرْضِ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف سے بادشاہت اور سلطنت ظاہری اور حسی تسلّط مراد ہے کیونکہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن بدون حکومت کے ممکن نہیں۔

اور حضرات شیعہ جو اپنے ائمہ سے نقل کرتے ہیں کہ استخلاف سے استخلاف اور تمکین فی العلم مراد ہے. وہ سراسر کذب اور افتراء ہے کیونکہ آیت میں استخلاف مقید بقید "فِي الْاَرْضِ" وارد ہوا ہے جو بغیر سلطنت اور ظاہری تسلّط کے حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر بخاطر شیعہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ استخلاف سے علمی اور دینی حکومت مراد ہے تو وہ حضرت علیؓ کو حاصل تھی اس میں جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ بقدر علم ہر شخص کو علمی

حکومت اور علمی اقتدار حاصل ہے وہ اللہ کے عطا پر ہے۔ بندوں کو اس کا کوئی اختیار نہیں اس معنی کر شیعوں کا سارا جھگڑا ختم ہوجاتا ہے۔

۷۔ اور کلمہ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلادِ شام کی فتح کا وعدہ فرمایا مگر اس وعدہ کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ باسعادت میں نہیں ہوا بلکہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ حضرت یوشعؑ کے ہاتھ پر ہوا اور اسی شہر حضرت یوشعؑ کے عہد خلافت میں فتح ہوئے اور بنی اسرائیل کو امن اور اطمینان حاصل ہوا۔

اسی طرح حق جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بلاد شام اور بلاد عجم کا وعدہ کیا تھا، وہ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے خلفاء کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ اور ان کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو امن اور اطمینان نصیب ہوا۔ جس طرح یوشع علیہ السلام کی خلافت بلا فصل تھی اسی طرح ابوبکر صدیقؓ کی خلافت بلا فصل تھی آیت میں استخلاف سے وہ استخلاف مراد ہے جو متصلاً اور متتابعًا ہو۔

۸۔ آیت کریمہ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ کے معنی یہ ہیں کہ ان کی سعی اور کوشش سے دین اسلام کو تمکین اور تقویت حاصل ہوگی اور تائید بھی ان کے شاملِ حال رہے گی اور ان کی سعی اور کوشش کے نتائج وہم وگمان سے بڑھ کر ظہور پذیر ہوں گے۔

اور کلمہ لَهُمْ اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن اصل میں انہی اشخاص کے لیے ہوگی جن کو اللہ اپنے نبی کا خلیفہ بنائے گا یہ نعمت عظمیٰ اولاً بالذات انہی حضرات کو عطا ہوگی اور دوسرے لوگوں کو یہ دولت ان کی بدولت اور ان کے طفیل سے ملے گی۔

۹۔ اور کلمہ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس دین کو اس زمانہ میں تمکین اور قوت حاصل ہوگی وہی دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا کیونکہ اس دین کو تمکین اور قوت دینے والا خدا تعالیٰ ہوگا اور وہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا اور جس دین کو اس زمانہ میں ظہور اور رواج حاصل ہوگا۔ وہی دین حق ہوگا اور جو دین پوشیدہ رہے گا۔ وہ پسندیدۂ خداوندی نہ ہوگا۔

حضرات شیعہ کے نزدیک جو دین پسندیدہ تھا وہ ہمیشہ پوشیدہ رہا اور ائمہ اہل بیت ہمیشہ تقیہ کرتے رہے اور اپنے دین کو چھپاتے رہے اپنے دین کے ظاہر کرنے پر قادر نہ ہوئے معلوم ہوا کہ جو دین پوشیدہ رہا وہ حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا اس لیے کہ اگر وہ دین پسندیدہ ہوتا تو حسب وعدۂ خداوندی اس کو تمکین اور قوت حاصل ہوتی اور ظاہر و باہر ہوتا۔

نیز اس لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں جو فتویٰ شائع ہوا ہے وہ حجت شرعیہ ہے اس لیے کہ وہ دین مرتضیٰ کا مصداق ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت وجماعت میں سے نہیں۔ نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لیے

اس کا مفاد یہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لیے کہ بادشاہ کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا، اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے احکام کا بجا لانا رعایا پر واجب ہے۔ کیونکہ جب شروع آیت میں وعدہ کی اسناد اللہ کی طرف ہے اور بعد میں لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا تعالیٰ نے خلیفہ مقرر کرے اس کی اطاعت بلا شبہ واجب ہے۔

۱۱۔ اور کلمہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا سے معلوم ہوتا ہے کہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن کے کفیل اور ذمہ دار خود حق تعالیٰ ہیں اس لیے کہ ان افعال کی اسناد باری تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ بات خلافت راشدہ ہی میں ممکن ہے۔ خلافت جابرہ اور خلافت جائرہ میں ممکن نہیں اور یہ تمام باتیں خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں علی وجہ الکمال والتمام حاصل ہوئیں جب کسریٰ اور قیصر کی سلطنتیں ختم ہوئیں تو دین اسلام کو تمکن اور استقرار حاصل ہوا۔ اور عرب اور عجم میں دین اسلام پھیل گیا اور بلاد عرب و عجم ان کے زیر فرمان آئے اور اسلام کے قدم روئے زمین میں جم گئے اور مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا اور اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی نہایت مامون اور بے خوف و خطر تھے اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں کفر سے مقابلہ رہا۔ یہاں تک کہ کفر اتنا ذلیل و خوار ہوا کہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں بدعت نے سر اٹھایا اور خارجیوں کا فتنہ ظاہر ہوا۔ حضرت علیؓ نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور بدعت کو خوب ذلیل اور رسوا فرمایا حتیٰ کہ اسی جہاد میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ اور شیعیت اور رافضیت کے فتنہ کا آغاز بھی حضرت علیؓ ہی کے زمانہ میں ہوا مگر چونکہ یہ فتنہ خارجیوں کے فتنہ کی طرح ظہور پذیر نہ ہوا تھا۔ اس لیے حضرت علیؓ نے کھلم کھلا اس کے مقابلہ کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ یہ کافی سمجھا کہ بر سر منبر اپنے خطبات میں شیخینؓ کے فضائل اور مناقب بیان فرمائیں اور لوگوں کو یہ خوب سمجھا دیں کہ امت میں شیخینؓ سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں۔ سو الحمد للہ افضلیت شیخین کے مسئلہ کو بھی اس قدر واضح فرما گئے کہ حضرات شیعہ کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی غرض یہ کہ خارجیت اور شیعیت ان دونوں متقابل بدعتوں کا خاتمہ فرما گئے اور شریعت میں باب البغاۃ یعنی باغیوں کا باب تشنہ اور محتاج تھا۔ باغیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے طرز عمل نے اس باب کی تفصیل کر دی۔

شیخینؓ کے زمانہ میں قتال کفار کے مسائل کی توضیح اور تشریح ہوئی۔ جزیہ اور خراج کے مسائل معلوم ہوئے اور ختنین (یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) کے زمانہ میں قتال بغاۃ کے مسائل کی تشریح اور تفصیل ہوئی اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عثمانؓ اور حضرت علیؓ نہ ہوتے تو ہم کو بغاۃ یعنی باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے طرز عمل نے مسائل بغاۃ کے استخراج اور استنباط میں فقہاء کرام کی رہنمائی کی۔

القصہ نعمت خلافت بالاصالت چاریار کو ملی اور تمام صحابہؓ اس میں شریک رہے اور حسب لیاقت اس سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ ہے عقیدہ اہل سنت والجماعت کا، کہ خلفاء ثلاثہ کی طرح حضرت علیؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ تھی اور ان کو تمکین دین حاصل تھی اور حضرت معاویہؓ سے جو اختلاف تھا وہ ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے برادرانہ شکر رنجی تھی۔ کفر کے مقابلہ میں سب ایک تھے۔

اور حضرات شیعہ کے نزدیک حضرت علیؓ کو تمکین دین حاصل نہ تھی اور نہ ان کو کفار کے شر سے امن حاصل تھا وہ ہمیشہ دشمنوں سے ڈرتے اور لرزتے رہے اور اپنے دین کو چھپاتے رہے اور اپنے اصل مذہب کے اظہار پر کبھی قادر نہیں ہوئے اور اپنے دورِ خلافت میں متعہ کی حلت اور تراویح اور جمعہ کی اذانِ ثانی کی ممانعت کا فتویٰ نہ دے سکے اور جو احکام قرآنی متروک ہو چکے ان کو جاری نہ کر سکے اور حضرت سیدہؓ کے وارثوں کو فدک نہ دلا سکے، حتیٰ کہ اصل قرآن کو بھی ظاہر نہ کر سکے بلکہ جو قرآن شیخینؓ نے جمع کر دیا تھا اس کی تلاوت کرتے رہے اور نمازوں میں بھی اسی کو پڑھتے رہے اور جو قوانین خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری ہو چکے تھے اسی کے پابند رہے۔ روایات شیعہ کی بناء پر حضرت علیؓ کو تمکین دین حاصل تھی اور نہ امن حاصل تھا۔ اور جو خلافت ان کو ملی تھی وہ برائے نام تھی اور باقی ائمہ اثنا عشر کو تو سرے سے حکومت ہی نہیں ملی۔ اسی وجہ سے شیعوں کے شہید ثانی قاضی نور اللہ شوستری نے علامہ ابن روزبہانی کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اگر متعہ حلال تھا اور حضرت عمرؓ نے محض اپنی رائے سے اس کو حرام کر دیا تھا تو حضرت امیرؓ نے اپنے عہد خلافت میں کیوں نہ اس کی حلت کا اعلان فرمایا۔ اس اعتراض کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں لکھتے ہیں۔

والحاصل ان امر الخلافۃ ما وصل الیہ الا بالاسم دون المعنی وکان علیہ السلام معارضا منازعا مبغضا فی ایام ولایتہ وکیف یامن فی ولایتہ الخلاف علی المتقدمین علیہ وکل من بایعہ وجمہورھم شیعۃ اعدائہ ومن یری انھم مضوا علی اعدل الامور وافضلھا وان غایۃ امرمن بعدھم ان یتبع طرائقھم ویقتفی اٰثارھم۔

حاصل یہ کہ حضرت امیر کی خلافت برائے نام تھی۔ خلافت کا نام تھا معنی اور حقیقت نہ تھی زمانۂ خلافت کے لوگ ان سے معارضہ اور مناقشہ کرتے تھے اور وہ مبغوض تھے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے پیش رو خلفاء کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب ان کے دشمنوں کے گروہ تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء ثلاثہ نہایت عدل و انصاف اور افضل حالت میں گزرے اور ان کے بعد آنے والے خلیفہ کی انتہائی معراج یہ ہے کہ قدم بقدم انہیں کے راستہ پر چلے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؓ کو بھی تمکین دین حاصل تھی مگر شیعوں کے نزدیک حضرت علیؓ کو کوئی تمکین حاصل نہیں ہوئی کیونکہ دین شیعہ اس زمانہ میں بھی مخفی رہا اور حضرت امیرؓ کو تقیہ ہی کرنا پڑا۔

اور برسر منبر شیخین کی تعریف کرنی پڑی اور علیٰ ہذا شیعوں کے نزدیک حضرت علیؓ کو کفار کے شر سے بھی امن حاصل نہ ہوا۔ امیر معاویہؓ ہمیشہ ان کو تنگ کرتے رہے اور اکثر ملک ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

۱۲۔ اس آیت میں آنے والے خلفاء کی مدح اور ثنا ہے کہ وہ روئے زمین کی بادشاہت اور سلطنت ملنے کے بعد عام بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ خدا کے عبادت گزار بندے ہوں گے اور وہ اس عبادت میں سراپا صدق اور اخلاص ہوں گے لَا يُشْرِكُونَ بِيْ شَيْئًا یعنی ان کی عبادت میں ذرہ برابر شرک جلی اور شرک خفی کا شائبہ بھی نہ ہوگا وہ اللہ کے مخلص اور مخلَص بندے ہوں گے ان کا ہر کام خالص اللہ کے لیے ہوگا دنیا کا اس میں کوئی شائبہ نہ ہوگا اس مدحیہ جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نہ منافق تھے اور نہ وہ مرتد ہوئے، لہٰذا اب اس خبر کے بعد کسی کے لیے یہ گنجائش نہیں رہی کہ یہ کہہ سکے کہ صحابہ آپ کی زندگی میں منافق تھے یا آپ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے انعام خلافت کا وعدہ انہیں لوگوں کے لیے کیا جا رہا ہے جن کا ایمان اور اخلاص بارگاہ خداوندی میں مسلّم ہے غرض یہ کہ اس جملہ نے یعنی جملہ يَعْبُدُوْنَنِيْ نے صحابہ کے ارتداد کے احتمال کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے کیونکہ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے آخری حال تک خبر دے دی ہے اور اللہ کا علم اور اس کی خبر غلط نہیں ہو سکتی۔

۱۳۔ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

اس آیت میں جو لفظ كَفَرَ واقع ہوا ہے بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس سے کفر حقیقی اور ارتداد کے معنی مراد ہیں کہ جو شخص اسلام کے اس عظیم الشان اور بے مثال غلبہ کو دیکھ کر بھی اسلام کی طرف راغب نہ ہوا اور کفر پر قائم رہے وہ اعلیٰ درجہ کا نافرمان اور بدکار ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کفر سے ناشکری کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان نعمتوں کے ملنے کے بعد بھی ان کی ناشکری اور ناقدری کرے وہ اعلیٰ درجہ کا فاسق ہے اور بدکار ہے جمہور مفسرین نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے اور وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کا مصداق اعداء خلفاء ہیں جنہوں نے اس نعمت کا کفران کیا۔

اور آیتِ استخلاف کے اخیر میں یہ لفظ خلفاء راشدین کی خلافت کی حقیت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خلافت موعودہ حق تعالیٰ کی ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے جس کا شکر واجب ہے اور جو شخص اس نعمت کی ناشکری اور ناقدری کرے وہ فاسق و فاجر ہے سب سے پہلے اس نعمت کی ناشکری کرنے والے قاتلین عثمانؓ ہیں۔ اوّل کفرانِ نعمت کے مرتکب خوارج اور نواصب ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ پر خروج کیا اور ان کے بعد یہ فرقہ امامیہ ہے جو تین خلافتوں کی ناشکری کرنے والے ہیں غرض یہ کہ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی اصل فاسق یہی خوارج اور روافض ہیں۔ اور قاتل خلیفۂ ثانی اور خلیفۂ ثالث اور قاتل حضرت امیرؓ ہیں جو اس نعمت کے کفران میں سب سے اوّل نمبر پر ہیں ان کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا مطلب یہ ہے کہ اخیر آیت میں جن کو فاسقون کہا گیا ہے اس کے اصل مصداق خوارج اور روافض ہیں اس نعمت عظمیٰ کے کفران اور ناشکری اور ناقدری میں اصل فاسق یہی لوگ ہیں ان کے برابر اور کوئی فاسق نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ وہ پورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے اخیر زمانہ تک امن قائم رہا۔ یہاں تک جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس نعمت کا کفران کیا اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور موجودہ حالت کو تبدیل کر دیا اور خوف کو پھر ان پر مسلط کر دیا۔

(ازالۃ الخفاء)

۱۴- وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

شروع آیت میں ایمان اور عمل صالح کی بنا پر استخلاف کا وعدہ فرمایا اب اخیر سورت میں پھر عبادت اور اعمال صالحہ اور اطاعت رسول کا حکم دیتے ہیں اور اس بات پر متنبہ کرتے ہیں کہ اگر دینی اور دنیوی رحمتیں اور برکتیں چاہتے ہو تو رسولؐ کی اطاعت کو لازم پکڑو۔

۱۵- لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَاْوٰھُمُ النَّارُ

اس آیت میں منافقین کو تہدید ہے کہ تم ان باتوں کو جن کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ محال نہ سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں کے پکڑنے سے عاجز نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا کہ آپ کے متبعین کو روئے زمین کی خلافت اور بادشاہت ملے گی اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ مُخْلِفَ وَعْدِہٖ رُسُلَہٗ۔ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ کے وعدہ کو کوئی شخص غصب کرے یا اس کی مخالفت کر سکے۔ قال اللہ تعالیٰ وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ اس لیے کہ وعدۂ خداوندی ایک امر تکوینی ہے۔ جس کی مخالفت عقلاً محال اور ناممکن ہے۔ البتہ امر تشریعی میں حکم خداوندی کی مخالفت کرنا ممکن ہے جیسے کسی کو حکم ہو کہ نماز پڑھو اور وہ نماز نہ پڑھے۔ ورنہ اگر وعدۂ خداوندی میں غصب ممکن ہو تو معاذ اللہ خدا کا مغلوب ہونا اور شخص غاصب کا غالب ہونا لازم آئے گا اور یہ قطعاً محال ہے۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین سے وعدہ فرمایا تھا وہ حرف بحرف خلفاء راشدینؓ کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور اگر بالفرض والتقدیر خلفاء راشدین کی خلافت۔ خلافتِ موعودہ فی القرآن کا مصداق نہ تھی تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا۔ اور نہ آئندہ اس کے ایفاء کا کوئی امکان ہے۔ اس لیے کہ یہ وعدہ صحابہؓ سے تھا اور وہ گزر گئے۔

خلفاء راشدینؓ کے دور خلافت میں جو فتوحات بلاد عجم و شام حاصل ہوئیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سعادت سے لے کر اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھیں اور وہ تالیف قلوب اور تمکین و توسیع دین متین علی وجہ الکمال والتمام جس کا عشر عشیر کسی دین وملت کو نصیب نہیں ہوا انہیں حاصل ہوئی پس اگر ان بزرگانِ دین کی خلافت۔ وعدۂ الٰہی کا مصداق نہ تھی تو بتلایا جائے کہ پھر اور کس کی خلافت وعدۂ الٰہی

کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں اہل اسلام دینی اور دنیوی ترقیات کے لحاظ سے اوج کمال کو پہنچے۔ احکام شریعت جاری ہوئے۔ اسلام سربلند ہوا اور کفر سرنگوں ہوا۔ اور کفار ذلیل و خوار ہوئے اور اہل اسلام کے باج گزار بنے اور جہاد کا بازار گرم ہوا اور ملک کے ملک مسلمانوں کے زیرنگین آئے اور وعدۂ استخلاف سے جو غرض تھی کہ دین اسلام سربلند ہو اور دنیا پر حکمراں ہو یہ غرض خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں خوب حاصل ہوئی۔ اگر ان حضرات کی خلافت کاذبہ اور ظالمہ اور جابرہ اور غاصبہ ہوتی تو یہ دینی اور دنیوی ترقی ان کو حاصل نہ ہوتی اور دل و جان سے لوگ ان پر متفق نہ ہوتے۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ اور کسی کا یہ خیال کرنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شروع میں خلافت نہ ملنے کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ سے ناراض رہے۔ سو اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ان کے برخلاف ان کے ساتھ خلوص اور اتحاد اور ساری عمر پنج وقتہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا روایات متواترہ سے ثابت ہے اور اس سے زیادہ اتحاد اور ارتباط کی کیا دلیل ہوگی کہ حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی کا حضرت عمرؓ سے نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ و اہل سنت ثابت ہے۔

نیز فریقین کی کتابوں سے یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان تمام احکام اور سنن کو جاری اور باقی رکھا کہ جو خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری تھیں پس اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافتیں اور انکے احکام بدعت تھے تو حضرت علیؓ پر ان کی تائید قطعاً حرام تھی کیونکہ بدعت کی تائید باتفاق فریقین موجب لعنت ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کے ڈھانے کی سعی اور کوشش ہے اہل سنت والجماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان تمام خرافات سے پاک اور منزہ سمجھتے ہیں اہل سنت کا یقین ہے کہ حضرت علیؓ بلاشبہ شیر خدا تھے۔

بفرض محال وہ اگر خلفاء ثلاثہ کو کافر اور منافق سمجھتے تو مدینہ سے ہجرت کر جاتے مگر کافروں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ نہ بنتے معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایتیں دشمنان اہل بیت کی ساختہ اور پرداختہ ہیں۔

خاتمۂ کلام وفذلکۃ المرام

بحمدہ تعالیٰ آیت استخلاف کی تفسیر سے فراغت ہوئی اب ہم شیعوں پر حجت پورا کرنے کے لیے جناب مستطاب مشکل کشائے دارین حضرت ابوالحسنین یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کلام معرفت التیام پر اس کو ختم کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک خلفاء ثلاثہ اس وعدۂ الٰہی کے سچے مصداق ہیں اور سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے: لہٰذا اب اس کلام صداقت نظام اور حقیقت التیام کو گوش دل سے سنیئے۔

چنانچہ نہج البلاغت میں (جو شیعوں کی اعلیٰ ترین کتاب ہے) مذکور ہے کہ جب عمر بن الخطابؓ نے اہل فارس کی لڑائی میں جانے کے لیے حضرت امیرؓ سے مشورہ کیا تو حضرت امیرؓ نے جواب میں یہ عبارت ارشاد فرمائی۔

ان ھذا الامر لم یکن نصرتہ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھو دین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعزہ وایدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیث طلع ونحن علی موعود من اللہ تعالٰی حیث قال وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الٰی اٰخر الاٰیۃ فاللہ منجز وعدہ وناصر جندہ الخ (تحفہ ص ۳۴ باب ہفتم در امامت وازالۃ الخفاء ص ۔۔)	بے شک اس دین کو فتح لشکر کی کثرت سے نہیں ملی اور نہ لشکر کی قلت سے اس کو شکست ہوئی بلکہ یہ دین خدا کا دین ہے جس نے اس کو غلبہ عطا کیا اور لشکر اسلام اللہ کا لشکر اور اس کی فوج ہے کہ خدا نے اس کو عزت اور قوت دی یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا اور ظاہر اور روشن ہوا۔ جیسا کہ ظاہر اور روشن ہوا اور ہم خدا کے وعدہ پر ہیں جیسا کہ اس نے قرآن عزیز میں اہل ایمان سے خلافت اور تمکین دین اور امن کا وعدہ کیا ہے جو اس آیت یعنی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں مذکور ہے پس اللہ اپنے وعدہ کو پورا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا یعنی ان کو غلبہ اور فتح دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خلافت فاروقی خلافت موعودہ فی القرآن کا مصداق ہے اور نہج البلاغت کے تمام شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کا مقصود آیت استخلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حضرات شیعہ کے اعتراضات شبہات اور ان کے جوابات

حضرات شیعہ نے اس آیت میں انتہائی کوشش کی ہے کہ کوئی ایسی تاویل کر دی جائے کہ آیت سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت نہ ہو۔

تاویل اول استخلاف سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی زمین میں رہنا۔ اصطلاحی معنی یعنی خلافت نبوت مراد نہیں۔

جواب زمین میں رہنے کا حق تو کافروں کو بھی ہے۔ وعدۂ استخلاف کے لیے مؤمنین صالحین کو کیوں مخصوص کیا اور وعدۂ استخلاف میں ایمان اور عمل صالح کی قید کیوں لگائی گئی۔

دوم یہ کہ الفاظ قرآنی کو معانی شرعیہ سے ہٹا کر معانی لغویہ پر محمول کیا جائے تو تمام شریعت درہم برہم ہو جائے پھر جہاں کہیں قرآن میں لفظ ایمان کا آیا ہے اس کو تصدیق لغوی پر محمول کریں اور لفظ صلوٰۃ کو دعا پر اور لفظ

حج کو قصد کے معنی پر محمول کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں جہاں کہیں لفظ خلافت اور لفظ امامت آیا ہے اس کو بھی معنی لغوی پر محمول کریں بلکہ معاذ اللہ اگر خوارج یہ کہیں کہ قرآن میں امام کا لفظ کافروں کے مقتداء اور پیشوا کے لیے آیا ہے فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔

تو حضرات شیعہ کے پاس اس کا کیا جواب ہے اور حضرات شیعہ جو اس حدیث کے ساتھ تمسک کرتے ہیں یا علی انت خلیفتی اے علی میرے بعد تو خلیفہ ہے۔ اس حدیث میں بھی خلیفہ کو معنی لغوی پر محمول کیا جائے نیز اگر استخلاف کو معنی لغوی پر محمول کیا جائے تو آیت میں ایمان کی قید عبث ہوگی۔ کیونکہ کفار کو بھی زمین پر تمکن حاصل ہوتا ہے۔

تاویل دوم آیت میں وعدہ مؤمنین صالحین سے ہے اور خلفاء ثلاثہ کا مؤمن ہونا بھی تسلیم نہیں۔ صالح ہونا تو بعد کا درجہ ہے۔

جواب خلفاء ثلاثہ کا مؤمن کامل بلکہ اہل ایمان کا سرتاج ہونا ایسا قطعی اور بدیہی مسئلہ ہے جس میں کسی کلمہ گو کو بولنے کی گنجائش نہیں اس لیے کہ خلفاء کے اوصاف میں یہ فرمایا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا یہ جملہ خبریہ ہے جس میں خلفاء کے اوصاف کی خبر دی گئی ہے اور اس جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مخلصین ہوں گے ان کی عبادت اور اطاعت میں ذرہ برابر شرک کا شائبہ نہ ہوگا۔ اور جب خلفاء کا عباد مخلصین سے ہونا ثابت ہوگیا تو یہ بات نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے کہ عباد مخلصین پر شیطان کا کوئی قابو نہیں چلتا۔ کما قال تعالٰی اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اور اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۔

پس حق تعالٰی نے خلفاء کے اوصاف میں جملہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا اس لیے زیادہ فرمایا تاکہ کسی کو صحابہ کے بارے میں نفاق اور ارتداد کا احتمال بھی باقی نہ رہے اس لیے کہ خدا تعالٰی نے جب ان کے اخلاص کی شہادت دی اور ان کے جاری کردہ دین کو اپنا پسندیدہ قرار دے دیا تو اب نفاق اور ارتداد کے احتمال کی بیخ و بنیاد ہی اکھڑ گئی کیونکہ اس جملہ میں حق تعالٰی نے ان کے اخیر حال تک کی خبر دے دی جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔

تاویل سوم آیت استخلاف میں اللہ تعالٰی نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے اور خلفاء ثلاثہ مہاجرین اور انصار کے مشورہ سے خلیفہ بنے ہیں خدا نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا۔

جواب اللہ تعالٰی کے خلیفہ بنانے کا وہی مطلب ہے جو نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اور اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ کا مطلب ہے چونکہ تمام اسباب و وسائل بھی خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اس لیے اسباب و ذرائع سے جو رزق ملتا ہے وہ خدا ہی کا دیا ہوا رزق سمجھا جاتا ہے البتہ جو نعمت بندہ کو ایسی حاصل ہو کہ جس میں اس کے کسب اور اختیار کو دخل ہو وہ ظاہراً بندہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور جس نعمت میں ظاہری اسباب کا بالکل دخل نہ ہو وہ نعمت حق تعالٰی کی طرف منسوب

کی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

اسی طرح یہ استخلاف فی الارض بھی بطور خرق عادت تھا۔ حضرات خلفاء کو جس قسم کی حکومت اور بادشاہت عطا ہوئی وہ اسباب سے کہیں بالا اور برتر تھی۔ باوجود بے سروسامانی کے قیصر و کسریٰ کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا یہ محض قدرتِ خداوندی کا کرشمہ تھا اس لیے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ میں حق تعالیٰ نے استخلاف کو اپنی طرف منسوب فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس وعدہ کا ظہور بطور خرق عادت ہوگا۔ ظاہری اسباب اور سامان کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خلافت اور حکومت جو صحابہ کرام کو دی جائے گی وہ اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہوگی۔ جیسا کہ لفظ عبادی اور بیت اللہ اور نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف اضافت کمال تشریف اور غایت رضا پر دلالت کرتی ہے۔

فائدۂ جلیلہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف فی الارض سے اصل مقصود تمکین دین ہے۔ دین کے استحکام اور مضبوطی کے لیے حکومت اور سلطنت عطا کی گئی۔ اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس میں قانونِ شریعت کو برتری اور بالادستی حاصل ہو۔

اعتراض شیعہ یہ کہتے ہیں کہ انتظام ملکی اور ملکی فتوحات خلافتِ حقہ کی دلیل نہیں بن سکتے۔

جواب اس آیت میں خلفاء راشدین کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ زمین کے خلیفہ ہوں گے اور بزور شمشیر و سلطنت دینِ متین کو مضبوط اور مستحکم کر دیں گے۔ ہاں اگر خلفاء راشدین کے زمانہ میں ترقی اسلام نہ ہوئی ہوتی بلکہ مثل تیمور فقط ملک گیری ہوتی تب تو کچھ گنجائش تھی لیکن جب کہ عرب سے لے کر ایران تک انہیں کی بدولت غلبۂ اسلام جاری ہوا پھر تو ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ (دیکھو اجوبۂ اربعین ص ۱۵ ج ۲)

جب دنیوی شان و شوکت اور ظاہری غلبہ کے ساتھ دین اسلام بھی ادیان پر غالب اور سربلند ہو جائے اور کفر کو اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہے تو ایسے فرمانرواؤں کی خلافت، راشدہ اور خلافت حقہ ہونے میں کیا شائبہ ہو سکتا ہے۔

خلفاء راشدین کے دورِ خلافت میں جو بلاد اور اقالیم مفتوح ہوئے وہ اسلامی بلاد بن گئے اور اسلام کا رنگ ان پر غالب آگیا اور شعائر اسلام کامل طور پر ظہور میں آئے اور اسلام اور علوم اسلامیہ تمام علوم پر غالب آگئے ہر گلی اور کوچہ سے اور ہر در و دیوار سے اسلام کی آوازیں آنے لگیں۔ اسلام سربلندی میں آسمان کو پہنچا اور کفر ذلیل اور خوار اور سرنگوں ہوا۔ جو بلاد بعد میں فتح ہوئے اگرچہ وہ سلاطین اسلام کے ہاتھ سے فتح ہوئے مگر ان کے دورِ حکومت میں اسلام کو وہ عزت اور سربلندی نصیب نہیں ہوئی کہ جو خلفاء راشدین کے دورِ حکومت میں ہوئی۔

نیز خلفاء راشدین کے دورِ حکومت میں حکومت و سلطنت کا تمام کارخانہ قانونِ شریعت کے مطابق چلا جزیہ اور خراج تمام محصولات ملکی اور تقسیم غنائم اور جہادات اور ملکی فتوحات سب شریعت کے مطابق لیا گیا۔ ذرہ برابر کتاب و سنت سے عدول نہیں کیا گیا۔

نیز تمام روئے زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بادشاہتوں پر منقسم تھی۔ کسریٰ اور قیصر۔ روئے زمین میں سب سے بڑے فرمانروا یہی دو تھے اور باقی ملوک اور فرمانروا انہی دو میں سے کسی کے ماتحت اور اس کے باجگذار تھے، پس خلفاء راشدین کا ان دو بادشاہوں کو شکست دے دینا درحقیقت تمام روئے زمین کی فتح کے مترادف اور ہم معنی تھا۔ پس کیا ابوبکرؓ و عمرؓ کا دس بارہ سال کی مدت میں باوجود بے سرو سامانی کے آدھی آدھی دنیا کی دو منظم طاقتوں کو جن کی مال و دولت اور قوت و شوکت میں روئے زمین پر کوئی نظیر نہ تھی بیک وقت ان کو شکست فاش دے دینا اور ان کے خزانوں اور مال و دولت اور جواہرات کو لاکر مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دینا اور مسجد کے پرانے بوریئے پر بیٹھ کر فقراء مسلمین پر ان کو تقسیم کر دینا کیا یہ اس کی دلیل قطعی نہیں کہ تائید غیبی ان کے ساتھ ہے اور حق شانہٗ نے نبی اُمّی فداہ نفسی وامی سے جو وعدے کیے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ ہائے خداوندی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ہاتھوں پورے ہوگئے۔ (دیکھو قرۃ العینین صفحہ ۲۲۲)

مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
چاکرانت شہر ہا گیرند و جاہ دین تو گیرد زماہی تا بماہ

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہل اسلام کے قبضہ میں آگیا تھا اور نواحی عرب میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہوگیا تھا خیبر جو یہودیوں کا اڈہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ اور ہجر کے مجوسی اور نواحی شام کے کچھ عیسائی جزیہ گزار ہو گئے تھے۔ صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے اور بُصریٰ اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت و اقبال کچھ نہ ملا اور قیصر روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بے خوف و خطر توحید حق پھیل گئی اور کفر و شرک اور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض جگہوں سے بالکل خاتمہ ہوگیا اور بعض جگہ مقہور و مغلوب ہو گئی اور عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہوگیا۔

اور سنہ ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام و نشان

بھی باقی نہ رہا اور مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ آنے لگا۔

حاصل کلام یہ کہ حسب وعدۂ خداوندی اتنے قلیل عرصہ میں اتنی بڑی بڑی اور مضبوط اور پائیدار سلطنتیں جو صدہا سال سے دنیا پر چھائی ہوئی تھیں اور فوج اور خزانوں کی جن کے پاس کمی نہ تھی وہ ان بے سروسامان درویشوں اور مسجد نبوی کے اماموں (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کی بے سروسامان فوجوں کے ہاتھ ختم ہوئیں۔

اور مسجد کے بوریے پر بیٹھ کر ان سلطنتوں کے خزانے فقیروں میں تقسیم کیے گئے اور ہر بستی اور ہر شہر میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور ملک سے بے حیائی اور بدکاری اور رقص و سرود اور شراب خواری کا خاتمہ ہوا۔ اس طرح حق جل شانہٗ کا وعدہ پورا ہوا کہ حضور پر نور کے خادموں کو ایسی آسمانی بادشاہت عطا ہوئی کہ جس سے دین و اسلام کو تمکین اور استحکام حاصل ہوا اور تائید آسمانی اور اقبال غیبی اور غلبۂ اسلام اور ذلت و رسوائی مخالفین و معاندین اسلام کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ اور علماء یہود و نصاریٰ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بلاشبہ یہ خلافت راشدہ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سلطنت کا نمونہ ہے اور کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کا یہی مطلب ہے کہ خلفاء راشدین کی خلافت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی خلافت کے مشابہ اور ہم رنگ ہوگی اور یہ سب منجانب اللہ تھا اور دائرۂ اسباب سے بالا اور برتر تھا۔

تتمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں اگرچہ کوئی ملک فتح نہیں ہوا۔ مگر کفر اور کافر کی یہ مجال نہ ہوئی کہ اسلام کی طرف کوئی نظر بد سے دیکھ سکے۔ حضرت معاویہؓ کو اگرچہ حضرت علیؓ سے اختلاف تھا مگر کفر اور کافر کے مقابلہ میں دونوں ایک تھے، دو بھائی اگرچہ باہم کچھ اختلاف رکھتے ہوں مگر دشمن کے مقابلہ میں دونوں ایک ہوتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ

اے ایمان والو! پروانگی مانگ کر آویں تم میں سے جو تمہارے

اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ

ہاتھ کا مال ہیں۔ اور جو نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین

مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ

بار - فجر کی نماز سے پہلے، اور جب

تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ

اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں اور عشاء کی نماز سے

الْعِشَآءِ ۟ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

پیچھے، یہ تین وقت کھلنے کے ہیں تمہارے کچھ گناہ نہیں تم پر نہ اُن پر

جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى

اُن کے پیچھے، پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے پاس

بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں، اور اللہ سب جانتا

حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا

ہے حکمت والا۔ اور جب پہنچیں لڑکے تم میں عقل کی حد کو تو ویسی پروانگی لیں

كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

جیسے لیتے رہے ہیں اُن سے اگلے۔ یوں کھول سناتا ہے اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

تم کو اپنی باتیں، اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

حکم یازدہم متعلق بہ استیذان

قال اللہ تعالیٰ. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ---- الیٰ ---- وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

(ربط) آغاز سورت میں عفت وعصمت وآداب معاشرت کے متعلق احکام کا ذکر تھا جن میں ایک حکم استیذان کا تھا کہ کسی گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو، اب پھر انہی احکام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان آیات میں غلاموں اور نابالغ بچوں کو اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم ہے اور شروع سورت میں جو اجازت لینے کے احکام مذکور تھے وہ اجنبیوں کے متعلق تھے کہ کسی کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی، اب یہ آیتیں اسی گزشتہ حکم استیذان کا تتمہ اور تکملہ ہیں کہ جو لونڈی اور غلام اور نابالغ بچے گھر میں رہتے ہیں۔ تین وقتوں میں ان کو بھی تمہارے کمرہ میں اجازت لے کر آنا چاہیے۔ یہ اوقات خلوت واستراحت کے ہیں۔ بسا اوقات انسان سے سوتے وقت اس کا کپڑا اتر جاتا ہے اور ستر کھل جاتا ہے۔ لہٰذا ان تین اوقات میں غلام اور

اور کنیزوں کو بھی بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہونا چاہیئے۔ باقی اوقات میں ان کو اجازت کی ضرورت نہیں۔
چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو، چاہیئے کہ اجازت لے کر آیا کریں تم سے وہ کہ جن کے مالک ہیں تمہارے ہاتھ یعنی باندی اور غلام اور وہ لڑکے جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے وہ تین وقت میں تم سے آنے کی اجازت لیا کریں، یعنی تین وقتوں میں بغیر اجازت لیے تمہارے پاس نہ آیا کریں ایک تو نماز فجر سے پہلے اور دوسرے دوپہر کے وقت جب تم قیلولہ کے لیے اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد جب آدمی اپنی اہلیہ کے ساتھ تخلیہ میں ہو جاتا ہے۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے ہیں۔
اس لیے ان تین وقتوں میں بغیر اجازت لیے تمہارے پاس نہ آیا کریں اور بعد ان تین وقتوں کے بغیر اجازت لیے تمہارے پاس آنے میں نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کیونکہ وہ تم پر گھومتے رہتے ہیں۔ یعنی بکثرت اور بار بار تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے پاس۔ اس لیے ہر دفعہ میں اجازت لینے میں دشواری ہے یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے۔ اور اللہ بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ اس کا ہر حکم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اور جب تم میں کے لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں یعنی بالغ ہو جائیں یا قریب بلوغ ہو جائیں تو تمہارے پاس آنے کے لیے تم سے جملہ اوقات میں اجازت لیا کریں جیسا کہ اجازت مانگتے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لڑکا جب تک نابالغ ہے تو تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بغیر اجازت لیے اندر آسکتا ہے اور جب حد بلوغ کو پہنچ گیا تو پھر اس کا حکم انہی مردوں جیسا ہے جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور ان کا حکم پیشتر آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَهْلِهَا میں گزر چکا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ
اور جو بیٹھ رہی ہیں تمہاری عورتیں، جن کو توقع نہیں بیاہ کی اُن پر

عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ
کوئی گناہ نہیں کہ اُتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا

بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ
سنگار۔ اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کو۔ اور اللہ سب سنتا

عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾
ہے جانتا۔

حکم دوازدہم متعلق بہ تستّر

قال اللہ تعالیٰ. وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا ..... الیٰ..... وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔

(ربط) شروع سورت میں عورتوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں. کما قال تعالیٰ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ. اب ان آیات میں بوڑھی عورتوں کے متعلق حکم بیان کرتے ہیں کہ ان کے لیے اس درجہ تستُّر ضروری نہیں جتنا کہ جوان عورتوں کے لیے تستر ضروری ہے. عورت کا جب زمانہ شباب گزر گیا اور بڑھاپے کی اس منزل کو پہنچ گئی کہ نکاح کی اس کو حاجت نہ رہی تو ایسی حالت میں اگر وہ اپنے گھر میں تھوڑے کپڑوں میں بھی رہے تو درست ہے اور بہتر یہ ہے کہ پورا پردہ رکھیں. چنانچہ فرماتے ہیں اور بڑی عمر والی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں رہی اور گھر میں بیٹھی رہتی ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے گھر میں زائد کپڑے اتار کر رکھ دیں. جیسے چادر اور برقع. بشرطیکہ وہ اس سے اپنی زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں یعنی چادر اور برقع کے اتار دینے سے مقصود غیر مردوں کو اپنے محاسن کا دکھلانا نہ ہو تو پھر زائد کپڑے اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں اور اگر وہ اس سے بھی بچیں، یعنی اپنے زائد کپڑے بھی نہ اتاریں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے. یعنی ان کے قول کو سنتا ہے اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے.

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ

نہیں اندھے پر کچھ تکلیف، اور نہ لنگڑے پر تکلیف،

وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَنْ

اور نہ بیمار پر تکلیف. اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھالو اپنے

تَاْکُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ

گھروں سے یا اپنے باپ کے گھروں سے. یا

اُمَّھٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِکُمْ

اپنی ماں کے گھروں سے. یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے.

اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ

یا اپنے چچا کے گھر سے. یا اپنی پھوپھی کے گھر سے. یا اپنے

أَخَوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهُ

ماموں کے گھر سے، یا اپنی خالہ کے گھر سے، یا جس کی کنجیوں کے مالک ہوئے ہو

أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا

یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ

جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ

مل کر یا جدا

حکم سیزدھم متعلق باہمی اکل وشرب

قال اللہ تعالیٰ۔ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ .... الیٰ .... أَن تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ

(ربط) گزشتہ آیات میں جو احکام بیان کیے گئے وہ آداب معاشرۃ سے متعلق تھے اب آیات میں باہمی اکل وشرب کے آداب کو بیان کرتے ہیں جب حق جل شانہ نے قرآن کریم میں یہ حکم نازل کیا۔ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ آپس میں ناحق ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ تو مسلمانوں نے احتیاط کی بنا پر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے گھروں کا کھانا کھانا بھی چھوڑ دیا اور خیال کیا کہ بلا ضرورت کسی کے گھر کا کھانا حلال نہیں حتیٰ کہ اندھوں اور لنگڑوں اور بیماروں نے بھی اپنے اعزا اور اقارب کے گھر جانے میں تنگی محسوس کی اور خیال کیا کہ شاید ہماری معذوری اور ہماری بیماری دوسروں کے لیے باعث گرانی ہو۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

فرمایا۔ نہ نابینا پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کچھ گناہ ہے اور نہ مریض پر کچھ گناہ ہے اور نہ تم پر کچھ گناہ ہے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ اس میں اہل وعیال اور آل اولاد کے گھر بھی آ گئے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو۔ یعنی جن کے تم متولی ہو اور وہ مکان تمہارے زیر تصرف ہوں مثلاً کسی نے تم کو اپنے مکان کا وکیل اور متولی اور محافظ بنا دیا ہے اور بقدر ضرورت تم کو اس سے کھانے کی اجازت دی ہے یا اپنے سچے دوست[1]

[1] یہ قید اس لیے لگائی کہ صدیق، صدق سے مشتق ہے جس کے معنی سچے دوست کے ہیں سیاسی دوست کو لغت میں صدیق نہیں کہتے۔

کے گھر سے جو تمہارا سچا دوست ہے جسے تمہارے کھانے سے خوشی ہوتی ہے اور تمہارا جانا اس پر شاق اور گراں نہ گزرتا ہو۔ تو ان لوگوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں یہ کھانا ناحق کھانا نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ میں ممانعت کی ہے۔ یہ آیتیں نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ تمہیں اس بارے میں رخصت اور وسعت ہے تنگی کی ضرورت نہیں۔

نیز بعض معذور مثلاً نابینا اور لنگڑا تندرستوں کے ساتھ کھانا کھانے سے گھبراتے تھے کہ شاید ہماری بعض حرکات اور اطوار سے لوگوں کو تکلیف پہنچے اور بعضوں کو واقعی ان کے ساتھ کھانے سے وحشت ہوتی تھی نیز بعض مؤمنین کو غایت اتقاء کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید ایسے معذوروں کے ساتھ کھانے میں ہم سے کوئی ظلم اور زیادتی نہ ہو جائے اس لیے کہ نابینا کو سب کھانے نظر نہیں آتے اور بیمار آدمی بہت آہستہ کھاتا ہے، اس لیے ان لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید ان لوگوں کے ساتھ کھانے میں ان کی حق تلفی ہو جائے اس بنا پر ان کے ساتھ کھانے میں احتیاط برتتے تھے اور بعض مرتبہ یہ صورت پیش آتی تھی کہ کوئی معذور اور بیمار کسی کے پاس ملنے گیا اور وہ شخص اس معذور کو اپنے باپ یا بھائی بہن یا پھوپھی یا خالہ کے گھر لے جاتا تو ان معذورین کو یہ خیال گزرتا کہ ہم آئے تو تھے اس کے پاس اور یہ ہم کو دوسروں کے گھر لے جا رہا ہے اور ساتھ جانے میں تامل کرتے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کرکے تمام خیالات کی اصلاح کر دی اور بتلا دیا کہ اللہ کی طرف سے وسعت ہے لہٰذا تم اپنے اوپر تنگی نہ کرو۔ تندرستوں کو مریضوں سے اور مریضوں کو تندرستوں سے پرہیز کرنے کی ضرورت نہیں اور خویش و اقارب کے یہاں کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

نیز بعض انصار پر جود و کرم کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ لوگ بے مہمان کے تنہا کھانا گوارا نہیں کرتے اور اپنی جان پر مشقت گوارا کرتے اور مہمان کا انتظار کرتے ان کے بارہ میں آئندہ آیت اتری۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اور اکیلے اکیلے کھاؤ اور دل میں یہ خیال نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ۔ اکیلے اکیلے کھانا بھی جائز ہے مگر مل کر کھانے میں برکت زیادہ ہے۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ

پھر جب جانے لگو کبھی گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا ہے اللہ

عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

کے ہاں سے برکت کی ستھری۔ یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؀ۧ ﴿۶۱﴾

باتیں، شاید تم بوجھ رکھو۔

حکم چہاردہم متعلق بہ سلام اہل خانہ

قال اللہ تعالیٰ ۔ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ .... الیٰ .... لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بتلا دیا کہ کن کن گھرانوں میں کھانے پینے کی اجازت ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے، یہ تمام تر آداب اکل کا بیان تھا اب کسی مکان میں داخل ہونے کا ادب سکھلاتے ہیں کہ جب اپنے اعزاء اور اقارب کے گھروں میں داخل ہوا کرو تو سلام کیا کرو جو ان کے لیے سلامتی کی دعا ہے۔ داخلہ کا آغاز دعاء خیر و سلامت سے موجب صد خیر و برکت ہے۔

اور اس طرح گھر میں داخل ہونا موجب خیر و برکت بھی ہے اور موجب مسرت بھی ہے کہ گھر والوں نے تمہاری زبان سے دعاء خیر و سلامت سنی۔ چنانچہ فرماتے ہیں پھر جب تم اپنے گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنوں پر یعنی اپنے گھر والوں پر سلام کیا کرو۔ دعا کے طور پر جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے بہت خیر و برکت والی اور پاکیزہ دعا جس سے سننے والے کا دل خوش ہو جائے، یعنی گھروں میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم کہنا یہ اللہ کی تعلیم کی ہوئی دعا ہے جو نہایت عمدہ اور بابرکت ہے جس کو سنتے ہی دل خوش ہو جاتا ہے کہ یہ داخل ہونے والا میری خیر اور سلامتی چاہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کے حکموں کو سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ نے تم کو گھر میں داخل ہونے اور کھانا کھانے کے آداب بتلا دیئے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا

ایمان والے وہ ہیں ۔ جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب

كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰٓ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ

ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک

يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ

اس سے پروانگی نہ لیں ۔ جو لوگ تجھ سے پروانگی لیتے ہیں وہی ہیں جو

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ

مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ۔ پھر جب پروانگی مانگیں تجھ سے اپنے

شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ
کسی کام کو تو دے پروانگی جس کو ان میں تو چاہے اور معافی مانگ ان کے واسطے

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ
اللہ سے۔ اللہ بخشنے والا ہے مہربان ۔ مت ٹھہراؤ بلانا رسول کا

الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ
اپنے اندر ، برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک کو ایک ۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ
اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر ۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ
سو ڈرتے رہیں جو لوگ خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا کہ

تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ
پڑے ان پر کچھ خرابی ، یا پہنچے ان کو دکھ کی مار ۔ سنتے ہو

اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ
اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں ۔ اس کو معلوم ہے جس

اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ
حال پر تم ہو ۔ اور جس دن پھیرے جاویں گے اس کی طرف تو بتا دے گا

بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
ان کو جو انہوں نے کیا ۔ اور اللہ سب چیز

عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع
جانتا ہے ۔

حکم پانزدہم متعلق بآداب مجلس نبوی

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں عام مجالس کے آداب کا اور عام استیذان کا ذکر تھا اب ان آیات میں خاص مجلس نبوی کے آداب بیان کرتے ہیں کہ مجلس نبوی سے جاتے وقت استیذان واجازت لینے کی ضرورت ہے اور آپ کے بلانے کے وقت حاضری واجب ہے اور آپ کی مجلس سے بغیر اجازت لیے اٹھ کر چلے جانا یا آپ کے بلانے پر حاضر نہ ہونا یہ منافقین کا شیوہ ہے۔ رسول اللہ کی تعظیم اور آپ کا ادب اور احترام ایمان کا جزء ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جز ایں نیست کہ کامل ایمان دار تو وہی ہیں جو صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب آپ کے ساتھ ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لیے مجمع کیا گیا ہے یعنی جس میں جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً نماز جمعہ یا نماز عید یا جہاد یا غزوہ یا کوئی مشورہ اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ لوگ جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں اس وقت تک آپ کی مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے۔

صحیح الایمان لوگوں کا طریقہ یہی تھا کہ آپ کی مجلس سے بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے تھے مگر منافق لوگ آنکھ بچا کر بغیر اجازت لیے نکل جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلا دیا کہ اجازت لینا صدق اور اخلاص کی دلیل ہے اور ادب اور تعظیم کی علامت ہے کہ اپنی ضرورت کو آپ کی اجازت پر موقوف رکھا اور استاد اور مرشد کی مجلس کا بھی یہی حکم ہے۔ بے شک جو لوگ اپنی ضروریات میں جانے کے لیے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں کہ جو بغیر آپ کی اجازت کے آپ کی مجلس سے اٹھنا گوارا نہیں کرتے پس جب یہ اہل ایمان اپنے کسی ضروری کام کے لیے آپ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں یعنی جس کو اجازت دینا مناسب سمجھیں۔ اسے اجازت دے دیں اور چاہے نہ دیں آپ کو اختیار ہے اور اجازت دینے کے بعد ان کے لیے دعا مغفرت کیجئے اس لیے کہ اگرچہ ان کا عذر صحیح ہو لیکن آپ کی مجلس مبارک سے مفارقت میں یہ ابہام ضرور ہے کہ انہوں نے آپ کی مجلس پر کسی دوسری مجلس کو ترجیح دی گویا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ پس لیے نبی کریم آپ ان مخلصین کے حق میں دعا مغفرت فرمائیے تاکہ آپ کی استغفار سے ان کی اس تقصیر اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کی فروگذاشت کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی تعظیم اور ادب کی تعلیم فرماتے ہیں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو ایسا مت خیال کرو جیسے تم میں سے بعض۔ بعض کو بلاتے ہیں۔ چاہے جواب دیا چاہے نہ دیا۔ رسولؐ کے بلانے پر تمہیں حاضر ہونا فرض ہے جب رسولؐ تم کو بلائیں تو سب

کام چھوڑ دو اور لبیک کہہ کر فوراً حاضر ہو جاؤ۔

(یا یہ معنی ہیں کہ تم رسول ؐ کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم آپس میں بعض، بعض کو پکارتے ہو، یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو اس طرح رسول ؐ کو اس کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو، یعنی تعظیمی لقلظ سے آپکو خطاب کیا کرو۔ ہر حال میں رسول ؐ کے ادب اور اس کی تعظیم کو ملحوظ رکھو اور بلا اجازت آپ کی مجلس سے ہرگز نہ اٹھو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آپ کی مجلس سے کھسک جاتے ہیں چپکے چپکے کسی کی آڑ میں ہو کر۔ منافقین کا شیوہ یہ تھا کہ جب کسی جمعہ یا مجمع میں آپ کے ساتھ ہوتے تو آپس میں بعض بعض کی آڑ میں ہو جاتے تاکہ جب موقع ملے تو چھپ کر نکل جائیں۔

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیئے کہ جو پیغمبر کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ کہیں دنیا ہی میں ان پر کوئی آفت نہ آ پڑے یا آخرت میں ان کو دکھ کی مار نہ پہنچے۔ یہ تردید بطور منع خلو ہے ورنہ جمع ہونا دونوں کا جائز ہے کہ دنیا میں بھی مصیبت آئے اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ان کو پہنچے جان لو کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی سب کا مالک، اس لیے کہ وہی سب کا خالق ہے خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو یعنی تمہارے ایمان اور نفاق سے خوب واقف ہے اور جس دن یہ لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن وہ ان کو ان کے بُرے بھلے اعمال سے آگاہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

آنکس کہ بیا فرید پیدا و نہاں   چوں نشناسد نہاں و پیدا بجہاں

الحمد للہ آج چہار شنبہ بوقت اذانِ عصر بتاریخ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ سورۂ نور کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ باقی تفسیر کو بھی اس احقر کے ہاتھ سے مکمل فرما اور ہمارے قلوب نور ایمان اور نور ہدایت سے منوّر فرما اور ہماری قبروں کو منوّر فرما۔ آمین یا رب العالمین

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد و علیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الرّاحمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سُورۃُ الفُرقان

(ربط سورۃ) یہ سورت مکی ہے اس میں ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔ فرقان کے معنی دو چیزوں میں فرق کرنے کے ہیں۔ اس سورت کا نام فرقان اس لیے ہوا کہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہے کہ جس سے حق اور باطل کے آخری فیصلہ کا علم ہو جاتا ہے اور گزشتہ سورت کا نام سورۃ نُور تھا اور نور سے دو چیزوں کا فرق واضح ہوتا ہے۔ نیز گزشتہ سورت میں نُور کا ذکر تھا مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اور اس سُورت میں ظل کا ذکر ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ اور نور ظل سے مقدم ہے اس لیے اس سورت کو سورۂ نور سے مؤخر لایا گیا۔

نیز اس نام سے مشرکین کے اس شبہ کے جواب کی طرف بھی اشارہ ہے جو یہ کہتے ہیں۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً کہ یہ قرآن دفعۃً کیوں نازل نہیں کیا گیا بلکہ تھوڑا تھوڑا متفرقاً نازل کیا گیا۔ عنقریب آیت مذکورہ کی تفسیر میں جواب کی تفصیل آجائے گی۔

یہ سُورت اگرچہ توحید اور رسالت اور قیامت کے مضامین پر مشتمل ہے لیکن زیادہ تر منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اوّل توحید کا مضمون ذکر کیا بعد ازاں منکرین رسالت کے ایک ایک اعتراض کو نقل فرماتے ہیں اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں اور جابجا عذابِ آخرت سے ڈراتے ہیں، اس لیے کہ موت اور قیامت کے تصور سے عقل ٹھکانے آجاتی ہے، دُور تک سلسلۂ کلام اس طرح چلا گیا کہ اوّل منکرین نبوت کے اعتراض کو نقل کیا اور پھر اس کا جواب دیا۔

منکرینِ نبوت کے اعتراضات کے جوابات کے بعد اللہ تعالیٰ نے چند حضرات انبیاءؑ کے واقعات مختصر طور پر نقل کیے تاکہ منکرین نبوت ان سے عبرت پکڑیں کہ منکرین نبوت کا کیا انجام ہوا اور انکارِ نبوت سے باز آجائیں اور ایمان لے آئیں۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ سے چند دلائل توحید ذکر فرمائے تاکہ مشرکین شرک سے باز آجائیں، پھر اخیر میں اہل ایمان اور اہلِ طاعت کی صفات اور خصالِ خیر کا ذکر فرمایا تاکہ ان کو دیکھ کر اپنے بُرے اعمال سے تائب ہو جائیں اور اپنے اعمال اور خصال کا ان کے اعمال اور خصال سے موازنہ کریں تاکہ ہدایت اور ضلالت اور سعادت اور شقاوت کا فرق ان کی نظروں کے سامنے آجائے۔

آیاتہا ۷۷ — سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۴۲ : ۲۵ — رکوعاتہا ۶

سورۂ فرقان مکی ہے اور اس میں ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ

بڑی برکت ہے اس کی، جس نے اُتارا فیصلہ اپنے بندے پر کہ رہے جہان

لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۟ۙ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

والوں کو ڈر۔ اور وہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین کی،

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ

اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا، اور نہیں کوئی اس کا ساجھی راج میں، اور

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ

بنائی ہر چیز، پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔ اور لوگوں نے پکڑے ہیں

دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا

اس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور آپ بنتے ہیں اور نہیں

يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ

مالک اپنے حق میں بُرے کے، اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک

مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا

مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ

نُشُوْرًا ۝

جی اُٹھنے کے۔

توحید و رسالت و قیامت

قال اللہ تعالیٰ۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ ---- الٰی ---- وَلَا نُشُوْرًا ۝

(ربط) اس سورت کی ابتداء حق جل شانہٗ نے اپنی صفت برکت سے فرمائی اور برکت اس خیر وخوبی کو کہتے ہیں کہ جو قائم اور دائم ہو اور صفت برکت کی دلیل اور برہان میں فرقان یعنی قرآن کی تنزیل کو ذکر فرمایا۔ کیونکہ یہ قرآن حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اور حق اور باطل میں تمیز اور فرق سے بڑھ کر کوئی برکت اور خیر کثیر نہیں اس لیے فرماتے ہیں۔ بڑی ہی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے برگزیدہ بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فرقان کو نازل کیا یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والا کلام نازل کیا جس سے بڑھ کر کوئی برکت والی چیز نہیں تاکہ نذیر ہو تمام جہانوں کے لیے یعنی تمام جن وانس کے لیے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہو۔ یا یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن ہر زمانہ میں ہر قرن والوں کے لیے ان باتوں سے ڈرانے والا ہو جو اللہ کی ناراضی اور غصہ کا سبب ہیں۔

ف "للعالمین" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت عام ہے اور آپ جن وانس سب کے نبی اور رسول ہیں یہ رتبہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مجھ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا گیا وہ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جیسا کہ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس وہ ذات بابرکات جس نے مجھ کو تمام جہانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا وہ وہ ذات ہے جس کی ایک صفت یہ ہے کہ اسی کے لیے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی وہ ان کا خالق اور مالک ہے جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے اور دوسری صفت اس کی یہ ہے کہ اس نے اپنے لیے کوئی اولاد اور فرزند نہیں بنایا کیونکہ فرزند باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اور اس کے برابر ہوتا ہے اور خدا مماثلت اور برابری سے پاک اور منزہ ہے خدا تو بے مثل اور بے چون وچگون ہے لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اور تیسری صفت اس کی یہ ہے کہ بادشاہت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور چوتھی صفت اس کی یہ ہے کہ وہ خالق الکل ہے اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اس کی قدرت غیر متناہی ہے کوئی ذرہ اس کی قدرت سے باہر نہیں ایسی ذات کا کون شریک اور سہیم ہو سکتا ہے۔ اس خالق الکل نے کائنات کی انواع واقسام کو پیدا کیا پھر اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔ اس سے وہ چیز نہ کم ہو اور نہ زیادہ۔ ہر چیز کی صورت اور صفت اور خاصیت الگ الگ بنائی اور ان نادانوں کو دیکھو کہ قادر مطلق اور عاجز مطلق میں فرق نہیں کرتے۔ اور ان مشرکوں نے خدا کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں کہ جو ایک چیز کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں اور حال یہ ہے کہ وہ خود ایک خاص مقدار اور اندازہ پر پیدا

کیے گئے ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے اس اندازہ سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اور ہر مخلوق اپنی ہستی میں خالق کا محتاج ہے اور محتاجگی خدائی کے لائق نہیں پس ان کے ہاتھ کے خود تراشیدہ بُت کہاں خدائی کے لائق ہو سکتے ہیں اور وہ خالق تو کیا ہوتے وہ تو مالکیت کی صفت سے بھی عاری اور خالی ہیں اور اس درجہ عاجز ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں۔ وہ اپنے سے ضرر کے رفع کرنے کی اور اپنے لیے نفع حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ حالانکہ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نافع اور ضار ہو یعنی نفع اور ضرر کا مالک ہو اور نہ وہ موت اور زندگی کے مالک ہیں کہ کسی میں جان ڈال دیں یا اس کی جان نکال لیں۔ موت اور حیات تو بڑی چیز ہے۔ یہ تو اپنے خواب اور بیداری کے بھی مالک نہیں سونا اور جاگنا کسی کے اختیار میں نہیں اور نہ کسی مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور معبود وہ ہے کہ جو جان نکالنے اور جان ڈالنے پر قادر ہو۔ بندہ اگرچہ کسی کے قتل پر قادر ہے مگر جان نکالنے پر قادر نہیں۔ قتل اور چیز ہے اور جان نکالنا اور چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معبود وہ ہونا چاہیئے کہ جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو خالق الکل اور مالک الکل ہو اور نفع اور ضرر اور موت اور حیات کا مالک ہو یعنی کائنات کا وجود اور عدم اس کے اختیار میں ہو اور عاجز اور بے جان کو خدائی کا رتبہ دینا کمال حماقت ہے اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزہ احیاء موتیٰ کا ذکر آیا ہے سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اور حیات کے مالک تھے بلکہ بحکم خداوندی پرندوں میں پھونک مارتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو وہ مردہ باذن اللہ یعنی بحکم خداوندی زندہ ہو جاتا۔ اہل اسلام کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مُردوں کا زندہ ہونا یہ ان کا معجزہ تھا جو ان کی نبوت و رسالت کی دلیل تھا کہ یہ اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندہ ہیں کہ ان کی دعا سے خدا تعالیٰ مُردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔ نصاریٰ نے اس قسم کے معجزات کو ان کی الوہیت کی دلیل سمجھا اور غلط سمجھا بقول نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام موت اور حیات کے مالک تھے تو جب یہود نے ان کو صلیب پر لٹکایا تو وہ اپنے سے موت کا پیالہ کیوں نہ ہٹا سکے اور موت کے پیالہ کا مسئلہ تو بعد کا ہے پہلے تو مسئلہ پکڑے جانے اور صلیب پر لٹکائے جانے کا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سے صلیب کے ضرر اور تکلیف کا پیالہ نہ ہٹا سکے اور نہ موت کا پیالہ ہٹا سکے اور صلیب پر ایلی ایلی لما سبقتانی کہہ کر جان دے دی، پس اس عجز اور لاچارگی کے ساتھ کسی کو معبود بنانا کمال حماقت ہے۔ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اور زندگی کے مالک نہ تھے۔ نصاریٰ کو شرمانا چاہیئے کہ وہ خدا ہی کیا ہوا جس کو اس کے بندے پکڑ کر پھانسی دے سکیں اور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اور باذن اللہ اور بحکم خداوندی ان کے ہاتھ سے ان کی دعا کے بعد مردے زندہ ہو جاتے بذاتِ خود تو وہ اپنی موت اور حیات کے بھی مالک نہ تھے اور جب یہود نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کو اسی جسم عنصری کے ساتھ صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ان کے دشمن دیکھتے ہی رہ گئے۔ قرآن نے اسی جسم عنصری کے رفع کی خبر دی ہے جس جسم عنصری کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے اور روح کو پکڑنا اور اس کے قتل کا ارادہ کرنا یہ دیوانہ اور مجنون کی بڑ ہے جیسا کہ سورۂ نساء کے اخیر میں آیت وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ۔ اور۔ وَمَا

قَتَلْتُمُوۡهُ يَقِيۡنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔
خلاصۂ کلام یہ کہ جو اپنے لیے بھی نفع اور ضرر کا مالک نہ ہو اور موت اور حیات اس کے اختیار میں نہ ہو اس کو خدا کا شریک اور فرزند ٹھہرانا کمالِ ابلہی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكُ ۨافۡتَرٰٮهُ وَ
اور کہنے لگے جو منکر ہیں، اور کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور
اَعَانَهٗ عَلَيۡهِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ ۛۚ فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّزُوۡرًا ۛۚ ﴿۴﴾
ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے۔ سو آگئے بے انصافی اور جھوٹ پر۔

منکرینِ نبوت کے اعتراضات اور اُن کے جوابات

منکرینِ نبوّت کا پہلا شبہ اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكُ ۨافۡتَرٰٮهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيۡهِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّزُوۡرًا ؕ

(ربط) گزشتہ آیات میں توحید و رسالت پر کلام تھا۔ اب آئندہ آیات میں منکرینِ نبوت کے شبہات کو نقل کرکے ان کے جواب دیتے ہیں، منکرینِ نبوت کا پہلا شبہ یہ تھا کہ وہ قرآن کو آپ کا افتراء یعنی آپ کی تصنیف بتلاتے تھے کہ جو آپ نے دوسروں کی امداد سے تیار کی ہے، ان نادانوں کو حجر اور شجر کے معبود بنانے میں تو کوئی شبہ پیش نہ آیا اور ایک بشر کے نبی اور رسول ہونے میں ان کو شبہات لاحق ہوگئے۔ شبہات کیا ہیں۔ نادانوں اور بیوقوفوں کی جہالتیں اور حماقتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرقان مجید حق اور باطل میں فرق اور تمیز کے لیے اتارا مگر یہ نادان اندھے ہوگئے اور بولے یہ کافر کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص نے یعنی محمدؐ نے خود بنا لیا ہے اور اس کے بنانے میں دوسرے لوگوں نے مدد کی ہے یعنی اہلِ کتاب سے مدد لے کر آپؐ نے بنا لیا ہے اور منسوب کرتا ہے اس کو اللہ کی طرف۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں پس یہ بات کہہ کر یہ لوگ صریح بے انصافی اور کھلے جھوٹ پر آپہنچے ہیں کیا ایسا کلام جس کے معارضہ سے تمام جن اور انس عاجز ہوں اس کی نسبت یہ کہنا کہ چند یہودی غلاموں کی مدد سے بنا لیا گیا ہے۔ صریح بے انصافی اور بہتان اور طوفان نہیں تو کیا ہے اور جس کے علوم اور معارف سے دنیا دنگ اور حیران ہے اس کی نسبت یہ کہنا کہ یہ کسی کی مدد سے تیار کیا گیا ہے سراسر دروغ بے فروغ ہے آخر وہ اہل کتاب جن کی مدد سے آپؐ نے یہ کلام تیار کیا

ہے تمہارے تو جانی دوست اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن ہیں۔ انہوں نے یہ کلام تیار کر کے حضور پُرنور کو دے دیا اور تم کو نہ دیا آخر اس کی کیا وجہ ہے تم بھی ان سے مدد لے کر ایسا کلام بنا لاؤ۔ نیز وہ اہل کتاب جن کا تم نام لیتے ہو وہ تمہارے ہی تو غلام ہیں تم سے کیا انکار کر سکتے ہیں جس کو ذرہ بھی عقل ہے وہ ایسے بڑا جھوٹ سے بلاشبہ نفرت کرے گا اور دوسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ۔ یعنی جس شخص کی طرف اس قرآن بنانے کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور اس قرآن کی زبان فصیح و بلیغ عربی ہے۔

وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ

اور کہنے لگے، یہ نقلیں ہیں اگلوں کی جو لکھ لایا ہے سو وہی لکھوائی

عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ

جاتی ہیں اس پاس صبح اور شام۔ تو کہہ اس کو اتارا ہے اس شخص نے جو جانتا ہے

فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝۶

چھپے بھید آسمانوں میں اور زمین میں۔ مقرر وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

منکرین نبوت کا دوسرا شبہ اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

(ربط) یہ منکرین نبوت کا دوسرا شبہ بلکہ دوسرا بہتان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ قرآن منجانب اللہ نہیں بلکہ اگلے لوگوں کے قصوں اور کہانیوں کا ایک مجموعہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ایک جھوٹ ان لوگوں نے یہ بولا کہ یہ قرآن تو پہلے لوگوں کے قصے اور افسانے ہیں جن کو اس نبی نے اپنے لیے لکھوا لیا ہے کیونکہ وہ خود تو لکھ نہیں سکتے اس لیے دوسروں سے لکھوا لیے ہیں پس وہ نوشتے صبح و شام اس پر پڑھے جاتے ہیں تاکہ سُن سُن کر وہ ان کو یاد کرے، چنانچہ جب وہ آپ کو یاد ہو جاتا ہے تو اس کو پڑھ کر ہمیں سنا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کی وحی ہے۔ اے نبی آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ قرآن کسی کا ساختہ اور نوشتہ نہیں بلکہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کے پوشیدہ بھیدوں کو خوب جانتا ہے یعنی یہ اس ذات کا اتارا ہوا کلام ہے جو عالم الغیب ہے اور یہ کلام عجیب و غریب نصیحتوں اور عبرتوں اور اخبار غیبیہ اور اسرار مکنونہ

پر مشتمل ہے جہاں عقل اور فہم کی رسائی نہیں اور علم غیب اللہ کا خاصہ ہے بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ کسی کو غیب کی باتیں لکھ کر دے دے اور وہ نوشتہ اس کو یاد کرا دے اور ان کی اس گستاخانہ اور بے باکانہ بات کا تقاضا یہ تھا کہ اس قسم کی بیہودہ باتوں پر فوراً عذاب سے ہلاک کر دیئے جائیں لیکن ان پر عذاب نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس قرآن کا اخبار غیبیہ اور اسرار مکنونہ پر مشتمل ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ کلام علام الغیوب کا نازل کردہ ہے نہ کسی کا ساختہ اور نوشتہ ہے اس لیے کہ غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو ممکن نہیں۔ نیز یہ کہ قرآن تو فرقان ہے حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتا ہے اس میں تو کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ

اور کہنے لگے، یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا

وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ

اور پھرتا ہے بازاروں میں ۔ کیوں نہ اترا اس کی

اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ

طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو! یا اترتا اس کے پاس خزانہ،

اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ

یا ہو جاتا اس کو ایک باغ، کہ کھایا کرتا اس میں سے۔ اور کہنے لگے بے انصاف،

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ

تم ساتھ پکڑتے ہو یہ ایک مرد جادو مارے کا ۔ دیکھ! کیسی بٹھائیں

ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

تجھ پر کہاوتیں اور بہکے اب پا نہیں سکتے

سَبِيْلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ

راہ ۔ بڑی برکت ہے اس کی جو اگر چاہے کر دے تجھ کو اس سے بہتر

ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ
باغ نیچے بہتی نہریں، اور کر دے تجھ کو

قُصُوْرًا ⑩ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ
محل کوئی نہیں، وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو، اور ہم نے تیار کی ہے جو کوئی

بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ⑪ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ
جھٹلاوے قیامت کو اس کے واسطے آگ۔ جب وہ دیکھے گی ان کو دور جگہ سے

سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ⑫ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا
سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا۔ اور جب ڈالے جاویں گے اس میں ایک جگہ

ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ⑬ ۭ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ
تنگ، ایک زنجیر میں کئی بندے پکاریں گے اس جگہ موت کو۔ مت پکارو آج ایک

ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ⑭ قُلْ اَذٰلِكَ
مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو۔ تو کہہ بھلا یہ چیز

خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ
بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ملا پرہیزگاروں کو۔ وہ ہوگا

لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ⑮ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ
ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ۔ ان کو وہاں ہے جو چاہیں،

خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯ وَيَوْمَ
رہا کریں ہمیشہ۔ ہو چکا تیرے رب کے ذمے وعدہ مانگا پہنچتا۔ اور جس دن

يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ
جمع کر بلاوے گا ان کو، اور جن کو پوجتے ہیں اللہ کے سوا۔ پھر ان سے کہے گا، یہ تم نے

أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾

بہکایا میرے ان بندوں کو، یا وہ آپ بہکے راہ سے!

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ

بولیں گے تو پاک ہے ہم کو نہ آتا تھا کہ پکڑیں تیرے بغیر

مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ

کوئی رفیق، لیکن تو نے ان کو برتنے دیا اور ان کے

حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ

باپ دادوں کو یہاں تک کہ بھول گئے یاد۔ اور یہ تھے لوگ کھپنے والے۔ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو

بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ

تمہاری بات میں اب تم نہ پھیر دے سکتے ہو، نہ مدد کر سکتے ہو اور جو کوئی

وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾ وَمَا

تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھاویں گے بڑی مار۔ اور جتنے

أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ

بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا،

الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ

اور پھرتے تھے بازاروں میں۔ اور ہم نے رکھا ہے تم میں

لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ

ایک دوسرے کے جانچنے کو۔ دیکھیں ثابت رہتے ہو اور تیرا رب

بَصِيرًا ﴿٢٠﴾ ع

سب دیکھتا ہے۔

منکرین نبوت کا تیسرا شبہ اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۔ الی ۔ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۔

(ربط) منکرین نبوت کا یہ تیسرا شبہ ہے۔ منکرین نبوت یہ کہتے ہیں کہ یہ مدعی نبوت پانچ صفتوں کے ساتھ موصوف ہے اور یہ پانچوں صفتیں نبوت کے منافی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ شخص ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، پھر اس کو کیا فضیلت اور برتری کہ یہ ہمارا نبی بنے۔ سوم یہ کہ آپ کے ہمراہ خدا کا کوئی فرشتہ نہیں جو لوگوں کو آپ کی مخالفت سے ڈرائے۔ چہارم یہ کہ آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ نہیں اُترتا۔ جسے آپ لوگوں پر بے دریغ خرچ کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اور اپنے پیرؤں کو بھوک اور فاقہ سے بچائیں۔ پنجم یہ کہ اگر آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اُترتا تو کم از کم آپ کے پاس ایک باغ تو ہوتا جس سے آپ بے فکری سے کھا لیا کرتے، جب آپ میں کوئی شان امتیازی نہیں تو ہم کیسے یقین کریں کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان خیالات مہملہ کو نقل کر کے بتلا دیا کہ یہ سب نادانی اور جہالت کی باتیں ہیں اور اس قسم کے خیالات کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، جزاء اور سزا کے قائل نہیں اس لیے احکام اور قوانین کی پابندی ان پر شاق اور گراں ہے جب قیامت آئے گی تو پچھتائیں گے اور حسرتوں سے ہاتھ ملیں گے اور عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ پھر اخیر وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ میں ان کے تمام شبہات کا مختصر طور پر ایک الزامی جواب دیا کہ دیکھو کہ اگلے پیغمبر بھی کھاتے اور پیتے تھے اور بشری ضرورتوں کے لیے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور نہ کسی کے ساتھ کوئی فرشتہ تھا اور نہ کسی کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اُترا تھا اور نہ کوئی باغ اور زمین و جائیداد کا مالک تھا۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں تم کہتے ہو وہ نبوت و رسالت کے منافی نہیں اور نہ شان نبی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا سردارانِ قریش نے جیسے ابوجہل اور عتبہ اور امیہ وغیرہم نے کہ کیا حال ہے اس رسول کا کہ دعویٰ تو رسالت کا کرتا ہے اور لوگوں کی طرح کھانا کھاتا ہے اور طلب معاش کے لیے اوروں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تو اس کو ہم پر کیسے فضیلت حاصل ہوگئی اور یہ نبی کیسے ہوگیا یہ شخص تو ہم جیسا آدمی ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ فرشتہ ہوتا خیر اگر یہ خود فرشتہ نہیں تو اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا۔ جس کو ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے پس وہ اس کی نبوت کی گواہی دیتا اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو اس کی مخالفت سے ڈرانے والا ہوتا یا یہی ہوتا کہ اس پر آسمان سے کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا تاکہ تحصیل معاش کے لیے بازاروں میں جانے سے مستغنی ہو جاتا اور لوگوں کو داد و دہش کرتا اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی اس خصوصیت کو دیکھ کر لوگ اس کو رسول مان لیتے یا ادنیٰ درجہ یہ ہوتا کہ اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور کسب معاش کا محتاج نہ رہتا ان لوگوں نے نبوت و رسالت کو دنیاوی ریاست پر

قیاس کیا اور نبی اور رسول میں دنیاوی امیروں اور رئیسوں کی طرح دنیاوی سامان عیش و عشرت کے طلبگار اور جویا بنے اور ان ظالموں نے تو ظلم وستم کی حد ہی کر دی کہ مسلمانوں سے یہ کہا کہ بس تم تو ایسے شخص کے پیرو بن گئے ہو کہ جس پر جادو کر دیا گیا ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے اور وہ عجیب عجیب قسم کی باتوں سے تم کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ یہ کہتے کہ اس مدعی رسالت کو کوئی شان امتیازی حاصل نہیں، ہماری طرح یہ بھی کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اور جب آپ سے معجزات دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ شخص جادوگر ہے اور کبھی کہتے کہ یہ شاعر ہے اور کبھی کہتے کہ کاہن ہے اور کبھی کہتے کہ مجنون ہے۔ ان کا یہ اضطراب اس بات کی دلیل ہے کہ جو کہتے وہ آپ پر منطبق نہیں ہوتا تھا کسی بات پر قرار نہیں تھا کبھی کچھ کہتے اور کبھی کچھ کہتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی دیکھئے تو سہی کہ ان ظالموں نے کیسی کیسی مثالیں آپ کے لیے بنائی ہیں جو ان کے اضطراب اور سراسیمگی کی دلیل ہیں کسی بات پر ان کو قرار نہیں پس یہ لوگ حق سے بہک گئے پس اب راہ راست پر نہیں آسکتے بھٹکتے پھرتے ہیں اور پریشان باتیں بکتے ہیں کسی بات پر قائم نہیں ایسے کو راہ حق کہاں ملتی ہے۔

تفصیلی جواب

یہاں تک کافروں کے شبہ کا اجمالی جواب دیا، اب آئندہ آیات میں اس کا تفصیلی جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ بڑی ہی برکت والا ہے وہ خدا جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ پر یہ مبارک کتاب نازل کی ہے وہ اگر چاہے تو دنیا میں آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کرے۔ جن کی کفار آپ سے فرمائش کرتے ہیں یعنی دنیا ہی میں آپ کو ایسے باغات دیدے جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں اور دنیا ہی میں آپ کو ایسے عالیشان محل دیدے جو دنیا میں کسی فرمانروا نے دیکھے ہی نہ ہوں جن چیزوں کو کفار عجیب عزیب سمجھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے بہت حقیر ہیں۔ مال داران قریش نے جب حضرت رسالت پناہ کو فقر و فاقہ کی وجہ سے حقیر سمجھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے میرے پروردگار نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے مکہ کے پتھروں کو سونا بنا دوں میں نے عرض کیا کہ پروردگار میں یہ نہیں چاہتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھروں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں تو تیری طرف رجوع کروں اور گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیری تعریف کروں اور شکر کروں اور اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن میں آپ نے فقیری کو امیری پر ترجیح دی ان سب سے مقصود امت کی تعلیم وتفہیم تھی کہ دنیاوی ثروت فتنہ ہے اس میں نہ پڑیں بلکہ آخرت کی فکر کریں۔

تنبیہ بر منشأ انکار رسالت

در بیان بعض احوال و اہوال روز قیامت

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ..... الى ..... وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا

اب آئندہ آیات میں ان منکرین رسالت اور معترضین نبوت کے انکار کا منشاء بیان کرتے ہیں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب پر اس درجہ تلے ہوئے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ ان شبہات اور اعتراضات کا منشأ یہ نہیں کہ آپ کی شان درویشی و فقیری ان کے ایمان اور ہدایت سے مانع بنی ہوئی ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں جس سے آپ ان کو ڈراتے ہیں پس انکار نبوت اور تکذیب رسالت کا اصل منشاء تکذیب قیامت ہے۔ ان کی نظر صرف اسی حطام دنیا پر مقصود ہے ان کا گمان یہ ہے کہ عزت و کرامت کا دار و مدار اسی دنیا کی مال و دولت پر ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب اور عذاب کے قائل نہیں اور حالانکہ قیامت حق ہے اور جزاء و سزا حق ہے ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام سعیر ہے اور اس دوزخ کی صفت یہ ہے کہ جب وہ ان منکرین قیامت کو دور سے دیکھے گی یعنی سو برس کی مسافت کے فاصلہ سے دیکھے گی تو ان کو دیکھتے ہی جوش غضب سے بھڑک اٹھے گی اور یہ منکرین قیامت اس جہنم کے جوش غضب کو اور اس کے چلانے کی آواز کو دور سے سنیں گے۔ جیسے غصہ والا چلاتا ہے اور شیر غراتا ہے، اسی طرح جہنم ان منکرین قیامت کو دیکھ کر جوش میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ و غضب سے بھڑک اٹھے گی۔ کما قال تعالیٰ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ الآیۃ۔

اور یہ منکرین قیامت جب زنجیروں میں جکڑے ہوئے جہنم کی کسی تنگ و تاریک جگہ میں ڈال دیے جائیں گے تو وہاں ہلاکت اور موت کو پکاریں گے کہ اے موت اور اے ہلاکت تو کہاں ہے یہ وقت نہایت مصیبت کا ہے تو آجا تاکہ یہ بلا ہم سے ٹلے اور اس مصیبت کا خاتمہ ہو۔ حاصل یہ کہ منکرین قیامت جب کسی تنگ جگہ میں ٹھونس دیے جائیں گے تو اس وقت اپنی ہلاکت اور حسرت کو آوازیں دیں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ وہاں انواع و اقسام عذاب کی کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں لہٰذا تم ہزاراں ہزار بار موت اور ہلاکت کو پکارتے رہو۔ کتنا ہی پکارو۔ تمہاری سب پکار بے فائدہ اور بے کار ہے۔

اے نبی آپ ان منکرین قیامت کو یہ حال اور مآل سنا کر کہہ دیجئے کہ تم نے مکذبین کا انجام سن لیا اب تم فیصلہ کر لو کہ یہ ذلت اور مصیبت بہتر ہے جو تمہارے انکار اور تکذیب کا نتیجہ ہے یا وہ جنت الخلد بہتر ہے جس کا اہل ایمان اور اہل تقویٰ سے وعدہ ہو چکا ہے یہ جنت الخلد ان کے اعمال کا صلہ ہے اور ان کا آخری ٹھکانہ ہے ان کے لیے وہاں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں کسی نعمت کو زوال نہ ہوگا۔ اے پیغمبر یہ تیرے پروردگار کا ایک وعدہ ہے جو اس کے ذمہ ہے جو وعدہ کے مطابق اس سے مانگا جائے گا۔ اہل ایمان اس سے درخواست کریں گے رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ اور فرشتے بھی اہل ایمان کے لیے درخواست کریں گے رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ۔

اب آئندہ آیات میں قیامت کے دن مشرکوں کی ملامت اور ندامت کا بیان ہے اور اے نبی آپ ان کافروں کے سامنے اس دن کا ذکر کیجئے کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے معبودوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔ میدان حشر میں سب کو جمع کرے گا پھر ان معبودوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی راہ حق سے گمراہ ہوئے تو وہ معبودین عرض کریں گے ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں تو شریک سے پاک اور منزہ ہے کوئی تیرا شریک نہیں ہو سکتا، ہم تیرے بندے ہیں تیری تقدیس اور تنزیہ سے خوب واقف ہیں۔ ہمارے لیے یہ لائق نہیں کہ ہم تیرے سوا کسی کو دوست بنائیں۔ چہ جائیکہ تیرے سوا کسی کو معبود ٹھہرائیں ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تیرے سوا کسی کو اپنا یار و مددگار بناتے یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام اور فرشتے وغیرہ وغیرہ سب کہیں گے۔ مطلب جواب کا یہ ہے کہ ہم نے ان کو گمراہ نہیں کیا اور نہ ان کو گمراہی کی دعوت دی بلکہ یہ لوگ خود گمراہ ہوئے۔ حاصل یہ کہ خدا کی پیش فرمودہ دو شقوں میں سے جواب کے لیے اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ کی شق کو اختیار کیا یعنی اے پروردگار یہ لوگ خود ہی تیری راہ سے بہک گئے ہم ان کی گمراہی کا سبب نہیں بنے لیکن تو نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا میں طول عمر اور صحت اور نعمت کے ساتھ نفع پہنچایا یہاں تک کہ یہ لوگ دنیوی نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر تیری یاد کو بھول گئے اور اس طرح یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہو گئے یعنی تیری نعمت اور احسان کا مقتضا یہ تھا، یہ لوگ اپنے منعم حقیقی کو پہچانتے اور اس کا شکر اور اطاعت بجالاتے مگر وہ نفسانی شہوتوں اور لذتوں میں ایسے غرق ہوئے کہ اسباب شکر کو اسباب کفر بنالیا اور اے پروردگار تیرے علم ازلی میں پہلے ہی سے یہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے چونکہ اس سوال وجواب سے مشرکین کی توبیخ اور ملامت مقصود ہوگی اس لیے اس جواب کے بعد مشرکین کو مخاطب بنا کر کہا جائے گا اے مشرکو! یہ تمہارے معبود ہیں تم نے ان کا جواب سن لیا۔ سو یہ معبود تم کو تمہارے قول میں جھٹلا چکے اور تمہارے منہ پر تم کو جھوٹا ٹھہرا دیا اور تمہاری حرکات سے اپنی بیزاری ظاہر کر دی جس سے تمہارا جرم پوری طرح واضح ہو گیا پس اب تم نہ از خود عذاب کو اپنے اوپر سے دفع کر سکتے ہو اور نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو اب تو وقت سزا کا ہے جس کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اور تم میں سے جو کافر ہے یعنی مشرک ہے ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے کوئی شخص اس عذاب کو ظالموں سے پھیر نہیں سکے گا۔ اب آئندہ آیات میں مشرکین کے پھر

اس طعن کا جواب دیتے ہیں کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ جو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اے نبی ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کی یہی شان اور صفت تھی کہ وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ کھانا پینا اور بازاروں میں ضرورت کیلئے جانا منصب نبوت کے منافی نہیں، پس مشرکین کا آپ پر یہ طعن کرنا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں جاتا ہے بالکل بے جا ہے اللہ کی سنت تمام نبیوں میں یہی رہی۔

اور ہم نے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے امیروں کی آزمائش غریبوں سے ہے کہ وہ ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھیں اور غریبوں کی آزمائش امیروں سے ہے کہ وہ ان پر حسد نہ کریں اسی طرح اللہ تعالےٰ نے انبیاء کی صورت بشریہ اور حوائج انسانیہ کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا کہ لوگ ان کے ظاہر کو دیکھ کر یہ خیال کریں کہ ان میں اور ہم میں کیا فرق ہے۔ ظاہری صورت کے اعتبار سے تو ایک نادان اور حکیم لقمان میں کوئی فرق نہیں۔

اے مسلمانو۔ کیا تم کافروں کی اس طعن و تشنیع پر صبر کرو گے۔ کافروں کی یہ طعن و تشنیع تمہارے لیے آزمائش ہے۔ دیکھیں کس حد تک صبر کرتے ہو اور تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے وہ کافروں کی ایذاء اور طعن و تشنیع کو بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے صبر و تحمل کو بھی دیکھ رہا ہے ہر ایک کو اس کے مطابق اجر دے گا۔

الحمد للہ اٹھارویں سپارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔
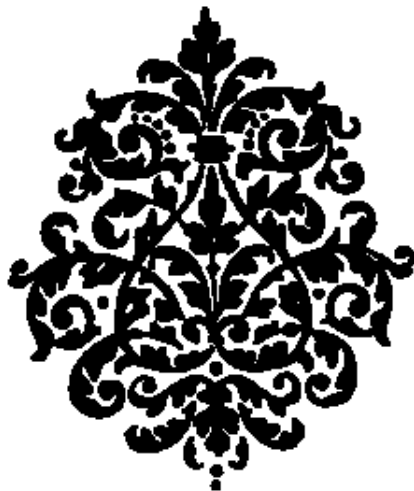
وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ

اور بولے جو لوگ امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے، کیوں نہ اترے

عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

ہم پر فرشتے یا ہم دیکھتے اپنے رب کو۔ بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں،

وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى

اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں۔ جس دن دیکھیں گے فرشتے، کچھ خوشخبری نہیں

يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ

اس دن، گناہ گاروں کو: اور کہیں گے کہیں روکی جاوے کوئی اوٹ۔ اور ہم پہنچے ان

اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

کے کاموں پر جو کیے تھے پھر کر ڈالا اس کو خاک اڑتی۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ

بہشت کے لوگ اس دن خوب رکھتے ہیں ٹھکانا اور خوب جگہ دوپہر

مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ

کے آرام کی۔ اور جس دن پھٹ جاوے آسمان بدلی سے اور اتارے فرشتے

تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ

اتار لگاکر۔ راج اس دن سچا ہے رحمٰن کا۔ اور ہے

يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ

وہ دن منکروں پر مشکل۔ اور جس دن کاٹ کاٹ

عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ

کھاوے گا گنہگار اپنے ہاتھ کہے گا، کسی طرح میں نے پکڑی ہوتی رسول کے ساتھ

سَبِيۡلًا ۝۲۷ يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا ۝۲۸

راہ۔ اے خرابی میری کہیں نہ پکڑا ہوتا میں نے فلانے کی دوستی۔

لَقَدۡ اَضَلَّنِىۡ عَنِ الذِّكۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِىۡ ؕ وَكَانَ

اس نے بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے، مجھ تک پہنچے پیچھے۔ اور ہے

الشَّيۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ۝۲۹ وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ

شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا۔ اور کہا رسول نے اے رب میرے

اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ۝۳۰ وَكَذٰلِكَ

میری قوم نے ٹھہرایا اس قرآن کو جھک جھک۔ اور اسی طرح

جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ؕ وَكَفٰى

رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے دشمن گناہ گاروں میں سے۔ اور بس

بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيۡرًا ۝۳۱

ہے رب تیرا راہ دکھانے کو، اور مدد کرنے کو۔

منکرین نبوت کا چوتھا شبہ اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ... الیٰ ... هَادِيًا وَّنَصِيۡرًا۔

(ربط) منکرین نبوت کا چوتھا شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جو ہمارے سامنے آکر آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے کہ یہ شخص دعوائے نبوت میں صادق ہے یا ہم بلاواسطہ اللہ کو دیکھتے اور بلاواسطہ خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہم کو خود بتلا دیتا کہ یہ شخص میرا نبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے اس جاہلانہ اور احمقانہ اور گستاخانہ اور مغرورانہ سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ بڑے ہی سرکش اور متکبر ہیں کہ وہ اپنے آپکو اس مرتبہ کا سمجھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کو دیکھیں اور خود اللہ تعالیٰ سے آپکی بابت دریافت کریں یا کوئی فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر ان کے پاس آئے خوب سمجھ لیں کہ فرشتہ انکے پاس اللہ کا پیغام

لے کر نہیں آئیگا بلکہ عذاب الٰہی لیکر آئے گا اس وقت غرور کا سارا نشہ کافور ہو جائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا ان لوگوں نے جو ہمارے سامنے پیش ہونے کی امید نہیں رکھتے یعنی جو قیامت اور جزاء اور سزا کے قائل نہیں اور اسی وجہ سے وہ نبوت کے منکر ہیں انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے جو ہم سے آکر اللہ کا پیغام پہنچا دیتے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یا ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیتے اور وہ خود ہم سے کہہ دیتا کہ یہ ہمارا رسول ہے۔ تحقیق ان لوگوں نے اپنے زعم میں اپنے آپکو بہت بڑا سمجھا کہ اپنے آپکو اس لائق خیال کیا کہ خدا تعالےٰ ان سے بالمشافہ کلام کرے یا فرشتوں کو اپنا پیغام دیکر انکے پاس بھیجے اور سرکشی کی سخت سرکشی کرنا کہ اپنے گندے اور خبیث نفسوں کے لیے ایسے بلند مقام کے طالب ہوئے جو خدا تعالےٰ کے خاص الخاص برگزیدہ بندوں کے لیے مخصوص ہے۔ خیر خدا تعالیٰ کے دیکھنے کے تو کیا لائق ہوتے البتہ یہ لوگ فرشتوں کے دیکھنے کے مشتاق ہیں سو اسکی صورت یہ ہوگی کہ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی قیامت کے دن یا مرنے کے وقت تو اس دن مجرموں کے لیے کوئی بشارت اور خوشی کا وقت نہ ہوگا بلکہ ذلت وخواری اور غضب الٰہی کے سنانے اور دکھلانے کا وقت ہوگا اور فرشتے اس وقت کافروں سے کہیں گے کہ آج تم پر فلاح اور خوبی حرام اور ممنوع قرار دی گئی۔ یعنی آج کے روز تم پر راحت وآرام سب حرام ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَيَقُولُونَ کی ضمیر مجرمین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ مجرمین ملائکۂ عذاب کو دیکھ کر کہیں گے پناہ پناہ ہے یعنی ہم کو پناہ دو اور چھوڑ دو لیکن انکو پناہ کچھ نہیں ملے گی بہر حال مطلب یہ ہے کہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ ان پر فرشتے اتریں اور وہ ظاہر طور پر ان کو دیکھیں۔ سو جان لینا چاہیئے کہ فرشتے انکو موت کے وقت نظر آئیں گے اور ان کے مونہوں پر اور ان کے سروں پر گرز ماریں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ۔

اور علیٰ ہذا یہ مجرمین قیامت کے دن بھی فرشتوں کو دیکھیں گے مگر بشارت اور مسرت کا کوئی سامان نہ ہوگا بلکہ ذلت اور خواری کا سامان ہوگا۔ بخلاف اہل ایمان کے کہ موت کے وقت فرشتے ان پر نازل ہونگے اور خیرات ومسرات کی انکو خوشخبری سنائیں گے۔ کما قال تعالےٰ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اب تو تم فرشتوں کے دیکھنے کی تمنا کر رہے ہو اور جب وہ فرشتے آئیں گے تو تم پناہ مانگو گے تم اس قابل نہیں کہ تم پر اللہ کا فرشتہ اللہ کا پیغام لیکر آئے بلکہ تم اس قابل ہو کہ تم پر اللہ کا فرشتہ اللہ کا قہر اور عذاب لے کر نازل ہو اور پھر اس روز ہم انکے ان اعمال کی طرف متوجہ ہونگے جن کو دنیا میں انہوں نے نیک کام سمجھ کر کیا تھا جیسے صلہ رحمی اور مہمان داری اور مظلوموں کی دادرسی اور یتیموں کی خبر گیری۔ سو ہم انکو ہوا میں بکھرا ہوا غبار کر دیں گے یعنی بکھرے ہوئے غبار کی طرح انکو رائیگاں اور بیکار کر دیں گے مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کو حبط اور بے کار کر دیں گے اس لیے کہ وہ اعمال اگرچہ ظاہری صورت کے اعتبار سے اچھے اور خوشنما تھے مگر بے جان اور بے روح تھے اعمال کی روح ایمان اور

اخلاص ہے لہٰذا جو عمل ایمان اور اخلاص سے خالی ہو وہ بے روح اور بے جان ہے اور شریعت میں قبول اعمال کے لیے ایمان اور اخلاص شرط ہے اور ایمان انکو نصیب نہ تھا ایسے اعمال جو ایمان سے خالی ہوں وہ آخرت کے لائق نہیں آخرت میں انکا کوئی وجود ہی نہ ہوگا اور کافروں کے ایسے اعمال کا عوض انکو دنیا ہی میں دیا جاتا ہے۔ آخرت کا ثواب ان اعمال پر ملتا ہے جو ایمان پر مبنی ہوں اور کافروں کے اعمال ایمان نہ ہونے کی وجہ سے بے جان ہیں لہٰذا کفار آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے اور ان کے تمام اعمال نیست و نابود اور ملیامیٹ کر دیئے جائیں گے۔ برخلاف اہل ایمان کے کہ انکا حال انکے برعکس ہوگا۔ انکو ان کے اعمال کا صلہ ملے گا اس روز اہل جنت قیامگاہ اور قرارگاہ کے اعتبار سے بہت اچھے اور بلحاظ خواب گاہ اور آرام گاہ کے بھی بہت عمدہ ہونگے مستقر کے معنی قرارگاہ یعنی ٹھکانہ کے ہیں جہاں خاص اوقات میں اپنی ازواج کے ساتھ راحت حاصل کرتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو عیش و راحت کے تمام سامان حاصل ہونگے حق جل شانہٗ کے اس قول يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ - میں روز قیامت کی عظمت و ہیبت کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیت میں پھر روزِ قیامت کے ہول و دہشت کو بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اور منجملہ امورِ عظیمہ کے جو قیامت کے دن پیش آئیں گے آسمان کا شق ہو جانا اور فرشتوں کا نازل ہونا ہے جس دن آسمان بدلی سے پھٹ جائیگا یعنی آسمان پھٹے گا اور اس سے ایک بادل نمودار ہوگا یعنی حق جل شانہٗ کی ایک خاص تجلی ہوگی اس وقت اللہ جل شانہٗ ثقلین کے حساب و کتاب کے لیے تجلی فرمائیں گے اور بکثرت فرشتے اتارے جائیں گے اور ان کے ہاتھوں میں مخلوق کے نامہائے اعمال ہوں گے۔ نازل ہو کر سب مخلوق کو گھیر لیں گے۔

اس آیت کا مضمون تقریباً وہی ہے جو پارۂ دوم کے نصف کے قریب هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ -

غمام کے معنی سفید بادل کے ہیں ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں غمام سے نور عظیم کا سائبان مراد ہے جس سے آنکھیں چکاچوند ہو جائیں اور غالباً اسی نورانی بادل کو ابو رزینؓ کی حدیث میں عَمَآء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غیابۃ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے ایک بادل میں اوپر تشریف لے گئے۔ واللہ اعلم

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو یعنی يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا۔ کو پڑھا اور پھر فرمایا کہ جب قیامت کے دن تمام جن اور انس اور وحوش و طیور میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے تو اول آسمان دنیا شق ہوگا اور اس سے فرشتے نازل ہونگے پھر بقیہ ساتوں آسمان شق ہونگے اور فرشتے نازل ہو کر تمام خلائق کا احاطہ کر لیں گے بعد ازاں ابر کے سائبانوں میں حق جل شانہٗ کا نزول اجلال ہوگا تاکہ بندوں کے اعمال

لہ قال ابن کثیر یخبر تعالیٰ عن ھول یوم القیامۃ وما یکون فیہ من الامور العظیمۃ فمنھا انشقاق السماء وتفطرھا وانفراجھا بالغمام وھو ظلل النور العظیم الذی یبھر الابصار ونزول ملٰئکۃ السمٰوات یومئذ فیحیطون بالخلائق فی مقام المحشر ثم یجیٔ الرب تبارک و تعالیٰ لفصل القضاء۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۵ ج ۳)

کا حساب وکتاب کر دیا جائے اور انکی جزا و سزا کا فیصلہ سنا دیا جائے (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

تنبیہ [1] جاننا چاہیئے کہ قرآن اور حدیث میں جو حق تعالےٰ کی نسبت آنا اور اترنا مذکور ہوا ہے سو اس سے حق جل شانہٗ کی تجلی اور اسکا ظہور مراد ہے جو اسکی شان کے لائق ہے جس طرح حق تعالےٰ کی ذات بے چون و بیچگون ہے اور جسمانی مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اسی طرح اسکی صفات اور اس کے افعال مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں جیسے قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ میں حق کے آنے سے حق کا ظہور مراد ہے اور باطل کے جانے سے اسکا فنا و زوال مراد ہے جسم کی طرح آنا اور جانا مراد نہیں کہ جس طرح جسم کے آنے اور جانے سے انتقال مکانی مراد ہوتا ہے اس قسم کا انتقال مکانی مراد نہیں اسی طرح اللہ تعالےٰ کے نزول اجلال کو سمجھو۔

اس روز یعنی جس دن آسمان شق ہو گا ظاہراً و باطناً سلطنت رحمٰن ہی کی ہو گی۔ صرف اسی کا حکم چلے گا ظاہری اور مجازی بادشاہت بھی کسی کو حاصل نہ ہو گی۔ اس جگہ آیت میں لفظ رحمٰن کا ہے اور دوسری آیت میں لفظ قہار کا آیا ہے کما قال لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔ شاید اس آیت میں رحمٰن کا لفظ اہل ایمان کی تسلی کے لیئے لایا گیا ہو کہ وہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں ۔ اور یہ دن کافروں پر بہت ہی سخت ہو گا اور رہے مؤمن تو ان پر سخت نہ ہو گا۔ کما قال تعالیٰ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ الآیہ اور جس دن ظالم کو اپنی بدکاری یاد آوے گی اور حسرت و ندامت سے اپنے دونوں ہاتھوں پر دانت مارے گا کہ انکو چبا جائے جیسے حسرت کرنیوالا کیا کرتا ہے اس آیت میں ظالم سے عقبۃ بن ابی معیط مراد ہے جو مسلمان ہو گیا تھا۔ یا مائل بہ اسلام ہو گیا تھا مگر ابی بن خلف کے کہنے سے اسلام سے برگشتہ ہو گیا اور بار بار کہے گا کہ کاش میں دنیا میں رسول کے ساتھ راہ بنا لیتا۔ ہائے میری ہلاکت اور بربادی۔ کاش میں دنیا میں فلاں شخص کو یعنی ابی بن خلف کو اپنا دوست نہ بناتا بے شک اسی فلانے دوست نے مجھ کو نصیحت اور ہدایت سے بہکایا جب کہ وہ نصیحت اور ہدایت میرے پاس آچکی تھی۔ اور شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے اور محمد رسول اللہ اس دن یہ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری قوم قریش نے اس قرآن کو متروک یعنی چھوڑا ہوا بنا دیا کہ اس قرآن کی طرف توجہ نہ کی نہ خود سنا اور نہ دوسروں کو سننے دیا جب میں انکے سامنے پڑھتا تھا تو شور و غل مچا دیتے تھے۔ کما قال تعالیٰ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيهِ۔

اب آگے آپکی تسلی فرماتے ہیں اور اے نبی آپ انکی باتوں سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں جس طرح ہم نے تیری قوم کے کافروں کو تیرا دشمن بنایا ہے اسی طرح ہم مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں اور وہ صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح آپ بھی صبر کیجیے اور تیرا پروردگار کافی ہادی اور مددگار ہے تو تسلی رکھ تیرا پروردگار تجھ سے ہدایت جاری کریگا اور دشمنوں

---

[1] قال الامام القرطبی و یاتی الرب جل و عز فی الثمانیۃ الذین یحملون العرش لفصل القضاء علی مما یجوز ان یحمل علیہ اتیانہ لا علی ما تحمل علیہ صفات المخلوقین من الحرکۃ والانتقال۔ تفسیر قرطبی صـ۲۴ ج ۱۳۔

کے مقابلہ میں تیری نصرت اور یاوری کرے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر

الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ

قرآن سارا ایک جگہ اسی طرح اتارا تھا

بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ

تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اسکو ٹھہر ٹھہر کر۔ اور نہیں لاتے تجھ پاس کوئی کہاوت

اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ ۗ اَلَّذِيْنَ

کہ ہم نہیں پہنچاتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر۔ جو لوگ گھیرے

يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ

آویں گے اوندھے پڑے منہ پر دوزخ کی طرف۔ انہی کا برا درجہ

مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ۧ

ہے۔ اور بہت بہکے ہیں راہ سے۔

منکرینِ نبوت کا پانچواں شبہ اور اسکا جواب

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ... الیٰ ... وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

(ربط) قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے متعلق کفار کا ایک شبہ یہ تھا کہ یہ توریت اور انجیل کی طرح ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کردیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس سے مقصود اپنے رسول کے قلب کی تقویت ہے اور اس کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں جو دوسری آیتوں میں مذکور ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کافروں نے کہا کہ اس شخص پر یہ قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کیا گیا۔ اگر

یہ قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو تدریجاً نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اس تدریج سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن محمدؐ کی تصنیف ہے سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا بنا لیتے ہیں جیسا کہ مصنفین کا طریقہ ہے۔ آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن کو اسی طرح تھوڑا تھوڑا متفرق طور پر آیت آیت کر کے اس لیے اتارا تاکہ اسکے ذریعہ تیرے دل کو قوت دیں اور اس کو ثابت اور مضبوط کر دیں اس لیے کہ قرآن اللہ کا کلام اور پیغام ہے اور تقویت قلب کا سامان ہے اور روح القدس کی بار بار آمد یہ بھی تائید اور تقویت کا سامان ہے اور یہ قرآن آپکے قلب مبارک پر نازل ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن آپکے قلب پر نازل کیا تاکہ اس تدریجی نزول سے بتدریج قلب مبارک اس درجہ قوی اور مضبوط ہو جائے کہ جس کلام الٰہی کی تجلی کو پہاڑ برداشت نہ کر سکے اسکو آپ کا قلب مبارک بسہولت برداشت کر سکے چنانچہ (۱) جب کبھی کوئی جدید وحی نازل ہوتی تو آپ کی بصیرت اور قوت قلب میں اور زیادتی ہو جاتی باران رحمت کا آسمان سے تھوڑا تھوڑا نازل ہونا کھیتی کی درستگی اور پختگی کا سامان ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی جدید آیت نازل ہوتی تو صحابہؓ کے ایمان میں اور زیادتی ہو جاتی۔ (۲) نیز وقتاً فوقتاً آیات کا حسب موقعہ اور حسب واقعہ اور حسب ضرورت نازل ہونا مزید بصیرت کا سبب ہے جس سے یقین اور معرفت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور مراد کے سمجھنے میں سہولت ہو جاتی ہے (۳) نیز وقتاً فوقتاً جبریل امینؑ کا آنا فقط آپکے قلب مبارک کی تسلی اور تسکین کا باعث نہ تھا بلکہ سب کے لیے موجب صد خیر و برکت تھا۔ (۴) کفار دشمنی اور عداوت پر تلے ہوئے تھے جب کوئی نیا عناد دیکھتے تو آپ پریشان ہو جاتے تو آپ کی تسلی کے لیئے کوئی آیت نازل ہو جاتی جو آپکی تقویت قلب کا باعث ہوتی۔ (۵) علاوہ ازیں قرآن کریم میں ایسے احکام بھی ہیں جن میں ناسخ اور منسوخ بھی ہیں جنکا تعلق مختلف اوقات سے ہے اور ظاہر ہے کہ ناسخ و منسوخ دونوں کا بیک وقت نازل ہونا اور آن واحد میں دونوں کا جمع ہونا غیر معقول ہے (۶) نیز قرآن کریم کی بہت سی آیتیں مشرکین کے اعتراضات کے جوابات میں نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جواب سوال اور اعتراض کے بعد ہوتا ہے اور اعتراض کے بعد شافی جواب کا مل جانا خاص بصیرت اور معرفت کا سبب ہوتا ہے۔ نیز بہت سی آیتیں نئے واقعات کے فیصلہ کے متعلق نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ فیصلہ تو واقعہ کے وقوع کے بعد ہی ہوگا (۷) نیز قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور آپ کفار سے یہ کہتے کہ اگر تم کو اسکے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہے تو ایک آیت اسکے مثل بنا لاؤ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو ہر بار قرآن کا اعجاز اور انکا عجز ظاہر ہوتا تو ثابت ہو گیا کہ جب بلغاء عرب ایک آیت کے مثل لانے سے عاجز ہیں تو پورے قرآن کے مثل لانے سے بدرجہ اولیٰ عاجز ہیں۔ مختصر یہ کہ مشرکین کا یہ اعتراض محض بے حاصل ہے قرآن چاہے دفعۃً نازل ہو یا تھوڑا تھوڑا وہ ہر حال میں معجز ہے کسی طرح نازل ہو۔ اسکے اعجاز میں فرق نہیں آتا۔ قرآن کریم کا نزول ایک دفعہ ہو یا متفرق طور پر وہ بہر صورت معجز ہے، یہ تمام کلام امام رازیؒ کے کلام کی تشریح ہے۔ حضرات اہل علم تفسیر کبیر ص ۲۷۲ ج ۶ کی مراجعت کریں اور اسی وجہ سے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر آپکو یہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ تاکہ جب ہر بات کا جواب آپکو وقت پر ملتا رہے تو آپکا قلب ثابت رہے اور مسلمانوں کو بھی تسکین ہوتی رہے۔ اسی مصلحت کے لیے ہم نے اس قرآن کو تئیس سال کی مدت میں ٹھہر ٹھہر کر اتارا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ چند روز طبیب کے پاس رہ کر علاج کرایا جائے اور جیسے جیسے حالات بدلتے رہیں اسکے مطابق نسخہ میں تغیر اور تبدل ہوتا رہے ایک ہی مرتبہ نسخہ بتلا دینے میں مریض کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ

تدریجی علاج میں ہے اور چونکہ شرائع سابقہ چند روزہ تھیں اور ایک خاص قوم اور جماعت کے لیے تھیں اس لیے ان میں ان مصالح کی رعایت نہیں کی گئی۔

اور اے نبی نہیں لائیں گے یہ کافر کوئی مثال جو تجھ پر ڈھالیں جس سے تجھ پر یا اس قرآن پر اعتراض کریں مگر ہم اس کے جواب میں تیرے پاس امر حق کو لائیں گے جس سے انکی وہ مثال باطل ہو جائیگی اور حق ثابت ہو جائے گا اور اس کے مقابلہ میں نہایت صاف اور واضح بیان لیکر آئیں گے جس سے انکا اعتراض اور شبہ ایسا دفع ہو جائیگا کہ بولنے کی گنجائش ہی نہ رہے الا یہ کہ جس کی عقل ہی اندھی ہو گئی ہو اب آئندہ آیت میں ان کا انجام فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مونہوں کے بل دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے دنیا میں اندھی اور اوندھی چال چل رہے تھے اسی طرح وہ آخرت میں بجائے پیروں کے منہ کے بل چلائے جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اوندھے منہ کے بل چلائے جائیں گے اور اپنے منہ سے راستہ کے کانٹے کو ہٹائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اسکو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے یعنی سر کے بل چلانا اور پیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں اندھے ہو گئے اور زمین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور بلندی سے اعراض کیا اس لیے انکا حشر اسی ہیئت کے ساتھ ہو گا ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اوندھے۔ باعتبار مکان کے یا باعتبار مرتبہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لیے انکا حشر منہ کے بل ہو گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور ٹھہرایا اس

مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ

کے ساتھ اسکا بھائی ہارون کام بٹانے والا۔ پھر کہا ہم نے تم دونوں

اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿٣٦﴾

جاؤ ان لوگوں پاس، جنہوں نے جھٹلائی ہماری باتیں۔ پھر دے مارا ہم نے انکو اکھاڑ کر۔

ذکر قصص انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام

یہاں تک منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات کا ذکر تھا اب اس کے بعد مختصراً چند انبیاء کرام کے

واقعات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ کفار کو تنبیہ ہو جائے کہ منکرین نبوت کس ذلت و خواری کے ساتھ ہلاک ہوئے تاکہ اہل عرب ان سے عبرت پکڑیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے باز آجائیں اور یہ واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تقویت قلب کا باعث بنیں جیسا کہ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ۔ میں اسکا ذکر فرمایا تھا کہ مقصود تثبیت قلب نبوی ہے کہ آپ سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے۔ آپ غمگین نہ ہوں اس میں اللہ کی حکمت بالغہ ہے۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔

قصۂ اول موسیٰ علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ..... الیٰ ..... فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا۔

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے غرق ہونے کے بعد کتاب یعنی توریت عطا کی جو بڑی جلیل القدر کتاب تھی جس میں ہدایت اور نور تھا اور ہم نے انکے ساتھ انکے بھائی ہارون کو انکا وزیر یعنی انکا معین اور مددگار بنا دیا جو دعوت اور تبلیغ میں انکی مدد کریں۔ پھر ہم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے چنانچہ یہ دونوں گئے اور قوم فرعون کو جا کر دعوت دی مگر انہوں نے ان دونوں کو بھی جھٹلایا تو ہم نے انکو بحر قلزم میں غرق کر کے ہلاک کر دیا پوری طرح ہلاک کرنا یعنی انکا کل نیست اور نابود کر دیا اور انکی املاک کا بنی اسرائیل کو وارث کر دیا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ

اور نوح کی قوم کو جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو، ہم نے انکو ڈبا دیا اور کیا ان کو

لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۳۷

لوگوں کے حق میں نشانی۔ اور رکھی ہے ہم نے گناہ گاروں کے واسطے دکھ کی مار۔

دوسرا قصہ قوم نوح علیہ السلام

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ ... الیٰ ... عَذَابًا اَلِيْمًا۔

اور موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہم نے قوم نوح کو طوفان میں غرق کیا جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کے واقعہ کو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیا تاکہ اس سے عبرت پکڑیں اور آخرت میں ان ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر

رکھا ہے۔ قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے تھے جیسے حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام انکی بھی تکذیب کی یا یہ معنی ہیں کہ ایک رسول کی تکذیب سارے رسولوں کی تکذیب کے مساوی ہے یا یہ معنی ہیں کہ مطلقاً بعثت رسل کا انکار کیا۔

وَّ عَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ

اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو اور کتنی سنگتیں اس

ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا

بیچ میں بہت۔ اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے کہاوتیں اور سب کو

تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

کھو دیا ہم نے کھپا کر۔

قصۂ سوم مشتمل بر ذکر قصۂ قوم عاد و ثمود و اصحاب رس و دیگر امم

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَا۟ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ ... الیٰ ... وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝ اور اسی تکذیب کی وجہ سے ہم نے قوم عاد کو باد صرصر سے ہلاک کیا جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی اور قوم ثمود کو صالح علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے صیحہ سے ہلاک کیا جس سے انکے کلیجے پھٹ گئے اور کنوئیں والوں کو شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا اور رس ایک کنوئیں کا نام ہے یا کسی بستی کا نام ہے جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کسی اور نبی کی قوم تھی جنہوں نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں بند کر دیا۔ ان پر اللہ کا عذاب آیا اور ہلاک ہوئے اور وہ رسول خلاص ہوا اور اسی تکذیب کی وجہ سے انکے درمیان بہت سی امتوں کو ہلاک کیا جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور ہر ایک کی نصیحت اور ہدایت کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں تاکہ حق کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور کوئی شبہ نہ رہے مگر وہ لوگ پھر بھی حق کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جب تکذیب اور انکار پر تل گئے تو پھر ہم نے ہر ایک کو غارت کر دیا اچھی طرح غارت کرنا کہ قصہ ہی ختم کر دیا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ

اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اس بستی پاس جن پر برسا بُرا برساؤ۔

اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ

کیا دیکھتے نہ تھے اس کو؟ نہیں پر امید نہیں رکھتے

نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

جی اٹھنے کی۔

قصۂ چہارم قوم لوط علیہ السلام

اور البتہ تحقیق یہ اہل مکہ ملک شام کو آتے جاتے اس بستی پر گزرے ہیں جس پر پتھروں کی بُری بارش برسائی گئی، اس سے قوم لوط کی بستی سدوم مراد ہے کیا گزرتے وقت ان بستیوں کو دیکھا نہیں کہ عذاب کے آثار دیکھ کر عبرت پکڑتے سو عبرت پکڑنے کی یہ وجہ نہیں کہ ان بستیوں کو دیکھا نہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ انکو حشر ونشر کی کوئی امید نہیں اور نہ انکو ڈر ہے یعنی یہ لوگ حشر ونشر کے قائل ہی نہیں جو عذاب سے ڈریں۔

اس زمانہ کے بعض ملحد یہ کہتے ہیں کہ اسی قطعۂ زمین کے نیچے گندھک اور کوئلہ کی کان تھی، ان کے باہم ملنے سے آگ پیدا ہوئی اور زمین پھٹ کر پتھر برسنے لگے اور بستی تہ و بالا ہو گئی۔

یہ سب گپ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ فلاں وقت عذاب آئے گا۔ حسب خبر خداوندی لوط علیہ السلام مع مسلمانوں کے وہاں سے نکل گئے اور عذاب الٰہی سے بچ گئے اور باقی عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے حتیٰ کہ جو کوئی اس قوم کا فرد کہیں باہر تھا وہ بھی آسمانی پتھر سے ہلاک ہوا۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ

اور جہاں تجھ کو دیکھا کچھ کام نہیں تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے

اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا

کیا یہی ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دیکر؟ یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے

عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

ٹھاکروں سے، کبھی ہم نہ ثابت رہتے ان پر۔ اور آگے جانیں گے

حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ

جس وقت دیکھیں گے عذاب کو کون بہت بچلا ہے راہ سے۔ بھلا دیکھ تو

مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾

جس نے پوجنا پکڑا اپنی چاؤ کا۔ کہیں تو لے سکتا ہے اسکا ذمہ۔ ؟

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ

یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں ؟ اور کچھ

اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ بہکے ہیں بہت راہ سے۔

تشنیع کفار بر استہزاء سید الابرار

قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ... الیٰ ... بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔

(ربط) اوپر سے سلسلۂ کلام کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات کا چلا آرہا تھا جس سے مقصود کفار کی تشنیع اور ملامت تھی اب آئندہ آیات میں پھر کفار کے ذمائم اور شنائع قولیہ اور فعلیہ کو بیان کرتے ہیں کہ یہ منکرین نبوت آپ کو غایت درجہ حقیر سمجھتے ہیں اور آپکے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم نہ رہتے تو یہ شخص ہم کو کبھی کا گمراہ کر چکا ہوتا حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عنقریب یعنی مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہ تھا۔

اور یہ منکرین نبوت تکذیب اور انکار میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ جب آپکو دیکھتے ہیں تو ان کو سوائے اس کے کچھ کام نہیں کہ تیرا ٹھٹھا کرتے ہیں اور تیری ہنسی اڑاتے ہیں حالانکہ آپکی شان امانت اور صدق مقال اور حسن افعال اور مکارم اخلاق انکو سب معلوم ہے اور بطور تمسخر اور مذاق یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے حالانکہ معجزات اور دلائل نبوت انکی آنکھوں کے سامنے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بے شک یہ شخص قریب

تھا کہ اپنی دلفریب باتوں سے ہم کو ہمارے معبودوں سے گمراہ کر دیتا۔ اور ہم کو انکی عبادت سے ہٹا دیتا اگر ہم ان معبودوں کی عبادت پر مضبوطی کے ساتھ نہ جمے رہتے آپ دن رات ان کے سامنے دلائل توحید اور دلائل نبوت بیان کرتے اور یہ نادان توحید کو گمراہی اور شرک اور بت پرستی کو ہدایت سمجھتے اللہ تعالیٰ انکے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں اور عنقریب جان لیں گے یہ لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون بڑا گمراہ ہے یعنی جب عذاب الٰہی کو دیکھیں گے یا جب مریں گے تب پتہ چلے گا کہ کون گمراہ تھا۔ اے نبی بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے دلیل اور حجت سے اسے کوئی بحث نہیں جدھر اسکو اس کے نفس کی خواہش لے جاتی ہے اسی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا پتھر اس سے زیادہ خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے سامنے سر جھکا دیا پس کیا آپ ایسے ہوا پرست کے کفیل اور ذمہ دار ہو سکتے ہیں کہ اسکو راہ راست پر لے آئیں یعنی جس شخص نے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہو اُسے کوئی ہدایت پر نہیں لا سکتا اے نبی کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر لوگ آپکی بات کو سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔ آپ کتنے ہی دلائل توحید بیان کریں مگر اکثر ان میں سے ایسے ہیں کہ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ — نہیں ہیں یہ لوگ مگر جانوروں کی مانند — نہ سنیں اور نہ سمجھیں مثل چوپایوں کے ہیں ان کے سامنے دلائل عقلیہ اور معجزات قاہرہ سب بے کار ہیں۔ بلکہ یہ لوگ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ جانور اپنے مالک کو پہچانتے ہیں مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اپنے نفع اور مضرت کی چیز کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ جانوروں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کون سا گھانس ہمارے لیے نفع بخش ہے اور کونسا مضر ہے جانور اپنے چراگاہ اور گھاٹ پر چلے بھی جاتے ہیں مگر یہ بدبخت اپنے مالک کے سامنے گردن جھکانے کے لیے تیار نہیں اور چشمۂ ہدایت سے ایک قطرۂ آب پینے پر آمادہ نہیں، ہزار دلائل قدرت اور ہزار براہین رسالت انکے سامنے بیان کریں تو انکا سننا بھی انکو گوارا نہیں اس لیے آئندہ آیات میں ان چند دلائل قدرت اور آیات وحدانیت کو بیان کرتے ہیں جو ہر وقت انکی نظروں کے سامنے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ

تو نے نہ دیکھا اپنے رب کی طرف کیسی لمبی کی پرچھائیں ؟ اور اگر چاہتا

لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ

اس کو ٹھہرا رکھتا ، پھر ہم نے ٹھہرایا سورج اس کا راہ

دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

بتلانے والا۔ پھر کھینچ لیا اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا

اور وہی ہے جس نے بنا دی تم کو رات اوڑھنا اور

وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ

نیند آرام ، اور دن بنا دیا اٹھ نکلنا ۔ اور وہی ہے

اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

جس نے چلائیں باویں خوشخبری لائیں اسکی مہر سے آگے ۔ اور اتارا ہم نے

السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ

آسمان سے پانی ستھرائی کرنے کا ۔ کہ جلادیں اس سے مرگئے دیس کو ۔ اور پلادیں

مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ

اس کو اپنے بنائے بہت چوپایوں اور آدمیوں کو ۔ اور طرح طرح بانٹا اس

بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَ

کو انکے بیچ میں تا دھیان رکھیں ۔ پھر نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کیے ۔ اور

لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ

اگر ہم چاہتے اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا ۔ سو تو کہا نہ مان

الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

منکروں کا ، اور مقابلہ کر انکا اس سے بڑے زور سے ۔ اور وہی ہے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ

جس نے ملے چلائے دو دریا ۔ یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا اور یہ کھاری ہے کڑوا ۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردا اور اوٹ روکی ۔ اور وہی ہے جس نے

خَلَقَ مِنَ الْمَاۗءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ

بنایا ہے پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کا جد اور سسرال ۔ اور ہے

رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

تیرا رب سب کر سکتا۔ اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز کہ نہ

يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ

بھلا کرے اُنکا نہ بُرا۔ اور ہے منکر اپنے رب کی طرف سے

ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ

پیٹھ دے رہا۔ اور تجھ کو ہم نے بھیجا، یہی خوشی اور ڈر سنانے کو۔ تو کہہ

مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ

میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کر لے رکھے

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

اپنے رب کی طرف راہ۔ اور بھروسا کر اس جیتے پر جو نہیں مرتا اور

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾

یاد کر اسکی خوبیاں اور وہ بس ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار۔

اۣلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ

جس نے بنائے آسمان اور زمین، اور جو کچھ ان کے بیچ ہے۔

سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ

چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر۔ وہ بڑی مہر والا۔ سو پوچھ اس

بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا

سے جو اسکی خبر رکھتا ہو۔ اور جب کہئے ان کو سجدہ کرو رحمٰن کو۔ کہیں،

وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ السجدة

رحمٰن کیا ہے؟ کیا سجدہ کرنے لگیں گے ہم جس کو تو فرما دے گا اور بڑھتا ہے انکا بدکنا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا

بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں برج اور رکھا اس میں

سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ

چراغ اور چاند اجالا کرنیوالا۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور

النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

دن ، بدلنے اسکے واسطے جو چاہے دھیان رکھنا یا شکر کرنا۔

ذکرِ دلائل توحید وعجائب قدرت وصنعت

قال اللہ تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۔ الی ۔ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا

(ربط) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منکرین نبوت کی جہالت بیان فرمادی اور انکی گمراہی ظاہر کردی اب آئندہ آیات میں منکرین وحدانیت کی تشنیع کے لیے اپنی قدرت کے آثار اور توحید کے چند دلائل بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اشیاء متضادہ اور مختلفہ کے پیدا کرنے پر قدرت تامہ رکھتا ہے جو خدا تعالیٰ کے قادر مطلق اور واحد قہار ہونے کی دلیل ہے اور ایسی چیزیں ہیں کہ کفار دن رات اسکا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اگر ذرا غور کریں تو اللہ کی قدرت اور وحدانیت ان پر واضح ہوجاتے۔ اس سلسلہ میں حق جل شانہٗ نے پانچ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اوّل استدلال بنظر درحالت سایہ

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا۔

دلائل توحید کی پہلی قسم یہ ہے کہ سایہ کی حالت میں غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سایہ کو دراز کیا اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حال اور ایک انداز پر ٹھہرا دیتا پھر اس نے آفتاب کو سایہ کے پہچاننے کے لیے دلیل بنایا کہ آفتاب کی شعاعوں سے سایہ پہچانا گیا اور پھر اس سایہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچا۔ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک سایہ کا دراز ہونا اور پھر آفتاب کا طلوع ہونا اور زمین پر اسکی شعاعوں کا پڑنا اور پھر بتدریج سایہ کا سمٹنا یہ سب اسکی قدرت کے دلائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے دیکھنے والے کیا تو نے اپنے پروردگار کے اس کرشمۂ قدرت اور عجوبۂ صنعت کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے محض

اپنی قدرت سے طلوع فجر یعنی صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک کس طرح سایہ کو تان دیا اور لمبا اور دراز کردیا اور زمین پر اسکو پھیلا دیا، یہ سب اسکی قدرت کا کرشمہ ہے ذرا نظر اٹھا کر تو دیکھ صبح صادق سے اور خاص کر اسفار کے بعد سے سورج نکلنے تک سایہ ہی سایہ رہتا ہے نہ سورج کی شعاع ہوتی ہے اور نہ رات کی سی تاریکی ہوتی ہے دھوپ اور تاریکی کے درمیان ایک بین بین حالت ہوتی ہے اور یہی ظل یعنی سایہ کی حقیقت ہے امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں ظل یعنی[1] سایہ حقیقت میں ایک ایسی ہی درمیانی چیز کا نام ہے جو خالص روشنی اور خالص تاریکی کے درمیان میں ہو اور یہ درمیانی کیفیت اور متوسط حالت نہایت عمدہ وقت اور بہترین زمانہ ہے اس لیے کہ خالص تاریکی طبعًا مکروہ اور ناگوار ہے طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور آنکھ کی بینائی اس سے معطل ہو جاتی ہے کوئی چیز نظر نہیں آتی اور آفتاب کی شعاعوں سے نظر خیرہ ہو جاتی ہے اور اس کی روشنی سے آنکھ پراگندہ ہو جاتی ہے اور ہوا گرم ہو جاتی ہے اور صبح صادق اور اسفار سے لیکر طلوع آفتاب تک جو وقت ہوتا ہے اس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں اسی وجہ سے جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ظِلٍّ ممدود بھی ہے جنت میں ایسا ہی سایہ ہوگا غرض یہ کہ سایہ بندوں کے لیے اللہ کی عجیب رحمت ہے اور اسکی قدرت کی عجیب وغریب صنعت ہے نہ خالص تاریکی ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو اور نہ تیز روشنی ہے جس سے نگاہ پراگندہ ہو اور اگر اللہ تعالٰے چاہتا تو اس سایہ کو ٹھہرائے رکھتا کہ وہ سایہ ایک ہی حال پر اور ایک ہی انداز پر ٹھہرا رہتا یعنی یہی ظلی کیفیت دائم اور مستمر رہتی کہ آفتاب طلوع نہ ہوتا یا اگر طلوع بھی ہوتا تو خدا کی قدرت اور مشیت سے۔ آفتاب اس سایہ کو زائل نہ کر سکتا اور باوجود طلوع آفتاب کے یہ سایہ اپنے حال پر رہتا۔ سایہ ہو یا آفتاب ہو کسی کی بھی حرکت خود اس کے اختیار میں نہیں۔ اللہ جس کو چاہے متحرک کرے اور جس کو چاہے ساکن کرے اگر اللہ تعالٰے چاہتا تو اس سایہ کو ساکن کر دیتا۔ آفتاب کا طلوع اور غروب خود اسکی اختیاری چیز نہیں کہ وہ جو حالت چاہے اپنے لیے اختیار کرے۔ جب چاہے چل پڑے اور جہاں چاہے ٹھہر جائے۔ آفتاب کی حرکت اور اسکا سکون خود اسکے اختیار میں نہیں کہ جو چاہے اپنے لیے اختیار کرے اسی طرح سایہ کا گھٹنا اور بڑھنا اور ٹھہرنا خود سایہ کے اختیار میں نہیں بلکہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

یہ سایہ جو طلوع فجر سے لیکر سورج نکلنے تک رہتا ہے جنت کے سایہ کا ایک نمونہ ہے۔ جنت میں آفتاب کی دھوپ نہ ہوگی۔ یہی سایہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالٰی چاہتا تو یہ سایہ اسی طرح ٹھہرا رہتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا جس طرح اللہ کی قدرت سے جنت میں ہمیشہ سایہ ہوگا اور دھوپ نہ ہوگی اسی طرح اللہ کو قدرت ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دنیا میں بھی اس سایہ کو قائم رکھتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا یا طلوع ہوتا تو تب بھی وہ اس سایہ کو قائم رکھتا۔ خدا تعالٰے کی قدرت۔ دنیا اور آخرت میں سب جگہ یکساں ہے۔ پھر ہم نے اپنی قدرت کا ایک اور کرشمہ دکھلایا کہ سورج کو پیدا کیا اور مشرق سے اس کو نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اس طرح ہم نے سورج کو اس سایہ کے پہچاننے کی ایک دلیل یعنی ایک علامت اور نشانی بنایا کہ سورج نکلنے سے سایہ پہچانا گیا۔ اس طرح آفتاب سایہ کے وجود کی دلیل بنا۔ اگر دھوپ نہ ہوتی تو کوئی شخص سایہ کو نہ پہچان سکتا کہ سایہ کیا چیز ہے جب آفتاب نکلا تب سایہ نظر آیا اور اس وقت سایہ کی شناخت

---

[1] ظل کی حقیقت میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب امام رازی کے کلام کی تشریح ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر ص۴۷۷ ج ۶ دیکھیں۔

ہوئی کہ سایہ ایسا ہوتا ہے اور دھوپ ایسی ہوتی ہے اس لیے کہ ایک ضد کی شناخت دوسری ضد سے ہوتی ہے وبضدھا تتبین الاشیاء۔ اچھے سے برے کی تمیز ہوتی ہے اور سفید سے کالے کی تمیز ہوتی ہے اور نور سے ظلمت کی شناخت ہوتی ہے اور جس چیز سے کسی چیز کی حقیقت واضح ہو وہی اس کی دلیل ہے۔

اس اعتبار سے آیت میں طلوع آفتاب کو وجود ظل کی دلیل[عہ] قرار دیا۔ طلوع آفتاب سے پہلے کسی جسم کا مثلاً انسان کا یا حیوان یا دیوار کا کوئی سایہ نہیں ہوتا۔ صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان جو ظلی کیفیت ہوتی ہے اس حالت میں جسم کی صرف دو چیزیں دکھائی دیتی ہیں ایک جسم کا وجود اور دوسرا اس کا رنگ۔ البتہ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ نمودار ہو جاتی ہے تو اس وقت تین چیزیں نظر آتی ہیں۔ (۱) ایک جسم کا وجود (۲) اور دوسرا جسم کا رنگ یہ دو چیزیں طلوع آفتاب سے پہلے بھی دکھائی دیتی تھیں۔ (۳) اور تیسری چیز جو طلوع آفتاب کے بعد دکھائی دیتی ہے وہ اس جسم کا سایہ ہے جو پہلے نظر نہیں آتا تھا۔ طلوع آفتاب کے بعد زمین پر جسم کا سایہ بھی نظر آتا ہے طلوع آفتاب سے پہلے سایہ کا وجود نہ تھا۔ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ نکلی تب اس تیسری چیز کے وجود کا علم ہوا اس لیے فرمایا کہ ہم نے طلوع آفتاب کو سایہ کے لیے دلیل بنایا جس کے ذریعہ سایہ پہچانا گیا۔ اگر آفتاب کی روشنی نہ ہوتی تو دیکھنے والے کو فقط دو چیزیں نظر آتیں۔ ایک جسم کا وجود اور دوسرا اسکی رنگت اور ہیئت مگر تیسری چیز یعنی جسم کا سایہ اسکو نظر نہ آتا۔ سایہ کا احساس اور اسکی شناخت آفتاب کے دھوپ کے ذریعہ ہوئی، اگر سورج نہ نکلتا اور دھوپ نہ ہوتی تو ہم سایہ کو سمجھ بھی نہ سکتے کہ سایہ کیا چیز ہے۔ ایک ضد کے آنے سے دوسری ضد سمجھ میں آئی۔ کما قال تعالیٰ قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ

دیکھو تفسیر کبیر ص ۳۴۰ ج ۶ حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۴۵ ج ۳ و روح المعانی ص ۲۵ ج ۱۹۔

قتادہؒ اور سدیؒ کہتے ہیں کہ آفتاب کی دلیل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آفتاب اس سایہ کے پیچھے لگا آ رہا ہے یہاں تک کہ پورے سایہ پر چھا جاتا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دلیل کے معنی رہبر کے ہیں کہ آفتاب سایہ کا رہبر ہے اور سایہ آفتاب کا تابع ہے اس لیے کہ سایہ کی کمی اور بیشی اور اسکا پھیلنا اور سمٹنا آفتاب کی حرکت کے تابع ہے۔

پھر سورج نکلنے کے بعد ہم نے اس سایہ کو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا اپنی طرف سمیٹا۔ اللہ ہی کی قدرت اور مشیت سے اصل ظل کا ظہور ہوا تھا پھر اسکی قدرت اور مشیت سے اس ظل کو آہستہ آہستہ قبض کر لیا گیا جس قدر سورج بلند ہوتا جاتا ہے سایہ رفتہ رفتہ گھٹتا جاتا ہے اس رفتہ رفتہ گھٹنے کو اپنی طرف قبض کرنے سے تعبیر کیا۔ طلوع صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک سایہ تمام روئے زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے پھر جب سورج نکلتا ہے تو تھوڑا تھوڑا گھٹنا شروع ہوتا ہے جس قدر سورج اوپر چڑھتا جاتا ہے اسی قدر سایہ کم ہوتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ آفتاب کی روشنی اور اسکی شعاع سایہ کی جگہ قائم ہوتی جاتی ہے اور زمین چمک اٹھتی ہے۔ طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک یہی حال رہتا ہے اور اس طرح بتدریج سایہ کے سمٹنے میں بڑی حکمتیں

عہ طلوع آفتاب کو سایہ کے لیے جو دلیل فرمائی سو وہ دلیل انی ہے دلیل لمی نہیں۔ طلوع آفتاب ظہور ظل اور اسکی معرفت کی دلیل ہے ظل کے نفس وجود کی دلیل نہیں۔ دیکھو حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص ۴۴۲ ج ۶۔

اور متعین ہیں اوقات اور ساعات کی تعیین اسی طرح تدریج سایہ کے گھٹنے اور بڑھنے سے ہوتی ہے جیساکہ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ الآیۃ۔

صبح سے لیکر شام تک سایہ اور دھوپ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے اس تغیر اور تبدل سے اور اس کی اور زیادتی سے دین اور دنیا کے کاروبار کے لیے اوقات معین کیے جاتے ہیں اگر صبح سے لیکر شام تک ایک ہی حالت رہتی تو ساعات اور اوقات کی تعیین ناممکن تھی پانچ نمازوں کے اوقات کیسے متعین ہوتے اور بازاروں اور دفتروں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کیسے مقرر ہوتے۔

غرض یہ کہ سایوں کا اس طرح آہستہ آہستہ گھٹنا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا حق جل شانہٗ کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور ہر تغیر بندوں کے حق میں نعمت ہے۔ اگر سایہ ایک بار ہی لے لیا جاتا تو لوگوں کے جو کام سایہ سے متعلق ہیں وہ معطل ہو جاتے۔ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا۔ درمیان کلام میں جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ سایہ کا دراز ہونا اور اس کا سمٹنا محض اللہ کی قدرت اور اس کی مشیت سے ہے اسباب عادیہ اور امور مادیہ کو اس میں دخل نہیں آفتاب کا افق کے قریب ہونا اور پھر افق شرقی سے اس کا طلوع ہونا اس میں کسی مادہ اور طبیعت کو اور کسی نیچر اور فطرت کو دخل نہیں آفتاب کی حرکت اور اس کا طلوع اور غروب سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ میں ظل سے اجسام کثیفہ کا وہ سایہ مراد ہے جو طلوع آفتاب کے بعد شروع دن میں نمودار ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ۔ اور مطلب یہ ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب آفتاب افق سے طلوع کرتا ہے تو کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ لمبا اور دراز پڑتا ہے پھر جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے تو اس کے مقابل مغرب کی جانب سے سایہ گھٹتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہر شئی کا سایہ اس کی جڑ میں لگ جاتا ہے تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے سایہ کو اپنی طرف کھینچ لیا پھر زوال کے بعد ایک طرف سے دھوپ سمٹنی شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے آخر جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو دھوپ غائب ہو جاتی ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے اور سایہ فنا ہو جاتا ہے اور سایہ کے اس طرح تدریجاً فنا ہو جانے کو اپنے پاس آنے سے تعبیر کیا کہ وہ تمہاری نظروں سے فنا ہو کر ہمارے پاس پہنچ گیا۔ بہرحال سایہ ہو یا دھوپ ہو اسی کے حکم سے پردہ عدم سے نکل کر وجود میں آیا تھا۔ اور اسی کے حکم سے عدم کے پردہ میں چلا گیا اگر اللہ چاہتا تو ہر چیز کے سایہ کو اسی کے ساتھ لازم اور قائم کر دیتا اور ایک حالت پر اس کو ٹھہرا دیتا اور سایہ کے لمبے اور دراز ہونے سے مخلوق کو جو نفع پہنچ رہا ہے وہ نفع نہ پہنچتا۔

غرض یہ کہ سایہ اور دھوپ کا تغیر اور تبدل اور کمی اور زیادتی اور ان کا فنا اور زوال یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب چیزیں حادث ہیں اور ان کے تغیرات اور انقلابات کی باگ کسی علیم و قدیر کے ہاتھ میں ہے کہ جو ان تغیرات سے اپنی

قدرت کا تماشا دکھا رہا ہے۔ کہ دیکھو کر وجود اور عدم کا تماشا اس طرح دکھلایا جاتا ہے اور دھوپ اور سایہ جو کارخانۂ عالم کا تانا اور بانا اسکو قدرت اور مشیت کی انگلیوں پر اس طرح نچایا جاتا ہے اور سایہ اور دھوپ کے ان تغیرات میں اور ان کھیل اور تماشوں میں بندوں کے لیے نعمتوں اور راحتوں کے عجیب عجیب سامان ہیں جن کے شکر سے زبان قاصر ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۷۸ ج ۶ و حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۵۵ ج ۳۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت ہذا کی تفسیر میں یہ دو قول مشہور ہیں جو ہم نے ذکر کیے۔

قول اول

جمہور علماء تفسیر کا قول یہ ہے کہ کیف مد الظل میں۔ ظل سے وہ سایہ مراد ہے کہ جو صبح صادق سے یا وقت اسفار سے لیکر طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابو العالیہؒ اور ابو مالکؒ اور مسروق اور مجاہد اور سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی اور ضحاک اور قتادہ اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی مروی ہے کہ ظل سے وہ سایہ مراد ہے کہ جو طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۰ ج ۳ اور ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا۔ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے طلوع آفتاب کو اس سایہ کی دلیل بنایا اس لیے کہ طلوع آفتاب سے یہ معلوم ہوا کہ صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک جو اجالا تھا۔ وہ آفتاب کا اثر تھا اور اسکی آمد آمد کا نشان تھا اگر خدا چاہتا تو سورج کو نہ نکالتا اور وہ سایہ اسی حال پر برقرار رہتا جس حال پر وہ طلوع آفتاب سے پہلے تھا لیکن اس نے اپنی قدرت سے سورج کو نکالا اور آہستہ آہستہ اس سایہ کو ختم کیا یہ سب اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دوسرا قول

اور دوسرا قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ ظل سے کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ مراد ہے کہ جو طلوع آفتاب سے لیکر زوال تک اور پھر زوال سے لیکر غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ دیکھو صاوی حاشیہ جلالین ص ۱۶۱ جلد ۳۔

کیونکہ عرف میں ظل کا اطلاق اس سایہ پر آتا ہے کہ جو شروع دن میں ہوتا ہے فیئ کے اصل معنی رجوع کے ہیں کہ جب آفتاب مشرق سے مغرب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ابن السکیت کہتے ہیں کہ ظل وہ سایہ ہے کہ جس کو آفتاب منسوخ کر دے اور فیئ وہ سایہ جو آفتاب کو یعنی اسکی دھوپ کو منسوخ کر دے بہرحال ظل سے جو معنی بھی مراد لیے جائیں وہ کمال قدرت اور کمال صنعت کے بیان سے خالی نہیں جو اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت اور کمال صنعت کی دلیل ہے اور علاوہ ازیں غایت رحمت اور نہایت نعمت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ نے بندوں کی راحت کے لیے سایہ اور دھوپ کو پیدا کیا۔

(۱) ظل یعنی سایہ کو دراز کرنا (۲) طلوع آفتاب کو اس پر دلیل بنانا اور (۳) قبض یسیر یعنی سایہ کو آہستہ آہستہ سمیٹنا یہ سب اسکی قدرت کے کرشمے ہیں۔ سایہ کا دراز ہونا اور اس کا سمٹنا یہ سایہ کا خود اختیاری فعل نہیں اور علی ہذا طلوع۔ یہ آفتاب کا فعل اختیاری نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت کے تابع ہے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں جن عجائب قدرت کا ذکر کیا ہے بلاشبہ وہ اسکی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں تیسرا قول

آیت ہذا کی تفسیر میں علماء کے کئی قول ہیں جو دو قول ان میں سے زیادہ مشہور تھے وہ ہدیۂ ناظرین کر دیئے گئے۔ اب دل چاہتا ہے کہ آیت ہذا کی تفسیر میں ایک تیسرا قول اور بھی

ہدیۂ ناظرین کر دیا جائے یہ تیسرا قول اگرچہ غیر مشہور ہے لیکن باعتبار معنی کے وہ بھی لطیف ہے وہ یہ ہے کہ ظل سے رات کا اندھیرا مراد ہے اور قبضنا کی ضمیر دلیل کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے رات کے وقت زمین کا سایہ پھیلایا اور سارا عالم تاریک کر دیا مگر اس تاریکی کو ہمیشگی نہیں دی بلکہ آفتاب کے طلوع کو اس کی شناخت کی دلیل بنایا اس لیے کہ سب چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں اچھے سے برے کی تمیز ہوتی ہے اور گورے سے کالے کی تمیز ہوتی ہے اور دن کو بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بنایا بلکہ غروب کر کے اس کی روشنی کو لے لیا۔ یہاں تک کہ پھر رات آگئی اور یہ دونوں وقت مخلوق کی آسائش اور آرائش کے لیے معین فرمائے۔

قسم دوم از دلائل توحید

قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا۔

اور وہ خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا اور نیند کو تمہارے لیے آرام بنایا چونکہ رات کی تاریکی لباس کی طرح ہر شے کو چھپا لیتی ہے اس لیے رات کو لباس فرمایا اور نیند کو تمہاری راحت کا سامان بنایا جس سے بدن کا تعب اور مشقت سب ختم ہو جاتی ہے کیونکہ سبت کے معنی اصل میں قطع کرنے کے ہیں۔ سونے کی حالت میں چلنا پھرنا سب قطع ہو جاتا ہے اس لیے نیند کو سُبات کہتے ہیں کہ اس سے جسم کی حرکت قطع ہو جاتی ہے۔

اور بنایا اس نے دن کو تمہارے منتشر ہونے کے لیے رات جب آتی ہے تو لوگ سو جاتے ہیں اور مردہ کی طرح بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں جب دن نکلتا ہے تو پھر زندہ ہو کر اٹھ جاتے ہیں اور اپنے کام کاج کے لیے ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں، یہ خدا کی قدرت بھی ہے اور اس کی نعمت بھی ہے۔ رات کی نیند بھی اللہ کی نعمت ہے اور صبح کی بیداری بھی اللہ کی نعمت ہے اور سونے کے بعد صبح کی بیداری حشر و نشر کا نمونہ ہے جس طرح انسان سو کر اٹھتا ہے اسی طرح مر کر پھر جیئے گا اور منتشر ہو گا۔

قسم سوم از دلائل توحید

قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ... الی ... وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔

اور وہ خدا وہ ہے جو باران رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے بارش اللہ کی رحمت ہے اور اس سے پہلے ہواؤں کا چلنا یہ بشارت ہے کہ عنقریب بارش نازل ہونے والی ہے اور ہم نے اپنی رحمت سے آسمان سے ایسا پانی نازل کیا جو خود بھی پاک ہے اور دوسرے کو بھی پاک کرنے والا ہے تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ کریں یعنی خشک زمین سے قسم قسم کی نباتات اگاویں۔ اسی طرح قیامت کے قریب ایک غیبی بارش نازل ہو گی جس سے مردے زندہ ہو جائیں گے اور تاکہ اس پانی سے اپنی مخلوقات میں سے چوپایوں کو اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں۔ گزشتہ آیت میں پانی سے زمین کی سیرابی کا ذکر تھا اور اس آیت میں پانی سے حیوان اور انسان کی سیرابی کا ذکر ہے۔ بہت سے آدمی تو آسمان

کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور بہت سے آدمی زمین کے چشموں اور کنوؤں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔
اور البتہ تحقیق ہم نے اس بارش کے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کردیا کبھی کہیں برساتے ہیں اور کبھی کہیں۔ کہیں کم اور کہیں زیادہ تاکہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ بارش کی تقسیم اللہ کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے برساتا ہے ہر سال کی بارش کا پیمانہ اور وزن اسی کو معلوم ہے پس باوجود اس نعمت اور عبرت کے واضح ہونے کے بغیر ناشکری سے باز نہ رہے اور بجائے اس کے کہ اس نعمت عظمیٰ کا شکر کرتے کفران نعمت میں جا پڑے۔ مینہ تو خدا تعالیٰ نے برسایا مگر یہ ناشکرا اس بارش کی ستاروں اور برجوں کی طرف نسبت کرتا ہے۔ یہ شخص خدا کا کفر کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے اور ان کا شکر کرتا ہے۔
اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَاهُ۔ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے نصیحت کی تاکہ وہ اسکو قبول کریں مگر اکثر لوگوں نے ان نصیحتوں کو قبول نہیں کیا۔
لہٰذا آپ ان لوگوں کے کفر و تکذیب سے ہمت نہ ہاریں اور تن تنہا برابر تبلیغ اور دعوت میں لگے رہیں اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک ڈرانے والا یعنی پیغمبر بھیج دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ اے نبی ہم نے تمہاری شان اور مرتبہ بلند کرنے کے لیے قیامت تک کے لیے سارے جہان کا تمکو پیغمبر بنایا اور نبوت کو تم پر ختم کیا اور تمام عالم کے لیے آپ کو باران رحمت بنایا تاکہ قیامت تک آنے والے اہل ایمان اور اہل ہدایت کا اجر آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے اور تمام انبیاء پر آپ کی فضیلت ظاہر ہو پس جب خدا نے آپکو یہ فضیلت اور یہ شان عطا کی ہے تو آپ ان کافروں کی پروا نہ کیجئے اور نہ کسی بات میں انکا کہنا مانیے جس سے یہ خوش ہوں اور دلائل قرآن کے ساتھ انکا پورا پورا مقابلہ کیجئے۔ چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لیے اس آیت میں جہاد سے قرآن اور دلیل اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اس لیے کہ سیف و سناں سے جہاد کرنے کا حکم مدینہ میں نازل ہوا۔

قسم چہارم از دلائل توحید

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الۡبَحۡرَيۡنِ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ۔
اور وہ خدا وہ ہے جس نے اپنی قدرت بالغہ اور حکمت سابقہ سے دو دریاؤں کو ملا کر رواں کیا ان میں سے ایک تو یہ شیریں اور خوش ذائقہ اور تشنگی کو دفع کرنے والا اور پیاس بجھانے والا ہے اور ایک یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا ہے اور ان کے درمیان اپنی قدرت سے ایک آڑ اور مضبوط روک کردی کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہ پاوے۔ مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں دریا اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آکر گرتی ہیں۔ جیسے دریائے دجلہ کا پانی نہایت شیریں ہے جب اسکا پانی سمندر میں گرتا ہے تو دور تک دونوں کی موجیں اور دھاریں الگ الگ نظر آتی ہیں ادھر کا پانی نہایت شیریں اور ادھر کا پانی نہایت تلخ میلوں تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ ایک پانی دوسرے پانی سے ملنے نہیں پاتا اور اس قرب اور اتصال کی وجہ سے کسی پانی کے مزہ میں فرق نہیں آتا۔
قدرت نے دونوں کے درمیان ایک ایسی آڑ رکھدی ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور دریائے دجلہ اگرچہ

عرف میں سمندر نہیں کہلاتا مگر جب وہ جا کر سمندر میں گرا تو وہ بھی سمندر ہو گیا۔ مقصود اس سے حق جل شانہٗ کی کمال قدرت کو بیان کرنا ہے کہ دو مختلف قسم کے پانی ہیں اور دونوں ساتھ مل کر چل رہے ہیں اور بہہ رہے ہیں مگر ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے حالانکہ پانی بالطبع سیال اور بہنے والی چیز ہے اس کا طبعی اقتضاء اختلاط اور امتزاج ہے مگر خدا کی قدرت ہے کہ ایک پانی کو دوسرے پانی کے ساتھ ملنے سے روکے ہوئے ہے اور ہندوستان کے متعدد علاقوں میں ایسے کنوئیں موجود ہیں جن میں ایک طرف کا پانی میٹھا ہے اور دوسری طرف کا پانی کھارا ہے ایک طرف کے پانی سے چیز عمدہ پکتی ہے اور دوسری طرف کے پانی سے دال بھی نہیں گلتی۔

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبؒ نے بروایت مولانا محمد اسحٰق بردوانیؒ بنگال کے دو معتبر عالموں مولانا عبد المقود ارکانی اور مولانا روشن علی ارکانی کی شہادت سے نقل کیا ہے کہ ارکان اور چاٹگام کے درمیان جو دریا بہتا ہے اس کی شان یہ ہے کہ اسکی ایک جانب کا پانی سفید ہے اور دوسری جانب کا پانی سیاہ ہے۔ سیاہ میں سمندر کی طرح تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے درمیان ایک دھاری سی چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقیٰ یعنی حد اتصال ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید کا پانی میٹھا ہے اور سیاہ کا پانی کڑوا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرت کو دیکھو کہ دو دریا ہیں ایک میٹھا اور ایک کھاری دونوں ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں مگر باہم ملنے نہیں پاتے۔

جدید اور قدیم فلاسفہ بتلائیں کہ یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے۔ ؟

آیت ہٰذا کی دوسری تفسیر

اور بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دو قسم کے دریا جاری کیے بعض شیریں اور بعض تلخ اور زمین کو دونوں کے درمیان حائل کر دیا تاکہ دونوں آپس میں ملنے نہ پاویں اور برزخ اور حجر محجور سے بیابانوں کا پردہ مراد ہے کہ جو دو دریاؤں کے درمیان حائل ہے۔

بہر حال دو قسم کے دریاؤں کا پیدا کرنا یہ بھی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے اور دو مختلف قسم کے پانیوں میں قدرتی طور پر ایک محسوس حد فاصل بنا دینا یہ بھی اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔

قسم پنجم از دلائل توحید استدلال بہ خلقت انسانی

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا۔

اور وہ ہے جس نے پانی سے یعنی نطفہ سے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اسکو خاندان اور دامادی قرابت بنایا یعنی اللہ کی کتنی بڑی قدرت ہے کہ ایک ہی قسم کے نطفہ سے وہ کبھی تو مرد پیدا کرتا ہے اور کبھی عورت۔ نسب سے مراد مرد ہے کیونکہ نسب مردوں سے یعنی باپ دادا سے چلتا ہے اور صہر سے مراد عورت ہے کیونکہ نکاح کا تعلق عورت سے قائم ہوتا ہے غرض یہ کہ باہمی محبت و مودت کے دو طریقے پیدا کیے۔ ایک نسب اور دوسرا مصاہرت یعنی دامادی۔

اور تیرا پروردگار بڑی ہی قدرت والا ہے۔ ایک قطرۂ آب یعنی نطفہ سے مذکر اور مؤنث کا اور مختلف شکلوں اور مختلف عقلوں کا پیدا ہونا خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری ٭ کہ کردست بر آب صورت گری۔

مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ کافروں کی طعن و تشنیع کی پروا نہ کریں اپنے پروردگار کی قدرت اور رحمت پر نظر رکھیں۔

بیانِ جہالتِ مشرکین ومنکرین نبوّت

قال اللہ تعالیٰ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ .. الیٰ .. وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا۔

(ربط) گزشتہ آیات میں دلائل توحید و قدرت بیان کیے اب آئندہ آیات میں مشرکین اور منکرین نبوت کی جہالتوں اور خصائل بد کو بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مادہ سے بشر کو پیدا کیا اور دو قسم کا بنایا ایک مذکر اور دوم مؤنث۔ جن کے اعضاء اور طبائع اور شکل و صورت میں بہت فرق ہے اسی طرح اس نے مومن اور کافر کو پیدا کیا جن کی طبیعتوں میں بے انتہا فرق ہے۔

اور جس طرح خدا نے دو قسم کے دریا بنائے ایک شیریں اور دوم تلخ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو شیریں اور خوشگوار اخلاق پر پیدا کیا اور کسی کو تلخ اور بدمزاج بنایا یہ اسکی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور منجملہ دلائل قدرت کے یہ مشرکین اور منکرین نبوت کا ایک گروہ ہے کہ جو رب قدیر کے سامنے تو سر جھکانے کو تیار نہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی ایسی چیزوں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں جو ان کو کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے اور یہ کافر اور منکر خدا کے مقابلہ اور مخالفت پر اور شیطان کی اطاعت پر تلا ہوا ہے اور خدا کے مقابلہ میں شیطان کی پشت و پناہ اور معین و مددگار بنا ہوا ہے اور نبی برحق جو توحید اور مکارم اخلاق کے داعی ہیں ان کا دشمن بنا ہوا ہے، حالانکہ آپ سے عداوت کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ اسے نبی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر نیکوں کو بشارت دینے والا اور بدوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا جس میں سراسر انہی گمراہوں کا فائدہ تھا اور ایسے شخص کی محبت اور اطاعت تو عقلاً فرض اور لازم ہے کہ جو اللہ کے ثواب دائم کی بشارت سنائے اور عقاب دائم سے ڈرائے اے نبی آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں دنیا میں تمہارا مزاحم نہیں ہوں اس دعوت و نصیحت پر تم سے کوئی اجرت اور مزدوری نہیں مانگتا یعنی میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنے اموال میں مجھے کچھ دے دو بلکہ خالص اللہ ہی کے لیے تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں لیکن تمہیں اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راہ پکڑے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارے فائدہ کے لیے کہہ رہا ہوں میں تم سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں چاہتا اور اگر باوجود اس بات کے پھر بھی آپ کے ساتھ دشمنی کریں تو آپ اس زندہ خدا پر بھروسہ کیجئے کہ جسے کبھی موت نہیں وہ تیرے لیے کافی ہے اور جب تیرا مددگار حیّ لا یموت ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی جس پر کبھی موت نہیں آئے گی جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا مگر خداوند ذوالجلال حیّ لا یموت ہے آپکے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کر سکے اور آپ انکی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہیئے۔ اور سبحانک اللّٰھم و بحمدك یا سبحان اللہ

وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ پڑھتے رہیئے اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے لہذا آپ تبلیغ بھی کرتے رہیئے اور تسبیح بھی پڑھتے رہیئے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پرواہ نہ کیجیئے اس لیے کہ خدا اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے وہ انکو ان کے گناہوں کی سزا دیگا۔ مجرمین خواہ کتنے ہی بے شمار کیوں نہ ہوں مگر کوئی اس سے پوشیدہ نہیں اس لیے کہ وہ خداوند وہ ہے کہ جس نے چھ دن کی مقدار میں آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم اور اسکی خبر نہ ہو۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے اور تمام مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق چیز وہ عرش مجید ہے جو تمام آسمانوں سے بلند اور برتر ہے اور تمام عالم کو محیط ہے عرش لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں اور اس جگہ عرش سے وہ جسم عظیم مراد ہے جو تمام عالم کو محیط ہے اور خداوند ذوالجلال کا جلوہ گاہ ہے وہیں سے فرشتوں پر اللہ کے پیغام اور احکام نازل ہوتے ہیں اس کا بیان سورۂ اعراف کے رکوع ہفتم کے شروع میں اور سورۂ یونس کے شروع میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اور وہی خدا رحمٰن ہے جس کی رحمت تمام مخلوقات کو محیط ہے پس اس کے متعلق کسی جاننے والے سے پوچھ لو کہ خداوند مہربان کی کیا شان ہے یہ جاہل شرک کیا جانیں اور انکی جہالت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جائے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو جو بڑا رحم کرنے والا ہے اور اسکی رحمت تمام عالم کو محیط ہے تو یہ نادان یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے جس کے سامنے آپ ہم کو سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہ جاہل خدا کی ذات و صفات سے بالکل بے خبر ہیں۔ بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کے سجدہ کرنے کا تو ہم کو حکم دیتا ہے اور رحمٰن کا نام یا رحمٰن کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم ان کی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے یہ نام سن کر ایمان سے اور راہ حق سے اور بھاگنے لگتے ہیں۔ یہ مقام۔ بالاجماع مقام سجدہ ہے امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر یہ دسواں سجدہ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر آٹھواں سجدہ ہے۔ فتوحات مکیہ میں ہے کہ یہ سجدہ سجدۂ نفور و انکار ہے مومن جب یہ آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو سجدہ سے نفرت کرنے والوں اور بھاگنے والوں سے ممتاز اور جدا ہو جاتا ہے اس لیے اس سجدہ کو سجدۂ امتیاز بھی کہہ سکتے ہیں۔

تتمۂ دلائل توحید

قال اللہ تعالیٰ۔ تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا۔ الی۔۔۔ اَرَادَ شُكُوْرًا۔

(ربط) گزشتہ آیات میں دلائل قدرت کا بیان تھا اب پھر بعض عجائب قدرت کو ذکر کرتے ہیں۔ بہت ہی بڑی برکت والا ہے وہ ذات پاک جس نے اپنی قدرت سے آسمان میں برج بنائے اور رکھا آسمان میں ایک چراغ یعنی آفتاب جو تمام دنیا کیلیے چراغ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو جہان میں اندھیرا ہو جاتا اور بنایا اس میں ایک چاند روشن یا روشن کرنے والا جو روشنی میں آفتاب سے کم ہے، دونوں کا یہ تفاوت بھی اسکی قدرت کا کرشمہ ہے کہ ایک کو زیادہ روشن بنایا اور ایک کو کم۔ ایک دن میں نکلتا ہے اور ایک رات میں۔

مجاہد اور سعید بن جبیر ابو صالح اور حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں۔ بروج کے اصل معنی ظہور کے ہیں چونکہ بڑے بڑے ستارے ظاہر ہیں اس لیے انکو بروج فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمانی قلعے مراد ہیں جہاں فرشتے پہرہ دیتے ہیں جیسا کہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ اور محمد بن کعبؒ اور ابراہیم نخعیؒ اور سلیمان بن مہران اعمش سے منقول ہے کہ یہ پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۲۲ ج ۳۔

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمان کی وہ بارہ منزلیں مراد ہیں جو اہل ہیئت بیان کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حمل ۲۔ ثور ۔ ۳۔ جوزاء ۴۔ سرطان ۵۔ اسد۔ جس کو لیث بھی کہتے ہیں ۶۔ سنبلہ ۔ ۷۔ میزان ۸۔ عقرب ۹۔ قوس ۱۰۔ جدی ۱۱۔ دلو ۔ ۱۲۔ حوت ۔

آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہو گئیں۔ کہیں شیر کی اور کہیں ترازو کی اور کہیں بیل کی اور کہیں بچھو کی کہیں مچھلی کی۔ اور آفتاب جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے یہ بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے اس لیے وہ ان ناموں سے موسوم ہوئے، حکماء نے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں اور اس نام کے ساتھ اسکو نامزد کیا کہ جو صورت اس میں نمودار ہوئی ۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے لیکر آسمان تک اپنی مخلوق کے لیے ایک عالیشان مکان بنایا جس کو آفتاب اور ماہتاب اور کواکب اور نجوم سے روشن اور مزین کیا اور سامانِ معیشت مہیا کیا یہ سب اسی رحمان کی رحمت کا کرشمہ اور جلوہ ہے جس کے لیے سجدہ کرنے سے یہ نفرت کرتے ہیں کیا اسکی قدرت نہیں کہ اس نے چاند اور سورج کو پیدا کیا اور ہر ایک کی نورانیت اور حرارت میں فرق رکھا اور اس اختلاف سے دنیا کے فوائد کو مربوط کر دیا۔ اب اس کے بعد اپنی قدرت اور رحمت کا ایک اور کرشمہ ذکر کرتے ہیں کہ اس نے دن اور رات بنائے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ وہی ہے جس نے دن اور رات کو ایک دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا کہ ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کا قائم مقام ہو سکتا ہے کہ آدمی رات کا کام دن میں اور دن کا کام رات میں کر سکتا ہے لہٰذا اگر کسی سے رات کا ورد فوت ہو گیا ہو تو دن میں اسکی تلافی کرے جیسا کہ فاروق اعظمؓ سے منقول ہے، بہر حال یہ پے در پے آمد و رفت اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا تذکرہ اور نصیحت ہے اس شخص کے لیے کہ نصیحت پکڑنا چاہے۔ اگر غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ لیل و نہار کی یہ آمد محض اسکی قدرت کا کرشمہ ہے یا اس شخص کے لیے جو شکر گزاری کرنا چاہے۔ اگر ذرا غور کرے تو سمجھ لے کہ رات دن کا آگے پیچھے آنا رحمٰن کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اسکی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔ ان آیات میں تو رحمٰن سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں رحمٰن کے مخلص بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے۔

•◆•

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُونَ قَالُوا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ

اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں صاحب سلامت۔ اور وہ جو

يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ

رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں اور کھڑے۔ اور وہ جو کہتے ہیں

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ

اے رب! ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب، بیشک اس کا عذاب بڑی

غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ

چٹی ہے۔ وہ بُری جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور بُری جگہ رہنے کی۔ اور وہ کہ جب

إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ

خرچ کرنے لگیں نہ اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک

قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَ

سیدھی گزران۔ اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ اور حاکم کو، اور نہیں

لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا

خون کرتے جان کا جو منع کی اللہ نے مگر جہاں چاہیئے اور بدکاری

يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ

نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ بھڑے گناہ سے۔ دونا ہو اس

لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا

کو عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اس میں خوار ہو کر۔ مگر جس

مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ

نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا

اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَ

اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں۔ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ اور

مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا

اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل

كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا

جاویں بزرگی رکھ کر۔ اور وہ کہ جب انکو سمجھایئے اُن کے رب کی باتیں نہ پڑیں

عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا

ان پر بہرے اندھے۔ اور وہ جو کہتے ہیں اے رب! دے ہم کو

مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ

ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک، اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے

اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ

آگے۔ ان کو بدلا ملے گا کوٹھوں کے جھروکے، اس پر کہ ٹھہرے رہے اور سلتے

فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا

آویں گے اُنکو وہاں دعا اور سلام کہتے۔ رہا کریں گے ان میں۔ خوب جگہ ہے ٹھہراؤ کی

وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ

اور خوب جگہ رہنے کی۔ تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری! اگر تم اس کو نہ پکارا کرو۔ سو تم

كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

جھٹلا چکے، اب آگے ہوتا ہے بھینٹا۔

مدح عباد رحمان و ذکر شمائل اہل ایمان و عرفان

قال اللہ تعالیٰ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا .. الیٰ .. فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا

(ربط) گزشتہ آیات میں رحمان سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا، اب آئندہ آیات میں عباد رحمٰن یعنی رحمان کے خاص بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے جس سے مقصود یہ جتلانا ہے کہ رحمٰن کے بندے رحمٰن کی رحمتوں کا اور اس کی نعمتوں کا عملی طور پر کس طرح اور کس صورت میں شکر کرتے ہیں لہذا جو شخص رحمٰن کے آثار رحمت و نعمت کے تشکر کا ارادہ کرے اور رحمٰن کے آثار قدرت و عجائب صنعت میں تفکر اور تدبر کا ارادہ کرے تو اسکو چاہیئے کہ وہ رحمٰن کے شکر گزار بندوں کے نقش قدم پر چلے اور اگر بر بنائے غفلت اس سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو توبہ کرے، رحمان اپنی رحمت سے اسکے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا پھر اخیر میں عباد رحمٰن کے درجات رفیعہ اور منازل عالیہ کا ذکر کیا اور بتلا دیا کہ جو رحمٰن سے نفرت کرے تو خدا کو اسکی کوئی پروا نہیں، وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے بارگاہ رحمٰن میں تقرب اور خصوصیت کا دارومدار محض عبدیت پر ہے۔

(ربط دیگر) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں۔ تمام قرآن میں حق جل شانہٗ کی یہ سنت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جابجا اہل ہدایت اور اہل ضلالت کو میزان عدل پر رکھ کر تولتے ہیں۔ اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہیں ایک فریق کو عذاب کا وعدہ دیتے ہیں اور ایک فریق کو نعمائے جنت کی بشارت سناتے ہیں اور دونوں فریق کے ان اوصاف کا ذکر کرتے ہیں جن کے ساتھ وہ معروف و مشہور ہوں پس اسی قاعدہ کے مطابق سورۂ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے شبہات و اعتراضات اور ان کے جاہلانہ خصائل و عادات کا ذکر کر کے انکی پاداش کا ذکر کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مقربین اور انکی صفات ثابتہ و مشہورہ کا بیان کیا اور وہ صفات یہ ہیں۔

(۱) حلم اور تواضع (۲) ملازمت بر نماز تہجد (۳) خوف از عذاب آخرت
(۴) اعتدال و اقتصاد (۵) توحید اور اخلاص فی العبادت (۶) ترک کشت و خون یعنی فتنہ و فساد سے دور رہنا۔
(۷) اجتناب از زنا (۸) احتراز از مجالس کذب و دروغ (۹) تذکر بوقت استماع وعظ۔
(۱۰) بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے رہنا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت جو اہل ایمان حاضر تھے وہ مہاجرین اولین تھے لہذا یہ آیت مہاجرین کی فضیلت کے لیے کافی ہے اور بس۔ (ازالۃ الخفاء)

چنانچہ فرماتے ہیں اور رحمٰن کے خاص الخاص بندے وہ ہیں جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔

(۱) جو زمین پر آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی بغیر تکبر اور سرکشی کے چلتے ہیں۔ تواضع ان پر ایسی غالب ہے کہ انکی چال سے تواضع اور عاجزی نظر آتی ہے زمین پر آہستہ قدم رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ سست رفتاری سے چلے بلکہ

مطلب یہ ہے کہ متکبرانہ چال سے نہ چلے اگرچہ تیز رفتاری سے چلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ آہستہ چلتا ہے تو فرمایا کہ ارے تو کیا بیمار ہے اس نے عرض کیا اے امیر المؤمنین نہیں تو آپ نے اس پر دُرّہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت سے چلے جیسا کہ آج کل عیش پرستوں کا طریقہ ہے کہ اظہار نزاکت کے لیے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔

(۲) اور دوسری صفت انکی یہ ہے کہ بڑے سلیم الطبع اور حلیم الطبع ہیں۔ انکا طریقہ یہ ہے کہ جب نادان لوگ ان سے کوئی جہالت اور نادانی کی بات کرتے ہیں جس میں جھگڑے اور فساد کا اندیشہ ہو تو یہ لوگ صاحب سلامت کرکے ان سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی نادان انکو ناشائستہ بات کہے تو اسکے جواب میں نرم اور ملائم بات کہہ کے الگ ہو جاتے ہیں ان سے لڑتے نہیں اور ان سے منہ ہی نہیں لگتے تاکہ جھگڑے کی نوبت نہ آئے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نادان ان سے الجھنا چاہے تو وہ پہلو بچا کر نکل جاتے ہیں۔

(۳) اور عباد رحمٰن کا دن تو اس طرح گزرا اور رات میں انکی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے لیے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔ یعنی نماز میں کبھی کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی سربسجود ہیں۔ کما قال تعالیٰ کانوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۔

(۴) اور ایک صفت انکی یہ ہے کہ باوجود شب بیداری کے ان پر خوف خداوندی اس قدر غالب ہے کہ وہ یہ دعا مانگتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دیجئے۔ بے شک عذاب جہنم دائم اور لازم ہے اس سے خلاصی ممکن نہیں جس طرح قرضخواہ قرضدار کو چمٹ جاتا ہے اور اسکا پیچھا نہیں چھوڑتا اس طرح دوزخ کا عذاب گناہگاروں کو چمٹے گا گویا وہ اسکے مقروض ہیں۔ نیز وہ دوزخ بلاشبہ بُری قرارگاہ اور بُری قیامگاہ ہے جو ہر قسم کی مصیبت اور ہر قسم کی ذلت کا مخزن ہے اس سے بُرا ٹھکانا کوئی نہیں۔ دوزخ گنہگاروں کے لیے چند روزہ قرارگاہ ہے اور کافروں کے لیے دائمی قیام گاہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان عباد رحمٰن پر خدا کا خوف اس درجہ غالب ہے کہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں انکو نہ اپنے پر وثوق ہے اور نہ ناز ہے۔ ناز کی بجائے غلبہ نیاز کا ہے۔

(۵) اور خصلت مال کے استعمال میں عباد الرحمٰن کی صفت یہ ہے کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ بیجا خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور انکا خرچ اسراف اور بخل کے بین بین ہے۔ اسراف کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں حدود شریعت سے تجاوز کرنے کے ہیں کہ جس جگہ شریعت نے خرچ کرنے کی ممانعت کی ہے۔ وہاں خرچ کرنا یہ اسراف ہے مثلاً گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا یا نام و نمود کے لیے خرچ کرنا یہ اسراف ہے اور تنگی اور کمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مال کے حقوق واجبہ نہ ادا کرے اور شریعت نے ان دونوں باتوں کو یعنی اسراف اور بخل کو ممنوع قرار دیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ پسندیدہ اعتدال اور توسط ہے مسند احمد میں ابوالدرداء سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من فقه الرجل قصدهٗ فی [illegible] اپنی معیشت میں توسط اور اعتدال کو ملحوظ رکھنا آدمی

معیشۃ کی دانائی ہے۔

اور مسند احمد میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما عال من اقتصد۔ محتاج نہیں ہوا وہ شخص جس نے خرچ میں اعتدال اور میانہ روی کو ملحوظ رکھا۔

٭ ٭ ٭

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے عباد رحمٰن کی پانچ صفتیں ذکر کیں اور یہ پانچوں صفتیں. طاعتیں تھیں جن کو وہ بجالاتے تھے۔ اب آئندہ آیت میں معاصی کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ شرک اور معصیت سے بچتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۶) اور عباد رحمٰن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے یعنی شرک نہیں کرتے صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور توحید اور اخلاص سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ غیر اللہ کو معبود ٹھہرانا قوت وہمیہ کا اثر ہے۔ اور قتل ناحق قوت غضبیہ کا اثر ہے اور زنا قوت شہویہ کا اثر ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ان دونوں کا ذکر آتا ہے۔

(۷) اور عباد رحمٰن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نہیں مار ڈالتے اس جان کو جس کے مارنے کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ جیسے مسلمان کی جان یا کافر ذمی کی جان مگر حق کے ساتھ۔ یعنی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے مگر حق کے مطابق قتل کرتے ہیں۔ حق کے مطابق قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس قتل کی شریعت نے اجازت دی ہو وہ قتل حق ہے، جیسے مرتد کا قتل کرنا اور بطور قصاص کسی کو قتل کرنا اور رہزنوں اور فتنہ پردازوں کو قتل کر دینا اور پھانسی دینا اور شادی شدہ زانی کا قتل کرنا اور جہاد میں کافروں کو قتل کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب قتل حق ہیں۔ بحق شرع ان کے قتل کرنے کا حکم ہے یہ قتل معصیت نہیں بلکہ عبادت ہے۔ بلاوجہ شرعی کسی کو مارنا یہ قتل ناحق ہے۔

کہ بے شرع آب خوردن خطا است ٭ وگر خوں بفتویٰ بریزی روا است

(۸) اور عباد رحمٰن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے کسی کی عورت سے زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا بدترین گناہ ہے۔

اب آئندہ آیت میں ان افعال قبیحہ کے مرتکب کو سزا کی وعید سناتے ہیں اور توبہ کرنے والوں سے معاف کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے جن کا اوپر ذکر ہوا یعنی شرک کرے یا قتل ناحق کرے یا زنا کرے تو اپنے کیے ہوئے کے وبال کو پاوے گا۔ اور اس کی سزا بھگتے گا۔ اور اپنے فعل کی سزا پاوے گا۔ قیامت کے دن اسکو دوہرا عذاب دیا جائیگا اور وہ ذلیل ہو کر ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا۔ قرآن کریم کی دوسری آیتوں میں آیا ہے کہ کفار کے حق میں عذاب دمبدم زیادہ ہوتا رہے گا کما قال تعالیٰ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ۔

مگر جس نے کفر اور شرک اور معصیت سے توبہ کی یعنی اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ ہوا اور آئندہ کے لیے عہد کیا کہ اب آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اور اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لے آیا اور نیک کام کیے سب سے بڑا نیک کام یہ ہے کہ یہ عزم مصمم کرے کہ تاحیات شریعت پر عمل کروں گا۔ تو ایسے لوگوں کے لیے جہنم کا دائمی عذاب

نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالے انکی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا جب اس نے اپنی برائیوں کو ندامت اور شرم ساری سے بدلا تو اللہ تعالی نے اپنی رحمت سے اسکی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا اور ان کے عذاب کو ثواب سے بدل دیا۔ قیامت کے دن توبہ کرنیوالے کو خدا کے فضل و رحمت سے ہر بدی کے بدلے نیکی ملے گی اور یہ مضمون متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ یا بدل دینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے بدلے نیکیوں کی توفیق عطا کرے گا اور گزشتہ گناہوں کو معاف کردے گا یا یہ معنی ہیں کہ سچی توبہ کی برکت سے خدا تعالے اسکا مزاج ہی بدل دیگا کہ بجائے گناہوں کے نیکیوں کی طرف دوڑنے لگے گا۔ جو نافرمان غلام جرم کے بعد اپنے کیے پر شرمسار ہو کر آقا کے قدموں پر جا گرے تو ساری ناراضی مبدل برضا و خوشنودی ہو جاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ توبہ حقیقی توبہ ہو۔ سیاسی توبہ نہ ہو کہ محض زبان سے یہ کہے کہ میں اپنے الفاظ کو واپس لیتا ہوں اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے جس درجہ کی توبہ اور ندامت ہوگی اسی درجہ کی مغفرت اور رحمت ہوگی۔

ان آیات میں کافر کے گناہوں کا ذکر تھا جو اس نے بحالت کفر کیے اور پھر ایمان لے آیا اب آئندہ حالت اسلام میں گناہوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جو حالت اسلام میں گناہ کر بیٹھے تو جب بھی توبہ کرے گا تو اللہ اسکے گناہوں کو معاف کردے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور جو بھی گناہوں سے توبہ کرے اور نیک کام کرے تو وہ بیشک رجوع ہوتا ہے اللہ کی طرف اچھا رجوع ہونا اور ظاہر ہے جو نور السموات والارض کی طرف رجوع کرے گا تو اسکی ظلمتیں مبدل بانوار ہو جائیں گی۔ گزشتہ آیات میں کافر کی توبہ کا ذکر تھا اور اس آیت میں مومن کی توبہ کا ذکر فرمایا۔ جس سے توبہ کا مضمون مکمل ہو گیا اور عباد رحمن کے اوصاف کا تتمہ ہو گیا کہ یہ خدا کے خاص بندے اگرچہ طاعات کے بجالانے والے اور معصیت سے بچنے والے ہیں لیکن اگر بمقتضائے بشریت ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو توبہ کر لیتے ہیں اب آگے پھر انہی عباد رحمن کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔

(۹) اور منجملہ ان کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے — یا یہ معنی ہیں کہ وہ کسی بیہودہ اور باطل اور خلاف شرع کام کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتے۔ جیسے یہود اور نصاریٰ اور کافروں کی عیدوں میں یا ان کے میلوں میں یا ناچ گانے کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور نہ کسی نوحہ اور ماتم کی مجلس کے قریب جاتے ہیں یعنی خود گناہ کرنا تو در کنار گناہ کی مجلس میں بھی شامل نہیں ہوتے۔ گناہ کو دیکھنا اور گناہ گاروں کو دیکھنا یہ بھی گناہ ہے جس طرح خلاف قانون کمیٹی میں شرکت ممنوع ہے اسی طرح خلاف شریعت مجلس میں بھی شرکت اور حاضری ممنوع ہے اور اگر اتفاقاً بلا قصد کسی لغو اور بیہودہ چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو کریمانہ انداز سے گزر جاتے ہیں تاکہ اس لغو و باطل کا میل کچیل یا اس کا گرد و غبار ان کے لباس تقویٰ کو آلودہ نہ کردے۔ ایسی جگہ ٹھہرتے بھی نہیں اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یعنی گناہ میں شامل نہیں ہوتے اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں (موضح القرآن، کما قال تعالی وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ۔

(۱۰) اور وہ بندگان حق وہ لوگ ہیں کہ جب انکو ان کے پروردگار کے قرآن کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی غور و تدبر کے ساتھ انکو سنتے ہیں اور انکو سن کر روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اندھے اور بہروں کی طرح نہیں سنتے کہ نہ یاد رکھیں اور نہ سمجھیں۔ برخلاف کافروں کے کہ ان پر آیات الٰہیہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ ان کے کفر اور طغیان اور سرکشی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ کافر تو اندھے اور بہروں کی طرح ہیں کہ گویا کہ انہوں نے آیات الٰہیہ

کو نہ کچھ سنا اور نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ سمجھا اور عباد رحمٰن کا حال یہ ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کو خوب غور اور تامل سے سنتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کافروں کی طرح اندھے اور بہرے نہیں بلکہ آیات الٰہیہ کو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور چشم بصیرت سے ان کے جلوہ کو دیکھتے ہیں۔

اور بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ وہ آیتوں کو سن کر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی انکا گرنا بے سمجھے بوجھے نہیں ہوتا بلکہ انکا سمجھنا اور بوجھنا ان کے گرنے کا باعث ہوا۔ وعظ و نصیحت نے ان کے دل میں جو اثر کیا اسکا منشاء یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو خوب سمجھا مؤمن کو چاہیئے کہ اپنے ہر کام میں بیداری اور بصیرت پر ہو۔

(۱۱) اور عباد رحمٰن کی ایک صفت یہ ہے کہ جب خود انکو کمال حاصل ہو گیا تو اپنے متعلقین کی تکمیل کی فکر میں پڑے کہ جو کمالات اللہ تعالیٰ نے انکو عطا کیے وہ انکی ذات تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ دوسروں تک بھی متعدی ہوں اس لیے وہ عباد رحمٰن یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما یعنی ہم کو بیویاں اور اولاد نیک عطا فرما جن کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ مؤمن کی آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کی طاعت میں دیکھے اللہ کی طاعت سے بڑھ کر کوئی چیز آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں باقی دنیا کی تمام نعمتیں اور مسرتیں سب اسکے بعد ہیں۔

اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے یعنی ہم کو ایسا کامل متقی اور پرہیزگار بنا دے کہ دوسرے لوگ نیکی اور تقویٰ میں ہماری پیروی کریں تاکہ ہمارا وجود دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنے تاکہ تیری بارگاہ میں ہمارے درجے اور بلند ہوں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم کو اور ہمارے خاندان کو خود بھی ہدایت ہو اور دوسروں کے لیے ہم کو ہادی بنا دے کہ مجھ کو اور میرے خاندان کو دیکھ کر لوگ تقویٰ اور طہارت میں پیروی کریں ہماری ہدایت ہماری ذات تک محدود نہ رہے بلکہ غیروں تک بھی پہنچے تاکہ تیری بارگاہ سے بیش از بیش اجر و انعام حاصل کر سکیں۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزوں سے۔

ایک فرزند صالح جو اس کے لیے دعا کرے۔ دوسرے علم کہ جس سے اس کی موت کے بعد نفع اٹھایا جاوے (جیسے تصنیف و تالیف) اور تیسرے صدقہ جاریہ (جیسے وقف اور مسجد اور مدرسہ دینیہ اور کنواں اور مسافر خانہ اور قرآن شریف اور دینی کتابیں) انکا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

یہاں تک عباد رحمٰن کے اوصاف کو بیان کیا اب آگے انکی حسن جزا اور درجات عالیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو آخرت میں انکو عطا ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو ارحم الراحمین کے فضل اور رحمت سے بہشت میں رہنے کے لیے بالاخانے عطا کیے جائیں گے بوجہ اسکے کہ وہ اللہ کے دین اور اسکی طاعت پر ثابت قدم رہے اس صبر کے صلہ میں انکو عالیشان محل اور بالاخانے ملیں گے کہ ان لوگوں نے دنیا میں بڑا صبر کیا۔ طاعات کی مشقتوں پر اور شہوات کے چھوڑنے پر صبر و تحمل سے کام لیا۔ اس صبر کے صلہ میں انکو جزا ملے گی اور پائیں گے وہ بہشت میں دعاء زندگی اور سلامتی کو یعنی جنت میں بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ داخل ہونگے فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور انکو دعا دیں گے اور سلام کریں گے۔ مستقر و مقام ﴿۲﴾

عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ- یعنی فرشتے انکو مبارکباد دیں گے اور سلام کریں گے اور انکو لے کر جنت میں پہنچا دیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ تحیۂ تعظیم ودعا تو فرشتوں کی جانب سے ہوگا اور سلام حق تعالیٰ کی جانب سے ہوگا ہمیشہ اسی بہشت میں رہیں گے اور بلاشبہ نہایت عمدہ آرام گاہ اور قیامگاہ ہے اے نبی آپ ان مشرکوں سے یہ کہدیجئے کہ عباد رحمٰن طاعت اور عبادات اور اعمال صالحہ کے سبب سے ان مراتب اور منازل تک پہنچے۔ میرا پروردگار تمہاری کیا پرواہ کرے گا اگر تم اسکی عبادت نہ کرو اور نہ اس سے دعا اور التجا کرو۔

پس جب تم کو خدا کی پروا نہیں تو خدا کو تمہاری کیا پروا ہے خدا سے لاپرواہی تکبر ہے جس پر سزا کا ملنا لازمی ہے۔ پس تم اس رسول کی تکذیب کرچکے ہو پس عنقریب یہ تکذیب تم کو وبال جان بن کر چمٹے گی خواہ اس دنیا میں جیسا کہ بدر وغیرہ میں تم کو اس کی سزا ملے گی یا آخرت میں۔ اور وہ ظاہر ہے اور آخرت کی سزا سے تو کسی طرح چھٹکارا ہی نہ ہوگا ظاہر یہ ہے کہ لزام سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ منقول ہے کہ لزام سے دنیوی عذاب مراد ہے جیسا کہ بدر کے دن ستر سرداران قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مارے گئے اور ذلت اور حقارت کے ساتھ بدر کے کنوئیں میں ڈال دیئے گئے۔

الحمد للہ کہ آج بروز سہ شنبہ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ بوقت اذان ظہر سورۂ فرقان کی تفسیر سے فراغت پائی۔ اے اللہ اپنی رحمت سے باقی تفسیر کے لکھنے کی بھی توفیق عطا فرما۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہ اجمعین۔ وعلینا معهم یا ارحم الراحمین
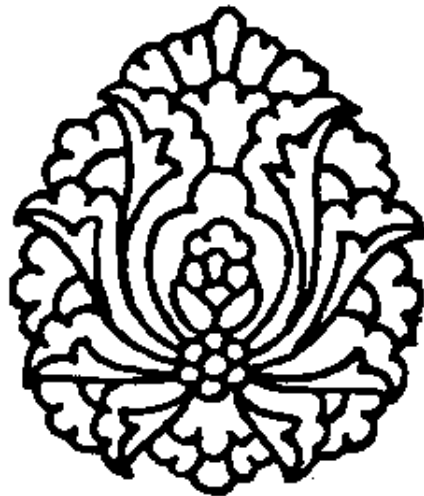
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

سُوۡرَةُ الشُّعَرَآءِ

سُوۡرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسَبۡعٌ وَّعِشۡرُوۡنَ اٰيَةً وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوۡعًا

سورت شعراء مکی ہے اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں شعراء کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوئی۔ شعراء کا ذکر اس لیے کیا تاکہ شعراء اور انبیاء میں فرق ظاہر ہو جائے کہ نبی منبع ہدایت ہوتا ہے اور شاعر مصدر غلوات ہوتا ہے گزشتہ سورت کی طرح یہ سورت بھی مکی ہے۔ گزشتہ سورت میں مشرکین اور منکرین نبوت کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جواب دیئے مشرکین کے اعتراضات اگرچہ جاہلانہ اور معاندانہ تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بمقتضائے شفقت و رأفت انکے اس معاندانہ رویہ سے رنج اور صدمہ ہوتا آپکی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔ اس لیے اس سورت کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ اس غم اور صدمہ میں گھٹ گھٹ کر اپنے آپکو ہلاک کر دیں گے۔ بعد ازاں آپ کی تسلی کے لیے چند انبیاء اولو العزم کا اور انکی سرکش امتوں کا تذکرہ کیا اور بتلا دیا کہ ان سرکشوں کی اس قسم کی معاندانہ باتیں نئی باتیں نہیں۔ پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اس لیے اس سورت کے شروع میں قرآن کریم کی حقانیت بیان کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور معاندین اور مستہزئین کی تہدید کے لیے انبیاء کرامؑ کے قصص اور مواعظ بلیغہ ذکر فرمائے۔

اللہ تعالےٰ نے اس سورت کے شروع میں آپکی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپ کی نبوت کی سب سے روشن دلیل ہے اور پھر آپ کی تسلی کے لیے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لیے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے پھر اخیر سورت میں قرآن کی حقانیت کا ذکر فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالےٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبریل امینؑ آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی پھر اسکی حقانیت پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اس کتاب کا ذکر زبر اولین اور صحائف انبیاء سابقین میں مذکور اور موجود ہے پھر قرآن کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی۔ پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی اور اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ ملاء اعلیٰ تک جو محل نفاذ احکام الٰہیہ ہے شیاطین وہاں تک پہنچنے سے محروم ہیں۔ لہٰذا یہ قرآن نہ شعر ہے اور نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے بلکہ کلام الٰہی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ایک روشن کتاب ہے جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہوتا ہے اور ہدایت خلق اور اصلاح اخلاق و اعمال کے لیے نازل ہوئی اور شعر کو اور سحر کو ہدایت اور اصلاح اخلاق و اعمال سے کیا تعلق ؟

اٰيَاتُهَا ۲۲۷ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ : ۴۷ رُكُوْعَاتُهَا ۱۱

سورۂ شعراء مکی ہے اور اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

طٰسٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ

یہ آیتیں ہیں کھول سنانی کتاب کی۔ شاید تو گھونٹ

نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٣ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ

مارے اپنی جان اس پر کہ وہ یقین نہیں کرتے۔ اگر ہم چاہیں اتار دیں ان پر

مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝٤

آسمان سے ایک نشانی، پھر رہ جاویں انکی گردنیں اس کے آگے نیچی۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا

اور نہیں پہنچتی ان پاس کوئی نصیحت رحمٰن سے نئی، جس سے

عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝٥ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا

منہ نہیں موڑتے۔ سو یہ جھٹلا چکے، اب پہنچے گی ان پر حقیقت

كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٦ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ

اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔ کیا نہیں دیکھتے زمین کو کتنی

اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝٧ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اگائی ہم نے اس میں ہر بھانت بھانت چیزیں خاصی؟ اس میں البتہ

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨ وَاِنَّ رَبَّكَ

نشان ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٩﴾

ہے زبردست رحم والا۔

ذکرِ حقانیت کتابِ مُبین و تہدید معاندین و مستہزئین

قال اللہ تعالیٰ طٰسٓمّٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ .. الیٰ۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ

(ربط) گزشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے ہوا اور اختتام مکذبین کی وعید پر ہوا اسی طرح اس سورت کا آغاز حقانیت قرآن اور مکذبین کی وعید اور تہدید سے فرماتے ہیں طسم واللہ اعلم بمرادہ۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی جس کا اعجاز اور سرچشمۂ ہدایت ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

اے نبی اگر یہ بدنصیب ایمان نہیں لاتے تو آپ ان کے غم میں کیوں گھٹے جاتے ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ اپنی جان کو اس گھٹن میں ہلاک کر دیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والے کیوں نہیں بنتے جو شخص اپنے خویش واقارب کو آگ میں گرتا ہوا دیکھے تو لامحالہ اسکا دل بے چین ہو جائیگا۔ اسی طرح اللہ کا نبی جب یہ دیکھتا کہ یہ لوگ کفر کر کے جہنم میں گر رہے ہیں تو بے اختیار دل پر صدمہ ہوتا تو آپ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اللہ کا ارادہ اور اسکی مشیت یہ نہیں کہ سب ایمان لے آئیں۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا۔ لہٰذا آپ اس حسرت میں اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا۔ بیشک مقتضائے شفقت و رحمت دل چاہتا ہے لیکن ایمان لانے پر مجبور کر دینا وہ آپ کے اختیار میں نہیں وہ ہمارے اختیار میں ہے اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے اپنے جلال اور قہر کی کوئی نشانی اتار دیں پھر ان گردن کشوں کی گردنیں اس نشانی کے سامنے جھکی ہی رہیں یعنی اسکو مان لیں اور اس سے گردنیں نہ پھیر سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسی نشانی نازل کر دیں کہ اسکو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں لیکن قضائے الٰہی جاری ہو چکی ہے کہ ایسی نشانی نازل نہیں کی جائے گی جو ایمان لانے پر مجبور کر دے خلاصہ یہ کہ اللہ کی مشیت ان کے ایمان کے ساتھ متعلق نہیں ہوئی ہے لہٰذا آپ کا ان کے ایمان کی حرص اور طمع میں پڑنا بے سود ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے عناد کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس خدائے رحمٰن کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے تو یہ معاندین اس سے منہ پھیرنے والے ہو جاتے ہیں سو ان کا یہ اعراض اور یہ روگردانی شبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ تحقیق یہ لوگ قرآن کو اور رسول کو جھٹلا چکے ہیں اور اس کو کھیل اور تمسخر بنا چکے ہیں اور اپنی تکذیب پر مُصر ہیں پس عنقریب ان کے پاس اس چیز کی حقیقت ان کے سامنے آجائے گی جس کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے یعنی ان کو اپنے استہزاء اور تمسخر کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا اور اگر ان لوگوں کو خدا کی وحدانیت اور کمال عظمت وقدرت میں کوئی تردد ہے تو کیا ان ہنسی اڑانے والوں نے زمین کی طرف نظر نہیں کی کہ ہم نے محض اپنی قدرت سے ہر قسم کے عمدہ اور قابل قدر گھاس اُگائے ہیں۔ کسی مادہ یا عنصر میں یہ قوت نہیں

کہ وہ زمین سے مختلف قسم کے گھاس اگا سکے یہ سب خداوند کریم کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ان انواع و اقسام کو پیدا کیا۔ بیشک زمین سے اس طرح اگانے میں اللہ کے کمال قدرت و حکمت کی بڑی عظیم الشان نشانی ہے جو ہر وقت انکی نظروں کے سامنے ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کہ تمہاری زمین قلب میں جو استہزاء کا تخم موجود ہے بالشر تعالےٰ اس خبیث تخم سے تمہارے لیے ذلت اور مصیبت کا کوئی درخت پیدا کردے جیسے تخم کے مطابق زمین سے قسم قسم کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح انکی زمین قلب سے ان کے عقائد اور اعمال کے مناسب نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور خدا کی قدرت کی یہ نشانی نظروں سے مخفی نہیں و لیکن ان معاندین میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں اللہ کے علم میں وہ قطعی کافر ٹھہر چکے ہیں اور بیشک تیرا پروردگار بڑا غالب اور قاہر ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ کافروں پر کوئی بلا نازل کرے اور اپنے پیغمبروں کے دشمنوں سے انتقام لے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے کہ باوجود بے سروسامانی کے انکو عزت اور غلبہ دے لہذا جب حقیقت حال یہ ہے تو آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور کافروں کے کفر کو اللہ کی حکمت اور اسکی مشیئت کے حوالہ کریں اور ان پر کچھ غم اور حسرت نہ کریں۔

اس کے بعد آپکی تسلی کے لیے سات پیغمبروں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ ان معاندین کا حال پہلی قوموں کے معاندین جیسا ہے انکو کیسی ہی نشانیاں دکھلاؤ یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں لہذا آپ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں

(۱) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت درجہ کے صاحب صبر و تحمل تھے۔

(۲) اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب جود و کرم تھے اور اللہ کے عشق اور محبت میں فنا تھے۔

(۳) اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اصحاب شکر میں سے تھے کہ اللہ کی ظاہری اور باطنی اور دینی اور دنیاوی نعمتیں ان پر مبذول ہوئیں مگر باوجود اس کے وہ شکر خداوندی میں غرق رہے اور منعم حقیقی سے غافل نہ ہوتے۔

اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام اصحاب زہد میں سے تھے اور نفس اور شہوت پر غالب اور قاہر تھے اور دنیائے حلال سے بھی کنارہ کش تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام شکر اور صبر دونوں کے جامع تھے ضراء میں صبر کیا اور سراء میں شکر کیا اور حضرت یونس علیہ السلام صاحب تفرع و تخشع تھے۔ بارگاہ خداوندی میں گریہ وزاری اور توجہ اور مراقبہ اور ذکر و تسبیح انکی خاص شان تھی۔

اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام صاحب جاہ و جلال اور صاحب ہمت و شجاعت تھے بارگاہ خداوندی میں ان کو خاص وجاہت اور قرب خاص اور اختصاص حاصل تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام فصاحت و بلاغت کے ساتھ صاحب رفق ولین بھی تھے یعنی مزاج میں غایت درجہ نرمی تھی اور ہمارے نبی اکرم سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام فضائل و کمالات کے جامع تھے۔

فمبلغ العلم فيه انه بشر ✻ وانه خير خلق الله كلهم۔

اللہ تعالےٰ نے ہر نبی کو معجزات عطا فرمائے جو انکی نبوت کی دلیل بنے اور انکی صداقت اور امانت کے شاہد اور

گواہ بنے مگر انبیاء سابقین کے معجزات انکی نفس نبوت کے علاوہ تھے جو انکی نبوت کی دلیل اور برہان تھے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا کیے وہ بھی اکثر و بیشتر اسی قبیل سے تھے کہ آپ کے دعوائے نبوت کی دلیل اور برہان تھے مگر معجزۂ قرآن جس کے ذکر سے اس سورت کا آغاز ہوا) جو آپ کو عطا ہوا وہ عین نبوت بھی تھا اور دلیل نبوت بھی تھا دیگر معجزات گزر گئے مگر معجزۂ قرآن اور علی ہذا معجزۂ شریعت وہ تاہنوز اسی طرح باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰؑ کو جا اس قوم

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪

گناہ گار پاس۔ قوم فرعون پاس۔ کیا انکو ڈر نہیں؟

قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ⑫ؕ وَيَضِيْقُ صَدْرِىْ

بولا، اے رب! میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلا دیں۔ اور رُک جاتا ہے میرا جی

وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ⑬ وَ لَهُمْ

اور نہیں چلتی میری زبان، سو پیغام دے ہارون کو۔ اور ان کو مجھ

عَلَىَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ⑭ۚ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا

پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ۔ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں۔ فرمایا کوئی نہیں! تم دونوں جاؤ

بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ⑮ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ

لے کر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں۔ سو جاؤ فرعون پاس اور کہو

اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯ۙ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِىْٓ

ہم پیغام لائے ہیں جہان کے صاحب کا۔ کہ چلا دے ہمارے ساتھ

اِسْرَآءِيْلَ ⑰ؕ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ

بنی اسرائیل کو۔ بولا ہم نے پالا نہیں تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا؟ اور رہا تو

فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ

ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس۔ اور کر گیا تو اپنا وہ کام جو کر

فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا

گیا اور تو ہے ناشکر۔ کہا کیا تو ہے میں نے وہ اور میں

مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ

تھا چوکنے والا۔ پھر بھاگا میں تم سے۔ جب تمہارا ڈر دیکھا۔ پھر بخشا مجھ

رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

کو میرے رب نے حکم اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا۔ اور وہ احسان ہے جو

تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾

تو مجھ پر رکھے غلام کر لیے تو نے بنی اسرائیل۔

قصۂ اوّل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ الیٰ ۔ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔

یہاں سے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے ذکر کرتے ہیں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ جو مختلف مضامین پر مشتمل ہے مثلاً اثبات الوہیت و ربوبیت خداوندی اور اثبات نبوت و رسالت موسوی اور پھر اہل ایمان کی عجیب طریقے سے نجات اور کفار کی عبرتناک ہلاکت کے بیان پر مشتمل ہے۔

ذکر عطائے منصب نبوت و رسالت و حکم تبلیغ و دعوت

یہ قصہ اگرچہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بالتفصیل گزر چکا ہے لیکن یہاں پر ایک نئی شان سے اس قصہ کو ذکر فرماتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ان مستہزئین کی تہدید اور عبرت کے لیے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے جبکہ تیرے پروردگار نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اور یہ حکم دیا کہ اے موسیٰ ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس جا۔ جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور خدا کے ماننے

والوں یعنی بنی اسرائیل کو غلام بنایا جن کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ خدا کو کیوں مانتے ہیں اور پیغمبروں کے حکم پر کیوں چلتے ہیں کیا یہ ظالم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں۔ اس لیے اے موسیٰ تم کو انکی طرف بھیجا جاتا ہے کہ تم جا کر انکو حق کی دعوت دو اور اللہ کے عذاب سے انکو ڈراؤ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ ظالم تو کیا ڈرتے اے میرے رب تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں اور یہ کہیں کہ ہم تو رب العالمین ہی کے قائل نہیں اس کے لیے کسی رسول اور پیغمبر کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں اور طبعی طور پر میرا سینہ گھٹا جاتا ہے کہ ایسے سنگدلوں کو اللہ کا پیغام کس طرح پہنچاؤں اور علاوہ ازیں میری زبان بھی اچھی طرح نہیں چلتی اس میں کچھ لکنت ہے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے پس آپ بذریعہ جبریلؑ نبوت و رسالت کا پیغام ہارون کے پاس بھیج دیجئے اور انکو میرا وزیر بنا دیجئے۔ تاکہ وہ تبلیغ رسالت میں میری مدد کریں اور علاوہ ازیں میرے خوف کی ایک وجہ یہ بھی ہے انکا مجھ پر ایک گناہ کا دعویٰ ہے میں نے انکے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے جس کا قصہ سورۂ قصص میں آئیگا سو اس لیے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ تبلیغ رسالت سے پہلے ہی مجھ کو اس قبطی کے عوض میں قتل نہ کر ڈالیں ایسی حالت میں کس طرح تیرا پیغام پہنچاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی تمکو قتل کر ڈالے لہٰذا تم ہرگز نہ ڈرو، پس تم دونوں ہماری نشانیوں کو ساتھ لیکر فرعون کے پاس جاؤ۔ نشانیوں سے وہ معجزات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انکو عطا کیے تھے جیسے عصا اور ید بیضا کہ جو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی دلیل اور صداقت کے نشان تھے پس ان نشانات کو لیکر بے خوف و خطر تم روانہ ہو جاؤ بے شک ہم اپنے لطف و عنایت و حمایت و حفاظت سے تمہارے ساتھ ہیں اور جو بات تمہارے اور فرعون کے درمیان میں ہوگی وہ ہم سے پوشیدہ نہ ہوگی ہم اس کے خوب سننے والے ہیں جو تم کہو گے وہ بھی سنیں گے اور جو وہ کہے گا وہ بھی سنیں گے پس تم دونوں بے خوف و خطر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کے سوالات سے مت گھبراؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں رب العالمین کے رسول اور پیغمبر ہیں اسکا پیغام لیکر تیرے پاس آئے ہیں لہٰذا سب سے پہلے تو رب العالمین کی ربوبیت پر اور اسکے رسولوں کی رسالت پر ایمان لا اور بعد ازاں بنی اسرائیل کو کہ جو رب العالمین کی ربوبیت اور اسکے رسولوں کی رسالت پر ایمان لاتے ہوئے ہیں اور محض اس ایمان کی وجہ سے تو نے انکو اپنے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا ہوا ہے اس ظلم سے باز آ جا اور ان سے دست بردار ہو جا اور انکو ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ وہ اپنے آبائی اور جدی مقام یعنی سرزمین شام میں چلے جاویں۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ اللہ تعالیٰ کا پیغام لیکر فرعون کے پاس گئے تو ایک سال تک فرعون کے دربار میں انکو رسائی نہ ہوئی آخر فرعون کے دربار میں ایک سال کے بعد آپکو رسائی ہوئی۔ دربان نے فرعون سے جا کر کہا کہ یہاں ایک انسان ہے وہ یہ کہتا ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا کہ اچھا اسکو اندر آنے کی اجازت دیدو۔ کچھ ہنسی اور دل لگی کرنے لگے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں اندر داخل ہوتے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ دیکھو تفسیر قرطبی ص ۹۳ ج ۱۳۔

موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی اس لیے دیکھ کر انکو پہچان لیا اور بچشم حقارت انکی طرف نظر کر کے بولا کیا ہم نے تجھ کو اپنے گھر میں نہیں پالا۔ در آنحالیکہ تو ایک نومولود بچہ تھا اور تو نے اپنی عمر کے سالہا سال ہم میں گزارے ہیں۔ اٹھارہ یا بیس سال۔ اور پھر تو نے وہ کردار کیا جو تو نے کیا یعنی جو تجھے معلوم ہے مطلب یہ تھا کہ تو نے ہمارے گھر میں

پرورش پائی اور جوان ہوا اور پھر اس احسان کے بدلہ میں ہماری قوم کے ایک آدمی یعنی قبطی کو مار ڈالا اور احسان فراموشی کی اور تو ہماری نعمت کی ناشکری کرنے والوں میں سے ہے۔ اب تو ہمارے احسانات کو بھلا کر پیغمبری کا دعوی کرنے لگا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم تجھ پر ایمان لے آئیں اور تیرے تابع اور فرمانبردار بن جائیں۔ فرعون نے اول موسیٰ علیہ السلام کو اپنا احسان یاد دلایا تاکہ وہ شرمائیں اور بعد ازاں انکا ایک جرم یعنی قبطی کو قتل کرنے کا واقعہ یاد دلایا تاکہ ڈریں اور گھبرائیں کہ میں فرعون کا مجرم بھی ہوں اور ممنون احسان بھی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دوسری بات کا پہلے جواب دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا اس ناسپاسی کے الزام میں کہا کہ بے شک میں نے وہ کام کیا اور میں اس وقت غلطی کرنے والوں میں سے تھا۔ یعنی میں نے اس قبطی کو قصداً قتل نہیں کیا۔ تنبیہ اور تادیب کی غرض سے اسکے ایک مکا مارا تھا جس سے دفعۃً وہ مر گیا مجھے یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ ہٹا کٹا ایک مکا لگتے ہی مر جائیگا وہ کام مجھ سے نادانستہ ہو گیا جان بوجھ کر میں نے نہیں کیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے سے ایک دم اسکا دم نکل جائیگا۔ کما قال تعالیٰ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ۔

پس جب میں تمہارے ظلم وستم سے ڈرا تو تم میں سے بھاگ نکلا اور مدین چلا گیا حالانکہ جو فعل مجھ سے نادانستہ طور پر ہو گیا تھا وہ اس درجہ کا نہ تھا کہ اس سے ڈر کر بھاگا جائے لیکن تمہارے ظلم وستم اور جوش عداوت اور بے عقلی نے مجھ کو بھاگنے پر مجبور کر دیا پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تم ظالموں سے نجات دی سو اللہ کا ایک انعام تو یہ ہوا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دوسرا انعام یہ فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو خاص علم وحکمت اور خاص فہم وفراست عطا کیا اور مجھ کو پیغمبروں میں سے بنایا کہ رب العالمین کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو علم وحکمت دیکر اور رسول بنا کر بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجا اگر تو نے مانا تو سلامت رہے گا ورنہ ہلاک ہوگا۔

فرعون کے دوسرے الزام کا جواب

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا احسان جتلایا تھا۔ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا۔ اسکا جواب تو موسیٰ علیہ السلام نے وہ دیا کہ جو گزر گیا اب اس کے دوسرے الزام کا جواب دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ تربیت اور پرورش جس کا تو ذکر کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ نعمت ہے اور نعمت کا احسان مجھ پر رکھتا ہے اس کو جتلا رہا ہے وہ در حقیقت نعمت اور احسان نہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور انکی نرینہ اولاد کو ذبح کرنے کا حکم دیا اس خوف سے میری ماں نے مجھ کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا حسن اتفاق سے تجھ تک پہنچ گیا اور تو نے مجھ کو پکڑ اور بیٹا بنا کر پال لیا اسی طرح کئی سال میں تیری پرورش میں رہا۔ تو اس تربیت کی اصل علت تیرا ظلم وستم اور شقاوت اور قساوت ہے اگر تو بنی اسرائیل کے بچوں کے ذبح کا حکم نہ دیتا تو میری ماں مجھ کو تابوت میں بند کر کے دریا میں نہ ڈالتی اور مجھے تیری پرورش کی ضرورت نہ ہوتی تمام بنی اسرائیل پر تیرا جبر و قہر اور تیرا یہ بے مثال ظلم وستم میرے حق میں تیرے اس احسان کا سبب بنا تو یہ کوئی احسان نہیں کہ جس کو تو جتلا رہا ہے۔ اس احسان کا سبب تیرا وہ بے مثال ظلم وستم ہے جو میری ولادت سے بھی مقدم ہے لہٰذا ایک فرد واحد کی تربیت پوری قوم کی عبدیت کے جواز کی کیسے دلیل بن سکتی ہے۔ تو نے

مجھ کو اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی، پرورش تو بعد میں کی اور میری قوم کو میری پیدائش سے پہلے ہی غلام بنا چکا تھا، جس رب العالمین نے مجھ کو تیرے زہر گداز مظالم سے بچا کر تیرے ہی گھر میں میری پرورش کرائی ہے اسی رب العالمین نے مجھ کو تیری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود ✿ قصۂ فرعون زیں افسانہ بود

اور اسی رب العالمین کی طرف سے جو پیغام ہدایت لے کر تیرے پاس آیا ہوں وہ تیری روحانی تربیت بلکہ روحانی حیات اور دائمی زندگی کا سامان ہے جس کے سامنے وہ چند روزہ تربیت جس کا تو مجھ پر احسان جتلا رہا ہے۔ ہیچ ہے تو مردہ ہے میں تیرے لیے ہدایت کا تریاق لیکر آیا ہوں ایک گھونٹ پی لے زندہ ہو جائیگا۔

تو نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ مجھے تو تو نے چھوڑ دیا اور میرے سوا ساری قوم کو غلام بنا لیا تو کیا اسی طرح کی اس چند روزہ پرورش سے میری نبوت و رسالت کو دفع کرنا چاہتا ہے میں نے اگر تیری چند روزہ نعمت تربیت کا کفران کیا ہے تو تو رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے اور جس رب العالمین نے تجھ کو اور تیرے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے تو تو اسی رب العالمین کا کافر اور منکر بنا ہوا ہے اور جس رب العالمین نے تیری روحانی تربیت اور ہدایت کے لیے رسول بھیجا ہے تو تو اسکی ہی تکذیب اور کفر پر تلا ہوا ہے اور رب العالمین نے جو مجھے آب حیات دے کر بھیجا ہے تو اسکا ایک گھونٹ بھی پینے کے لیے تیار نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفران نعمت ہو سکتا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ

بولا فرعون، کیا معنی جہان کا صاحب؟ کہا صاحب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ

آسمان و زمین کا، اور جو انکے بیچ ہے۔ اگر تم

مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

یقین کرو۔ بولا اپنے گرد والوں سے تم نہیں سنتے ہو؟

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ

کہا صاحب تمہارا، اور صاحب تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔ بولا

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ

تمہارا پیغام والا، جو تمہاری طرف بھیجا ہے، سو باؤلا ہے۔ کہا رب

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾

مشرق اور مغرب کا اور جو انکے بیچ ہے اگر تم بوجھ رکھتے ہو۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ

بولا۔ اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوا تو مقرر کر ڈالوں گا تجھ کو

الْمَسْجُونِينَ ﴿۲۹﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ

قید میں۔ کہا اور جو لایا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی؟ بولا تو

فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۱﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ

وہ چیز لا اگر تو سچا ہے۔ پھر ڈال دی اپنی لاٹھی

فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿۳۲﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ

تو اسی وقت وہ ناگ ہو گئی صریح۔ اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت چٹا

لِلنَّاظِرِينَ ﴿۳۳﴾

ہے دیکھنے والوں کے سامنے۔

مکالمۂ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام با فرعون

در بارۂ ربوبیت خداوندِ کون

قال اللہ تعالیٰ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ .. الیٰ .. فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ۔

فرعون اس گفتگو میں ذلیل و خوار ہوا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول اِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ یعنی ہم دونوں اللہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں یعنی انکے دعوائے نبوت پر اعتراض شروع کیا۔ اور اللہ رب العالمین کی ربوبیت میں جھگڑا لگانے لگا چنانچہ فرعون بولا اچھا بتاؤ کہ وہ رب العالمین جس کے رسول ہونے کا تو مدعی ہے وہ کیا چیز ہے وہ کون ہے اور کیا ہے تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم رب العالمین کے رسول مرسل ہیں یعنی اسکے فرستادہ ہیں لہذا تم کو چاہیئے کہ اول اپنے مرسل (بھیجنے

والے پروردگار کو بتلاؤ کہ وہ کون ہے اور کیا چیز ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رب العالمین کی عبادت اور اطاعت کی طرف بلایا اس لیے اس لعین نے پہلے رب العالمین کے متعلق سوال شروع کیا کہ اول تو تم اسکی الوہیت اور ربوبیت کو ثابت کرو تمہاری نبوت اور رسالت کے بارہ میں تو بعد میں غور کیا جائیگا۔

فرعون دہری تھا سرے سے خدا کے وجود کا منکر تھا وہ یہ کہتا تھا۔ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ۔ میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جانتا اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ تمام ملک کے باشندے میرے محتاج ہیں لہٰذا میں ہی تمہارا خدا ہوں۔ فرعون دہری (منکر خدا) تھا کسی خدا اور خالق کا قائل نہ تھا اس احمق نے خدا کے معنی یہ سمجھ رکھے تھے۔ کہ لوگ جس کے محتاج ہوں وہی انکا خدا ہے جاہلوں کو یہ باور کرایا کہ ملک کا جو بادشاہ اور فرمانروا ہے وہی رعایا کا ربِ اعلیٰ ہے۔ کما قال تعالٰے فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ۔ فرعون دہری تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ آسمان وزمین اور یہ تمام عالم قدیم ہے ازل سے ہمیشہ اسی طرح سلسلہ چلا آرہا ہے اور ابدالآباد تک اسی طرح سلسلہ جاری رہے گا اور عالم میں موت اور حیات اور تغیرات کا جو سلسلہ جاری ہے وہ کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے کسی قادر مختار کی قدرت اور ارادہ کو اس میں دخل نہیں زمانۂ حال کے جدید فلاسفہ بھی اسی کے قریب قریب یہ کہتے ہیں کہ تنوعات عالم مادۂ قدیمہ اور اسکی حرکت قدیمہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خیالِ خام کا رد فرمایا۔

موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا جواب

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رب العالمین کیا چیز ہے اور وہ کون ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ رب العالمین جس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ ذات ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا مربی اور مدبر ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقین کر لو کہ جو میں نے کہا ہے وہ بالکل حق ہے کہ جو ذات عالم علوی اور عالم سفلی اور انکے درمیان کائنات کی خالق اور مربی اور مدبر اور متصرف ہے وہی ذات رب العٰلمین ہے تم کو یقین ہے کہ یہ تمام اشیاء تمہارے سامنے موجود ہیں اور نہایت بڑے بڑے اجسام ہیں اور کمیت اور کیفیت اور صفت اور حالت کے اعتبار سے نہایت درجہ مختلف ہیں اور یہ تمام اجسام اس قدر عظیم اور جسیم ہیں کہ ان کے اجزاء کی شمار عقلاً محال معلوم ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا بے شمار اجزاء خود بخود مل کر خود بخود آسمان و زمین اور انسان اور حیوان بن گئے۔ عقل یہ کہتی ہے کہ ہر مرکب شے کے لیے کوئی مرکب (ترکیب دینے والا چاہیئے) پس جس ذات نے ان بے شمار اجزاء کو ترکیب دے کر اس عالم علوی اور سفلی کو بنایا اور جو ان کا مدبّر اور ان میں متصرف ہے وہی رب العالمین ہے اور اے فرعون تو تو ایک حقیر اور ذلیل ہستی ہے تیرا رب ہونا عقلاً محال ہے۔ فرعون نے خدا کی جنس اور ماہیت سے سوال کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کی صفات اور آثار قدرت سے جواب دیا اس لیے فرعون یہ جواب سن کر حیران رہ گیا۔ فرعون چونکہ وجود صانع کا قائل نہ تھا اس لیئے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔

فرعون کا جواب

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سُن کر اپنے پاس والوں سے بطور تمسخر کہنے لگا کہ سُنتے بھی ہو کہ کیسا جواب ہے اور یہ شخص کیا کہہ رہا ہے بڑی عجیب بات کہہ رہا ہے کیا میرے سوا بھی تمہارا کوئی رب ہے اس شخص کا زعم یہ ہے کہ آسمان اور زمین کا بھی کوئی رب ہے حالانکہ آسمان اور زمین تو قدیم ہیں ہمیشہ سے اسی طرح چلے آئے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح قائم رہیں گے اور حرکت کرتے رہیں گے اس کے لیے کسی رب اور صانع کی ضرورت نہیں اور عالم کے تغیرات اور انقلابات نجوم اور کواکب کی حرکات مختلفہ کے آثار ہیں اس لیے عالم کے لیے کسی مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں جیسا کہ فرقۂ دہریہ کا مذہب ہے۔ فرقۂ دہریہ کا مذہب یہ ہے کہ آسمان اور زمین سب قدیم ہیں اسی طرح فرعون نے اپنے ارکان دولت سراپا جہالت سے کہا کہ کیا تم لوگ غور سے نہیں سنتے کہ یہ شخص آسمانوں اور زمین کا رب بتلاتا ہے حالانکہ آسمان و زمین سب قدیم ہیں انکا کوئی رب نہیں یا کم از کم اب تک ہمارے نزدیک آسمان و زمین کا کسی رب اور کسی مدبر اور مؤثر کی طرف محتاج ہونا ثابت نہیں ہوا۔ دیکھو تفسیر مظہری ص۲۱ ج۷ - جدید فلاسفہ اور قدیم فلاسفہ دونوں گروہ عالم کے قدیم ماننے میں شریک اور متفق ہیں۔ فرعون نے اپنی قوم کو مغالطہ دینے کے لیے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر دوسرا جواب دیا جس میں فرعون کا یہ مغالطہ نہ چل سکے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا جواب

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کے جواب میں یہ کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے آسمان و زمین کے بارے میں تو فرعون کا مغالطہ کچھ چل گیا کہ آسمان و زمین قدیم ہیں ہمیشہ ایک حال پر چلے آرہے ہیں انہیں کسی رب اور کسی مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں بس لیے کہ لوگوں کو زمین و آسمان کی پیدائش کا حال معلوم نہیں کہ کب پیدا ہوئے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دوسری بار ایسی دلیل پیش کی کہ جس میں ارکان دولت کو اور کسی سننے والے کو شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہ رہے اس لیے دوسری بار یہ فرمایا کہ رب العالمین وہ ذات ہے کہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہے اس لیے کہ یہ امر مشاہدہ سے سب کو معلوم ہے کہ ایک وہ وقت تھا کہ نہ فرعون تھا اور نہ اسکی قوم کا وجود تھا اور نہ انکے آباؤ اجداد کا وجود تھا یہ تمام آباؤ اجداد اوّل پیدا ہوئے اور پھر اپنی طبعی عمر پوری کر کے مرگئے۔ آسمان و زمین کی طرح آباؤ اجداد کو تو قدیم نہیں کہا جا سکتا اور نہ کوئی ایسا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ آسمان و زمین کی طرح آباؤ اجداد بھی قدیم ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے تھے اور چند روز اس دنیا میں رہے اور اپنے وجود کی مدت پوری کر کے پھر پردۂ عدم میں جا چھپے اور زمین میں دفن ہوگئے۔

لہٰذا آباؤ اوّلین کا قدیم اور واجب الوجود ہونا تو عقلاً بھی محال ہے اور مشاہدہ کے بھی خلاف ہے ان سب کا عدم کے بعد وجود میں آنا اور پھر چند روزہ وجود کے بعد عدم وجود میں چلے جانا سب کی نظروں کے سامنے ہے جس کی کوئی تکذیب نہیں کر سکتا

اور عدم سے وجود میں آنا بھی حقیقت حدوث کی ہے اور وجود کے بعد عدم میں چلا جانا بھی حقیقت فنار اور زوال کی ہے پس جس چیز کا حدوث اور فنار وزوال نظروں کے سامنے ہو اسکو قدیم اور واجب الوجود کہنا کھلی ہوئی حماقت ہے، آسمان و زمین کا حدوث اور انکا فنار وزوال عام نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے آسمان وزمین کو تو ظاہر بیں قدیم کہنے کی گنجائش ہے بھی، لیکن آباؤ اجداد کا حدوث اور فنار وزوال تو سب کی نظروں کے سامنے ہے کوئی نادان سے نادان بھی آباؤ اجداد کو قدیم اور واجب الوجود کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا اور اے فرعون اسی طرح تو بھی پہلے زمانہ میں معدوم تھا بعد میں پیدا ہوا اب چندے بعد آباء اولین کی طرح تجھے بھی موت آنے والی ہے۔ لہٰذا تو بھی حادث ہے اور فانی ہے کس برتے پر تو الوہیت اور ربوبیت کا دعوے دار بنا ہوا ہے خوب سمجھ لے کہ رب العالمین تو وہ ہے کہ جو دائم اور قدیم اور حیّ لایموت ہے جس کی بارگاہ میں عدم اور فنار کا کبھی گزر نہیں اے فرعون تجھے معلوم ہے کہ تو ایک طویل اور غیر محدود عدم کے بعد وجود میں آیا ہے۔ نو مہینے تو نے مادرِ شکم میں گزارے ہیں اور چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے آباء و اجداد کی طرح مر کر زمین میں دفن ہونے والا ہے تو پھر تو رب کیسے ہو سکتا ہے۔ تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا دائرۂ سلطنت مصر سے باہر نہ تھا۔ اور میں جس رب کی عبادت کی طرف تم کو بلا رہا ہوں اسکی حکومت وسلطنت کا دائرہ مشرق ومغرب کو محیط ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا حادث ہونا یعنی عدم سے وجود میں آنا ایسا واضح اور روشن ہے کہ جس کا تو انکار نہیں کرسکتا تو عقلاً ضروری ہے کہ ہر حادث کے لیے ایک محدث چاہیئے کہ جو اس کو عدم سے نکال کر وجود میں لایا ہے کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ یہ حادث چیزیں یعنی تو اور تیرے آباؤ اجداد خود بخود تو عدم سے نکل کر وجود میں نہیں آگئے پس اے فرعون جو ذات تجھ کو اور تیرے آباء اولین کو عدم سے نکال کر وجود میں لائی ہے وہی رب العٰلمین ہے اور اے فرعون تو اور تیرے آباؤ اجداد اجسام مرکبہ ہیں جو مختلف اجزار سے مل کر بنے ہیں اور ذی حیات ہیں اور صاحب عقل ہیں اور پیدائش کے وقت سے لیکر مرنے تک عجیب وغریب تغیرات انکو لاحق ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ تمام خود بخود بلا کسی مرکب (ترکیب دہندہ) کے خود بخود مرکب ہو گئے اور خود بخود ان میں حیات اور عقل آگئی اور خود بخود جوان ہو گئے اور خود بخود بوڑھے ہو گئے اور خود بخود بیمار اور تندرست ہو گئے اور خود بخود مر گئے اور خود بخود جا کر قبروں میں لیٹ گئے۔ لامحالہ اس ہیئت ترکیبیہ کے لیئے کوئی مرکب چاہیئے اور ان تغیرات کے لیے کوئی مغیر چاہیئے اور ان تاثرات کے لیے کوئی مؤثر چاہیئے پس جس ذات بابرکات کے ہاتھ میں تیرے اور تیرے آباؤ اجداد کے تغیرات اور تنوعات اور ان کے وجود اور عدم کی باگ ہے اور تیری اور تیرے آباء واجداد کی موت وحیات جس کے اختیار میں ہے وہی ذات رب العالمین ہے اور اسی رب العالمین نے مجھ کو رسول بنا کر تیری طرف بھیجا ہے اور جس طرح تیرے آباؤ اجداد کے اجسام حادث اور فانی ہیں اور اپنے حدوث اور وجود میں صانع کے محتاج ہیں اسی طرح آسمان و زمین بھی اجسام حادثہ اور فانیہ ہیں اپنے حدوث میں پروردگار کے محتاج ہیں اور فلسفۂ جدیدہ یہ کہتا ہے کہ زمانے کے تنوعات اور تغیرات مادہ اور ایتھر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آ رہے ہیں۔ جدید فلسفہ کی تحقیق اور فرعون کے قول میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔

فرعون کا جواب

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب حکمت مآب سُن کر گھبرا اٹھا اور اس کو ڈر ہوا کہ اس دلیل کو سن کر میری قوم شک میں نہ پڑ جائے تو اپنے حاشیہ نشینوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور اپنا رعب جمانے کے لیے جھلا کر یہ بولا کہ اے لوگو بیشک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یعنی جو اپنے آپکو رب العالمین کا رسول بتلاتا ہے بیقین جانو کہ وہ بلا شبہ دیوانہ اور باؤلا ہے اسکی بات پر کان نہ دھرنا۔ حالانکہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعقل الناس ہو اور یہ شخص تو بالکل مجنون اور بے عقل ہے کہ موت اور حیات کو اور حوادث زمانہ کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ۔

یعنی موت اور حیات کا سلسلہ قدیم سے اسی طرح چلا آ رہا ہے اور یہ سب زمانہ کے تنوعات اور تغیرات اور انقلابات ہیں جو کواکب اور نجوم کی تاثیر سے اور بقول جدید فلاسفہ مادہ اور ایتھر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آرہے ہیں اور یہ دیوانہ ان تمام تغیرات اور تنوعات کو خدا کی طرف نسبت کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا تیسرا جواب

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ شخص تو کواکب اور نجوم کی تاثیر پر شیدا اور فریفتہ ہے اور کواکب اور نجوم کی حرکات کو تغیرات عالم کی علت سمجھتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں اب تیسری حجت پیش کی کہ رب العالمین وہ ہے کہ جو رب ہے مشرق کا اور مغرب کا اور ان کے تمام درمیانی چیزوں کا یعنی رب العالمین وہ ہے کہ جو مشرق اور مغرب کا مالک ہے اور طلوع اور غروب کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے۔ طلوع آفتاب اور غروب سب اس قادر حکیم کی تقدیر محکم سے ہے جس سے عالم کا نظام قائم ہے۔ نادان سے نادان بھی ان حوادث یومیہ کو قدیم بالعرض اور قدیم بالزمان کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اگر تمہیں کچھ عقل ہے تو سمجھ لو کہ یہ فرعون جو مدعی ربوبیت بنا ہوا ہے ایک محدود خطۂ زمین کا فرمانروا ہے جس کا حکم مدین میں بھی نہ چلتا ہو یہ کیسے رب ہو سکتا ہے۔ رب العالمین تو وہ ہے کہ جس کے حکم سے سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے اگر یہ فرعون اپنے دعوائے ربوبیت میں سچا ہے تو اسکا عکس کر کے دکھلا دے یا کم از کم طلوع اور غروب کے موجودہ نظام میں کچھ تغیر و تبدل ہی کر کے دکھلا دے عقل کی بات تو یہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں اور تم ایسے بے عقل اور جاہل ہو کہ بتلانے اور سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے مقابلہ میں یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں یہ فرمایا تھا فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ۔ جدید فلسفہ یہ کہتا ہے کہ عالم کے انقلاب اور تغیرات مادہ کے ذرات بسیطہ کی دائمی حرکت اور باہمی امتزاج کے سبب سے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ قول بھی فرعون کے قول سے ملتا جلتا ہے دونوں میں کچھ زیادہ فرق

نہیں۔

فرعون کی حیرانی اور پریشانی اور مغرورانہ و ظالمانہ تہدید

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر حیران اور دنگ رہ گیا اور گھبرا اٹھا اور دیکھا کہ میں اس حجت اور برہان کے جواب سے بالکل عاجز ہوں تو اپنی سلطنت کے زعم میں موسیٰ علیہ السلام کو دھمکانا شروع کیا اور یہ گمان نہ کیا کہ اس مغرورانہ تہدید سے معجزات قاہرات کے ظہور کا دروازہ کھلے گا اس لیے فرعون جب حضرت موسیٰ کی حجت قاہرہ کے جواب سے ناامید ہوا تو بولا کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود ٹھہرایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں سے بنا دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو خدائی جیل خانہ (جہنم) سے ڈراتے تھے اس لیے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قید خانہ سے ڈرایا۔ فرعون کا جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون نے ایک تنگ و تاریک جیل خانہ بنایا تھا کہ جو اس میں ڈالا جاتا تھا وہ وہیں مر جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی کنوئیں میں قیدیوں کو ڈال کر اوپر سے منہ بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ وہ اس میں مر جاتے جیسا کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں دستور تھا فرعون کا یہ جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی بات کے جواب سے عاجز ہوا تو دھمکیوں پر اتر آیا۔

چو حجت نماند جفا جوئے را ٭ بہ پرخاش برہم کشد روئے را

جیل خانہ کی دھمکی سے فرعون کا مقصود اپنی ربوبیت کی دلیل بیان کرنا ہے کہ چونکہ میں جیل خانہ میں ڈالنے پر قادر ہوں اس لیے میں تمہارا خدا اور ربِ اعلیٰ ہوں۔ سبحان اللہ کیا دلیل ہے جیل خانہ سے الوہیت اور ربوبیت تو ثابت نہیں ہو سکتی البتہ جہالت اور حماقت خوب ثابت ہو جاتی ہے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح دھمکایا تو موسیٰ علیہ السلام نے نرمی سے فرمایا کہ دلائل ربوبیت تو آپ نے سن لیے۔ اب دلائل رسالت سنئے اور اپنے اس فیصلہ میں ذرا جلدی نہ کیجئے کیا آپ مجھے جیل خانہ میں ڈال دیں گے اگرچہ میں تیرے پاس ایسی واضح اور روشن چیز لیکر آیا ہوں جس سے صاف طور پر میری صداقت ظاہر ہو جائے اور رب العالمین کی ربوبیت اور الوہیت ظاہر ہو جائے تو کیا پھر بھی تیرا یہی فیصلہ رہے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں نرمی برتی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی تاکہ الوہیت اور ربوبیت کے مسئلہ کے بعد نبوت و رسالت کے مسئلہ میں مکالمہ اور مناظرہ کا دروازہ کھلے اور پہلے مسئلہ کی طرح دوسرے مسئلہ میں بھی وہ حجت اور برہان سے مغلوب اور مقہور ہو جائے اور کم از کم دل سے ماننے پر تو مجبور ہو جائے اس لیے فرمایا اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ۔ اس جواب کے بعد یعنی کیا اگر میں اپنی رسالت کی کوئی روشن دلیل تیرے سامنے پیش کروں تو کیا تو میری رسالت کو قبول کرے گا۔ فرعون شرما کر بولا کہ اچھا وہ روشن دلیل لا اگر تو سچوں میں سے ہے اگر روشن دلیل سے تیری صداقت ظاہر ہو جائے تو ہم تجھے قید نہیں کریں گے پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت اور صداقت ثابت کرنے کے لیے دو معجزے دکھلائے ایک معجزہ عصا اور دوسرا کرشمۂ ید بیضا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ پس وہ ڈالتے ہی صاف اور صریح اژدہا تھا۔ یعنی حقیقۃً اور بلاشبہ اژدہا بن گیا جب وہ عصا سانپ بن کر لہرانے لگا فرعون اور تمام درباری حواس باختہ ہو کر بھاگ اٹھے۔ بیان کیا جاتا ہے

کو پیشاب پاخانہ بھی خطا ہو گیا۔ دعوائے خدائی کی ساری قلعی کھل گئی موسیٰ نے ازراہِ لطف اپنے عصا کو زمین سے اٹھایا تو وہ پہلے کی طرح پھر عصا ہو گیا۔ اس کے بعد جب ہوش و حواس کچھ واپس آئے تو بولا کیا اس کے سوا اور بھی کوئی معجزہ ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھلایا جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک دوسرا معجزہ دکھلایا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے سے نکالا تو ناگاہ وہ سپید اور روشن تھا دیکھنے والوں کے لیے جس کو سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے۔ فرعون اور اس کے درباری یہ دونوں معجزے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

معجزۂ عصا اہل کفر اور اہل معصیت کی تنبیہ کے لیے تھا کہ مرنے کے بعد قبر میں کافروں کو اژدہا ڈسے گا اور معجزہ ید بیضا سینۂ موسوی کی نورانیت کا نمونہ اور کرشمہ دکھلانے کے لیے تھا مگر مشکل یہ ہے کہ جس کے دل کی آنکھ اندھی ہو اس کو آفتاب کی روشنی کس طرح دکھائی دے۔ معجزۂ عصا، معجزۂ قہر تھا اور معجزۂ ید بیضا معجزۂ نور اور معجزۂ مہر تھا۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

بولا اپنے گرد کے سرداروں سے یہ کوئی جادوگر ہے پڑھا۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے۔ سو اب کیا حکم دیتے

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾

ہو؟ بولے ڈھیل دے اسکو اور اسکے بھائی کو اور بھیج شہروں میں نقیب۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ

لے آویں تیرے پاس جو بڑا جادوگر ہو پڑھا۔ پھر اکٹھے کیے جادوگر وعدہ پر ایک مقرر دن

مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا

کے۔ اور کہہ دیا لوگوں کو، تم بھی اکٹھے ہوتے ہو۔ شاید ہم

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ

راہ پکڑیں جادوگروں کی، اگر ہو جاویں وہی زبر۔ پھر جب آئے

السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ

جادوگر: کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا نیگ بھی ہے؟ اگر ہو جاویں

الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

ہم زبر۔ بولا البتہ! اور تم اُس وقت نزدیک والوں میں ہو گے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا

کہا انکو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔ پھر ڈالیں

حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ

انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں۔ اور بولے، فرعون کے اقبال سے ہم ہی

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا

زبر رہے۔ پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا، پھر تبھی وہ نگلنے لگا جو

يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ

سانگ انہوں نے بنایا تھا۔ پھر اوندھے گرے جادوگر سجدہ میں۔ بولے ہم نے مانا جہان کے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ

رب کو۔ جو رب موسیٰ و ہارون کا۔ بولا تم نے اسکو مان لیا

قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو۔ مقرر وہ تمہارا بڑا ہے، جس نے تم کو سکھایا جادو۔

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۥ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

سو اب معلوم کرو گے۔ البتہ کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں۔

خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ

اور سولی چڑھاؤں تم سب کو۔ بولے کچھ ڈر نہیں، ہم کو اپنے

إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا

رب کی طرف پھر جانا ہے۔ ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخشے ہم کو رب ہمارا

خَطَايَانَا أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

تقصیریں ہماری، اس واسطے کہ ہم ہوئے قبول کرنے والے۔

ساحرانِ فرعون کا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقابلہ

قال اللہ تعالیٰ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ۔۔ الیٰ ۔۔ أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے جب یہ دو معجزے (معجزۂ عصا اور معجزۂ ید بیضاء) دیکھے تو اسکو ڈر ہوا کہ اہلِ دربار شبہ میں نہ پڑ جائیں اس لیے فرعون نے لوگوں کے سامنے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ کوئی خاص قسم کا سحر ہے اس لیے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے اسکا مقابلہ کرایا جائے اس کا خیال یہ تھا کہ ایک جادوگر ملک کے تمام جادوگروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے فرعون نے اپنی اندرونی حیرانی اور پریشانی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی قوم کے سرداروں سے جو اس کے ارد گرد بیٹھتے تھے یہ کہا کہ بیشک یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ علم سحر میں بڑی مہارت رکھتا ہے جو ایسے کرشمے دکھلا رہا ہے اور درباریوں کو موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے سحر سے تم پر غالب آجائے اور تمہارا بادشاہ بن جائے بتلاؤ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب یہ معجزات ظاہر ہوئے تو فرعون نے اہلِ دربار سے جو اردگرد بیٹھے تھے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص کوئی بڑا ہی دانا جادوگر ہے۔ معجزۂ عصا اور معجزۂ ید بیضاء کے دیکھنے سے فرعون کو ڈر ہوا کہ اہلِ درباران معجزاتِ قاہرہ کو دیکھ کر کہیں موسیٰ کو صادق اور واجب الاتباع سمجھ کر اس پر ایمان نہ لے آویں اور اگر ایمان بھی نہ لائیں تو مبادا اس شخص کی طرف مائل نہ ہو جائیں جس سے میرے دعوائے ربوبیت میں زوال نہ آ جائے اس لیے اہلِ دربار کو نرم کرنے کے لیے اول تو یہ کہا کہ یہ شخص خواہ کتنے ہی کرشمے ظاہر کردے لیکن ایک دانا جادوگر سے بڑھ کر نہیں اور یہ کرشمہ جو اس نے دکھلایا ہے وہ ایک خاص قسم کا جادو ہے یعنی معجزہ نہیں جس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری بات فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے اور ان سے ڈرانے کے لئے یہ کہی کہ اس جادوگر کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال دے اور اسکا مالک اور قابض اور رئیس بن جائے اور اپنی قوم کو لے کر بلا مزاحمت تم پر حکومت کرے۔ سو اس بارہ میں تم کیا حکم دیتے ہو یا کیا مشورہ دیتے ہو۔۔ اب فرعون اپنی شانِ تکبر و تجبر سے اتر کر لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ بتلاؤ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے اور تمہارا کیا مشورہ ہے کہ اس شخص کو فوری سزا دی جائے یا ڈھیل دی جائے۔ اصل بات یہ تھی کہ فرعون معجزۂ موسوی دیکھ کر گھبرا گیا اور دعوائے ربوبیت کی بلندی سے اتر کر اپنے آپ کو مشاورت کی پستی میں ڈالا، زبان سے تو دعوائے ربوبیت ہے اور دل میں خوف ہے اخراج کا۔ یعنی اس بات کا کہ یہ جادوگر مجھ کو ملک

مصر سے نکال باہر کرے اس لیے "خدا صاحب" اپنے بندوں سے یا اپنے نوکروں اور چاکروں سے مشورہ پوچھ رہے ہیں۔ سرداروں نے مشورہ دیا کہ معاملہ میں تاخیر بہتر ہے، اپنے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرایا جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ سب نے متفقہ طور پر یہی کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو چندے مہلت دیدو اور اپنے ملک کے سب شہروں میں نقیب بھیج دو کہ وہ تیرے پاس ہر دانا جادوگر کو موجود کریں۔ ہماری رائے میں یہ تدبیر بہتر ہے۔ کیونکہ اگر بغیر مقابلہ اور بغیر ہارے اور عاجز کیے اسکو قتل کرا دیا تو لوگوں کو اس کے بارہ میں شبہ ہو جائیگا۔ مناسب ہے کہ جادوگروں سے مقابلہ کرایا جائے یہ شخص تو ایک ساحر ہے ملک کے تمام ساحروں کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلہ کی صورت کو منظور کیا تا کہ کھلم کھلا اللہ کی حجت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔

پس وہ جادوگر ایک مقررہ دن پر جوان کی عید کا دن تھا جمع کر دیئے گئے اور لوگوں کے لیے اعلان کرا دیا گیا کہ کیا تم اس موقع پر جمع ہو جاؤ گے۔ مقصود یہ تھا کہ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کا مغلوب ہونا دیکھ لیں۔ تاکہ اگر جادوگر غالب آجائیں جیسا کہ غالب توقع ہے تو حسب سابق ہم انہی کی پیروی کرتے رہیں گے یعنی انہی کے دین پر رہیں گے اتنا بھی ظاہری طور پر کہا ورنہ فی الحقیقت قوم فرعون کو اس بات کا یقین تھا کہ غلبہ ساحروں کا ہوگا۔ اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ساری گفتگو فرعون کی عجز اور حماقت کی دلیل ہے۔ پھر جب سب جادوگر جمع ہو گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ بھلا ہم کو کچھ صلہ یعنی انعام بھی ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے فرعون نے کہا ہاں صلہ اور انعام بھی ملے گا اور صلہ کے علاوہ تم میرے مقربوں میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے، یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ اہل دنیا کی زبان پر سب سے پہلے حرف طمع آتا ہے بعد ازاں ساحروں نے صف بندی کی اور مقابلہ پر آمادہ ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا آپ اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ہی ڈالو جو کچھ بھی تم ڈالنے والے ہو۔ اس پر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں اور بولے قسم ہے فرعون کی عزت اور اقبال کی بلاشبہ ہم ہی غالب رہیں گے، پس جب وہ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنا عصا زمین پر ڈالا۔ ڈالتے ہی وہ اژدہا بن گیا اور اسی دم بنے بنائے ہوئے دھندے کو ہڑپ کرنے لگا اور جادوگروں کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا اور ڈکار بھی نہ لی سو یہ منظر دیکھ کر جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سب کے سب سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ توفیق ایزدی اور رحمت خداوندی نے جبراً و قہراً انکو سجدہ میں ڈال دیا۔ معجزہ دیکھ کر انکو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جادو نہیں بلکہ کرشمۂ قدرت ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سحر سے سحر کا مقابلہ ہو سکتا ہے مگر کرشمۂ قدرت یعنی معجزہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اور سمجھ گئے کہ یہ دونوں ہماری طرح جادوگر نہیں بلکہ حقیقۃً رب العالمین کے رسول ہیں اس لیے بولے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے یہ لفظ انہوں نے اس لیے کہا کہ فرعون بھی اپنے آپکو رب اعلیٰ اور جہان کا پروردگار کہلاتا تھا۔ ساحروں نے جب یہ حال دیکھا تو جان لیا کہ یہ رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ بشر کی کوئی صنعت نہیں اور نہ ساحروں کی تمویہ اور تخییل ہے اس لیے سب اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر پڑے اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے۔ فرعون یہ دیکھ کر بہت گھبرایا کہ اگر سب لوگ مسلمان ہو گئے تو میری ربوبیت تو سب ختم ہو جائے گی اس لیے تہدید آمیز لہجہ میں جادوگروں سے یہ کہا کہ تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل

اس کے کہ میں تم کو اسکی اجازت دوں میری اجازت کے بغیر تم نے اسکی کیسے تصدیق کی بیشک یہ تمہارا بڑا گرو ہے جو تم پر غالب آگیا جس نے تم کو جادو سکھلایا ہے پس تم عنقریب جان لوگے کہ اس نافرمانی کی کیا سزا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا استاد ہے اور تم اس کے شاگرد ہو یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے جیسا کہ سورۂ اعراف میں ہے اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا۔ اور وہ سزا یہ ہے کہ البتہ تحقیق میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف اور مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی ایک طرف کا ہاتھ تو دوسری طرف کا پاؤں اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا تاکہ دیکھنے والوں کو اس سے عبرت ہو مگر جادوگروں پر اس تہدید کا کوئی اثر نہیں ہوا اور بولے کہ کچھ مضائقہ نہیں یعنی ہم کو تیری اس دھمکی کی کچھ پروا نہیں بے شک ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں یعنی ہمیں تیرے قتل کی پروا نہیں شہید ہو کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ایمان لاتے ہی رب العالمین پر ایسا یقین آیا کہ دار فانی انکی نگاہ میں ہیچ ہو گیا اور لقائے خداوندی کے مشتاق ہو گئے اور بولے کہ بے شک ہم اس بات کی طمع اور آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں بخش دے اس وجہ سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے مسلمان ہیں یعنی ہم اپنی قوم قبط میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں سبقت فی الایمان کی وجہ سے ہم کو خدا سے امید ہے کہ وہ ہمارے تمام گناہ معاف کر دے ہمارا مقصود آخرت اور رضائے خداوندی ہے اس لیے ہم نے فرعون کے انعام واکرام پر لات ماری اور رب العالمین کے سامنے جھک گئے۔

نکتہ اسی سبقت فی الایمان کی وجہ سے مہاجرین اولین کو دیگر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے۔ کما قال تعالیٰ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ الآیۃ۔

قرآن کریم میں اسکی تصریح نہیں کہ ایمان لانے کے بعد فرعون نے انکے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تفسیر[1] ابن کثیرؒ میں ہے کہ فرعون نے ان سب کو قتل کرڈالا۔ واللہ اعلم۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ جادوگروں کی تعداد علی اختلاف الاقوال بارہ ہزار یا پندرہ یا بیس ہزار تھی اور بعض کہتے ہیں کہ اسی ہزار تھی حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۴ ج ۳۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ

مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

تمہارے پیچھے لگیں گے۔ پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں

[1] فقتلھم کلھم۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۵ ج ۳۔

حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ

نقیب - یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہیں تھوڑی سی۔ اور

اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ مقرر ہم سے جی جلے ہیں۔ اور ہم سارے خطرہ رکھتے ہیں۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ

پھر نکالا ہم نے انکو باغ چھوڑ کر اور چشمے۔ اور خزانے اور گھر

كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ

خاصے۔ اسی طرح ! اور ہاتھ لگائیں یہ چیزیں بنی اسرائیل کو۔ پھر پیچھے پڑے

مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى

انکے سورج نکلتے۔ پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں، کہنے لگے موسٰی کے لوگ

اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾

ہم تو پکڑے گئے۔ کہا کوئی نہیں ! میرے ساتھ ہے میرا رب مجھ کو راہ بتاوے گا۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ

پھر حکم بھیجا ہم نے موسٰی کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو۔ پھر

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا

پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ۔ اور پاس پہنچا دیا

ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ

ہم نے اس جگہ دوسروں کو۔ اور بچا دیا ہم نے موسٰی کو اور جو لوگ تھے اسکے ساتھ

اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

سارے۔ پھر ڈبا دیا ان دوسروں کو۔ اس چیز میں ایک نشانی ہے۔

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ

اور نہیں وہ بہت لوگ ماننے والے ۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾

رحم والا ۔

ع ۴

ذکر کرشمۂ قدرت خداوند جلیل در نجات بنی اسرائیل و غرقابی فرعون در دریائے نیل

قال اللہ تعالیٰ وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ ... الٰی ... وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ

(ربط) مقابلہ میں جب موسیٰ علیہ السلام غالب آگئے اور اللہ کی حجت اور برہان سب پر قائم ہوگئی۔ مگر باوجود اس کے فرعون اور اسکی قوم عناد پر قائم رہی اور ایمان لانے والوں پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تو اب اتمام حجت کے بعد سوائے وبال و نکال اور عذاب و عقاب کے کچھ باقی نہ رہا تو مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ اس ظالم سے انتقام لیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو نکال لے جائیں اور بتلا دیا کہ تمہارے خروج کے بعد فرعون کا لشکر تمہارا تعاقب کریگا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ اہل ایمان خاص عزت و کرامت کے ساتھ نکل جائیں اور ان کے بعد جب فرعون کا لشکر دریا میں داخل ہو تو اسکو غرق کر دیا جائے اس طرح سے اسکو ملک سے نکال باہر کیا جائے اس لیے ان آیات میں بنی اسرائیل کی عجیب طرح نجات کی کیفیت اور عجیب طرح سے فرعون کی ہلاکت کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کامیابی اور اس طرح کی غرقابی کرشمۂ قدرت تھا جو رب العالمین کی ربوبیت کی دلیل تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جو انکی صداقت اور رسالت کی دلیل تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا معجزہ تھا۔ اس کے بعد فرعون اور اسکی قوم پر طوفان اور خون وغیرہ کی بلائیں مسلط کی گئیں جنکا سورۂ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے۔ ابتداء میں قوم پر یہ بلائیں اور آفتیں مسلط کی گئیں تاکہ ہوش میں آجائیں۔ لیکن کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون کو اس واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور نہ دیگر مصائب سے عبرت ہوئی نہ بنی اسرائیل کے ظلم و ستم سے وہ دست کش ہوا بلکہ جو ساحر ایمان لے آئے تھے انکو قتل کر کے پھانسی پر لٹکا دیا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا کہ تم رات کے وقت بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے چلے جاؤ اور یہ بھی بتلا دیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ یعنی جب فرعون کو تمہارے نکل جانے کی خبر ہوگی تو وہ تمہارا تعاقب کریگا چنانچہ حسب الحکم موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے جب صبح ہوئی تو یہ خبر مشہور ہوئی اور فرعون کو اسکا علم ہوا تو فرعون نے انکے تعاقب کا ارادہ کیا۔ جس کی تدبیر یہ کی کہ ملک کے

مختلف شہروں میں لشکر جمع کرنے کے لیے آدمی بھیج دیتے جب جمع ہوگئے تو یہ منادی کرائی کہ تحقیق یہ لوگ یعنی بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ شمار کے اعتبار سے بھی قلیل ہے اور ساز و سامان کے لحاظ سے بے سر و سامان ہے جن کو ہماری فوج سے کوئی نسبت نہیں اور انہوں نے ہماری مخالفت کر کے ہم کو غصہ دلایا ہے اور بے شک ہم سب بڑے سلاح پوش اور ہتھیار بند لوگ ہیں یہ لوگ ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ غرض یہ کہ دو تین روز میں سامان کر کے ان کے تعاقب میں نکلے اور یہ خبر نہ تھی کہ اب اسکو مصر لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ پس ہم نے ان بدکاروں کو ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکال دیا۔ یعنی ہم نے انکے دل میں نکلنے کا داعیہ پیدا کر دیا کہ خود بخود اپنے باغوں اور محلوں سے نکل کھڑے ہوئے دیکھو لوگ کہ خدا کا نکالنا ایسا ہوتا ہے کہ خود انکے دل میں نکلنے کا پختہ ارادہ پیدا کر دیا کہ سب چیزوں کو چھوڑ کر خود بخود نکل کھڑے ہوئے اور بعد چندے ہم نے ان محلوں اور باغوں کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا اور چند دنوں کے بعد وہ ان تمام اموال اور املاک پر قابض ہوگئے۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا اب آگے باقی قصہ کا بیان ہے پس فرعون کے لشکر نے سورج نکلنے کے وقت بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور پیچھے سے انکو جا پکڑا یعنی انکے قریب پہنچ گئے اور یہ وقت اشراق کا تھا۔ پس جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ لوگ تو ہمارے سر پر پہنچ گئے اب تو ہم پکڑا لیے گئے۔ یعنی اب فرعون ہمیں پکڑ لے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں یعنی وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔ اس لیے کہ تحقیق میرا پروردگار میرے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا جیسا کہ ہجرت کے قصہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ وہ عنقریب مجھے اس مخمصہ سے خلاصی کی راہ بتلائے گا تم گھبراؤ نہیں چونکہ دریا کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ آگے دریا تھا اور پیچھے دشمن تھا اس لیے اصحاب موسیٰ علیہ السلام مضطرب تھے۔

آخر اب جاتا کہاں ہے پس اس اضطراب اور پریشانی کے وقت میں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا اس دریا پر مارو چنانچہ انہوں نے بحکم خداوندی اپنا عصا اس پر مارا۔ پس فوراً وہ دریا پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی کئی جگہ سے اِدھر اُدھر ہوگیا جس سے بارہ سڑکیں پیدا ہوگئیں۔ سو پانی کا ہر ایک ٹکڑا مثل ایک بڑے پہاڑ کے کھڑا ہوگیا اور بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے لیے بارہ راستے ہوگئے جو بحکم خداوندی سب خشک تھے کیچڑ نہ رہا اور اطمینان کے ساتھ ان راستوں سے گزر کر دریا سے پار ہوگئے۔ کما قال تعالیٰ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے یہ حکم دیا کہ دریا کو اسی طرح خشک چھوڑ دو۔ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ۔ جو خدا خشکی میں راستے بنا سکتا ہے وہ تری میں بھی بنا سکتا ہے اسکی قدرت کے اعتبار سے بر اور بحر سب برابر ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تو ان دریائی راستوں کو خشک چھوڑ کر پار ہوگئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور بعد ازاں ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی فرعونیوں کو اس جگہ کے قریب پہنچا دیا۔ چنانچہ فرعونیوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے لیے خشک راستے کھلے ہوئے ہیں تو شاداں و فرحاں ان میں گھس پڑے۔ پانی بحکم خداوندی رواں ہوگیا اور سارا لشکر اندر غرق ہوگیا اور یہ تمام رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور انکے ساتھیوں کو بچا لیا اور صحیح سالم انکو دریا سے پار کر دیا۔ پھر انکے پار ہو جانے کے بعد دوسروں کو دریا میں غرق کر دیا کہ جب فرعون اپنی

قوم سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے تمام ٹکڑے آپس میں مل گئے اور سب غرق ہوگئے جو لوگ کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے غرق میں سب شریک ہوئے۔ حالانکہ ان کے طالع مختلف تھے۔ فرعون کو دریائے نیل اور مصر کی نہروں پر فخر تھا اور بطور فخر یہ کہا کرتا تھا اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ۔ اس لیے من جانب اللہ اس کے قابل فخر دریا اور نہر میں اسکو غرق کیا گیا کہ دیکھ لے کہ وہ قابل فخر نہر یہ ہے اور بیشک اس واقعہ میں اللہ رب العالمین کی قدرت کی اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت نبوت کی اور اہل ایمان کی نصرت وحفاظت کی، اور متکبرین اور کافروں کی ہلاکت کی بہت بڑی نشانی ہے اور باوجود ان روشن نشانیوں کے قوم فرعون میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے بیشک تیرا پروردگار جو ہے وہی غالب ہے اور بڑا مہربان ہے اسی انفلاق بحر کے واقعہ سے اسکی شان عزت و غلبہ اور شان رحمت ظاہر ہوگئی کہ اہل ایمان کو نجات دی اور اہل کفر وتکبر کو غرق کیا۔

لطائف ومعارف

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزوں کا ذکر فرمایا۔ معجزۂ عصا، اور معجزۂ ید بیضاء اور معجزۂ انفلاق بحر۔ فلاسفہ اور ملاحدہ اس قسم کے خوارق عادات معجزات اور کرامات کے منکر ہیں اور انکو محال بتلاتے ہیں اور موجودہ زمانے کے نئے چہرے یہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں قانون فطرت کے خلاف ہیں۔

جواب سو جاننا چاہیئے کہ فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ اس قسم کے معجزات کا وقوع عقلاً محال ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے آج تک کوئی دلیل انکے محال ہونے پر قائم نہ ہوسکی۔

جمادات اور نباتات کے اندر حیوانات کا پیدا ہو جانا اور زمین میں حشرات الارض کا پیدا ہونا روزمرہ کا مشاہدہ ہے پس اگر ایک نباتاتی چیز (یعنی عصا) بحکم خداوندی حیوان بن جائے تو عقلاً ممکن ہے بسا اوقات لکڑی کے اندر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کسی جسم کا روشن ہو جانا عقلاً محال نہیں۔ آفتاب اور ماہتاب خدا کے پیدا کردہ جسم ہیں ان میں جو روشنی ہے وہ بھی خدا کی پیدا کردہ ہے آفتاب اور ماہتاب خود بخود اپنی طبیعت اور اپنے ارادہ اور مشیت سے روشن نہیں ہوگئے پس جس خدا نے آفتاب اور ماہتاب کو روشنی بخشی وہی خدا اپنے کلیم کے ہاتھ کو بھی روشنی بخش سکتا ہے نفس جسمیت کے لحاظ سے آفتاب اور موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برابر ہیں اور قدرت خداوندی کے اعتبار سے بھی سب یکساں ہیں اور علیٰ ہذا انفلاق بحر بھی عقلاً محال نہیں کیونکہ پانی بھی عام اجسام کی طرح بہت سے اجزاء سے مرکب ہے اور قابل انقسام ہے اور اس کے اجزاء میں باہمی اتصال اور انفلاق کی پوری صلاحیت اور استعداد موجود ہے جیسے موسم سرما میں بڑے بڑے دریا منجمد ہو جاتے ہیں اور حیوانات ان پر سے گزرتے رہتے ہیں معلوم ہوا کہ پانی کا اتصال اور اس کا انفلاق اور انفصال پانی کی نفس ماہیت کا ذاتی اور طبعی اقتضاء نہیں کہ جو ناقابل تغیر وتبدل ہو سب قدرت خداوندی سے ہے پس اگر قدرت خداوندی سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کا پانی تھوڑی دیر کے لیے پھٹ جائے اور تھم جائے اور پھر انکے گزر جانے کے بعد فوراً بہنے لگے تو یہ بات عقلاً محال نہیں البتہ خارق عادت ہونیکی وجہ سے عجیب وغریب ضرور ہے اگر یہ کوئی امر عجیب نہ ہوتا تو پھر معجزہ ہی کیوں کہلاتا۔ پس جو کرشمۂ قدرت خدا کے کسی برگزیدہ بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ اس نبی کا معجزہ

کہلاتا ہے جو اس نبی کی صداقت اور حقانیت کی دلیل اور روشن علامت ہوتا ہے۔ پس یہ واقعہ چند حیثیت سے معجزہ ہوگیا۔ (۱) محض عصا کے مارنے سے دریا کا پھٹ جانا (۲) اور پھر اس میں بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے مطابق بارہ سڑکیں پیدا ہو جانا (۳) پھر بنی اسرائیل کے گزر جانے کے بعد دریا کا رواں ہو جانا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ

اور سنا انکو خبر ابراہیم کی۔ جب کہا اپنے

لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا

باپ کو اور اسکی قوم کو، تم کیا پوجتے ہو؟ وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو

فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ

پھر سارے دن اس پاس لگے بیٹھے رہیں۔ کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا؟ جب

تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ

پکارتے ہو۔ یا بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا۔ بولے نہیں!

وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا

پر ہم نے پائے اپنے باپ دادے یہی کرتے۔ کہا بھلا دیکھتے ہو؟ جن

كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ

کو پوجتے رہے ہو۔ تم اور تمہارے باپ دادے اگلے۔ سو وہ

عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ

میرے غنیم ہیں مگر جہان کا صاحب۔ جس نے مجھ کو بنایا، سو وہی مجھ

يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا

کو سوجھ دیتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ اور جب

مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾

میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی چنگا کرتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلاوے گا۔

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾

اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر دن انصاف کے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ

اے رب! دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں۔ اور رکھ

لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ

میرا بول سچا پچھلوں میں۔ اور کر مجھ کو وارثوں میں

جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿۸۶﴾

نعمت کے باغ کے۔ اور معاف کر میرے باپ کو، وہ تھا راہ بھولوں میں۔

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا

اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن جی کر اٹھیں۔ جس دن نہ کام آوے کوئی مال نہ

بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ

بیٹے۔ مگر جو کوئی آیا اللہ پاس، لیکر دل چنگا۔ اور پاس لائے

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ

بہشت واسطے ڈروالوں کے۔ اور نکالی دوزخ سامنے بے راہوں کے۔ اور کہیے

لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ

ان کو کہاں ہیں؟ جن کو پوجتے تھے۔ اللہ کے سوا۔ کچھ

يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ ۭ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَ

مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے؟ پھر اوندھے ڈالے اس میں وہ اور

الْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا

سب بے راہ۔ اور لشکر ابلیس کے سارے۔ کہیں گے جب وہ

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ

وہاں جھگڑنے لگیں۔ قسم اللہ کی ! ہم تھے صریح غلطی میں۔ جب

نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾

تم کو برابر کرتے تھے جہان کے صاحب کے۔ اور ہم کو راہ سے بھلایا سو ان گنہگاروں نے۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ

پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والا۔ اور نہ کوئی دوست محبت کرنیوالا۔ سو کسی

اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

طرح ہم کو پھر جانا ہو تو ہم ہوں ایمان والوں میں۔ اس بات میں

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ ع

زبردست رحم والا۔

قصۂ دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

(ربط) گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصّہ کا ذکر تھا اب اس کے بعد آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قصّہ ذکر کرتے ہیں کہ انکو اپنی قوم کے مقابلہ میں کیا ابتلا پیش آیا حضرت ابراہیمؑ کو اپنے باپ کی گمراہی کا شدید رنج تھا حضرت ابراہیمؑ کی قوم بابل کے اطراف میں آباد تھی مذہبًا صابی یعنی ستارہ پرست تھے اور بت پرست

بھی تھے کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دلائل سے حق واضح کر دیا اور اپنے لیے خدا تعالیٰ سے
قسم قسم کی دعائیں مانگی۔ لہٰذا اے نبی آپ بھی وہی طریقہ اختیار کیجئے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور اے نبی آپ ان لوگوں کے
سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے۔ تاکہ یہ لوگ جو حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں انکو چاہیئے
کہ اخلاص اور توحید اور توکل میں انکا اقتدا کریں اور شرک سے بیزار ہوں اور ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سن کر ان پر حجت
لازم ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے اول ابطال شرک کے لیے بتوں کا عاجز ہونا بیان کیا۔ بعد ازاں اثبات توحید کے لیے ربّ
العالمین کی صفات کمال کو بیان کیا کہ رب العالمین وہ ہے کہ بندوں کا پیدا کرنا اور انکو ہدایت دینا اور انکو رزق دینا
اور مارنا اور جلانا سب اسکے اختیار میں ہے جو ذات ان صفات کے ساتھ موصوف ہو وہ مستحق عبادت ہے اور
اسکی نعمتوں کا شکر فرض اور لازم ہے۔

از دست و زبان کہ بر آید ٭ کز عہدہ شکرش بدر آید

اور حضرت ابراہیمؑ کا قصہ یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے یہ سوال کیا کہ تم کس بے حقیقت
چیز کی پرستش کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ہم انکی عبادت پر جمے ہوئے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے
کہا کہ کیا یہ بت تمہاری بات کو سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو اور ان سے دعا مانگتے ہو یا تم کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں
یا اگر تم انکو پوجنا چھوڑ دو تو وہ تم کو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس جو چیز تمہاری پکار بھی نہ سنتی ہو اور نہ کسی نفع اور ضرر پر قادر ہو
وہ کیسے قابل عبادت ہو سکتی ہے۔ بولے کہ یہ باتیں جو تم نے کہی ہیں وہ تو ہم نے ان میں نہیں پائی پر ہم نے اپنے بڑوں کو اسی
طرح کرتے پایا۔ ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبائی طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بھلا تم نے جانا بھی ہے کہ
جن چیزوں کو تم پوجتے رہتے ہو اور تمہارے بڑے بھی پوجتے چلے آئے۔ یہ میرے اور تمہارے دشمن ہیں سوائے رب
العالمین کے کہ اس کی عبادت تو حق ہے اور اسکے سوا کسی اور چیز کی عبادت باعث مضرت ہے بلکہ باعث ہلاکت ہے
اور دشمن کا کام نقصان پہنچانا ہے۔ اس لیے انہیں دشمن فرمایا۔ کیونکہ کسی دشمن سے اتنا ضرر نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ بتوں کی عبادت
سے پہنچتا ہے اور وہ رب العالمین جس کی عبادت کی طرف میں تم کو بلاتا ہوں اسکی شان یہ ہے کہ اس نے مجھ کو پیدا کیا۔ پس
وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے اور سیدھے راستے پر لے جا رہا ہے پہلے جملہ میں اللہ کی وحدانیت کو بیان کیا کہ وہی میرا خالق ہے
اور دوسرے جملہ میں مقام نبوت کو بیان کیا کہ جدھر خدا مجھے لے جا رہا ہے میں ادھر جا رہا ہوں۔

ست ... می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے یعنی جس ذات نے پیدا کرنے کے بعد میرے لیے سامان زندگی بھی پیدا
کیا۔ میرا وجود اور میری بقا سب اسکے اختیار میں ہے اور زندگی میں جو تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ بھی
سب اس کے ہاتھ میں ہیں اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے اور وہ ذات جس نے مجھ کو پیدا
کیا وہی مجھ کو اپنے وقت پر موت دے گا۔ پھر قیامت کے دن مجھ کو زندہ کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ میں بھی حادث
اور میری بیماری بھی حادث اور میری صحت بھی حادث اور میری موت بھی حادث اور میری حیات بھی حادث اور وہ
ذات ہے کہ جس سے میں طمع لگائے ہوئے ہوں کہ روز جزا میں میری خطا معاف کرے۔ یعنی میری خطا پر مؤاخذہ نہ

کرے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل اور معصوم بندے تھے۔ مگر سہو و نسیان سے کوئی بشر خالی نہیں اس لیے بطور تواضع و ادب اور لوگوں کی تعلیم کے لیے یہ فرمایا کہ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں پر نظر رکھیں اور بتلایا ہے کہ لوگ جان لیں کہ خطاؤں کو معاف کرنے والا صرف وہی رب العالمین ہے۔ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش ✽ عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش ✽ کس نتواند کہ بجا آورد

یہاں تک ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے معبود برحق کی صفات بیان کیں کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہو۔ تمہارے تراشیدہ بت قابل عبادت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے انواع و اقسام کے الطاف کا اعتراف کیا اب اس کے بعد ابراہیم اپنی قوم سے منہ موڑ کر رب العالمین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے دعا مانگتے ہیں اے میرے پروردگار مجھ کو علم اور حکمت عطا فرما اور مجھ کو اپنے خاص الخاص نیک بختوں میں شامل کر دے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا ہونا کسی سے ممکن نہیں اس لیے حضرات انبیاء سب سے زیادہ لرزاں اور ترساں رہتے ہیں۔ فقہ اکبر میں امام اعظمؒ سے مروی ہے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت جو اس عبادت کا حق ہے ادا نہیں کر سکتی لیکن بندہ اسکے حکم کی فرمانبرداری اور بجا آوری کرتا ہے حکم سے علم اور حکمت اور نبوت اور قوت علمیہ کا کمال مراد ہے اور صلاح سے قوت عملیہ کا کمال مراد ہے اللہ تعالیٰ نے انکی یہ دونوں دعائیں قبول کیں۔ انکو علم و حکمت اور رسالت اور خلت سے سرفراز فرمایا اور صالحین میں سے بنایا۔ کما قال تعالیٰ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اور اے میرے پروردگار میرا ذکر خیر سچائی کے ساتھ پچھلے لوگوں میں جاری رکھ کہ پچھلے لوگ میرے طریقے پر چلیں اور انکی نیکیوں سے مجھ کو بھی حصہ ملے اللہ تعالیٰ نے انکی یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰى وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ جس قدر ادیان سماویہ ہیں سب میں انکا ذکر خیر ہوتا ہے اور امت محمدیہ کو یہ حکم ہوا کہ التحیات میں جب درود پڑھا کریں تو اس کے ساتھ کما صلیت و بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم۔ پڑھا کریں۔ اور اے الٰہی مجھ کو جنت النعیم کے وارثوں میں سے کر دے جو تیری نعمت اور کرامت کا باغ ہے یعنی بغیر تعب اور مشقت کے مجھ کو جنت عطا فرما۔ جیسے میراث بدون تعب اور مشقت کے ملتی ہے اور اے اللہ میرے باپ کی مغفرت فرما دے وہ گمراہوں میں سے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور باپ کو چھوڑ کر چلے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ اسکو ایمان اور ہدایت کی توفیق نصیب فرما تاکہ وہ تیری مغفرت کا مستحق ہو سکے۔ انکو یہ امید تھی کہ شاید وہ زندگی میں اسلام لے آئے لیکن جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے ایمان نہیں لائے گا یا یہ معلوم ہو گیا کہ اسکا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو اس سے بیزار ہو گئے جیسا کہ سورۂ توبہ میں گزر چکا ہے۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر تھا کہ جو مقام رجاء و طمع سے متعلق ہیں اب آئندہ آیت میں

اس دعا کا ذکر کرتے ہیں جو مقام عظمت و ہیبت اور مقام خوف و خشیت سے متعلق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے پروردگار مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جس دن مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے لفظ لَا تُخْزِنِیْ خِزْیٌ سے مشتق ہے خزی کے معنی ذلت اور خواری کے ہیں اور خزایت کے معنی ندامت اور شرمساری کے ہیں آیت میں دونوں معنی درست ہیں سبحان اللہ جب ابراہیم خلیل اللہؑ کا یہ حال ہے کہ وہ روز حشر کی رسوائی سے ڈرتے ہیں تو کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ آخرت کی ذلت اور رسوائی سے بے فکر ہو جائے اور وہ دن بڑا ہولناک ہوگا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے لیکن اس دن کی پریشانی اور رسوائی سے وہ شخص بچ سکے گا جو اللہ کے پاس کفر اور شرک اور شکوک و شبہات سے دل سلامت لیکر حاضر ہوگا۔ جو شخص ایسا ہوگا تو لامحالہ اس نے اپنا مال خدا کی راہ میں لگایا ہوگا اور اپنی اولاد کو دین کی تعلیم دی ہوگی۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن مال اور اولاد سے نفع پہنچے گا۔ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ سلیم کے معنی لغت میں مارگزیدہ کے ہیں مطلب یہ ہے کہ خوف خداوندی کی وجہ سے جس دل کی یہ کیفیت ہو کہ وہ مارگزیدہ کی طرح تلملاتا رہے تو وہ قیامت کے دن کامیاب ہوگا۔ اور وہ دن نہایت ہولناک اور ہیبتناک ہوگا اس دن جنت میدان حشر میں متقیوں کے قریب کردی جائے گی جو خزانہ ہے منافع اور فوائد کا تاکہ اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے ہی جنت کو دیکھ کر خوش ہو جائیں کہ ہمیں اس مقام پر جانا ہے اور جہنم گمراہوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی جو مخزن ہے تمام مصیبتوں اور ذلتوں اور آفتوں کا تاکہ اس کو دیکھ کر غمزدہ ہوں کہ اب ہمیں یہاں جانا ہے اور یہ ہمارا دائمی ٹھکانا ہے یہ دیکھ کر انکے خوف اور ناامیدی اور پریشانی میں اور زیادتی ہوگی۔ کما قال تعالیٰ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اس طرح سے جنت کو قریب کرنا مسلمانوں کے سُرور کا باعث ہوگا اور دوزخ کا قریب کرنا کافروں کے رنج و غم کا باعث ہوگا۔ (تفسیر کبیر ص۱۴۸ ج ۶)

اور ذلت و مصیبت کا مخزن دکھلانے کے بعد گمراہوں کو ملامت کی جائے گی اور ان سے کہا جائیگا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جنکو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کیا وہ اس وقت تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا اپنا ہی کچھ بچاؤ کر سکتے ہیں کیا اپنے آپکو عذاب سے بچا سکتے ہیں پھر اس کہنے کے بعد وہ معبود یعنی بت وغیرہ اور بت پرست اور گمراہ اور ابلیس کا سب لشکر دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے سب کے سب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور غوطے دیئے جائیں گے اور بت اور شیاطین اور گمراہوں کے سردار جنہوں نے انکو گمراہی پر آمادہ کیا تھا وہ اپنے پیروی کرنے والوں کی کوئی مدد نہیں کرسکیں گے اور نہ خود اپنے کو عذاب سے بچا سکیں گے نہ ناصر ہونگے اور نہ منتصر اور یہ عابد و معبود وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ عابدین اپنے معبودین سے کہیں گے۔ خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی اور صریح غلطی میں تھے کہ ہم تمہاری عبادت کرتے تھے اور تمکو جہانوں کے پروردگار کی برابر ٹھہراتے تھے۔ اور خدا کی طرح بے چون و چرا تمہارے حکم کو مانتے تھے اور نہیں گمراہی میں ڈالا ہم کو مگر ان بڑے مجرموں نے جو اس گمراہی کے بانی تھے ان مجرموں نے جو باتیں ہم کو سکھائی وہ ہم نے مانی جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا۔ بالآخر اس طرح سے وہ اپنی گمراہی کا اقرار کریں گے پس اس وقت حسرت سے یہ کہیں گے کہ افسوس ہمارا کوئی سفارشی نہیں جیسے مومنوں کے سفارشی فرشتے اور انبیاء ہیں اور نہ کوئی شفیق اور مہربان دوست ہے کہ دلسوزی اور اظہار ہمدردی ہی کرے

سو کاش ہم کو پھر ایک مرتبہ دنیا میں لوٹنا نصیب ہو جائے تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں اور پکے ایماندار بن کر واپس آئیں انکی یہ بات بھی جھوٹ ہے وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کی تقریر ختم ہوئی۔ اب آگے حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔ بیشک ابراہیم علیہ السلام کے اس تمام قصہ میں اہل عقل کے لیے بڑی نشانی ہے اور عبرت اور نصیحت ہے اور حجت اور بصیرت ہے جو اللہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے کیونکہ یہ قصہ ابطال شرک اور دلائل توحید اور گمراہوں کے عبرتناک انجام کے بیان پر مشتمل ہے کہ کفر اور شرک کا انجام دائمی عذاب ہے اور ایمان دائمی نجات کا سبب ہے اور باوجود اسکے قوم ابراہیم میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے۔ اے نبی بیشک تیرا پروردگار ہی غالب ہے اور مہربان ہے یعنی وہ قادر ہے کہ اپنے دشمنوں سے فوری انتقام لے لے۔ لیکن وہ رحیم اور حلیم ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ

جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان

لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

کو ان کے بھائی نوح نے، کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تمہارے واسطے پیغام لانے

اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَسْــَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ

والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے اس

مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا

پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔ سو ڈرو

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ

اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ بولے کیا ہم تجھ کو مانیں؟ اور تیرے ساتھ ہو رہے

الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِىْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾

ہیں کمینے۔ کہا مجھ کو کیا جاننا ہے جو کام وہ کر رہے ہیں۔

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّىْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَمَآ اَنَا

انکا حساب پوچھنا میرے رب ہی کا کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ اور میں ہانکنے

بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۴﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوا

والا نہیں ایمان لانے والوں کو۔ میں تو یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر۔ بولے

لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ

اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح! تو سنگسار ہوگا۔ کہا

رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا

اے رب! میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا۔ سو فیصلہ کر میرے انکے بیچ کسی طرح کا فیصلہ

وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ فَأَنجَيْنَاهُ

اور بچالے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے۔ پھر بچا دیا ہم نے

وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ

اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی کشتی میں۔ پھر ڈبا دیا پیچھے ان بچے

الْبَاقِينَ ﴿۱۲۰﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم

ہوؤں کو۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں

مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۲﴾

ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

قصۂ سوم حضرت نوح علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ .. الی .. وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ۔

یہ تیسرا قصہ نوح علیہ السلام کا ہے اس سے مقصود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ نوح علیہ السلام نے ایک طویل عرصہ تک اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کیا۔ نوح علیہ السلام نے اول اپنی قوم کو خدا سے ڈرایا۔ أَلَا تَتَّقُونَ۔ بعد ازاں اپنی رسالت اور امانت کو بتلایا۔ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ۔ کیونکہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم میں امانت وصداقت کے ساتھ مشہور ومعروف تھے چنانچہ فرماتے ہیں قوم نوح نے سارے رسولوں کو جھٹلایا کیونکہ سب رسولوں کا دین ایک ہے اور ایک کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے جبکہ اس قوم کے نسبی بھائی نوح علیہ السلام نے بمقتضائے شفقت ان سے کہا کیا تم لوگ خدا سے ڈرتے نہیں کہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہو یہاں نسب کے اعتبار سے بھائی ہونا مراد ہے قوم اور وطن کے اعتبار سے بھائی ہونا مراد نہیں تحقیق میں تمہاری طرف خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں اور امانت دار ہوں جیسا کہ تمہیں میری امانت وصداقت خوب معلوم ہے پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو شرک اور بت پرستی کو چھوڑ دو اور ایمان لاؤ۔ اور اس نصیحت میں میری کوئی غرض نہیں میں اس دعوت ونصیحت پر اور تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر تو صرف رب العالمین پر ہے میں تم سے کسی قسم کے نفع کا طلبگار نہیں میرا مقصود تو صرف تمہاری نصیحت اور خیر خواہی ہے پس تم اللہ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے ڈرو اور بے چون وچرا میری اطاعت کرو تاکہ عذاب جہنم سے بچ سکو اور ثواب جنت حاصل کر سکو۔ مگر بڑے سنگدل تھے کہ اس مشفقانہ اور ہمدردانہ نصیحت پر کان نہ دھرا اور بولے کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ کمینوں اور رذیلوں نے تیرا اتباع کیا ہے۔ چند غریبوں اور چند پیشہ وروں نے تیری پیروی کی ہے جن کو دنیا کی کوئی عزت اور وجاہت حاصل نہیں یہ ناقدرے اور بے حیثیت لوگ ہیں ظاہر میں تیرے تابع ہیں اور باطن میں تیرے مخالف ہیں ایسے غریبوں اور ناداروں کے ساتھ بیٹھنے میں ہم جیسوں کو عار آتی ہے۔ نوح علیہ السلام نے کہا مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں اخلاص کی راہ سے کرتے ہیں یا نفاق کی راہ سے میرا کام تو صرف اتنا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں مجھے ان کے باطن کی تحقیق کی ضرورت نہیں جو ظاہر میں ایمان لے آئے وہ میرے نزدیک مقبول ہے باقی انکے ان کے باطن کا حساب سو وہ صرف میرے پروردگار کا کام ہے جو ان کے باطن پر مطلع ہے کاش تم یہ بات سمجھو۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے انکے اعمال وافعال سے بحث نہیں اور نہ مجھے انکے باطنی اخلاص اور نفاق کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ میرا حکم ظاہر پر چلتا ہے میرا کام تو حق کی دعوت دینا ہے جو ایمان لائے اور میری اطاعت کرے وہ میرا ہے اور میں اسکا ہوں خواہ وہ شریف ہو یا کمینہ امیر ہو یا فقیر آخرت کا معاملہ ایمان اور اطاعت پر ہے وہاں کسی پیشہ کے فرق کو دیکھ کر معاملہ نہ ہوگا۔ آخرت کی عزت وذلت ایمان اور کفر سے وابستہ ہے صنعت وحرفت اور مال ودولت سے اسکا کوئی تعلق نہیں اب رہی یہ بات کہ یہ لوگ اخلاص سے ایمان لائے یا کسی دنیاوی منفعت کے لیے سو یہ کام میرے متعلق نہیں دل کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے اور وہی حساب لینے والا ہے کفار کے اس کلام سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ اگر آپ ان رذیلوں اور کمینوں کو اپنے پاس سے نکال دیں یا ہٹا دیں تو ہم آپ کی طرف توجہ کر سکتے ہیں اس لیے نوح علیہ السلام نے فرمایا اور میں ایمان لانے والوں کو اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ میں تو صرف ڈرانے والا اور حق کو واضح کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حق کی دعوت کے لیے بھیجا ہے مجھے امیر اور فقیر سے کوئی بحث نہیں تو وہ کافر بولے کہ اے نوح اگر تو اپنی دعوت اور تبلیغ سے باز نہ آیا تو ضرور سنگسار شدہ لوگوں میں سے ہو جائیگا یعنی تجھ کو ضرور سنگسار کر دیا جائیگا نوح علیہ السلام یہ بات سن کر انکے ایمان سے ناامید ہو گئے تو یہ دعا مانگی اے میرے پروردگار میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا اور اس درجہ تکذیب پر تل گئی ہے کہ اب اس کے بعد تصدیق اور ایمان کا کوئی امکان نظر نہیں آتا پس میرے اور انکے درمیان فیصلہ کر دیجیے یعنی ان سے میرا انتقام لے لیجیے

جیسا کہ دوسری جگہ ہے — اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ اور مجھ کو اور میرے ساتھ جو مسلمان ہیں انکو اپنے قہر اور عذاب سے نجات دے تب ہم نے اسکو اور جو اس کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے انکو نجات دی پھر ان کے نجات دینے کے بعد ہم نے باقیوں کو غرق کر دیا بے شک اس واقعہ میں خدا کی قدرت کی ایک زبردست نشانی ہے اور قوم نوح میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہوئے اور اے نبی بیشک تیرا پروردگار وہی ہے زبردست مہربان کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا اور مسلمانوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور تمام کافر قہر الٰہی کے طوفان اور سیلاب میں بہا کر ہلاک کر دیئے گئے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ

جھٹلایا عاد نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا انکو انکے بھائی ہود نے

هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾

کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر

اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ

کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔ کیا بناتے ہو

بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ

ہر ٹیلے پر ایک نشان کھیلنے کو؟ اور بناتے ہو کاریگریاں، شاید

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾

تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا

سو ڈرو اللہ سے، اور میرا کہا مانو۔ اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پہنچایا ہے جو

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ

کچھ جانتے ہو۔ پہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے۔ اور باغ

وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

اور چشمے۔ میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی

عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ

آفت سے۔ بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ

تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

بنے نصیحت کرنے والا۔ اور کچھ نہیں یہ عادت ہے اگلے لوگوں کی۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ

اور ہم کو آفت نہیں آنے والی۔ پھر اسکو جھٹلانے لگے تو ہم نے انکو کھپا دیا۔ اس بات

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

میں البتہ نشان ہے۔ اور وہ لوگ بہت نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

ہے زبردست رحم والا۔

قصۂ چہارم حضرت ہود علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ..... الیٰ ..... لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

یہ چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے یہ قوم بڑی مالدار اور صاحب سلطنت تھی۔ محض اپنی بڑائی اور نام آوری کے لیے بڑی بڑی عمارتیں بناتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے انکو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر آگاہ کیا مگر وہ لوگ مال و دولت کے نشہ میں مست تھے کب سننے والے تھے بالآخر عذاب الٰہی سے نیست و نابود

کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں قوم عاد نے ایک ہود علیہ السلام کو کیا جھٹلا دیا۔ سارے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے نسبی بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم کفر اور شرک کر کے اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لیے معتبر اور امانت دار پیغمبر ہوں تم کو بھی میری امانت اور صداقت معلوم ہے پس تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور جس بات کی طرف تم کو بلاتا ہوں اس پر عمل کرو۔ اور میں تم کو خالص اللہ کے لیے نصیحت کرتا ہوں اس دعوت اور نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف پروردگار عالم کے ذمہ ہے کیا تم ہر بلند جگہ پر اپنی شان و شوکت کا نشان بناتے ہو تاکہ خوب بلندی سے نظر آئے محض عبث اور بے کار کام کرتے ہو۔ جس کی ضرورت نہیں محض نام و نمود کے لیے بناتے ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہاں بیٹھ کر تم کھیل اور تماشہ کرتے ہو اور سر راہ چلنے والوں پر ہنستے ہو اور بڑے بڑے عالی شان محل یا مضبوط قلعے یا بڑی بڑی حوضیں یا زیر زمین پانی کی نہریں بناتے ہو گویا کہ تم اس دنیا میں اور ان مکانات میں ہمیشہ رہو گے اور تم کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایسے محکم اور مضبوط مکانات بنانا طول امل اور غفلت پر دلالت کرتا ہے تم کو موت کی اور مابعد موت کی کوئی فکر نہیں اور تمہارے تکبر اور تجبر کا یہ حال ہے کہ جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو اور اس کو پکڑتے ہو تو ظالم اور سرکش ہو کر اس کو پکڑتے ہو جس میں رحم و کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ پس اللہ سے ڈرو اور سرکشی کو چھوڑ دو اور میرا کہا مانو اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو یعنی جس خدا نے تمہاری مویشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں سے تمہاری مدد کی یعنی جس خدا نے تم کو یہ نعمتیں دی اس سے ڈرو کہ کہیں وہ اپنی نعمتیں تم سے چھین نہ لے مجھے تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ بولے ہم پر برابر ہے کہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں میں سے ہم اپنا طریقہ نہیں چھوڑیں گے یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں ہیں اور انکی ڈالی ہوئی عادت ہے اور ہم کو کوئی عذاب نہیں آئے گا غرض یہ کہ ان لوگوں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو آندھی سے ہلاک کر دیا کہ ان کا اور ان کے محلوں اور قلعوں کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ اور اس ماجرے میں اللہ کی بڑی نشانی ہے کہ نبی کی تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے اور قوم عاد میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور بیشک تیرا رب وہی بڑا زبردست عزت والا اور رحمت والا ہے کہ دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ

جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان

أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ

کے بھائی صالح نے کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تم پاس

رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ

پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

تم سے اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾

کیا چھوڑ دیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں نڈر؟ باغوں میں اور چشموں میں۔

وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ

اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جنکا گابھا ملائم۔ اور تراشتے ہو پہاڑوں

الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾

کے گھر تکلف سے۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي

اور نہ مانو حکم بے باک لوگوں کا۔ جو بگاڑ کرتے ہیں

الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ

ملک میں اور سنوار نہیں کرتے۔ بولے، تجھ پر کسی نے

الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ

جادو کیا ہے۔ تو یہی ایک آدمی ہے جیسے ہم۔ سو لے آ کچھ نشانی، اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ

تو سچا ہے۔ کہا یہ اونٹنی ہے! اسکو پانی پینے کی

وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

ایک باری، اور تمکو باری ایک دن کی مقرر۔ اور نہ چھیڑیو اسکو بری طرح

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا

پھر پکڑے تم کو آفت ایک بڑے دن کی۔ پھر کاٹ ڈالی وہ اونٹنی پھر کل کو

نَدِمِينَ ﴿١٥٧﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۭ

رہ گئے پچھتاتے۔ پھر پکڑا ان کو عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی ہے

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾

زبردست رحم کرنے والا۔

قِصّۂ پنجم صالح علیہ السلام باقوم ثمود

قال اللہ تعالیٰ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ۔

یہ پانچواں قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا ہے یہ قوم عرب کے شمال کنارہ پر آباد تھی اور یہ خطہ نہایت سرسبز و شاداب تھا چشموں اور باغوں سے معمور تھا مگر یہ بدبخت قوم بت پرست تھی اور رہزنی اور دیگر فواحش میں بتلا تھی۔ قیامت اور روز جزا کی منکر تھی۔ قوم ہود پر تو تکبر اور تجبر اور تعلی اور تفاخر کا غلبہ تھا کہ بڑی بلند عمارتیں بناتے تھے اور قوم صالح پر لذات حسیہ اور شہوات طبعیہ کا غلبہ تھا کھانے پینے کی طرف زیادہ راغب تھے یہ لوگ بڑے آسودہ حال تھے حضرت صالح علیہ السلام نے انکو اللہ کی اطاعت کا حکم دیا اور دنیاوی عیش و عشرت کی ناپائیداری بیان کی۔ انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا انکی طلب کے مطابق ایک اونٹنی پتھر سے نمودار ہوئی انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور مورد غضب الٰہی ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں قوم ثمود نے ایک صالح علیہ السلام کو کیا جھٹلایا سارے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے انکے نسبی بھائی صالح علیہ السلام نے کہا کیا تم اللہ کی نافرمانی سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین بن کر آیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس تبلیغ و دعوت پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم ان نعمتوں میں جو یہاں (دنیا میں) تمکو حاصل ہیں اسی حالت میں بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تم پر کوئی آفت آئے گی اور نہ تم کو بیماری اور موت آئے گی۔ حالانکہ ان نعمتوں کا مقتضا یہ ہے کہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اس منعم حقیقی نے تم کو باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نرم اور نازک اور پاکیزہ ہیں۔ رکھا ہے ان عظیم نعمتوں کا شکر تم پر واجب ہے اور کیا تم اس لیے بے فکر ہو کر پہاڑوں میں سے تراش کر مکانات بناتے ہو۔ درآنحالیکہ تم اتراتے ہو پس اللہ سے ڈرو وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہارے امن و امان کو خاک میں ملا دے اور میری اطاعت کرو تاکہ اللہ کے عذاب سے مامون ہو جاؤ اور ان لوگوں کی بات

نہ مانو کہ جو نخوت کی وجہ سے دائرۂ عبودیت سے باہر نکلنے والے ہیں جو لوگ زمین میں فساد کرتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے فساد سے اللہ کی نافرمانی اور اصلاح سے اللہ کی فرمانبرداری مراد ہے وہ لوگ بولے کہ تجھ پر تو بس کسی نے جادو کر دیا ہے اسی لیے تو بہکی بہکی خارج از عقل باتیں کر رہا ہے تو تو کچھ بھی نہیں ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے تو اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوتا تو فرشتہ ہوتا ہم جیسا ہو کر رسول ہونے کا دعویٰ بے عقلی ہے اور بے دلیل ہے پس اگر تو سچوں میں ہے تو اپنے دعوائے نبوت پر کوئی دلیل لا صالح علیہ السلام نے کہا کہ اچھا کیا نشانی مانگتے ہو انہوں نے فرمائش کی کہ خاص اس پتھر میں سے ایک اونٹنی نکال حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر دعا مانگی اسی وقت پہاڑ میں ایک پتھر مثل حاملہ عورت کے تھرایا اور شق ہو کر اس میں سے ایک اونٹنی برآمد ہوئی صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ اونٹنی جو تم نے مانگی تھی اور اس اونٹنی کے کچھ حقوق ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ پانی پینے کے لیے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن تمہارے مواشی کے پانی پینے کی باری ہے اسکی باری کے دن تم اپنے جانوروں کو نہ پلانا اور تمہارے جانوروں کی باری کے دن یہ پانی نہیں پیئے گی اور ایک حق اسکا یہ ہے کہ اس کو برائی اور تکلیف دہی کی نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا مبادا تم کو کسی بڑے بھاری دن کا عذاب آپکڑے سو انہوں نے باوجود معجزہ کے نہ تو صالح علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی اور نہ اس اونٹنی کا حق ادا کیا بلکہ اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا پھر جب آثار عذاب نمودار ہوئے تو اپنے کیے پر نادم ہوئے پھر پکڑ لیا انکو عذاب نے جسکا ان سے وعدہ کیا گیا تھا زمین کو سخت زلزلہ آیا کہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑے اور جبرئیل امینؑ نے ایک چیخ ماری جس سے انکے جگر پھٹ گئے اور سب مر گئے۔ تحقیق ان قوم ثمود کی سرگذشت میں بڑی عبرت ہے اور ان میں کے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہوئے اور بے شک تیرا رب عزیز اور رحیم ہے یعنی وہ غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور مہربان ہے جب تک جرم کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ

جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان

لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

کے بھائی لوط نے کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تم کو پیغام لانے

أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے

مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ

اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔ کیا دوڑتے ہو

الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ

جہان کے مردوں پر ؟ اور چھوڑتے ہو جو تم کو بنا دیں

رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

تمہارے رب نے تمہاری جوروئیں ؟ بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

بولے۔ اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکالا جاوے گا ۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ

کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں - اے رب ! خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر

مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا

والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں - پھر بچا دیا ہم نے اسکو، اور اسکے گھر والوں کو سارے - مگر ایک

عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ

بڑھیا رہی رہنے والوں میں - پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان دوسروں کو - اور

اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ

برسایا ان پر ایک برساؤ سو کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا - البتہ

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَ

اس بات میں نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے - اور

اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا ۔

قصۂ ششم حضرت لوط علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ... الیٰ ... وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

یہ چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو سدوم کی طرف بھیجے گئے سدوم شام کے جنوب اور مشرق میں واقع ہے یہاں کے لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ شہوت پرستی میں غرق تھے اور خاص طور پر لواطت میں مبتلا تھے لوط علیہ السلام نے انکو نصیحت کی مگر ان بدبختوں نے ایک نہ سنی بالآخر سب ہلاک کر دیئے گئے چنانچہ فرماتے ہیں۔ لوط کی قوم نے بھی سارے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین بنا کر بھیجا گیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہارا خیرخواہ اور بے غرض ناصح ہوں میں تم سے اس دعوت اور نصیحت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا میری اجرت اور میرا اجر تو اللہ رب العالمین پر ہے کیا سارے جہان میں تم ہی ایسے ہو کہ مردوں اور لڑکوں سے قضاء شہوت کرتے ہو اور چھوڑتے ہو تم اپنی بیبیوں کو جن کو تمہارے لیے تمہارے رب نے پیدا کیا ہے اور اس فعل شنیع کے ارتکاب سے تم فقط گناہ گار نہیں بلکہ حدود انسانیت سے تجاوز کرنے والے ہو بیبیوں کو چھوڑ کر مردوں سے مباشرت کرنا قضاء شہوت نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی خباثت ہے اور سراسر شیطانیت ہے وہ لوگ جواب میں بولے اے لوط اگر تو ہمیں منع کرنے اور برا کہنے سے باز نہ آیا تو البتہ ہو جائیگا تو نکالے ہوئے لوگوں میں سے یعنی تجھ کو بستی سے نکال دیا جائے گا۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہاری اس دھمکی سے نہیں ڈرتا تحقیق میں تمہارے اس عمل بد سے بغض اور نفرت رکھنے والوں میں سے ہوں اور تمہارے کام سے بالکل بیزار ہوں اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے خاص متعلقین کو اس برے کام کے وبال اور عذاب سے بچا جو ان پر آنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی پس نجات دی ہم نے اسکو اور اسکے سب متعلقین کو سوائے ایک بڑھیا کے جو حضرت لوط کی بدقسمت بیوی تھی کہ جو پیچھے رہنے والوں میں رہی پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک اور تباہ کر دیا اور ان پر ایک خاص قسم کا برساؤ کیا یعنی پتھروں کا پس کیا ہی برا برساؤ تھا ان لوگوں کا جن کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا۔ یعنی ان کی بستیاں زمین سے اوپر لے جا کر الٹ دی گئیں اور آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ مفصل قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔ بیشک اس قصہ میں نشانی اور عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور تیرا پروردگار زبردست ہے اور رحم والا ہے کہ دشمنوں کو ہلاک کیا اور لوط علیہ السلام کو اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۶﴾ إِذْ قَالَ

جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا

لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

ان کو شعیب نے، کیا تم کو ڈر نہیں۔ میں تم کو پیغام لانے والا ہوں

اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ

معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم

عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾

سے اس پر کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا

پورا بھر دو ماپ اور نہ ہو نقصان دینے والے۔ اور تولو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ

سیدھی ترازو۔ اور مت گھٹا دو لوگوں کو انکی چیزیں

وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِیْ

اور مت دوڑو ملک میں خرابی ڈالتے۔ اور ڈرو اس سے جس

خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ

نے بنایا تمکو اور اگلی خلقت کو۔ بولے تجھ کو تو کسی نے جادو

الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ

کیا ہے۔ اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم اور ہمارے خیال میں

لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ

تو تو جھوٹا ہے۔ سو دے مار ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا

اگر تو سچا ہے۔ کہا میرا رب خوب جانتا ہے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ

جو تم کرتے ہو۔ پھر اسکو جھٹلایا پھر پکڑا انکو آفت نے سائبان والے دن کی۔

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ

بیشک وہ تھا عذاب بڑے دن کا۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور

مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

رحم والا۔

قصۂ ہفتم اصحاب الایکہ

قال اللہ تعالیٰ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ الی ۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

یہ ساتواں قصہ اصحاب ایکہ کا ہے جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ علاوہ شرک کے ناپ تول میں بہت کمی کرتے حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا بالآخر ہلاک ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں ایکہ کے لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو نہیں بلکہ سارے رسولوں کو جھٹلایا ایکہ کے معنی بن کے ہیں۔ ایکہ ایک جنگل تھا جو مدین کے قریب تھا اس جنگل میں درخت اور پھل بہت تھے۔ ایکہ مدین کے متصل ایک مقام کا نام ہے حضرت شعیب علیہ السلام من جانب اللہ دو قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ایک اصحاب ایکہ کی طرف اور ایک مدین کی طرف یہ لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ بدکار اور اوباش تھے کیل اور وزن میں کمی کرتے تھے جس پر تجارت کا دارومدار ہے جبکہ شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس وعظ اور تبلیغ پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو صرف رب العالمین پر ہے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کا حق ربوبیت ادا کرو اور بندوں کی حق تلفی نہ کرو۔ پیمانہ پورا بھر کر دیا کرو اور نقصان پہنچانے والوں اور حق کم کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیرو۔ ماپ تول میں کمی کرنا یہ بھی ایک قسم کا فساد ہے بلکہ چوری اور رہزنی کا ایک نمونہ ہے اور اس خدا سے برتر سے ڈرو جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تم کو اور تم سے پہلی امتوں کو پیدا کیا اور تم کو عدم سے وجود میں لایا اور وہ تمہارے مٹانے اور فنا کرنے

پر بھی قادر ہے لہٰذا تم پر اس کی فرمانبرداری لازم ہے۔ اہل ایکہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اس نصیحت کے جواب میں بولے اور بطور حقارت ان سے یہ کہا کہ جز این نیست کہ تو ان لوگوں میں سے ہے کہ جن پر جادو کر دیا گیا اس لیے تو بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ تو رسول الٰہی کیسے ہو سکتا ہے اور نہیں ہے تو مگر ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے تجھے ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے ان نادانوں نے ظاہری صورت و شکل کی مماثلت سے یہ سمجھا کہ ہم اور وہ برابر ہیں۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ صورت اور شکل کے اعتبار سے تو عاقل اور غافل اور عالم اور جاہل میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا اور بولے کہ ہم تو بلا شبہ تجھ کو جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں پس اگر تو دعوائے نبوت میں سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تو سچا نبی ہے اور تیری تکذیب کی وجہ سے ہم پر یہ بلا نازل ہوئی شعیب علیہ السلام نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو وہ تمہیں تمہارے اعمال کی سزا دیگا مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ تمکو کیا سزا دیگا بالآخر انکو یہی سزا مل گئی جو انہوں نے مانگی تھی۔ پس اس قوم نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا پس پکڑ لیا انکو سائبان والے دن کے عذاب نے سیاہ ابر سائبان کی شکل میں نمودار ہوا جس میں سے آگ برسی اور سب جل گئے۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف بھیجا ایک اصحاب ایکہ کی طرف اور ایک اہل مدین کی طرف۔ اصحاب ایکہ کو اللہ تعالیٰ نے عذاب ظلہ سے ہلاک کیا اور اہل مدین پر جبرئیل امین نے ایک چیخ ماری جس سے سب کے کلیجے پھٹ گئے جیسا کہ سورۂ ہود میں اہل مدین کے عذاب کے بارے میں ہے وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ کہ اہل مدین کو ایک چیخ اور چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔ بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا اس قوم پر سات دن تک سخت گرمی پڑتی رہی کسی چیز سے انکو تسلی نہیں ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک بادل کا ٹکڑا بھیجا اس کو غنیمت سمجھ کر اس کے سائے میں آئے اور سب اسکے نیچے جمع ہو گئے۔ بادل میں سے آگ برسنی شروع ہوئی۔ سب جل کر مر گئے۔ اصحاب مدین قوم ثمود کی طرح صیحہ سے ہلاک ہو گئے اور اصحاب ایکہ عذاب یوم ظلہ سے ہلاک ہوئے۔ بیشک قوم ایکہ کی اس سرگذشت میں اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے اور باوجود اس کے ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور بے شک تیرا پروردگار وہی غالب اور مہربان ہے کہ اہل ایمان کا کافروں سے اس طرح انتقام لیتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ

اور یہ قرآن ہے اتارا جہان کے صاحب کا۔ لے اترا ہے

الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اسکو فرشتہ معتبر۔ تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنانے والا۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

کھلی عربی زبان سے۔ اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں۔

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَٰٓؤُا بَنِيٓ

کیا ان کو نشانی نہیں ہو چکی؟ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ

إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَٰهُ عَلَىٰ بَعْضِ ٱلْأَعْجَمِينَ ﴿۱۹۸﴾

بنی اسرائیل کے۔ اور اگر اتارتے ہم یہ کسی اوپری زبان والے پر۔

فَقَرَأَهُۥ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا۟ بِهِۦ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹۹﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَٰهُ

اور وہ اس کو پڑھتا، تو بھی اس کو یقین نہ لاتے۔ اسی طرح بٹھایا ہم

فِى قُلُوبِ ٱلْمُجْرِمِينَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِۦ حَتَّىٰ يَرَوُا۟

نے اسکو گناہگاروں کے دل میں۔ وہ نہ مانیں گے اسکو، جب تک نہ دیکھیں گے

ٱلْعَذَابَ ٱلْأَلِيمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۰۲﴾

دکھ کی مار۔ پھر آوے ان پر اچانک، اور انکو خبر نہ ہو۔

فَيَقُولُوا۟ هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿۲۰۳﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۲۰۴﴾

پھر کہنے لگیں کہ کچھ بھی ہم کو فرصت ملے۔ کیا ہماری مار جلد مانگتے رہیں۔

أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَٰهُمْ سِنِينَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُم مَّا كَانُوا۟

بھلا دیکھ تو! اگر برتنے دیا ہم نے انکو کئی برس۔ پھر پہنچا ان پر جس کا ان سے

يُوعَدُونَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يُمَتَّعُونَ ﴿۲۰۷﴾ وَ

وعدہ تھا۔ کیا کام آوے گا ان کے جتنا برتتے رہے۔ اور

مَآ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرَىٰ

کوئی بستی نہیں کھپائی ہم نے جس کو نہ تھے ڈر سنانے والے۔ یاد دلانے کو

وَمَا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ ٱلشَّيَٰطِينُ ﴿۲۱۰﴾

اور ہمارا کام نہیں ظلم کرنا۔ اور اس کو نہیں لے اترے شیطان۔

وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ

اور ان سے بن نہ آوے، اور وہ کر نہ سکیں۔ ان کو تو سننے کی جگہ

لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ

سے کنارے کر دیا ہے۔ سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم، پھر تو تم پڑے

الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَ

عذاب میں۔ اور ڈر سنا دے اپنے نزدیک ناتے والوں کو۔ اور

اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾

اپنے بازو نیچے رکھ اُن کے واسطے جو تیرے ساتھ ہوں ایمان والے۔

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ

پھر اگر تیری بے حکمی کریں تو کہہ دے میں الگ ہوں تمہارے کام سے۔ اور بھروسا

عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِىْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ

کر اُس زبردست رحم والے پر۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے۔ اور

تَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ

تیرا پھرنا نمازوں میں۔ وہ جو ہے وہی ہے سنتا جانتا۔ میں

اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ

بتاؤں تم کو؟ کس پر اترتے ہیں شیطان۔ اترتے ہیں ہر جھوٹے

اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَ

گناہ گار پر۔ لا ڈالتے ہیں سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔ اور

الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ

شاعروں کی بات پر چلیں وہی، جو بے راہ ہیں۔ تو نہیں دیکھتا؟ کہ وہ ہر میدان میں سر

يَهِيمُونَ ﴿۲۲۵﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾ إِلَّا

مارتے پھرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ مگر

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا

جو یقین لائے اور کیں نیکیاں اور یاد کی اللہ کی بہت

وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ

اور بدلہ لیا پیچھے کہ اُن پر ظلم ہوا۔ اور اب معلوم کر لیں گے

ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾

ظلم کرنیوالے، کس کروٹ الٹتے ہیں۔

خاتمۂ سورت مضمون حقانیت قرآن

برائے اثبات رسالت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ.. الیٰ.. وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

(ربط) ابتداء سورت میں حقانیت قرآن کا مضمون تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثابت کرنا مقصود تھا۔ اس وجہ سے منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کے واقعات ذکر کیے۔ اب اخیر میں پھر اسی مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے۔ لہٰذا آپ اسکی تبلیغ اور دعوت میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور ان مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے عنقریب ان ظالموں کو اپنے ظلم و ستم کا انجام معلوم ہو جائیگا چنانچہ فرماتے ہیں اور بے شک یہ قرآن رب العلمین کا نازل فرمودہ ہے جس سے مقصود بندوں کی تربیت ہے روح الامین یعنی جبریل امین اللہ تعالےٰ کی طرف سے لیکر اسکو آپ کے قلب پر اترے ہیں جو بندوں کے لیے روح ہدایت اور سامان حیات ہے جبرئیل اللہ کے امانت دار فرشتہ ہیں جس طرح انہوں نے کلام اور پیغام کو سنا بلا کم و کاست اسی طرح آپ کے قلب پر آتارا۔ روح الامین نے اللہ کی یہ امانت آپ کے قلب مبارک پر لاکر اتاری تاکہ کلام خداوندی کے انوار و برکات آپ کے قلب میں راسخ اور مستحکم ہو جائیں اور قلب مبارک اس قرآن کو اچھی طرح سمجھ لے اور خوب محفوظ کرلے کہ جس میں سہو اور نسیان اور بھول چوک کا امکان باقی نہ رہے۔ قرآن

کریم کا نزول اوّل قلب مبارک پر ہوا اور پھر قلب سے حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ اور باقی اعضاء اور جوارح تک پہنچا۔ عقل اور ادراک کا منبع اور سرچشمہ دل ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ۔

اس لیے اللہ کا کلام آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص فضیلت ہے[علہ] کہ قرآن پاک آپ کے قلب پر نازل ہوا بخلاف دیگر انبیاء و رسل کے انکی کتابیں بشکل الواح و صحف نازل ہوئیں پس انکا نزول حضرات انبیاء کی ظاہری صورتوں پر ہوا نہ کہ انکے قلوب پر۔ اور جبریل امین یہ قرآن صاف اور واضح عربی زبان لیکر آپکے قلب پر نازل ہوئے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوجائیں جس طرح انبیاء سابقین نے منکرین اور مکذبین کو خدا کے قہر سے ڈرایا۔ اسی طرح آپ بھی نہ ماننے والوں کو ڈرائیں۔[علہ]

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اسکی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور بے چون و چگون ہے۔ بندوں کی ہدایت کے لیے اسکو حروف عربیہ کے لباس میں بارگاہ قدس سے نازل کیا۔ جبریل امین نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اسکو سنا اسی طرح بعینہ اللہ کی امانت کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیا۔ دیکھو[علہ] حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۲۹ ج ۳ اور دیکھو تفسیر روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں یہ قرآن آپکے قلب پر نازل کیا ہے اور اس قرآن کے الفاظ اور معانی سب الفاظ ربانی ہیں۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ فصحاء عرب نظم قرآنی کے اعجاز کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے کسی بشر کا کلام نہیں اور اگر باوجود اس وضوح اعجاز کے کوئی کور باطن قرآن کی حقانیت اور کلام خداوندی ہونے کا انکار کرے تو آپ یہ کہدیجئے کہ بلاشبہ اس قرآن کی اور اسکے لانے والے کی خبر پہلے لوگوں کی آسمانی کتابوں

علہ قال ابن الشیخ فهو علیه افضل الصلاة والسلام مختص بهذه الرتبة العلیة والکرامة السنیة من سائر الانبیاء فان کتبهم انزلت علیهم بالالواح والصحائف جملة واحدة فهی منزلة علی صورهم وظاهرهم علی قلوبهم حاشیة شیخزاده علی تفسیر البیضاوی ص ۴۲۹ ج ۳ وکذا فی روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶۔

علہ اشارہ اس طرف ہے کہ بلسان عربی تنزیل کے متعلق اور بعض علماء نے اسکو من المنذرین کے متعلق کہا ہے والاول هو الاظهر۔

علہ قال ابن الشیخ فالقرآن کلام الله وصفة القائمة به کساه کسوة الالفاظ المرکبة من الحروف العربیة ونزله الی جبریل وجعله امینا لئلا یتصرف فی حقائقه ثم نزل به کما هو علی قلب رسول الله صلی الله علیه وسلم لیتعرفه ویتخلق بخلقه ویتنور بانواره ویتحلی بحقائقه فیفهم وتمکن من تفهیمه لغیره۔ اھ حاشیة شیخزاده ص ۴۲۹ ج ۳۔

میں موجود ہے کہ یہ قرآن اخیر زمانہ میں پیغمبر آخر الزمان پر نازل ہوگا۔ نزولِ قرآن سے قرنہا قرن پہلے انبیاء سابقین کی کتابوں میں اس خبر کا مذکور ہونا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ قرآن منجانب اللہ اور منزل من اللہ ہے کسی سے پڑھ کر یا کسی سے سمجھ کر آپ یہ آیتیں تلاوت نہیں کرتے۔ کیا یہ لوگ اس قرآن کی حقانیت اور صداقت کا انکار کرتے ہیں کیا ان کے پاس اس کی صداقت اور حقانیت کی یہ نشانی موجود نہیں کہ علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت پہلی کتابوں میں موجود ہے چنانچہ بہت سے یہود اور نصاریٰ اسی بنا پر مسلمان ہوتے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی خبر توریت اور انجیل اور زبور اور دیگر آسمانی کتابوں میں دی گئی جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ۔ اور بہت سے علماء یہود اور نصاریٰ اگرچہ ایمان نہیں لائے مگر اپنی خصوصی مجلسوں میں اسکا اقرار کرتے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں اور یہ وہی کتاب ہے کہ جس کے ظہور اور نزول کی خبر آسمانی صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ جن یہود اور نصاریٰ میں ذرا بھی انصاف تھا وہ اقرار کرتے تھے کہ قرآن اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہماری کتابوں میں موجود ہے اور زمانۂ نزول میں کسی یہودی اور نصرانی عالم کی یہ جرأت نہیں کہ وہ قرآن کے ان آیات کی تکذیب اور انکار کر سکے۔ توریت اور انجیل میں اگرچہ بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے لیکن اب بھی ان میں قرآن کریم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں موجود ہیں جنکو تفصیل کے ساتھ ہم نے سیرۃ المصطفیٰ کے حصہ چہارم میں ذکر کر دیا ہے اور بشائر النبیین بظہور خاتم الانبیاء والمرسلین کے نام سے علیحدہ بھی طبع ہو چکی ہے چنانچہ توریت سفر استثناء کے اٹھارویں باب درس ۱۸ میں ہے۔

اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں" ان کے لیے (یعنی بنی اسرائیل) کے لیے انکے بھائیوں میں سے (یعنی بنی اسمٰعیل میں سے) اے موسیٰ تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" انتہی اس بشارت میں موسیٰ جیسے نبی کے برپا کرنے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی طرف اشارہ ہے اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالنے سے نزولِ قرآن کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ علماء بنی اسرائیل اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس قرآن کی خبر اگلی کتابوں میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی مذہب کا عالم کسی بات کی گواہی دیتا ہے تو اس چیز کا یقین ہو جاتا ہے لہٰذا اہل مکہ کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور انکو چاہیئے کہ اس پر ایمان لے آویں۔ ولیکن یہ لوگ حد درجہ کے معاند ہیں۔ بالفرض اگر ہم اس عربی کتاب کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی بولنے پر قادر نہ ہوتا۔ پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا جس سے اس کا اعجاز اور ظاہر ہو جاتا تو یہ عنادی لوگ تب بھی اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے۔ مشرکین عرب یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس نبی کی زبان بھی عربی ہے ممکن ہے کہ اس شخص نے خود اس قرآن کو بنا لیا ہو تو اللہ تعالےٰ نے اسکا جواب دیا کہ یہ لوگ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ اگر ہم اس قرآن عربی کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی کا ایک حرف بولنے پر بھی قادر نہ ہوتا اور وہ اس قرآن کو ان پر نہایت صحیح طریقہ سے پڑھتا تو تب بھی عناد کی وجہ سے ایمان نہ لاتے حالانکہ اس وقت اس میں دو اعجاز جمع ہو جاتے۔ ایک اعجاز تو خود قرآن کا اور ایک اعجاز اس عجمی کی قرارت کا۔ کیونکہ عجمی شخص پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس عجمی نے خود اس نظم عربی کو بنا لیا ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو لغت عجم میں کسی عجمی پر اتارتے اور پھر وہ انکو اپنی زبان میں پڑھ کر سناتا تو تب بھی ایمان نہ لاتے اور یہ کہتے کہ ہم اس زبان کو نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ۔

غرض یہ کہ نہ ماننے کے سو بہانے لہٰذا اے نبی آپ انکے ایمان لانے کی امید نہ رکھئے دیکھ لیجئے کہ ہم مجرموں کے دلوں میں اس طرح انکار اور تکذیب کو اتار دیتے ہیں۔ یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ پچھلی امتوں کی طرح دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ پھر وہ عذاب دنیا ہی میں ان پر اچانک آجائے اور انکو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہو۔ پھر کہنے لگیں کہ کیا کچھ ہم مہلت دیئے جائیں گے کہ ایمان لاسکیں لیکن یہ وقت مہلت کا نہیں۔ مہلت کا وقت تو گزر چکا اب تو سر پر مصیبت آپہنچی یہ مجرمین پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بطور تہدید اور استہزاء ان کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب میں جلدی مچاتے ہیں اور ہمارے نبی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپکی تکذیب کر رہے ہیں۔ بتلائیے کہ ہم پر کب عذاب آئیگا اور کہتے ہیں کہ رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ اور أَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اور فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا۔ اور حال یہ ہے کہ عذاب کو دیکھ کر مہلت مانگ رہے ہیں۔ عذاب کی تعجیل تو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی بات کو غلط سمجھتے ہیں اور مہلت مانگنا اس کی دلیل ہے کہ اپنی غلطی کا اقرار کر رہے ہیں اے نبی دیکھئے تو سہی اگر ہم انکو عمر دراز دیکر سالہا سال بہرہ مند کردیں پھر مدت دراز کے بعد ان پر وہ عذاب آجائے۔ جس کا ان سے وعدہ تھا تو وہ سالہا سال کی بہرہ مندی انکو کچھ کام نہ آئے گی۔ اور عذاب کو ان سے دفع نہ کر سکے گی۔ اور ایک لمحہ کا عذاب لاحق۔ سالہا سال کے عیش و عشرت اور سابق تمتع کو یکلخت ختم کر دے گا۔

اور ہم نے کسی بستی کو عذاب سے ہلاک نہیں کیا مگر وہاں لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے موجود تھے۔ بطور نصیحت انکو حق کی طرف بلاتے تھے جب حجت پوری ہوگئی تب عذاب آیا اور ہم ظالم نہیں کہ ڈرانے سے پہلے یکایک عذاب نازل کردیں۔

ابطال کہانت

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ۔

گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے جس کو جبریل امین لیکر آپ کے قلب پر اترے ہیں۔ اب آگے ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن جن اور شیاطین کا القاء ہے۔ جیسے شیاطین کاہنوں پر القاء کرتے ہیں یہ بھی اسی قسم کا کلام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور اس قرآن کو شیاطین لیکر نہیں اترے جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے۔ جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں بلکہ اس قرآن کو تو جبریل امین خدا تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے ہیں اور نہ شیاطین کے لیے یہ سزاوار ہے کہ وہ ایسی کتاب ہدایت کو لیکر آئیں یہ کتاب تو سرچشمۂ ہدایت ہے اور شیاطین سرچشمۂ ضلالت و شقاوت

ہیں وہ اس کو کس طرح اتار سکتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ تحقیق وہ فرشتوں کے کلام سننے سے دور رکھے گئے ہیں۔ ملأ اعلیٰ اور حظیرۃ القدس تک انکی رسائی نہیں تو پھر وہ قرآن کو کس طرح سن سکتے ہیں۔ ترمذی میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ پہلے جنات آسمان پر جایا کرتے تھے اور وہاں سے کوئی بات سن کر آتے تھے تو ساحروں اور کاہنوں پر اترتے اور انکو القاء کرتے وہ اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنائے گئے اور آپ پر نزول قرآن شروع ہوا تو آسمانوں پر پہرے لگا دیئے گئے کہ شیاطین وہاں جا کر کوئی حرف نہ سن سکیں اگر وہاں جاتے ہیں تو ان پر شعلے برسائے جاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا و قال تعالیٰ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا۔

ان غیبی پہروں کے ہوتے ہوئے شیاطین کا وہاں گزر نہیں تو پھر وہ کیسے کوئی حرف اچک سکتے ہیں۔ یہ قرآن القاء رحمانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ اس لیے کہ جس بارگاہ سے یہ قرآن نازل ہو رہا ہے شیاطین وہاں تک پہنچنے سے محروم ہیں۔ دوم یہ کہ القاء شیطانی نفوس خبیثہ پر ہوتا ہے نہ کہ نفوس قدسیہ پر۔

غرض یہ کہ قرآن کریم نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے شیاطین کے القاء سے بالکلیہ محفوظ ہے۔ سوا اے نبی حسب ہدایت قرآن تم توحید کی دعوت میں لگے رہو اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو مبادا کہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے آیت میں خطاب اگرچہ نبی کو ہے مگر مراد دوسرے لوگ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بفرض محال اگر نبی بھی شرک کرنے لگے تو اس پر بھی عذاب آئے تو دوسروں کی کیا حقیقت ہے اور اے نبی آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہمارے عذاب سے ڈرایئے چنانچہ آپ نے اپنے خویش و اقارب کو جمع کر کے عذاب الٰہی سے ڈرایا اور پوری طرح حکم خداوندی کی تعمیل کی اس آیت میں کفار اور مشرکین کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم دیا۔ اب آئندہ آیت میں اہل ایمان کی مدارات اور ان کے ساتھ تواضع کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اے نبی آپ اپنے بازو کو ان مسلمانوں کے لیے پست کر دیجیے جو آپ کے پیرو بن چکے ہیں۔ اور آپ کے نقش قدم پر آپ کے پیچھے چلتے ہیں پس اگر آپ کی قوم والے آپکی نافرمانی کریں اور آپکی دعوت کو قبول نہ کریں اور آپ پر ایمان نہ لائیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں بری اور بیزار ہوں اس کام سے جو تم کر رہے ہو اور انکی طرف سے ایذاء اور ضرر کا خطرہ دل میں نہ لایئے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھیے جو غالب اور مہربان ہے اور آپکا نگہبان ہے جو آپکو دیکھتا ہے جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور تہجد کے لیے اٹھتے ہیں اور نیز دیکھتا ہے وہ آپکی نشست و برخاست کو سجدہ کرنے والوں میں یعنی جب آپ جماعت میں رکوع و سجود کرتے ہیں اللہ اس سے بھی واقف ہے اس سے جماعت کی فضیلت نکلتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارکان نماز میں سجدہ ایک خاص شان رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکو خاص طور پر دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ جماعت میں ہوتے ہیں تب بھی آپکو دیکھتا ہے اور نماز کے علاوہ اور حالات میں بھی آپکو دیکھتا ہے غرض یہ کہ ہر حال میں آپ اسکی نظر عنایت میں ہے۔ بیشک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے کوئی حالت اس کے علم محیط سے خارج نہیں۔

اور بعض سلف یہ کہتے ہیں کہ ساجدین سے حضور پرنور کے آباء و اجداد مراد ہیں اور یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

آدم علیہ السلام اور حواؑ سے لیکر حضورؐ کے والدین تک آپکی روح پاک کو ایک ساجد اور موحد سے دوسرے ساجد اور موحد کی طرف منتقل فرمایا اور آپکے سلسلۂ نسب میں کوئی مشرک نہ تھا اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد آزر تو بنص قرآنی مشرک تھے بعض نے اسکا یہ جواب دیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے بلکہ چچا تھے اور مجازاً چچا پر بھی باپ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور بعض نے یہ کہا کہ آزر کے شرک کرنے سے پہلے نور نبوت منتقل ہو چکا تھا۔

تتمہ ابطال کہانت

گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ یہ قرآن کہانت نہیں اور آنحضرت کاہن نہیں اب آئندہ آیت میں اسی کا تتمہ ہے کہ یہ قرآن وحی الٰہی ہے اس میں شیاطین کا کوئی دخل نہیں۔ اے نبی آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو خبر دوں کہ کس قسم کے شخص پر شیاطین نازل ہوتے ہیں تاکہ تم پر وحی ربانی اور وحی شیطانی کا فرق واضح ہو جائے۔ سو سن لو شیاطین ہر جھوٹے فریبی بدکار پر اترتے ہیں جیسے مسیلمہ کذاب اور دیگر کاہن اس قسم کے جھوٹے اور مکار لوگوں پر شیاطین اترتے ہیں اور یہ شیاطین فرشتوں سے کوئی سنی ہوئی بات ان کاہنوں پر لا کر القا کرتے ہیں اور ان کاہنوں میں کے اکثر لوگ جھوٹے ہوتے ہیں۔ کفار یہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان آتا ہے اور وہی ان کو یہ قرآن تعلیم کر جاتا ہے اللہ تعالٰی نے جواب میں فرمایا کہ شیاطین تو جھوٹے بدکار دول پر آتے ہیں اور چوری چھپے جو کوئی ایک آدھی بات فرشتوں سے سن بھاگتے ہیں وہ ان کاہنوں پر القا کر دیتے ہیں پھر وہ بدکار کاہن اس میں سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر اسکو مشہور کر دیتے ہیں۔ راست بازوں اور حق پرستوں کے پاس شیاطین کا کیا کام۔ انکے تو سایہ سے بھی وہ بھاگتے ہیں اور ہمارے نبی تو صدق مجسم ہیں انکی زبان سے تو کوئی جھوٹا حرف نکل ہی نہیں سکتا پس معلوم ہوا کہ یہ قرآن شیاطین کا کلام نہیں۔ خدا کا کلام ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں یلقون کی ضمیر افاکین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جھوٹے اور بدکار لوگ ہمہ تن شیاطین کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں جو کچھ ان سے مل جاتا ہے اس میں سو جھوٹ ملا کر آگے چلتا کرتے ہیں اور برخلاف حضور پرنور کے کہ آپ نے جو پیش گوئیاں کی ہیں اور آئندہ کی خبریں دی ہیں وہ حرف بحرف صحیح نکلیں ان میں ذرہ برابر جھوٹ کی ملاوٹ نہیں۔

ابطال شاعریت

کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن بتاتے اور کبھی شاعر بتاتے۔ گزشتہ آیات میں آپ کے کاہن ہونے کی تردید کی اب آئندہ آیت میں آپ کے شاعر ہونے کی تردید کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ قرآن کو شعر کہنا اور حضور پرنورؐ کو شاعر کہنا سراسر کی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور شاعروں کی پیروی کرتے ہیں۔ گمراہ لوگ جو خیالی اور نفسانی چیزوں کے دلدادہ ہوتے ہیں برخلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروی کرنے والوں کے، کہ وہ نہایت متقی اور پرہیزگار ہیں اور آخرت

کے طلبگار اور دنیا سے بیزار ہیں۔

پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہوتے اور شاعروں کی طرح نفسانی اور خیالی باتیں کیا کرتے تو آپ کے پیروی کرنے والے فسق و فجور سے بیزار نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ آپ شاعر نہیں اس لیے کہ آپ کا کلام ہادیانہ اور ناصحانہ ہے اور آپ کے پیرو آخرت کے طلبگار ہیں اور فسق و فجور سے نفور اور بیزار ہیں۔ اے دیکھنے والے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ شاعر لوگ خیالی مضمون کے ہر جنگل میں حیران و سرگرداں ٹکریں مارتے پھرتے رہتے ہیں کبھی مدح اور کبھی قدح اور کبھی ہجو اور کبھی خوشامد اور کبھی عشق بازی اور ہر ایک میں جھوٹ اور مبالغہ کسی کی تعریف پر آئے تو اسے آسمان پر چڑھا دیا اور جس کی برائی پر آئے اس میں دنیا بھر کے عیب ثابت کر دیئے۔ ہر وقت بیابان خیال میں گھومتے اور جھومتے رہتے ہیں۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ مقصود صرف اتنا ہوتا ہے کہ محفل گرم ہو جائے اور تھوڑی دیر کے لیے لوگوں کی زبان پر واہ واہ آجائے۔ بغرض یہ کہ انواع کذب و دروغ میں کوئی نوع ایسے نہیں چھوڑتے جس میں نگھستے ہوں۔ جھوٹ کی گھاٹیوں میں سے ہر گھاٹی میں داخل ہوتے ہیں۔ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ۔ کا یہی مطلب ہے کہ فحش اور بے حیائی اور باطل اور بیہودگی کی ہر وادی میں حیران اور سرگرداں پھرتے ہیں اور اسی لیے شاعر لوگ زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی اکثر اقوال میں جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ بسا اوقات شعراء اپنے اشعار میں تعلّی کے طور پر ایسی باتیں کہتے ہیں جو واقعہ میں اس سے صادر نہیں ہوتیں چنانچہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھر کر خراب ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرا جائے۔

مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن کلام الٰہی ہے اور جس پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اللہ کا رسول ہے نہ کاہن ہے اور نہ شاعر ہے کیونکہ آپ کا حال کاہنوں اور شاعروں کے بالکل خلاف ہے۔ کاہن تو مکار اور بدکار ہوتے ہیں جن پر شیاطین اترتے ہیں اور دروغ گو اور بدکار ہوتے ہیں جن کی پیروی کرنے والے گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر وادیٔ خیال میں حیران اور سرگرداں ہوتے ہیں جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن از قبیل شعر و اشعار نہیں کیونکہ شعراء کا کلام مبالغہ اور افراط و تفریط ہے جس کو اصلاحِ اخلاق و اعمال سے مناسبت نہیں اور اس وحی الٰہی میں ہدایت اور اصلاح اخلاق و اعمال بروجہ اتم و اکمل مرکوز ہے۔

حکایت

محمد بن اسحاقؒ اور محمد بن سعدؒ نے کتاب الطبقات میں ذکر کیا ہے کہ امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ نے نعمان بن عدیؓ کو صوبہ بصرہ کے ضلع میسان کا عامل مقرر کر کے بھیجا اتفاق سے نعمانؓ شاعر تھے شعر کہا کرتے تھے انہوں نے یہ شعر کہے۔

الا هل اتى الحسناء ان خليلها ⁂ بميسان يسقى فى زجاج و حنتم

کیا اس حسینہ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اسکا دوست مقام میسان میں رہتا ہے اور اسکا حال یہ ہے کہ اسکو شیشہ میں اور سبز کوزے میں شراب پلائی جاتی ہے۔

اذا شئت غنتني دهاقين قرية ؞ ورقاصة تجثو على كل منسم

جب میں چاہتا ہوں تو بستی کی عورتیں مجھے گانا سناتی ہیں اور ایک رقاصہ رقص کرتی ہے اور اس رقاصہ کے ناچنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر ایک منہ پر خاک ڈالتی ہے۔

فان کنت ندمانی فبالاکبر استقنی ؞ ولا تسقنی بالاصغر المتثلم

پس اگر تو میرا ندیم اور شراب میں ہم نشین بنتا ہے تو مجھ کو بڑے پیالہ سے شراب پلا اور چھوٹے پیالا سے جس میں کوئی رخنہ پڑا ہوا ہو شراب نہ پلا۔

لعل امیر المؤمنین یسوءہ ؞ تنادمنا بالجوسق المتهدم

مجھے ڈر ہے کہ شاید امیر المومنین عمرؓ کو گری پڑی جھونپڑی میں ہماری یہ ہم نشینی ناگوار گذرے۔

اتفاق سے یہ شعر فاروق اعظمؓ کو پہنچ گئے سنتے ہی فرمایا ای واللہ انہ لتسوءنی و من لقیہ فلیخبرہ انی قد عزلتہ۔ ہاں خدا کی قسم یہ بات مجھے بری معلوم ہوئی اور جو شخص اس سے ملے تو اسے خبر کر دے کہ میں نے اسکو معزول کر دیا اور ایک فرمان اسکے نام جاری کیا وہ یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ اما بعد فقد بلغنی قولک ؞

لعل امیر المؤمنین یسوءہ ؞ تنادمنا بالجوسق المتهدم

وایم اللہ انہ یسوءنی وقد عزلتک۔ انتہی

ان آیات کے لکھنے کے بعد لکھا کہ مجھے تیرا یہ قول پہنچا لعل امیر المؤمنین یسوءہ خدا کی قسم مجھے تیرا یہ قول ناگوار گزرا اور میں نے تجھے معزول کیا۔

بعد ازاں نعمان بن عدیؓ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو اس شعر پر سخت ملامت کی۔ نعمان بن عدیؓ نے عذر کیا اور عرض کیا کہ قسم ہے خدا کی۔ میں نے کوئی قطرہ شراب کا نہیں پیا اور یہ شعر بطور لغو میری زبان سے نکل گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا گمان بھی یہی ہے ولیکن واللہ اسکے بعد میرا عامل اور حاکم نہیں بن سکتا جبکہ تو کہہ چکا تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۲ ج ۲۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس قسم کے بیباکانہ شعر کی وجہ سے اسکو عہدہ سے معزول تو کر دیا۔ لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان پر حد شراب جاری کی یا نہیں حالانکہ اشعار میں شراب خوری کا اقرار موجود ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اسی آیت میں شعراء کے متعلق یہ آیا ہے۔ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ۔ کہ شعراء اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں کہ جو کرتے نہیں اسی لیے حضرت عمرؓ نے ان پر حد نہیں لگائی فقط ملامت کی اور انکو معزول کر دیا۔

شان نزول

جب یہ آیت وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ۔ نازل ہوئی تو حسان بن ثابتؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ

اور کعب بن مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے تو کیا ہم بھی اس عموم میں داخل ہیں۔ پر اللہ تعالیٰ نے آئندہ آیت یعنی اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ گزشتہ آیت کے عموم سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے چنانچہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ آیت میں جو حالت بیان کی گئی وہ حالت شعراء کفار بدکردار کی ہے اور اس سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے وہ ہر وادیٔ خیال میں نہیں گھومتے اور نہ انکا قول انکے فعل کے خلاف ہوتا ہے اور انہوں نے اللہ کو کثرت سے یاد کیا یعنی اپنے اشعار میں اللہ کی عظمت اور جلال کو ذکر کیا اور آخرت کو یاد کیا اور اگر اپنے اشعار میں کسی کی ہجو کی تو ذاتی عداوت کی بنا پر نہیں کی بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دشمنانِ اسلام سے بدلہ لیا بعد اسکے کہ ان پر ظلم کیا گیا یعنی کفار نے جو اسلام اور مسلمانوں اور اللہ اور اسکے رسول کی ہجو کی تھی اسکا جواب دیا اور ظالم سے بدلہ لینا عقلاً و شرعاً جائز ہے اس لیے اس قسم کے شعراء اسلام حکم سابق سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے ان شعراء اسلام پر اسکی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ تم ہو یعنی اس آیت میں جن مومنین صالحین اور ذاکرین اور منتصرین کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا اس کے مصداق تم ہو۔ نہ تم گمراہ ہو اور نہ گمراہوں کے پیرو ہو بلکہ مظلوم ہو تم نے ظالموں سے اپنا انتقام لیا ہے اور عنقریب یہ ظالم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شعر اور کہانت کی نسبت کرتے ہیں۔ جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں اور انکا کیا ٹھکانہ ہے یعنی عنقریب انکو اپنے ظلم وستم کا انجام معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے اللہ کے رسول اور اس کے ماننے والوں پر کیا ظلم کیا ان ظالموں کا ٹھکانہ آتش دوزخ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لطائف و معارف

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپکی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپکی نبوت و رسالت کی سب سے روشن دلیل ہے اور پھر آپکی تسلی کے لیے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لیے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے اب خاتمہ سورت پر اسی سابق مضمون کی طرف عود فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبریل امین آپکے قلب مبارک پر نازل کی گئی پھر اسکی حقانیت پر یہ دلیل بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں انکو خوب معلوم ہے کہ اس کتاب کے نزول کا ذکر زُبُر اولین یعنی انبیاء سابقین کے صحیفوں میں موجود ہے کہ نبی آخر الزمانؐ پر ایسی اور ایسی کتاب نازل ہوگی جیسا کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمانؐ کے بعثت کا ذکر ہے۔ کما قال تعالیٰ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ۔ اسی طرح توریت اور انجیل میں نزول قرآن کا بھی ذکر ہے پھر قرآن کے عربی میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ اور اسکی دو وجہ بیان فرمائی ہیں۔

اوّل یہ کہ ملأ اعلیٰ تک جو احکام الٰہیہ کے نزول اور نفاذ کا محل ہے وہاں تک شیاطین پہنچنے سے محروم ہیں۔
دوم یہ کہ سنت اللہ جاری ہے کہ القاء شیطانی نفوس خبیثہ پر ہوتا ہے نہ کہ نفوس قدسیہ پر کیونکہ مفید اور مستفید کے درمیان وجہ مناسبت ضروری ہے ورنہ افادہ و استفادہ متحقق نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس عالی نفوس قدسیہ میں سے تھا جو غایت درجہ اخلاقی اور اعمالی طہارت کے ساتھ موصوف تھا۔
نیز یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید از قبیل اشعار نہیں کیونکہ شعراء کا کلام افراط و تفریط ہے اس لیے وہ اصلاح اخلاق و اعمال اور ہدایت خلق اللہ سے فی الجملہ بھی مناسبت نہیں رکھتے اور وحی الٰہی میں ہدایت اور اصلاح اعمال و اخلاق بدرجہ اتم مرکوز کی گئی ہے کما لا یخفی بعد ازاں یہ حکم دیا کہ بالخصوص اپنے خویش و اقارب کو اور قریبی قبائل کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور جو لوگ آپ کے متبع اور پیرو ہیں ان کے ساتھ تلطف اور مدارات کا معاملہ فرمائیں اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں اور چونکہ سورۃ شعراء مکیہ ہے لہٰذا اس آیت میں مؤمنین سے بلحاظ نزول آیت وہی مہاجرین اولین مراد ہیں۔ و ہو المقصود۔
(ماخوذ از ازالۃ الخفاء)

تمام امت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ ما بین دفتی المصحف کلام اللہ یعنی مصحف میں دو دفتوں کے درمیان اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس مصحف کو کلام اللہ نہ مانے وہ کافر ہے لیکن وہ اسی مصحف کے نقوش کتابیہ اور حروف مطبوعہ کو قدیم نہ ماننے تو اس انکار سے وہ کافر نہ ہوگا۔ جن الفاظ قرآن کو اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں اور جن حروف قرآنیہ کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اگرچہ وہ حادث اور مخلوق ہیں لیکن ہمارے لیے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ہم مطلق قرآن کو یا کلام اللہ کو مخلوق اور حادث کہیں۔ کلام الٰہی جو ذات باری کے ساتھ قائم ہے اور اسکی صفت ہے کہ وہ بلا شبہ قدیم اور غیر مخلوق ہے لیکن ہماری قرأت اور سماعت اور کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں قرآن جس حیثیت سے بندہ سے متعلق ہے اس حیثیت سے اسکو حادث اور مخلوق کہہ سکتے ہیں تاکہ خدا کی صفت میں اور بندہ کی صفت میں فرق ہو جائے مطلقاً کلام اللہ اور قرآن کو مخلوق اور حادث کہنا جائز نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

الحمد للہ تفسیر سورۂ شعراء بتاریخ ۹ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۹۱ھ تمام ہوئی ولله الحمد والمنۃ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور تفسیر کے اتمام و اکمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُوۡرَةُ النَّمۡل

سُوۡرَةُ النَّمۡلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسۡعُوۡنَ اٰيَةً وَّسَبۡعُ رُكُوۡعَاتٍ

تفسیر سُوۡرَةُ النَّمۡل

یہ سورت مکی ہے اس سورت میں ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں۔ نمل عربی زبان میں چیونٹی کو کہتے ہیں چونکہ اس سورت میں چیونٹی کا قصہ مذکور ہے اس لیے یہ سورۃ سورۃ النمل کے نام سے موسوم ہوئی اور چیونٹی کا یہ قصہ سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے جیسے بوقت ہجرت غارِ ثور میں مکڑی کا جالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل تھی۔ پھر ہُدہُد کے خط لیجانے کا واقعہ اور بلقیس کے تخت حاضر کرنے کا واقعہ وغیرہ وغیرہ یہ سب حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی دلیل اور براہین تھے اور اس سورت میں سلیمان علیہ السلام کی دعوت اور تبلیغ کا طریقہ بھی ذکر کیا اور چیونٹی کے اس قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی اس بات کا علم ہے کہ حضرات انبیاء کرامؑ اور ان کے اصحاب کرام اس سے منزہ ہیں کہ جان بوجھ کر کسی کو تکلیف پہنچائیں جیسا کہ نمل کے قصہ میں یہ آیت آنے والی ہے۔ قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰكِنَكُمۡ لَا يَحۡطِمَنَّكُمۡ سُلَيۡمٰنُ وَجُنُوۡدُهٗ وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ۔

(ربط) گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن واثبات وحی رسالت سے ہوا اور اسی مناسبت سے بعض انبیاء سابقین کے قصے مذکور ہوئے۔ اثبات رسالت کے بعد توحید اور دلائل توحید کا مضمون بیان ہوا۔ جو قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سے شروع ہوا اثبات رسالت اور اثبات توحید کے بعد جو تیسرا مضمون بیان فرمایا وہ اثبات معاد اور اشراط ساعت یعنی علامات قیامت اور جزاء وسزائے آخرت کے متعلق بیان فرمایا جو قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ سے شروع ہو کر ختم سورت تک چلا گیا اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ قصے ذکر کیے اوّل قصۂ موسیٰ علیہ السلام دوم قصۂ سلیمان علیہ السلام، سوم قصۂ ملکۂ سبا، چہارم قصۂ صالح علیہ السلام پنجم قصۂ لوط علیہ السلام

آیاتها ۹۳ — سورة النمل مکیة ۲۷ : ۴۸ — رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝١ هُدًى

یہ آیتیں قرآن اور کھلی کتاب کی۔ سوجھ

وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ

اور خوشخبری ایمان والوں کو۔ جو کھڑی رکھتے ہیں نماز اور

يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٣ اِنَّ

دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ پچھلا گھر یقین جانتے ہیں۔ جو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ

لوگ نہیں مانتے آخرت کو انکو بھلے دکھائے ہیں ہم نے انکے کام

يَعْمَهُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

سو وہ بھٹکے۔ وہی ہیں جن کو بری طرح کی مار ہے اور

فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝٥ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ

آخرت میں وہی ہیں خراب۔ اور تجھ کو تو قرآن

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝٦

ملتا ہے ایک حکمت والے خبردار سے۔

حقانیت قرآن و اثبات رسالت و ترغیب بر اعمال آخرت

قال اللہ تعالیٰ طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ

طٰسٓ۔ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ یہ سورت۔ آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب مبین کی یعنی ایسی کتاب کہ جو حق اور باطل کو واضح کرنے والی ہے اور یہ آیتیں ہدایت اور بشارت ہیں ایمان والوں کے لیے حق کا راستہ بتلاتی ہیں اور جنت کی خوشخبری سناتی ہیں اور ان مومنین کی صفات یہ ہیں کہ وہ نماز ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں جو عبادت بدنیہ میں عظیم ترین عبادت ہے اور زکوٰۃ دیتے ہیں جو عبادات مالیہ میں عظیم ترین عبادت ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں آخرت ہر وقت انکی نظروں کے سامنے رہتی ہے اور خوف عاقبت انکو دامنگیر رہتا ہے اور آخرت کا یقین اور اسکی فکر ہی تمام عقائد اور اعمال صالحہ کی روح رواں ہے البتہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے انکا حال یہ ہے کہ ہم نے انکی نظر میں انکے اعمال قبیحہ کو مزین اور خوبصورت کر دیا ہے کہ وہ اپنے قبیح افعال کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی بُرے اعمال کو ان کے لیے بالطبع مرغوب اور محبوب بنا دیا کہ وہ بُرے کام انکو اچھے نظر آتے ہیں۔ پس یہ لوگ نفسانیت اور شہوانیت میں سرگرداں ہیں۔ نفسانیت اور شہوانیت نے انکو اندھا بنا دیا ہے ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ دنیا کی محبت خود ایک مستقل عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں تو بالکل ہی خسارہ میں ہونگے جس کے بعد کسی کامیابی کی امید نہیں اور تحقیق آپ پر یہ قرآن اتارا کیا جاتا ہے ایسی ذات والاصفات کی طرف سے جو بڑا دانا اور حکمت والا ہے جس کا ہر حرف عین علم اور عین حکمت ہے جو شہوت پرستوں اور نفس پرستوں پر ناگوار ہے ہر نفس فرعون کا نمونہ ہے تکبر اور غرور کے نشہ میں چور ہے حق کو سننا نہیں چاہتا اور قرآن کریم کا اسرار علم و حکمت پر مشتمل ہونا بھی اسی حقانیت کی دلیل ہے اب اسکے بعد پانچ قصے ذکر فرماتے ہیں جو سب کے سب علم و حکمت پر مشتمل ہیں اور آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہیں۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو: میں نے دیکھی ہے آگ

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر، یا لاتا ہوں انگارا سلگا

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ

کر، شاید تم تاپو۔ پھر جب پہنچا اس پاس آواز ہوئی کہ

بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ

برکت رکھتا ہے جو کوئی آگ میں ہے اور جو اسکے آس پاس ہے اور پاک ہے ذات اللہ کی

الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ۙ

جو صاحب سارے جہان کا! اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا۔

وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى

اور ڈال دے لاٹھی اپنی۔ پھر جب دیکھا اسکو پھن پھلاتے جیسے سانپ کی سنک، پھرا

مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّىْ لَا يَخَافُ

پیٹھ دیکر اور پیچھے نہ دیکھا اے موسیٰ! ڈر نہ کہا۔ میں جو ہوں میرے پاس

لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ

نہیں ڈرتے رسول۔ مگر جس نے زیادتی کی پھر بدل کر

حُسْنًا ۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱ وَاَدْخِلْ

نیکی کی برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور ڈال ہاتھ

يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِىْ تِسْعِ

اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے چٹا، نہ کچھ برائی سے۔ یہ مل کر نو نشانیاں

اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

فرعون اور اسکی قوم کی طرف۔ بیشک وہ تھے لوگ

فٰسِقِيْنَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا

بے حکم۔ پھر جب پہنچیں ان پاس ہماری نشانیاں سجھانے کو، بولے یہ

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۳ ج وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ

جادو ہے صریح۔ اور ان سے منکر ہو گئے اور انکو یقین جان چکے تھے اپنے جی میں

ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

بے انصافی اور غرور سے۔ سو دیکھ کیسا ہوا آخر بگاڑنے

الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴ ع

والوں کا۔

قصۂ اوّل حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَھْلِہٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ عَاقِبَۃُ الْمُفْسِدِیْنَ

(ربط) اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو بیان فرمایا پھر اسکی تائید کے لیے پانچ قصے بیان فرمائے۔ (۱) قصۂ موسیٰ علیہ السلام با فرعون (۲) قصۂ داؤد علیہ السلام مشتمل بر قصۂ نمل (چیونٹی) جسکو باوجود ایک حقیر جانور ہونے کے اللہ اور اس کے رسول کی معرفت حاصل تھی اور خدا کے رسول کی عصمت اور نزاہت کا یقین کامل تھا کہ وہ دیدہ ودانستہ کسی کے لیے باعث ایذاء نہیں بن سکتے۔

(۳) قصۂ بلقیس بزبان ہُدہُد جو سلیمان علیہ السلام کے متعدد معجزات پر مشتمل ہے (۴) قصۂ صالح علیہ السلام ۔ (۵) قصۂ لوط علیہ السلام بعدہٗ چند حکمت اور موعظت کی باتیں بیان فرمائیں۔ اول موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح انکو رسالت کا منصب عطاء فرمایا اور کیسے معجزات قاہرہ انکو عطاء کیے تاکہ انکی نبوت ورسالت کے دلائل اور براہین عام لوگوں کے سامنے آجائیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ مکذبین اور منکرین کا کیا انجام ہوتا ہے اس عبرتناک قصہ کو سن کر اہل ایمان کو تسلی ہوگی اور منکرین اور مکذبین کو عبرت ہوگی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے کہ جب موسیٰ بن عمران مدین سے واپس ہوئے اور مصر کی طرف متوجہ ہوئے اور رات کا وقت تھا اور سردی تھی اور بیوی صفورا بنت شعیب علیہ السلام ہمراہ تھیں۔ اور راستہ بھول گئے تو اس وقت اپنی اہلیہ سے اور ساتھ والوں سے کہا کہ میں نے کوہ طور کی طرف ایک آگ دیکھی ہے ابھی جاکر میں وہاں سے یا تو راستہ کی کوئی خبر اور پتہ لے کر آؤں گا اگر کوئی اس آگ کے قریب ہوا تو اس سے راستہ کی خبر پوچھ لوں گا یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ لیکر آؤں گا تاکہ تم اس سے تاپو اور گرمی حاصل کرو۔ پس موسیٰ علیہ السلام جب اس آگ کے پاس پہنچے تو من جانب اللہ انکو ندا کی گئی یعنی آواز دی گئی کہ برکت دیا گیا وہ شخص کہ جو آگ کے مقام پر ہے یا آگ کی تلاش اور طلب میں ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور برکت دیا گیا جو اس آگ کے آس پاس ہے یعنی جو فرشتے اس وقت وہاں آگ کے گردا گرد موجود اور حاضر تھے وہ بھی مبارک ہیں۔

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ مَنْ فِی النَّارِ ۔ سے وہ ملائکہ مراد ہیں جو اس وقت آگ میں جلوہ افروز تھے۔ اور مَنْ حَوْلَہَا ۔ سے وہ اشخاص مراد ہیں جو آگ کے اردگرد تھے جن میں موسیٰ علیہ السلام بھی داخل تھے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مَنْ فِی النَّارِ سے وہ نورانی فرشتے مراد ہیں جو آگ کے اندر جلوہ افروز تھے اور مَنْ حَوْلَہَا سے وہ فرشتے مراد ہیں جو آگ کے قریب تھے اور آگ کے اردگرد تھے اور یہ فرشتے ان فرشتوں سے کم درجہ والے تھے جو خاص اس آگ کے اندر تھے بہرحال جو بھی معنی ہوں موسیٰ علیہ السلام کو یہ ندا بطور سلام اور تحیۂ اکرام تھی جس سے انکا اعزاز اور اکرام اور ان کی تسلی مقصود تھی کہ اے موسیٰ گھبراؤ نہیں مبارک ہو تم کو اور ملائکہ حاضرین کو۔ جیسے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تو من جانب اللہ یہ کہا رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ۔ یہ فرشتوں کی طرف سے سلام اور تحیۂ اکرام تھا اور ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ اور حسن بصریؒ سے یہ منقول ہے کہ مَنْ فِی النَّارِ۔ سے اللہ پاک مراد

ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی قدرت کا جلوہ مراد ہے اور ایک روایت میں ابن عباس ؓ سے اس طرح آیا ہے کہ وہ آگ درحقیقت آگ نہ تھی بلکہ وہ ایک نور تھا جو آگ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس روایت کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ بابرکت ہے وہ ذات پاک جو اس آگ میں جلوہ فرما ہے اور جسکا نور اس آگ میں ظاہر ہو رہا ہے یہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو اس آگ کے آئینے میں ظاہر ہو رہی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں آسمان کا جلوہ نظر آجاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ آنکھ میں آسمان سما گیا۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو چمک رہی تھی اور وہ دنیا کی آگ نہ تھی بلکہ ایک نورانی اور غیبی آگ تھی جس میں نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اور یہ ظاہری آگ نور الٰہی کا ایک حجاب اور ایک پردہ یا آئینہ تھی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے حجابہ النار۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ کا عین نہیں ہوتی اور نہ آئینہ اسکا عین ہوتا ہے آئینہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے اور آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت اصل ظاہر کا ایک جلوہ ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ مَنۡ فِى النَّارِ۔ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مراد ہیں تو ممکن تھا کہ کسی نادان کو یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مکان اور کسی چیز میں سما یا جانا ہے تو آئندہ آیت وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۔ میں اسکی تنزیہ و تقدیس پر متنبہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے اور اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت سے اور مکان سے اور سمت سے اور جہت سے اور کسی محل میں نزول اور حلول کرنے سے پاک اور منزہ ہے اس آگ میں جو کچھ نظر آیا وہ اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو آگ میں نمودار ہوئی جیسے آفتاب کسی آئینہ میں متجلی ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں متجلی اور جلوہ افروز ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا۔ اس جملہ سے اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ کوئی اس آگ کو اللہ کا مکان نہ سمجھے بلکہ اسکی تجلی کا ایک آئینہ سمجھے جس میں اسکا نور ظاہر ہو رہا ہے اور محل اور مظہر میں اہل عقل کے نزدیک فرق ظاہر ہے۔ محل کے معنی مکان کے ہیں جسکے اندر متمکن موجود ہوتا ہے۔ مظہر کے معنی جائے ظہور کے ہیں جیسے آئینہ اور ظاہر ہونے والی چیز مظہر (آئینہ) کے اندر موجود نہیں ہوتی بلکہ اس سے باہر ہوتی ہے الحاصل یہ تجلی تھی۔ حلول اور نزول نہ تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ندا سنی تو کہا کہ یہ ندا کرنے والا کون ہے تو پھر یہ ندا آئی کہ اے موسیٰ تحقیق یہ ندا کرنے والا اور تجھ سے خطاب اور کلام کرنیوالا میں ہی ہوں اللہ جو تیرا پروردگار ہوں زبردست حکمتوں والا جس نے یہ ندا کر کے تجھ کو اپنی تکلیم سے عزت بخشی اور تجھ کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور میرا ارادہ یہ ہے کہ تجھ کو کچھ معجزات بھی عطا کروں جو تمہاری نبوت اور رسالت کی دلیل و برہان بنیں۔ پس اے موسیٰ تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ حسب الحکم جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو اپنے ہاتھ سے زمین پر ڈال دیا تو وہ سانپ ہو گیا۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو سانپ کی طرح ہلتے اور چلتے دیکھا تو ڈر کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا یہ خوف طبعی اور بشری تھا اس قسم کا خوف نبوت کے منافی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ کچھ خوف نہ کرو ہم نے تم کو پیغمبری دی ہے اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے ہم نے یہ معجزہ تم کو فرعون کے لیے دیا ہے۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کے خوف سے میرے رسول بالکل مامون ہیں مگر وہ شخص کہ جس نے اپنی جان پر کسی قسم کا ظلم یا زیادتی کی ہو اور اللہ کی نافرمانی کی ہو وہ اگر ڈرے تو اسکا ڈرنا ٹھیک ہے پھر اگر اسی شخص نے برائی اور ظلم اور زیادتی کے بعد اپنی برائی کو نیکی سے بدل لیا ہو یعنی توبہ کر لی ہو تو اس پر بھی کوئی خوف و خطر نہیں۔ بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں توبہ سے اسکا گناہ معاف کر دیتا ہوں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خدا کے حضور میں اندیشہ صرف اس شخص کو ہے کہ جس نے کسی ظلم وستم یعنی کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہو اور اس کے لیے بھی قاعدہ یہ ہے کہ اگر توبہ کرے تو پھر اسکو خوف اور اندیشہ نہیں رہتا لہذا آپکو ڈرنے کی ضرورت نہیں اگر تم سے کوئی خطا بھی ہوئی ہے جس کی بنا پر تم ڈر رہے ہو تو ہم معاف کر دیں گے۔ جاننا چاہیئے کہ اس آیت یعنی لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ۔ میں خوف مؤاخذہ کی نفی مراد ہے۔ اللہ کی عظمت و جلال کے خوف کی نفی مراد نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا کے ڈالنے کا حکم اس لیے دیا کہ جب اس کرشمۂ قدرت اور خارق عادت کو دیکھیں تو پہچان لیں کہ یہ کلام کرنے والا اور ندا دینے والا رب العالمین ہے۔ ان آیات میں معجزۂ عصا کا ذکر فرمایا اب اسکے بعد دوسرے معجزہ کے اظہار کا حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اس معجزۂ عصا کے سوا ایک اور بھی معجزہ ہے جو ہم تجھ کو عطا کرتے ہیں وہ یہ کہ تو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال اور پھر اسکو نکال تو وہ بلا کسی عیب اور بلا کسی مرض کے یعنی بلا برص وغیرہ کے نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے سے جا کر نکالا تو نہایت دلکش نور کے ساتھ ظاہر ہوا کہ آنکھوں کو اپنی طرف جذب کرتا تھا اور خوب لہلہاتا تھا آفتاب کی روشنی اگرچہ بہت تیز ہے مگر گرم ہے آنکھوں کو چندھیانے والی ہے کچھ دلچسپ نہیں اور ماہتاب کی روشنی اگرچہ ناگوار نہیں مگر اس میں ملاحت اور دلکشی نہیں۔

اے موسیٰ ان دونوں نشانیوں کو من جملہ نو نشانیوں کے جو ہم نے تجھ کو عطا کی ہیں انکو لیکر فرعون اور اسکی قوم کی طرف لے جا یہ نشانات دیکر تجھ کو فرعون اور اسکی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑے ہی بدکار لوگ تھے۔ اور حد سے نکل گئے تھے۔

نو نشانیوں کا بیان سورۂ بنی اسرائیل کی آیت وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ۔ کے تحت گزر چکا ہے اور ان کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے دو نشانیاں تو یہ ہوئیں۔ عصا اور ید بیضاء۔ تیسری انفلاق بحر۔ دریا کا پھٹ جانا۔ چوتھی طوفان۔ پانچویں جراد یعنی ٹڈی۔ چھٹی قمل یعنی چچڑیاں۔ ساتویں ضفادع یعنی مینڈک۔ آٹھویں دم یعنی خون۔ نویں طمس اموال کما قال اللہ تعالیٰ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِہِمْ۔ دسویں جدب یعنی خشک سالی۔ گیارھویں نقصان اثمار و مزارع جنکا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔

پس جب اس قوم کے پاس ہماری نشانیاں پہنچیں جس سے آنکھیں کھل جائیں تو بولے یہ تو کھلا جادو ہے اللہ تعالیٰ نے ابتداء دعوت میں موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے عطا فرمائے پھر وقتاً فوقتاً اور معجزات دیئے مگر ان معاندین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور ان لوگوں نے ازراہ ظلم و تکبر زبان سے ان معجزات کا انکار کیا و لیکن انکے دلوں نے اس بات کا یقین کر لیا کہ یہ نشانیاں اللہ کی طرف سے ہیں جادو نہیں یعنی فرعون کو اور اسکی قوم کو دل سے یقین کامل ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور جادوگر نہیں مگر محض عناد اور سرکشی کی بناء پر انکار کرتے تھے۔ پس دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کیا برا ہوا کہ سب بحر قلزم میں غرق ہوئے اور ساری سرکشی خاک میں مل گئی اور دنیا کا جاہ و جلال اور مال و منال سب ختم ہوا۔ متکبرین کو چاہیئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم۔

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى

اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بڑھایا اپنے

كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ

بہت بندوں ایمان والوں پر۔ اور وارث ہوا سلیمان داؤد

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا

کا اور بولا لوگو! ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی اور دیا

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ

ہم کو ہر چیز میں سے۔ بیشک یہی ہے بڑائی صریح۔ اور جمع

لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ

کیے سلیمان کے پاس اسکے لشکر جن اور انسان اور اڑتے جانور، پھر انکی

يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ

مثلیں بٹیں۔ یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر۔ کہا ایک

نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ

چیونٹی نے: اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں۔ نہ پیس ڈالے تم کو

سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ

سلیمان اور اسکے لشکر، اور ان کو خبر نہ ہو۔ پھر مسکرا کر

ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ

ہنس پڑا اس کی بات سے اور بولا اے رب! میری قسمت میں دے کہ شکر

نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا

کروں تیرے احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر، اور یہ کہ کروں کام

تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

نیک، جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی مہر سے اپنے نیک بندوں میں۔

قصۂ دوم داؤد علیہ السلام اجمالاً و سلیمان علیہ السلام تفصیلاً

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا الیٰ۔ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ۔

ان آیات میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں اور ان دینی اور دنیوی احسانات اور انعامات کا ذکر کرتے ہیں جو منجانب اللہ ان دونوں پیغمبروں پر مبذول ہوئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت اور علم شریعت کے علاوہ سلطنت عطا کی اور خارق عادت طریقہ پر زرہ سازی کی صنعت بتلائی تاکہ کافروں سے جہاد میں مدد ملے۔ اور سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر اور تسخیر جن اور تسخیر ہوا کا معجزہ عطا فرمایا جن اور انس کو انکا تابع فرمان بنایا اور چرند اور پرند کی زبان کا علم انکو عطا فرمایا اور علاوہ ازیں یہ قصہ عجیب و غریب خوارق پر مشتمل ہے جو سب کے سب سلیمان علیہ السلام کے معجزات اور دلائل نبوت تھے منطق الطیر اور تسخیر ریاح اور تسخیر جنات اور واقعہ عرش بلقیس سلیمان علیہ السلام کے معجزات تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پیغمبروں کو نبوت کے ساتھ بے مثال سلطنت سے نوازا اور جس قسم کی سلطنت ان دونوں پیغمبروں کو عطا کی وہ درحقیقت ان دونوں کا معجزہ تھی۔ اور انکی نبوت کی دلیل اور برہان تھی کہ لوگ اس بے مثال سلطنت کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ سلطنت اس قسم کی نہیں کہ جو دنیا کے بادشاہوں کو حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ من جانب اللہ ہے کہ جس میں دنیا اور آخرت اور نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک خاص علم عطا کیا جو قانون شریعت اور قانون حکومت دونوں کا جامع تھا۔ اور دین و حکمت اور قضاء و سیاست دونوں پر مشتمل تھا۔ اصلی علم شریعت اور نبوت کا تھا اور حکومت اور سلطنت اسکی خادم تھی اور داؤد اور سلیمان نے اس نعمت عظمیٰ کے شکر میں یہ کہا۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی کہ نبوت و رسالت کے ساتھ سلطنت بھی عطا کی اور جنات اور شیاطین کو ہمارا مطیع اور فرمانبردار بنایا اور ہوا کو اور پرندوں کو ہمارے لیے مسخر کر دیا اور مزید برآں ہم کو ان نعمتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائی جو خود ایک مستقل نعمت ہے اور داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد انکے بیٹے سلیمان انکے وارث ہوئے یعنی داؤد علیہ السلام کے تمام بیٹوں میں سے صرف سلیمان نے نبوت اور سلطنت کی وراثت پائی۔ نبوت کے ساتھ سلطنت بھی ملی جو کمالات باپ کو عطا ہوئے تھے وہی اس فرزند رشید یعنی سلیمان کو بھی ملے اس آیت میں

وراثت سے علم وحکمت اور کمالات نبوت کی وراثت مراد ہے مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ باجماع اہل تاریخ داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے تو پھر سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت۔ مال و دولت کی وارث تو ساری ہی اولاد ہوتی ہے اس خبر دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ معلوم ہوا کہ وراثت سے علم وحکمت اور نبوت کی وراثت مراد ہے جس میں ان کے دوسرے بھائی شریک نہ تھے نیز بیٹا تو باپ کا وارث ہوا ہی کرتا ہے اس میں کوئی خاص فضیلت نہیں اور یہ جملہ۔ یعنی وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ الخ حضرت سلیمانؑ کی مدح اور تعریف کے لیے لایا گیا ہے پس اگر اس آیت میں مال و دولت کی وراثت مراد لی جائے تو پھر اس جملہ کا مقام مدح اور تعریف میں ذکر کرنا فضول ہے۔ ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوا ہی کرتا ہے۔ اس میں کمال ہی کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آیت میں مال کی وراثت ہرگز ہرگز مراد نہیں جیسا کہ شیعوں کا گمان ہے بلکہ علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ بیٹا باپ کے علم وحکمت کا بھی وارث بنے۔ شیعہ لوگ لفظ وراثت کو مال کی وراثت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں سو یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ۔ ہم ان کے وارث ہوئے تو کیا شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ بھی کسی کے مال و دولت کے وارث بنتے ہیں۔

غرض یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا باپ کے علم وحکمت کا وارث بنے اس لیے اس آیت وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ میں یہ بتلایا کہ سلیمان علیہ السلام اپنے باپ کے بعد انکے علم وحکمت اور نبوت کے وارث ہوئے اور باپ کی طرح بیٹے کو بھی من جانب اللہ معجزات اور کرامات عطا ہوئے اس لیے سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی نعمتوں کا شکر کیا اور اس کی حمد وثناء کی اور بطور تحدیث نعمت سلیمان علیہ السلام نے کہا اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے کہ پرندے جو آپس میں بولتے ہیں ہم انکی بولی کو سمجھتے ہیں جو ہمارے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں اور علاوہ ازیں ہم کو ہر قسم کی نعمت سے ایک خاص حصہ دیا گیا ہے۔ یعنی مجھ کو اور میرے والد داؤد علیہ السلام کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں سے ہر قسم کی چیز دی گئی جس کی ہم کو ضرورت تھی یعنی نبوت اور علم وحکمت کے ساتھ سلطنت اور مال و دولت اور تسخیر جن وانس اور تسخیر طیر و ہوا بھی مجھ کو عطا ہوئی کہ سب میرے مطیع اور فرمانبردار ہیں اور عجیب عجیب صنعتوں کے لیے جنات کو میرے لیے مسخر کیا بے شک یہ کھلا ہوا فضلِ الٰہی ہے جس شخص کو ذرا بھی عقل ہے جب وہ ان چیزوں پر نظر کرے تو اس پر ظاہر ہو جائے کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے جس میں بندہ کے کسی کسب اور اختیار کو ذرہ برابر دخل نہیں مقصود یہ تھا کہ یہ جو کچھ مجھ کو دیا گیا ہے وہ سب فضل الٰہی ہے اور اکرام خداوندی ہے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ ان غیبی کرامتوں کو دیکھ کر مجھ پر ایمان لاؤ اور سلیمان علیہ السلام نے یہ کلمہ بطور تشکر کہا نہ کہ بطور فخر۔

پرندوں کی بولی سمجھ لینا عقلاً کوئی محال امر نہیں۔ قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتی ہے مگر تم اس کی تسبیح وتحمید کو نہیں سمجھتے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔ اور ہر چرند و پرند اپنی تسبیح سے واقف ہے۔ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ۔ پس اگر خداوند قدیر اس علم میں کا کوئی حصہ اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو عطا فرما دے تو کوئی محال نہیں۔ جمادات کی تسبیح اور حضور پر نورؐ کو شجر وحجر کا سلام کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور سلیمان علیہ السلام کے پرندوں کی بولی سمجھنے کے واقعات کتب تفاسیر میں مذکور ہیں۔

غرض یہ کہ نبوت اور سلطنت دونوں چیزوں کا ملنا بلاشبہ فضل الٰہی ہے اور بڑی فضیلت اور بزرگی ہے۔

ذکر قصۂ شکر دیگر

اب آئندہ آیات میں سلیمان علیہ السلام کی دوسری نعمت پر شکر گزاری کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے مختلف قسم کے لشکر جمع کیے گئے از قسم جن اور از قسم انسان اور از قسم پرند اور پھر روانگی سے قبل وہ ٹھہر لیے جاتے تھے تاکہ پیچھے آنے والے بھی شامل ہو جائیں۔ کوئی رہ نہ جائے۔ اور سب باقاعدہ جمع ہو کر روانہ ہوں۔ دنیا میں اس قسم کی سلطنت نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی چنانچہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام اس شان سے اپنے لشکروں کو لیکر روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان پر پہنچے تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے یہ کہا اے چیونٹیو اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اسکا لشکر تم کو کچل دے اور انکو خبر بھی نہ ہو اس چیونٹی کو یقین تھا کہ نبی اور اسکے اصحاب جان بوجھ کر کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کر سکتے یہ چیونٹی رافضیوں سے زیادہ عقلمند تھی جو صحابہ کرام سے بدگمان ہیں اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کی آل و اولاد پر جان کر ظلم کیا۔ معلوم ہوا کہ حیوانات کو بھی اسکا علم ہے کہ انبیاء کرام اور ان کے اصحاب سے دیدہ و دانستہ کسی پر ظلم اور زیادتی ممکن نہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے دور سے اسکی آواز کو سن لیا اور سمجھ گئے پس سلیمان علیہ السلام اسکی اس بات سے مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے اور خوش ہوئے کہ جانوروں کو بھی مجھ پر اطمینان ہے کہ میں اور میرے اصحاب ان پر ظلم نہیں کریں گے نیز جانوروں کی بولی سمجھ لینا حق جل شانہٗ کی ایک عظیم نعمت اور کرامت ہے اس ایک نعمت کو دیکھ کر اور نعمتیں یاد آگئیں تو نعمت کو چھوڑ کر منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے اور شکر اور مناجات میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر برابر انکا شکر کرتا رہوں۔ آپ نے اپنی رحمت سے مجھ کو منطق الطیر کے علم جیسی نعمت عطا کی۔ اب درخواست یہ ہے کہ ان نعمتوں پر شکر کرنے کی توفیق بھی عطا فرما اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ ایسے نیک کام کرتا رہوں جس سے آپ راضی ہوں۔ بغیر آپ کی رضا کے سب ہیچ ہے اور مجھ کو اپنی رحمت اور عنایت سے اپنے خاص نیک بندوں کے زمرہ میں داخل فرما یعنی تیری بارگاہ سے جو الطاف و عنایات عباد صالحین پر مبذول ہوئے ہیں مجھ کو بھی ان میں شریک فرما۔ نیک بندوں سے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں جیسے حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم الصلاۃ والسلام۔

نکتہ

گزشتہ آیات میں فَهُمْ يُوزَعُونَ کا لفظ آیا ہے اور اس آیت میں رَبِّ أَوْزِعْنِي آیا ہے دونوں کا اصل مادہ ایک ہے دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ناشکری سے روک دے اور تیرا شکر میرے پاس رکا رہے اور میں اسکو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے کما فی الکشاف اجعلنی ازع شکر نعمتک عندی واکفہ وارتبطہ لاینفلت عنی حتی لا انفک شاکرا لک انتہی۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ
اور خبر لی اڑتے جانوروں کی، تو کہا، کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہُد ہُد کو ؟ یا ہو
كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ
رہا ہے وہ غائب۔ اس کو مار دوں گا زور کی۔ یا
لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ
ذبح کر ڈالوں گا یا لادے میرے پاس کوئی سند صریح۔ پھر بہت دیر
بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِۦ وَجِئْتُكَ مِن
نہ کی کہ آکر کہا، میں لے آیا خبر ایک چیز کی، کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا
سَبَإٍۭ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَ
ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لیکر۔ تحقیق میں نے پائی ایک عورت اُن کے راج پر اور
أُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدتُّهَا
اس کو ہر چیز ملی ہے اور اسکا ایک تخت ہے بڑا۔ میں نے پایا کہ وہ
وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ
اور اسکی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوا۔ اور بھلے دکھائے ہیں انکو
الشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا
شیطان نے انکے کام پھر روکا ہے ان کو راہ سے، سو وہ راہ
يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ
نہیں پاتے۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی
فِي السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا
چیز آسمانوں میں اور زمین میں، اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو

تَعۡلِنُوۡنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۲۶﴾ السجدة

کھولتے ہو۔ اللہ ہے! کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا صاحب تخت بڑے کا۔

قَالَ سَنَنۡظُرُ اَصَدَقۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۲۷﴾

کہا ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے۔

اِذۡهَبْ بِّكِتٰبِىۡ هٰذَا فَاَلۡقِهۡ اِلَيۡهِمۡ ثُمَّ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَانْظُرۡ

لے جا میرا یہ خط اور ڈالدے انکی طرف پھر ان پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ

مَاذَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اِنِّىۡۤ اُلۡقِىَ اِلَىَّ

وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ کہنے لگی، اے دربار والو! میرے پاس ڈالدیا ہے۔ ایک

كِتٰبٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ

خط عزت کا۔ وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے۔ اور وہ ہے شروع اللہ کے

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَىَّ وَاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۱﴾ ع

نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ کہ زور نہ کرو میرے مقابل اور چلے آؤ حکمبردار ہو کر۔

قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ‌ۚ مَا كُنۡتُ قَاطِعَةً

کہنے لگی اے دربار والو! مشورہ دو مجھ کو میرے کام کا۔ میں مقرر نہیں کرتی کوئی

اَمۡرًا حَتّٰى تَشۡهَدُوۡنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّةٍ وَّاُولُوۡا

کام جب تک تم حاضر نہ ہو۔ وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت

بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ ۙ وَّالۡاَمۡرُ اِلَيۡكِ فَانْظُرِىۡ مَاذَا تَاۡمُرِيۡنَ ﴿۳۳﴾

لڑائی والے۔ اور کام تیرے اختیار ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے۔

قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً اَفۡسَدُوۡهَا وَ

کہنے لگی بادشاہ جب پیٹھیں کسی بستی میں اسکو خراب کریں اور

جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ

کر ڈالیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور یہی کچھ کریں گے۔ اور

اِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ ۢ بِمَ يَرْجِعُ

میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ، پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لیکر پھرتے ہیں

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ

بھیجے ہوئے پھر جب پہنچا سلیمان پاس، بولا کیا تم میری رفاقت کرتے ہو مال سے؟

فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا۔ نہیں تم اپنے تحفہ سے

تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ

خوش رہو۔ پھر جا انکے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جنکا سامنا

لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے انکو وہاں سے بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ

بولا اے دربار والو! تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اسکا تخت پہلے اس سے

يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا

کہ وہ آویں میرے پاس حکمبردار ہو کر۔ بولا ایک راکس جنوں میں سے۔ میں لا

اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىْ

دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اٹھے اپنی جگہ سے۔ اور میں اس

عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ

کے زور کا ہوں معتبر۔ بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم

مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ

کتاب کا۔ میں لا دیتا ہوں تجھ کو وہ پہلے اس سے کہ پھر آوے تیری طرف

طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ

تیری آنکھ۔ پھر جب دیکھا وہ دھرا اپنے پاس۔ کہا یہ میرے رب

فَضْلِ رَبِّيْ ۫ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ

کے فضل سے۔ میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو کوئی

فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ

شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے۔ سو میرا رب بے پروا ہے

كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ

نیک ذات۔ کہا روپ بدل دکھاؤ اس عورت کو اسکے تخت کا ہم دیکھیں سوجھ

تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ

پاتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سوجھ نہیں۔ پھر جب آ پہنچی کسی نے

قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا

کہا، کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت؟ بولی، گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم ہو

الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا

چکا آگے سے، اور ہم ہو چکے حکم بردار۔ اور بند کیا اس کو ان

كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ

چیزوں سے، جو پوجتی تھی اللہ کے سوا البتہ وہ تھی منکر لوگوں

كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ

میں۔ کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اسکو

حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ

خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا۔ اور کھولیں اپنی پنڈلیاں۔ کہا یہ تو ایک

صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ

محل ہے جڑے ہوئے اس میں شیشے۔ بولی اے رب! میں نے بُرا کیا ہے

نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۴

اپنی جان کا اور حکمبردار ہوئی ساتھ سلیمان کے، اللہ کے آگے جو رب سارے جہان کا۔

قصۂ سوم ملکۂ سبا بروایت ہُدہُد

قال اللہ تعالیٰ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۔۔ الیٰ ۔۔ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(ربط) اب ان آیات میں ملکہ سبا کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو بظاہر اس سورت کا تیسرا قصہ ہے مگر درحقیقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا قصہ ہے سلیمان علیہ السلام کے پاس تین قسم کے لشکر تھے ایک آدمیوں کا اور ایک جنوں کا اور ایک پرندوں کا۔ جو روانگی کے وقت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر سایہ کرتے تھے۔ ایک دن سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کے ایک لشکر کی جانچ پڑتال کی تو اس نے ہُدہُد کو نہ پایا جو ہُدہُدوں کا سردار تھا۔ فرمایا جب وہ آئے گا تو اس سے پوچھوں گا کہ کیوں غیر حاضر تھا اگر اس نے کوئی معقول وجہ بیان کی تو خیر ورنہ اسکو ذبح کر ڈالوں گا۔ ہُدہُد۔ سلیمان علیہ السلام کا مہندس (انجنیئر) تھا سلیمان علیہ السلام جب بیابان میں ہوتے تو اسکو طلب فرماتے۔ ہُدہُد زمین پر چونچ رکھ کر بتلا دیتا کہ پانی اتنی گہرائی پر ہے تو زمین کھود کر پانی نکال لیا جاتا۔ جنوں کو حکم دیتے تھے وہ کھود کر پانی نکال لیتے۔ سلیمان علیہ السلام ایک بیابان میں تھے کہ ہُدہُد کو نہ دیکھا تو دریافت فرمایا۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو اس سے دریافت کیا اس نے بتایا کہ ملکِ سبا میں ایک ملکہ ہے جسکا نام بلقیس ہے میں نے اس ملکہ کو اور اسکی قوم کو سورج کا سجدہ کرتے دیکھا ہے اس خطہ کے لوگ مذہباً مجوسی تھے۔ شرک اور کواکب پرستی میں مبتلا تھے۔ سلیمان علیہ السلام کو اس خطہ کا حال معلوم نہ تھا۔ ہُدہُد سے سُن کر یہ حال معلوم ہوا۔ تو ملکہ سبا کے نام دعوتِ اسلام کا ایک خط لکھا کہ تو غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دے اور مسلمان ہو کر میرے حضور میں حاضر ہو جا اور یہ خط دیکر ہُدہُد کو روانہ کیا کہ یہ خط لے جا کر ملکہ سبا کو پہنچا دے گویا کہ بارگاہ نبوت سے ایک جانور کو سفارت کے فرائض کی انجام دہی کے لیے مقرر کیا جا رہا ہے یہ بارگاہ نبوت ہے۔ بادشاہت جس کی خادم اور غلام ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہُدہُد سلیمان علیہ السلام کا مہندس یعنی انجنیئر تھا۔ زمین پر چونچ مار کر بتلا دیتا تھا کہ پانی اتنی گہرائی پر ہے اس کے بتلانے پر سلیمان علیہ السلام زمین کھدوا کر حسب ضرورت پانی نکلوا لیتے تھے۔ سبحان اللہ ایک پرندہ ہے جو بارگاہ نبوت کا مہندس یعنی انجنیئر ہے اب اسی پرندہ کو سفیر بنا کر دوسرے ملک میں بھیجا جا رہا ہے اب ان آیات میں تفصیل کے

ساتھ اسی قصہ کو بیان کرتے ہیں جو ایک اعتبار سے کرشمۂ قدرت ہے اور ایک اعتبار سے کرشمۂ نبوت ہے۔
چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی مقام پر سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا یعنی اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا تو ہدہد کو نہ پایا تو فرمایا
کہ مجھے کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا میری نظر خطا کر رہی ہے یا وہ غائبین میں سے ہے یعنی وہ غیر حاضر ہے اس
لیے دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ میں اسکو سخت سزا دونگا جس سے دوسرے پرندوں کو عبرت ہو یعنی اسکے بال و پر کاٹ دوں گا
یا اسکو قفس میں بند کردوں گا یا میں اسکو ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے کوئی واضح دلیل اور معقول عذر لیکر آئے تو پھر میں اس
کو چھوڑ دونگا۔ پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہدہد حاضر ہو گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تجھے کہاں دیر ہوئی تو اس
نے عرض کیا کہ میں وہ بات معلوم کرکے آیا ہوں جو آپکو معلوم نہیں یعنی میری یہ غیر حاضری کسی غفلت کی بنا پر نہیں بلکہ آپ ہی
کی خدمت اور مصلحت کے لیے تھی اور میں اس وقت آپکے پاس شہر سبا سے ایک یقینی خبر لیکر آیا ہوں جسکا انتظام مقاصد
نبوت سے اور لوازم سلطنت سے ہے وہ خبر یہ ہے کہ تحقیق میں نے ملک سبا میں ایک عورت کو لوگوں پر سلطنت کرتے پایا
کہ وہ لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس ملکہ کو سلطنت کے متعلق ہر چیز دی گئی ہے اور اس ملکہ کا تخت بڑا عظیم الشان
ہے جو سونے کا ہے اور جواہرات اور موتیوں سے جڑا ہوا ہے یہ تو اسکی دنیاوی شان و شوکت کا حال ہے اور اس کے
دین کا حال یہ ہے کہ میں نے اس ملکہ کو اور اسکی قوم کو اس حال میں پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ بلقیس
اور اسکی قوم مجوسی تھی جو سورج کو پوجتی تھی اور شیطان نے انکے اعمال بد کو انکی نظروں میں اچھا کرکے دکھلایا ہے پس اس طرح
شیطان نے انکو راہ حق سے روک دیا ہے پس وہ لوگ راہ یاب ہوتے نظر نہیں آتے۔ شیطان نے انکے اعمال بد کو
مزین کر دیا ہے کہ سارا عالم آفتاب سے روشن اور منور ہے لہذا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے۔ آفتاب کے سجدہ کو
انکی نظروں میں خوب کرکے دکھایا ہے اور اس بات کو خوب کرکے دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں جو معبود حقیقی ہے
جس کی شان یہ ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے یعنی آفتاب کی چمک اور دمک پر تو نظر گئی
مگر اس پر نظر نہ کی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے نباتات اگاتا ہے یہ تو اسکی قدرت کا حال ہے اور اس
کے علم کا حال یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے کہ جن کو تم چھپاتے ہو اور جن کو ظاہر کرتے ہو پس ایسی چیز کو پوجنا چاہیئے جس کی
قدرت اور اسکا علم کامل اور محیط ہو اور سورج کو پوجنا بیکار ہے جسے نہ علم ہے اور نہ قدرت ہے۔ اللہ کے سوا کوئی لائق الوہیت
اور مستحق عبادت نہیں وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ بلقیس کے تخت کو اسکے عرش عظیم سے کیا نسبت۔ ہدہد کا مطلب یہ تھا کہ یہ
ملکہ اور اسکی قوم کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔ اور توحید سے منحرف ہے ایسی قوم سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ حیوانات کو اور چرند
اور پرند کو اللہ کی معرفت حاصل ہے وہ توحید اور شرک کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس لیئے ہدہد نے اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کیے جن
سے اللہ کے کمال قدرت اور کمال علم کو ثابت کیا۔

فائدہ (۱) ہدہد کے قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کا علم محیط نہیں۔ اس جزئی واقعہ کی اطلاع ہدہد نے دی جس کا پہلے
سے سلیمان علیہ السلام کو علم نہ تھا۔

فائدہ (۲) یہ آیت سجدہ کی ہے اسکے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے۔
جب ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلقیس کے حال کی خبر دے دی تو سلیمان علیہ السلام نے اس کی

بات سن کر یہ فرمایا کہ اچھا ہم دیکھیں گے اور اس بات کی تحقیق کریں گے کہ تو اپنے قول میں سچا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے اور فرمایا کہ فی الحال تو میرا یہ خط لیکر جا اور ان کے سامنے ڈال دے پھر ان کے سامنے خط ڈال کر ذرا ان سے علیحدہ ہو جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں چنانچہ ہدہد سلیمان علیہ السلام کا سربمہر خط لیکر بلقیس کے پاس پہنچا اور دریچہ سے اس کے کمرہ میں داخل ہوا تو اس کو سوتے ہوئے دیکھا۔ ہدہد نے اس خط کو اسکے سینہ پر رکھ دیا اور حسب ہدایت ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ۔ ادب اور احترام کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ ملکہ بیدار ہو گئی دیکھا کہ ایک سربمہر خط اسکے سینہ پر رکھا ہوا ہے اور ایک پرندہ ادب و احترام کے ساتھ قریب میں کھڑا ہوا ہے۔ یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئی اور فوراً دل میں ہول اور خوف سما گیا۔ خط کو اٹھایا اور اسکی مہر کھول کر اسکو پڑھا۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۶۲ ج ۳۔ اور ارکان دولت کو جمع کیا اور بولی اے اشراف قوم اور اے ارکان دولت میری طرف ایک بزرگ خط یعنی گرامی نامہ ڈالا گیا ہے جس کا حال عجیب ہے کہ اسکو ایک پرندہ لیکر آیا ہے اور وہ پرندہ نہایت مہذب اور مؤدب ہے کہ خط کو میرے سینہ پر رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اس خط کا مضمون بھی عجیب ہے تحقیق وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے جس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے اور اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ میرے مقابلہ میں تکبر اور سرکشی نہ کرو اور خدا کا فرمانبردار ہو کر گردن جھکائے ہوئے میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ یہ خط کمال فصاحت اور بلاغت کے ساتھ غایت درجہ مختصر تھا اور باوجود کمال اختصار کے تمام مقاصد کو شامل تھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں ذاتِ الٰہی اور اسکی صفات کاملہ کو بیان کیا بعد ازاں تکبر اور سرکشی کی ممانعت فرمائی جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور پھر اسلام کا حکم دیا جو تمام فضائل اور شمائل اور خیرات و برکات کو جامع ہے۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو کتاب کریم اس لیے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے لیے ملک اور سلطنت کی طمع کا کوئی شائبہ اور رائحہ بھی نہیں۔

نظم

اے نام تو بہترین سر آغاز ٭ بے نام تو نامہ کے کنم آغاز
آرائش نامہا است نامت ٭ آسائش سینہا است کلامت

غرض یہ کہ ملکۂ بلقیس نے جب یہ دیکھا کہ اس کتاب کریم کو ایک پرندہ لیکر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرندہ جس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ شاہانِ عالم کی قسم کا بادشاہ نہیں وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے اس لیے اس نے ارکانِ دولت کو جمع کر کے سلیمان علیہ السلام کا یہ گرامی نامہ سنایا تمام دربار ہل گیا اور گھبرا اٹھے۔ ملکۂ بلقیس نے کہا اے سردارانِ قوم اور اشرافِ ملک اس معاملہ میں مجھ کو فتویٰ دو۔ یعنی مشورہ دو۔ ملاء کے معنی اشراف قوم کے ہیں ملؤ سے مشتق ہے جس کے معنی بھر دینے کے ہیں چونکہ یہ لوگ اپنی عزت و ثروت کی وجہ سے اپنی قوم کی آنکھوں میں بھرے ہوتے اور سمائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے اشراف قوم کے لیے لفظ ملاء استعمال ہوتا ہے اور فتویٰ کے معنی حکم قوی کے ہیں کہ جو کسی مشکل کے حل اور سلجھانے کے لیے دیا جائے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ملکہ بلقیس نے اہل دربار سے یہ کہا کہ اے اشرافِ قوم مجھے اس مشکل میں ایسی محکم رائے دو جس سے یہ مشکل حل ہو جائے اور یہ عقدہ کھل جائے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ گزشتہ زمانہ سے لیکر اب تک ہمیشہ میری یہ شان اور عادت رہی ہے کہ میں کسی معمولی بات کا بھی قطعی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم

لوگ حاضر نہ ہو جاؤ یعنی میں نے تو کسی معمولی اور حقیر کام میں بھی بغیر تمہارے مشورہ کے قطعی فیصلہ نہیں کیا اور یہ معاملہ تو بہت اہم ہے ارکان سلطنت ملکہ کے جواب میں بولے کہ ہم بڑی قوت والے ہیں اور سخت لڑائی لڑنے والے ہیں یعنی ہم کو قوت اور طاقت بھی حاصل ہے اور ہمت و شجاعت اور لشکری کثرت بھی حاصل ہے جنگ اور سامان جنگ کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہم مقابلہ کے لیے ہر طرح حاضر اور مستعد ہیں اگر آپ ہمکو حکم دیں تو ہم ان سے لڑنے کے لیے تیار ہیں اور حکم اور اختیار سب آپ کے حوالہ ہے پس آپ جو حکم دینا چاہیں اسکو سوچ لیں ہم حضور کے تابع فرمان ہیں ہم آپکے حکم کی اطاعت کریں گے خواہ صلح کیجیے یا جنگ کیجیے۔

نظم

اگر جنگ خواہی نبرد آوریم ❊ دل دشمناں را بدرد آوریم

وگر صلح جوئی ترا بندہ ایم ❊ بتسلیم حکمت سرافگندہ ایم

مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لیے تیار ہیں آگے آپکو اختیار ہے ارکان دولت کا میلان جنگ کی طرف تھا۔ مگر ملکہ نے جنگ میں تعجیل مناسب نہ سمجھی بلکہ صلح اور جنگ کے بین بین ایک صورت اختیار کی۔ بہر حال بلقیس نے ارکان دولت کے جواب سے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جنگ پر آمادہ ہیں تو یہ رائے اسکو پسند نہ آئی اور بولی کہ فی الحال لڑنا مصلحت نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ تحقیق بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی شہر میں بارادۂ جنگ داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو خراب اور برباد کر ڈالتے ہیں اور معززین کو ذلیل کرتے ہیں۔ بستی کو لوٹتے ہیں اور رعایا کو قید کرتے ہیں تاکہ ان کی حکومت قائم ہو اور اگر تم نے سلیمانؑ سے جنگ کی تو ممکن ہے کہ یہ بھی ایسا کریں اس لیے بے ضرورت لڑائی میں پڑنا مناسب نہیں معلوم ہوتا اور سر دست مناسب یہ ہے کہ میں انکی طرف ایک تحفہ اور ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لیکر آتے ہیں قاصدوں کی واپسی کے بعد دوبارہ غور کر لیا جائیگا میرے پاس ان سے زیادہ مال و دولت ہے مجھے اسکی حاجت نہیں کہ فوراً ان کی اطاعت قبول کر لوں۔ ہدیہ بھیج کر سلیمانؑ کو آزماتی ہوں کہ وہ نبی ہے یا بادشاہ ہے اگر وہ بادشاہ ہے تو میرا ہدیہ قبول کر لے گا۔ اور جنگ کا ارادہ ملتوی کر دے گا اور اگر نبی ہے تو میرا ہدیہ قبول نہیں کریگا اور جب تک ہم اسکا دین قبول نہ کر لیں وہ کبھی ہم سے راضی نہیں ہوگا چنانچہ ملکہ بلقیس نے بڑے بیش قیمت ہدیے اور تحفے بھیجے جن کی تفصیل کتب تفاسیر میں مذکور ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے سب کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ ملکہ بلقیس نے قسم قسم کے جواہرات اور موتی اور سونے اور چاندی کی اینٹیں بھیجیں جنہیں دیکھ کر آدمی حیران رہ جاتے مگر سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے ہدیہ اور تحفہ کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ وہ اللہ کے نبی تھے انکی نظر میں تمام دنیا کا سونا اور چاندی اور جواہرات سب ہیچ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پھر جب وہ ایلچی حضرت سلیمان کے پاس آیا اور ملکہ کی طرف سے تحفے اور ہدیے پیش کیے تو آپ نے اسکی طرف کچھ توجہ نہیں کی بلکہ اس حرکت پر ناخوشی اور ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کیا تم لوگ مجھے اس دنیائے فانی کے مال سے مدد دینا چاہتے ہو سو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا کیا ہے کہ جن وانس اور چرند اور پرند کو میرے لیے مسخر کیا ہے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے جو تم کو دیا ہے تمہارے پاس صرف تھوڑی سی دنیا ہے اور بحمد اللہ میرے پاس دین اور دنیا سب کچھ ہے بلکہ تم ہی اپنے اس ہدیہ پر خوش رہو۔ یہ ہدیہ تمہاری خوشی کے لائق ہے میری خوشی تو اس میں ہے کہ تم اسلام لے آؤ اور خدا کے سامنے گردن ڈال دو۔ بعد ازاں

قاصدوں کے سردار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تو مع ان تحفوں اور ہدیوں کے اپنی ملکہ اور ارکان دولت کی طرف واپس لوٹ جا ہمیں اسکی کوئی پرواہ نہیں اور صاف فرما دیا کہ اب اگر وہ ایمان لے آویں تو فبہا ۔ ورنہ ہم ان پر ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے جنکے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم انکو ملک سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور حکومت و سلطنت سے دستبردار ہو لینے کے بعد ذلیل و خوار ہو نگے مسلمانوں کی رعیت بن کر رہنا ہو گا۔ جب قاصد واپس ہوئے اور سبا پہنچ کر ملکہ کو بتلایا کہ حضرت سلیمانؑ نے تمام ہدیے اور تحفے واپس کر دیئے ہیں اور ان کا پیغام پہنچایا کہ یا تو اسلام لے آؤ ورنہ فوج کشی کے لیے تیار ہو جاؤ تو ملکہ اور تمام ارکان دولت کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص کوئی بادشاہ نہیں بلکہ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے خدا کی طاقت اور قوت سے بول رہا ہے اس کے مقابلہ میں کسی قوت اور طاقت کا زور نہیں چل سکتا سلامتی اسکی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے چنانچہ ملکہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں اطاعت کے ارادہ سے حاضری کے لیے روانہ ہو گئی۔ سلیمان علیہ السلام کو بذریعہ وحی کے یا کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ ملکہ بلقیس ملک سبا سے اسلام میں داخل ہونے کے ارادہ سے روانہ ہو گئی تو یہ چاہا کہ بلقیس کا تخت جس کو وہ سات قفلوں میں مقفل کر کے آرہی ہے اسکے یہاں پہنچنے سے پہلے میرے سامنے حاضر کر دیا جائے تاکہ ملکہ یہاں آکر اپنے تخت کو دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ شخص دنیاوی بادشاہوں کی طرح محض بادشاہ نہیں بلکہ قدرت خداوندی اسکی پشت پناہ ہے اور یہ شخص خداوند قدیر کا برگزیدہ اور فرستادہ ہے جس کے ہاتھ پر ایسے عجائب قدرت کا ظہور ہو رہا ہے چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا اے اہل دربار کون شخص تم میں سے ایسا ہے کہ بلقیس کا تخت میرے سامنے لا کر حاضر کر دے قبل اسکے کہ وہ لوگ مسلمان ہو کر میرے پاس آویں وہ عرش یمن میں تھا اور سلیمان علیہ السلام اس وقت بیت المقدس میں تھے۔ مقصود یہ تھا کہ بلقیس پر حق تعالیٰ کی کمال قدرت کا اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا معجزہ ظاہر ہو جائے اور اس غیبی کرشمہ کو دیکھ کر ملکہ یہ سمجھ جائے کہ بارگاہ نبوت کے سامنے بڑی سے بڑی سلطنت اور بڑی سے بڑی شان و شوکت ہیچ ہے اور دنیا سے اسکا دل بیزار ہو جائے اور تخت اور سلطنت سے اسکا دل خالی ہو جائے اس لیے تخت مذکور کے منگوانے کا ارادہ فرمایا جنوں میں ایک دیو نے کہا کہ میں اس تخت کو آپکے پاس لا موجود کروں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی اس جگہ سے اٹھیں اور بیشک میں اس پر قادر ہوں اور امانت دار ہوں یعنی میں اس تخت کو آپکے دربار برخاست کرنے سے پہلے لے آؤں گا اور جو جواہرات اس میں لگے ہوئے ہیں ان میں خیانت نہیں کرونگا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتا ہوں تو بولا وہ شخص جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم تھا اور اسم اعظم جانتا تھا کہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں اس تخت کو آپ کے پاس لا کر رکھ دوں قبل اس کے کہ آپکی نگاہ آپ کی طرف واپس آئے یعنی آپ نظر اٹھا کر جہاں تک دیکھ سکتے ہیں دیکھیے اور آپکی نظر اپنی جگہ واپس آنے سے پہلے ہی میں اس تخت کو آپکے سامنے حاضر کر دوں گا اللہ نے مجھے اتنی قوت اور قدرت دی ہے کہ میں اسکو اس قدر جلد لا سکتا ہوں اور امین ہوں اللہ نے مجھ کو امانت کی صفت بھی عطا کی ہے میں اس تخت کے لعل و جواہر میں کسی قسم کی خیانت نہ کرونگا یہ شخص اولیاء اللہ میں سے تھا اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کون سی کتاب تھی اور کون سا علم تھا اسکی تحقیق ناممکن اور محال ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا جو سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور ان کا وزیر تھا۔ جو کتب الٰہیہ کا عالم تھا اور اسماء الٰہیہ کے خواص اور تاثیرات سے واقف تھا۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۴ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۸۳ ج ۱۹۔

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں آپ اللہ سے دعا فرمائیے آپ مگر اللہ سے دعا کریں گے تو حاضر ہو جائیگا حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تو فوراً تخت حاضر ہو گیا۔ دیکھو زاد المسیر ص ۱۸۵ ج ۶۔

پس سلیمان علیہ السلام نے جب اس تخت کو طرفۃ العین میں اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ سب میرے پروردگار کا فضل اور احسان ہے کہ اس طرح طرفۃ العین میں میرے ایک خادم کے ذریعہ تخت میرے سامنے لا کر رکھ دیا گیا یہ محض اسکا فضل ہے جس میں اسباب ظاہری کو بالکل دخل نہیں تخت کا اس طرح یکدم حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور انکے ایک صحابی کی کرامت تھی اور یہ امر کوئی محال نہیں بلقیس کا تخت بیشک ایک بڑا جسم تھا مگر کرۂ آفتاب سے تو بڑا نہ تھا پس جو خدا کرۂ شمس کو ایک لحہ میں ہزاروں میل کی حرکت دے سکتا ہے تو اسے ایک تخت کو حرکت دینا کیا مشکل ہے کیونکہ تخت کو آفتاب سے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہے الغرض سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو سامنے رکھا ہوا دیکھ کر کہا کہ یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ تاکہ میرا امتحان کرے کہ میں اسکی نعمت کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جو شخص شکر کرے وہ اپنے فائدہ کے لیے کرے گا کیونکہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے اور عاقبت میں اسکا صلہ بہشت ہے اور جو ناشکری کرے تو وہ میرے پروردگار کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا کیونکہ میرا پروردگار بے نیاز اور بے پروا ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں اور وہ بڑا کرم کرنے والا ہے بلا کسی استحقاق کے کرم کرتا ہے۔

تخت کا اس طرح طرفۃ العین میں حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور انکے صحابی کی کرامت تھی کیونکہ صحابی کو یہ مرتبہ اپنے نبی کی متابعت سے ملا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ خود سلیمان علیہ السلام اس تخت کو لے آتے لیکن اللہ تعالٰی نے یہ کام ان کے خادم کے ہاتھ سے کرایا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید اعزاز و اکرام کا سبب بنے کہ یہ شخص اللہ کا اس درجہ مقبول بندہ ہے کہ اس کے خادم ایسے ہیں جن سے ایسی کرامتیں ظہور میں آ رہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح تخت کا سامنے لا کر رکھ دیا جانا اللہ کی عظیم نعمت تھی سلیمان علیہ السلام اسی وقت نعمت سے منعم کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسکے شکر میں مشغول ہو گئے۔ اور یہ بتلا گئے کہ منعم حقیقی کو ہمارے شکر کی حاجت نہیں وہ تو غنی کریم ہے ہم جو شکر کر رہے ہیں وہ اپنے فائدہ کے لیے کر رہے ہیں اور جو نعمت مل رہی ہے وہ محض اس کا کرم ہے خدا پر کسی کا کوئی حق نہیں۔

فائدہ اور طرفۃ العین میں اس طرح تخت کا حاضر ہو جانا عقلاً محال نہیں اور موجودہ سائنس کی تحقیق پر اجسام کی تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر نہیں ابھی تک تو بندہ کی قدرت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ کہاں تک پہنچے گی تو خدائے قادر مطلق کی قدرت کی کون حد مقرر کر سکتا ہے۔

پس جب وہ تخت ملکہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے حضرت سلیمان کے حضور میں پہنچ گیا تو فرمایا کہ تخت کی وضع اور ہیئت کو بلقیس کے امتحان کے لیے بدل ڈالو تاکہ دیکھیں کہ آیا وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو اس قسم کے تغیر و تبدل سے شناخت نہیں کر سکتے دیکھیں کہ اس کی عقل کی رسائی ہوتی ہے یا نہیں ۔

نکتہ عرش اور تخت سلطنت اور بادشاہت کی صورت ہے حضرت سلیمانؑ نے اس تخت کی ہیئت بدلنے کا حکم دیا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ سابق سلطنت کی ہیئت اب بدل چکی ہے۔ کفر کی گزشتہ سلطنت ختم ہوئی اب حضرت سلیمانؑ کی طرف سے بلقیس کو یہ جدید سلطنت عطا کی جارہی ہے کہ جو اسلامی ہے اور سلیمانؑ کے زیر سایہ ہے نجاشیؓ شاہ حبشہ کے مسلمان ہو جانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بادشاہت کو برقرار رکھا۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے اسکی سلطنت اور بادشاہت کو برقرار رکھا۔

پس جب بلقیس آگئی اور سلیمان علیہ السلام کے حضور میں پہنچ گئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے جس کو تو اپنے محل میں چھوڑ کر اور جس پر قفل لگا کر آئی ہے اور جس پر پہرے لگا کر آئی ہے تو بلقیس نے بہت ہوشیاری سے جواب دیا اور بولی گویا کہ وہی ہے نہ یہ کہا کہ بعینہ وہی ہے اور نہ یہ کہا کہ یہ وہ نہیں۔ گویا کی قید اس لیے لگائی کہ بہمہ وجوہ وہی نہ تھا کیونکہ اس کی ہیئت بدلی ہوئی تھی اس سے اس کی عقل اور فراست ثابت ہوئی کہ اہل دربار میں سے کوئی اس کو جھٹلا نہ سکے اگر وہ یہ کہہ دیتی کہ ایسا ہی ہے یا ایسا نہیں ہے تو لوگوں کو اس کے جھٹلانے کا موقع مل جاتا اس لیے اس نے یہ جواب دیا کہ گویا یہ وہی تخت ہے اور بعد ازاں یہ کہا اور ہم کو اس معجزہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت اور حقانیت کا اور خدا کی قدرت کا کہ وہ جہاں چاہے کسی کے تخت کو منتقل کردے علم ہو چکا تھا ہمیں اس معجزہ کی چنداں حاجت نہ تھی۔ ہم کو آپکی نبوت کا اور خدا کی قدرت اور وحدانیت کا پہلے ہی یقین ہو گیا تھا اور ہم دل سے مسلمان ہو چکے تھے یہ بھی اس کے فہم اور فراست کی دلیل ہے کہ اس نے معجزہ دیکھنے سے پہلے ہی سمجھ لیا کہ یہ برگزیدہ ہستی خدا کا نبی ہے اور حاضری سے پہلے اس کی تصدیق کی اور اسلام لے آئی اور اب تک تو جو ایمان لانے میں دیر ہوئی تو اسکی وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت نے اور جھوٹے معبودوں کی پرستش نے اور قومی تقلید نے اسکو ایمان لانے سے باز رکھا۔ بے شک اب سے پہلے کافروں کی قوم سے تھی۔ قوم کو دیکھا کفر اور شرک میں مبتلا تھی مگر عاقل تھی جب تنبیہ کی گئی تو متنبہ ہو گئی اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ بلقیس پر شان نبوت اور شان معجزہ کرامت تو ظاہر ہو چکی ہے لہذا اب اسکو سلطنت کی بھی شان و شوکت دکھلانی چاہیے تاکہ اس پر یہ واضح ہو جائے کہ میری سلطنت اسکی سلطنت کے سامنے ہیچ ہے چنانچہ ایک شیش محل تیار کرایا اور اسکا فرش صاف اور شفاف شیشہ کا بنوایا اور اسکے نیچے پانی بھر کر اس میں مچھلیاں چھوڑ دیں۔ چنانچہ صحن میں پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب پانی ہے۔ درمیان صحن کے سلیمان علیہ السلام کا تخت رکھا گیا اور بلقیس کو اندر بلایا گیا بلقیس جب دروازہ پر پہنچی تو کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو پھر جب بلقیس نے اس صحن کو دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے یعنی پانی کا حوض ہے اس لیے اس نے اندر گھسنے کے لیے اپنے پائنچے اوپر اٹھائے اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولیں سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تحقیق یہ محل ہے جو سفید شیشوں سے جڑا ہوا ہے پانی نہیں اس سے اسکو اپنی عقل کا قصور معلوم ہوا۔ اور یہ

پتہ چلا کہ جس شاہانہ ساز و سامان پر مجھ کو ناز تھا یہاں اس سے ہزار درجہ بڑھ کر موجود ہے اور عجب نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شیشہ کے فرش سے اسکو متنبہ کیا ہو کہ آفتاب اور ستاروں کی چمک کو دیکھ کر انکو غلط سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسا کہ آدمی شیشہ کی چمک کو دیکھ کر پانی گمان کرے۔ کَسَرَابٍۢ بِقِيعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً۔ شیشہ پانی نہ تھا بلکہ پانی کا مظہر تھا۔ اسی طرح آفتاب اور ماہتاب نور الٰہی کا مظہر اور آئینہ ہیں۔ معاذ اللہ خدا نہیں اس پر بلقیس بول کر اے میرے پروردگار بیشک میں نے سورج کو پوج کر اپنی جان پر ظلم کیا کہ اسکی ظاہری چمک کو دیکھ کر اسکو معبود بنالیا اور اب میں کفر اور شرک سے تائب ہو کر سلیمان کے ساتھ مل کر اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بن گئی تاکہ اللہ کے نبی کی معیت اور مرافقت سے مجھ کو دین اور دنیا کی اور مزید نعمتیں ملیں۔

غرض یہ کہ ملکہ سبا مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہونے کے بعد واپس ہو گئی۔ یہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ہوا باقی ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد کیا ہوا تو قرآن و حدیث میں اسکی کوئی تصریح نہیں البتہ علماء تفسیر وغیرہ میں یہ مشہور ہے[1] کہ ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح فرمالیا۔ ملکہ سبا غیر شادی شدہ تھی۔ اور نکاح کے بعد اس کو اپنے ملک جانے کی اجازت دیدی اور گاہے گاہے خود وہاں تشریف لے جاتے واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

لطائف و معارف

حق جل شانہٗ نے اس قصہ میں سلیمان علیہ السلام کے جن معجزات اور کرامات کا ذکر فرمایا اس قسم کے معجزات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حق تعالیٰ نے عطا فرمائے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منطق الطیر کا علم عطا فرمایا۔ جانوروں کا آپ سے کلام کرنا اور اونٹ کا آپ سے شکایت کرنا اور درختوں اور پتھروں کا آپ سے کلام کرنا۔

اور آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی کرامتوں کا نمونہ فاروق اعظم کو بھی عطا ہوا۔ حضرت عمرؓ کا عین خطبہ میں یا ساریۃ الجبل الجبل کہنا اور حضرت ساریہ کا میدان کارزار میں حضرت عمرؓ کی آواز سننا روایات معتبرہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار زلزلہ آیا تو حضرت عمرؓ نے زمین پر پاؤں مارا اور کہا کہ اے زمین میں تجھ پر عدل اور انصاف کیے ہوئے ہوں اور تو حرکت کر رہی ہے زمین فوراً ساکن ہو گئی اور دریائے نیل کے نام حضرت عمرؓ کے ایک پرچہ لکھنے کا بھی واقعہ مشہور ہے۔ دریائے نیل خشک ہو گیا تھا حضرت عمرؓ کا یہ پرچہ ڈالتے ہی جاری ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا

اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح کہ بندگی کرو

[1] والمشهور انه عليه السلام تزوجها واليه ذهب جماعة من اهل الاخبار تفسير روح المعاني ص ۱۸۹ ج ۱۹۔

اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ

اللہ کی، پھر وہ تو دو جتھے ہو کر لگے جھگڑنے۔ کہا اے قوم! کیوں

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا

شتاب مانگتے ہو برائی پہلے بھلائی سے۔؟ کیوں نہیں

تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا

گناہ بخشواتے اللہ سے، شاید تم پر رحم ہو۔ بولے ہم نے بدقدم دیکھا

بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ

تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو۔ کہا، تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے، کوئی نہیں تم لوگ

قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ

جانچے جاتے ہو۔ اور تھے اس شہر میں نو شخص خرابی کرتے

يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا

ملک میں اور سنوار نہ کرتے۔ بولے آپس میں قسم

بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا

کھاؤ اللہ کی، مقرر رات کو پڑیں ہم اس پر اور اسکے گھر پر، پھر کہدیں گے اسکا دعویٰ کرنیوالے

مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّ

کو، ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اسکا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں۔ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور

مَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

ہم نے بنایا ایک فریب، اور ان کو خبر نہیں۔ پھر دیکھ! کیسا ہوا آخر ان کے

عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ

فریب کا؟ کہ اکھاڑ مارا ہم نے انکو اور انکی قوم کو ساری۔ سو یہ پڑے

بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ

ہیں ان کے گھر ڈھے ہوئے انکے انکار سے۔ البتہ اس میں نشانی ہے ایک لوگوں

يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

کو جو جانتے ہیں۔ اور بچا دیا ہم نے انکو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہتے تھے۔

قصۂ چہارم حضرت صالح علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ... الیٰ ... وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ

(ربط) حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ملکہ بلقیس باوجودیکہ ایک عورت تھی مگر اسکو ایک چھوٹے جانور یعنی ہُدہُد سے ہدایت ہوگئی اور قوم ثمود کو باوجود مرد ہونے کے ناقہ جیسے بڑے حیوان سے ہدایت نہ ہوئی کہ چند مفسدوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر شبخون مارنے کا ارادہ کیا مگر انکو قضائے الٰہی کی خبر نہ تھی کہ وہ انکی گھات میں ہے کہ یکایک قضائے الٰہی نے ان پر شبخون مارا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے اس قصہ کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اب آئندہ آیات میں لوگوں کی عبرت اور نصیحت کے لیے صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کی طرف انکے برادری کے بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اور یہ پیغام دیکر بھیجا کہ تم لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ سو چاہیے تو یہ تھا کہ سب کے سب ایمان لے آتے مگر خلاف توقع ناگہاں ان میں دو فریق ہو گئے جو دین کے بارہ میں جھگڑنے لگے ایک فریق کہتا تھا کہ صالح علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں ان پر ایمان لے آنا چاہیے اور دوسرا فریق یہ کہتا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے بہرحال ایک فریق ایمان لے آیا اور دوسرے فریق نے تکذیب کی۔ صالح علیہ السلام نے منکرین اور مکذبین کو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ سرکشوں نے کہا کہ وہ عذاب کہاں ہے جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزرا۔ قَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ صالح علیہ السلام نے فریق مکذب سے کہا اے میری قوم بھلائی سے پہلے عذاب کے مانگنے میں کیوں جلدی کرتے ہو عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اللہ سے رحمت مانگو۔ بلا اور عذاب کیوں مانگتے ہو۔ استعجال عذاب کی بجائے استعجال رحمت کیوں نہیں کرتے تم لوگ اپنے کفر سے بارگاہ خداوندی میں توبہ اور استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور تمہاری توبہ قبول ہو اور تم پر عذاب نازل نہ ہو۔ صالح علیہ السلام انکو نصیحت کرتے جاتے تھے مگر وہ گمراہی میں بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ بولے کہ اے صالح ہم نے تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو منحوس پایا جب سے یہ مذہب نکلا ہے اس وقت سے قوم میں تفرقہ پڑ گیا اور قوم میں نااتفاقی ہو گئی جس کا اصل سبب تم ہو۔ تمہاری وجہ سے قوم میں پھوٹ پڑ گئی یا یہ معنی ہیں کہ تمہاری نحوست سے ہم قحط میں مبتلا ہو گئے۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری نحوست کا اصل سبب تو اللہ ہی کے علم میں ہے

میں تو اللہ کی طرف سے حق اور ہدایت لیکر آیا ہوں اور ظاہر ہے کہ حق اور ہدایت تو سراسر موجب خیر و برکت ہے۔ البتہ حق اور ہدایت سے انحراف اور حق کی تکذیب اور اسکی مخالفت نحوست کا سبب ہے لہٰذا نحوست کا الزام مجھ پر اور اہل ایمان پر غلط ہے۔ نااتفاقی وہ مذموم ہے کہ جو حق اور ہدایت کی مخالفت سے پیدا ہو۔ تمہاری ساری نحوست اور قحط کی مصیبت تمہارے اعمال کفریہ و شرکیہ کی وجہ سے ہے جو ایمان اور توبہ اور استغفار سے دور ہو سکتی ہے۔ ایمان اور ہدایت نحوست کا سبب نہیں بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو کہ دیکھیں کہ تم توحید کو اختیار کرتے ہو یا شرک کو۔ بیشک مصائب تقدیر الٰہی کے موافق جاری ہوتے ہیں لیکن ان سے مقصود بندوں کی آزمائش اور امتحان ہوتا ہے اور اس شہر میں کافر اور منکر تو بہت تھے لیکن کافروں کے سرغنہ اور سردار نو شخص تھے جو ملک میں فساد ڈالتے تھے اور ذرا بھی اصلاح نہیں کرتے تھے۔ اگر فساد کے ساتھ کچھ اصلاح بھی ملی ہوئی ہو تو کچھ امید کی جا سکتی ہے مگر یہ لوگ تو خالص مفسد تھے آپس میں کہنے لگے تم سب اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم ضرور بالضرور رات میں صالح پر اور اسکے متعلقین اور متوسلین پر چھاپہ ماریں گے اور سب کو قتل کر ڈالیں گے پھر جب مقتول کا ولی اور وارث ہم سے خون کا مطالبہ کرے گا تو ہم اس سے یہ کہہ دیں گے کہ ہم وہاں موجود ہی نہ تھے اور قسم کھا کر یہ کہدیں گے کہ ہم بالکل سچے ہیں اور ان مفسدوں نے اس طرح سے ایک مکر کیا یعنی صالح علیہ السلام کے قتل کرنے کی ایک خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی انکے مقابلہ میں ایک تدبیر کی اور وہ ایسی خفیہ تھی کہ وہ بالکل اس سے آگاہی نہیں رکھتے تھے۔ مکر کے معنی لغت میں تدبیر خفی کے ہیں انہوں نے حضرت صالح کے قتل کی تدبیر کی اور ہم نے اسکے برعکس انکے ہلاک کرنے کی تدبیر کی۔ پس دیکھ لو کہ ان کے مکر اور تدبیر کا کیا انجام نکلا اور انکی توقع کے بالکل خلاف نتیجہ نکلا کہ ہم نے انکو اور تمام قوم کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ یہ نو آدمی جو صالح علیہ السلام کی گھات میں بیٹھے تھے ان پر تو پہاڑ سے ایک پتھر آکر گرا جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے اور باقی قوم آسمانی عذاب سے یعنی فرشتہ کی چنگھاڑ سے ہلاک ہوئی۔

کما قال تعالٰی فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ پس دیکھ لو کہ یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے کفر اور شرک کی نحوست کی وجہ سے خالی پڑے ہیں۔ بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے جو ہماری قدرت کو کچھ جانتے ہیں اور ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ چار ہزار تھے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ

اور لوط کو جب کہا اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی؟ اور تم

تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ

دیکھتے ہو۔ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتیں

دُونِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ

چھوڑ کر۔ کوئی نہیں! تم لوگ بے سمجھ ہو۔ پھر اور جواب

جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ

نہ تھا اسکی قوم کا مگر یہی کہ بولے نکالو لوط کے گھر والوں کو

قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

اپنے شہر سے۔ یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو

اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

اور اسکے گھر کو، مگر اسکی عورت۔ ٹھہرا دیا تھا ہم نے اسکو رہ جانے والوں میں۔ اور برسایا ہم نے ان پر

مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ۧ

برساؤ۔ پھر کیا بُرا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا۔

قصہ پنجم حضرت لوط علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ .... الیٰ .... فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ

(ربط) حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی قوم بھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوئی اور ناگہانی عذاب ان پر نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہوگئے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جب باز نہ آئے تو ہلاک کردیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اسے نبی آپ لوگوں کے سامنے لوط علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیجئے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم اس بے حیائی کے کام کے وقت ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے ہو۔ یہ بے حیائی کی حد ہے کہ کھلم کھلا ایک دوسرے کے سامنے اغلام اور لواطت کرتے ہو اور ذرا شرماتے نہیں۔ کیا تم ازراہ شہوت عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ جو سراسر عقل اور فطرت کے خلاف ہے جس کی قباحت اور خباثت میں کوئی شبہ نہیں۔ بلکہ تم جاہل قوم ہو۔ تم کو لذت کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ عورت سے جماع کرتے وقت رحم منی کو جذب کرتا ہے جو باعث لذت ہوتا ہے اور لواطت میں یہ انجذاب

کیفیت نہیں ہوتی بلکہ محل نجاست ہونے کی وجہ سے موجب نفرت وکراہت ہے۔ پس کچھ نہیں تھا ان کی قوم کا جواب سوائے اس قول کے کہ نکال دو لوط کے کنبہ کو اس بستی سے یہ لوگ بہت پاک بنتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ محل نجاست میں قضاء حاجت کرنا طہارت اور نظافت کے خلاف ہے اور اپنے آپ کو پاکیزہ جانتے ہیں اور ہم کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ پس ہم نے بھی اس بستی کی تطہیر کا ارادہ کر لیا کہ لوط کو اور ان کے متعلقین کو اس بستی سے نکال لیا سوائے ان کی بیوی کے کہ جس کے لیے ہم نے مقدر کر دیا تھا کہ وہ ان باقی رہنے والوں میں سے ہے جو عذاب میں مبتلا ہوتے اور ہم نے اس قوم پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی یعنی ان پر پتھر برسائے پس بہت بری بارش ہوئی ان لوگوں پر جن کو نزول عذاب سے ڈرایا گیا۔ مگر انہوں نے اپنی جہالت اور بے عقلی کی وجہ سے نبی کے ڈرانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا۔

شروع سورت سے لیکر یہاں تک نبوت ورسالت اور دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات کی بحث تھی۔ اب آگے الوہیت اور وحدانیت کی بحث ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ دلائل توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ

تو کہہ، تعریف ہے اللہ کو، اور سلام ہے اسکے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا۔

آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۵۹

بھلا اللہ بہتر یا جنکو وہ شریک کرتے ہیں۔

خاتمۂ قصص بر حمد وشکر بر ہلاکت اعدار لئام وسلام بر

برگزیدگان خداوندا نام

قال اللہ تعالیٰ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انبیاء ومرسلین کے دشمنوں کی ہلاکت اور بربادی کے چند واقعات ذکر کیے اب یہ حکم دیتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خدا کا شکر کرو کہ کفار اور مشرکین ہلاک اور برباد ہوئے خدا کے نافرمانوں کی ہلاکت اور بربادی اور اہل حق کی فتح ونصرت حق جل شانہٗ کی ایک عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے اور سلام بھیجو خدا کے ان برگزیدہ بندوں

پر جن کو اللہ نے عزت دی اور دشمنوں کے مقابلہ میں انکو کامیاب فرمایا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان پر سلام بھیجا جائے اور چونکہ یہ لوگ کفر اور شرک کی بنا پر ہلاک ہوئے اس لیے آئندہ آیات میں انواع واقسام کے دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔ دیکھو صاوی ص۲۱۰ ج۳۔

اس سورت کے نصف اوّل میں انبیاء کرام کے قصے ذکر فرمائے اب اسکے بعد نصف دوم میں دعوت وتبلیغ کا طریقہ اور دلائل توحید اور مبداء اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی جب یہ واقعات آپ نے بیان کر دیئے اور انکو سنا دیئے تو کہئیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنی قدرت سے کافروں کا قصہ تمام کیا اور اللہ کے ان بندوں پر سلام ہو جنکو اس نے منتخب کیا یعنی انبیاء کرام پر اور اسکے اصحاب پر جنکی بدولت یہ گندگی اور نجاست دور ہوئی۔ ان واقعات میں غور کرکے بتلاؤ کہ کیا وہ خدا بہتر ہے جس کی قدرت کا یہ حال ہے یا وہ چیزیں بہتر ہیں جنکو تم الوہیت میں خدا کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی ظاہر ہے کہ قادر مطلق بلاشبہ عاجز مطلق سے بہتر ہے پس اس عقلی دلیل سے بھی یہی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے اب آئندہ آیات میں چند کمالات قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ مشرکین ان میں غور کرکے بتلائیں کہ اللہ بہتر ہے یا یہ بت بہتر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس سورت میں قوم ثمود اور قوم لوط کے ہلاکت کا ذکر کرکے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو اشقیاء کو ہلاک کرتا ہے اور انبیاء ومرسلین کی مدد کرتا ہے اور اے پیغمبر یہ بھی کہہ دیجئے کہ اللہ دونوں جہان کی سلامتی ان لوگوں کو دیتا ہے کہ جو اسکی بارگاہ میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں اور اس اصطفاء اور برگزیدگی کے مدارج اور مراتب ہیں۔ مرتبۂ اعلیٰ انبیاء ومرسلین کی برگزیدگی کا ہے بعد ازاں ان مسلمانوں کی برگزیدگی کا ہے جنہوں نے انبیاء ومرسلین کی مدد اور نصرت کرکے اعلاء کلمۃ اللہ کیا اور بالخصوص جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت کی اُس کا اولین مصداق مہاجرین اولین ہیں پھر انصار کرام اور مہاجرین اولین کے مقابلہ میں وہ اشقیاء کفار ہیں جو اطفاء کلمۃ اللہ میں ساعی اور کوشاں رہے۔

الغرض اصطفاء کے درجات ہیں اصطفاء کا اعلیٰ درجہ حضرات انبیاء کرام کے لیے ہے اور دوسرا درجہ صحابہ کرام کے لیے کما قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا الیٰ اٰخر الاٰیۃ اس لیے اس قسم کے تمام آیتوں کی تفسیر سلف صالحین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ کی ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور سفیان ثوریؒ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے کہ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مراد ہیں۔ ازالۃ الخفاء

الحمد للہ کہ انیسویں پارہ کی تفسیر سے اخیر ذی الحجۃ الحرام سنہ ۱۳۹۱ھ میں فراغت نصیب ہوئی

فللّٰہ الحمد اولا و آخرا

الحمد للہ پانچویں جلد مکمل ہوئی۔ چھٹی جلد بیسویں پارے سے شروع ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن، بنام مکتبۃ المعارف شہداد پور

قرآن پاک معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب جو کہ دارالعلوم الحسینیہ (حسینیہ)
شہداد پور والے حضرات نے خود دوبارہ لکھوایا ہے اور چھاپا ہے۔
ہماری طرف سے اجازت ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو
چھپوائیں اور فروخت کریں

27/1/99

ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

تصدیق نامہ

مکتبۃ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور کی مطبوعہ تفسیر معارف القرآن جلد پنجم مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پارہ ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - ۱۹ کا متن قرآن کریم بغور پڑھا۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم میں کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

عبدالمنان شہدادپور

۲۱ محرم ۱۴۲۱ھ